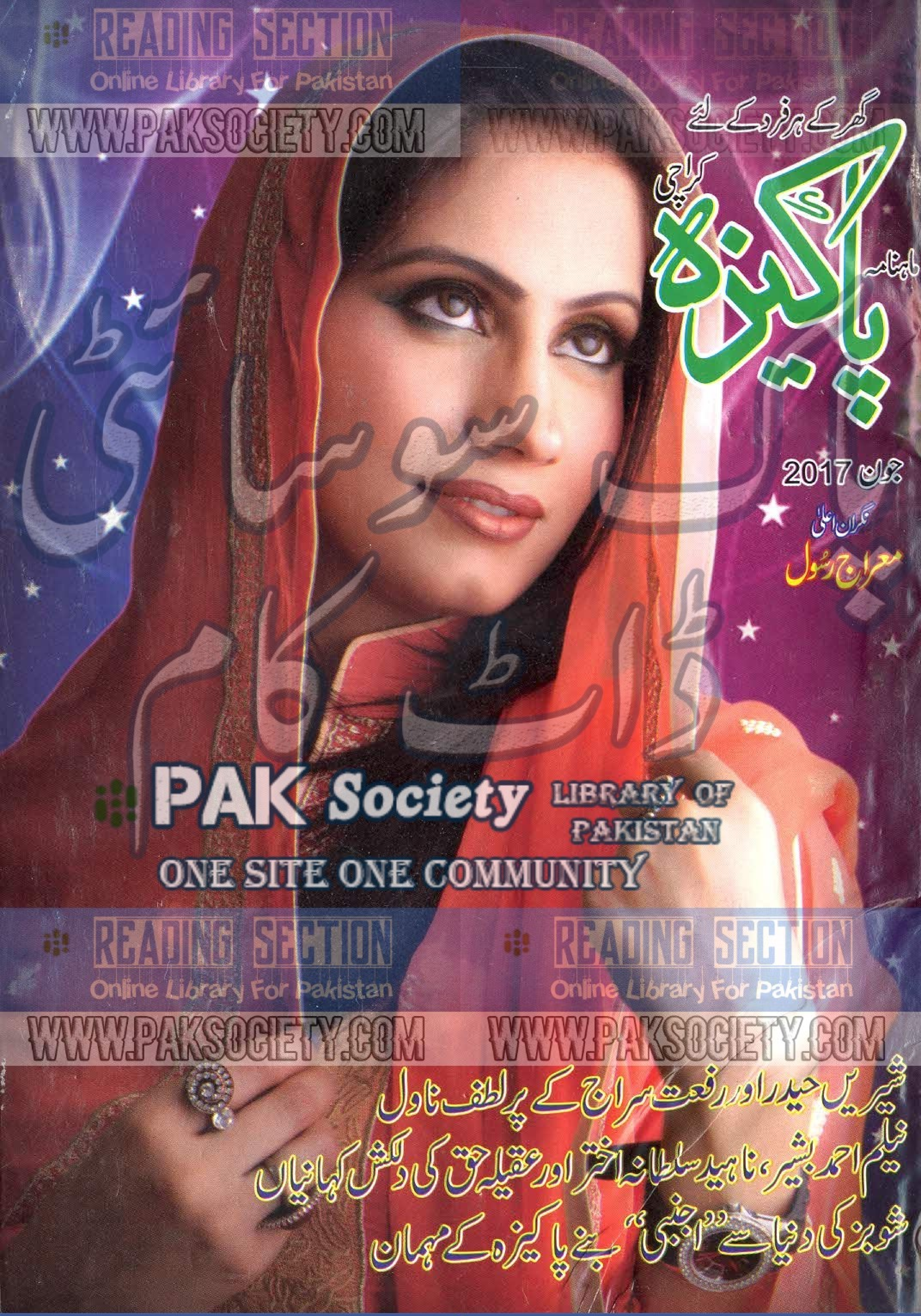

گھر کے ہر فرد کے لئے
ماہنامہ
پاکیزہ
کراچی
جون 2017
نگرانِ اعلیٰ
معراج رسول
شیریں حیدر اور رفعت سراج کے پرلطف ناول
نیلم احمد بشیر، ناہید سلطانہ اختر اور عقیلہ حق کی دلکش کہانیاں
شوبز کی دنیا سے "اجنبی" بنے پاکیزہ کے مہمان



ماڈل: نور خان

فوٹو گرافی: شوکت، لاہور

ماہنامہ
پاکیزہ
کراچی

نگرانِ اعلیٰ : معراج رسول

مدیرۂ اعلیٰ : عذرا رسول

مدیرہ : نزہت اصغر

معاون : آمنہ حماد

اشتہارات : محمد شہزاد خان

MEMBER APNS CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

رابطہ : شعبہ اشتہارات

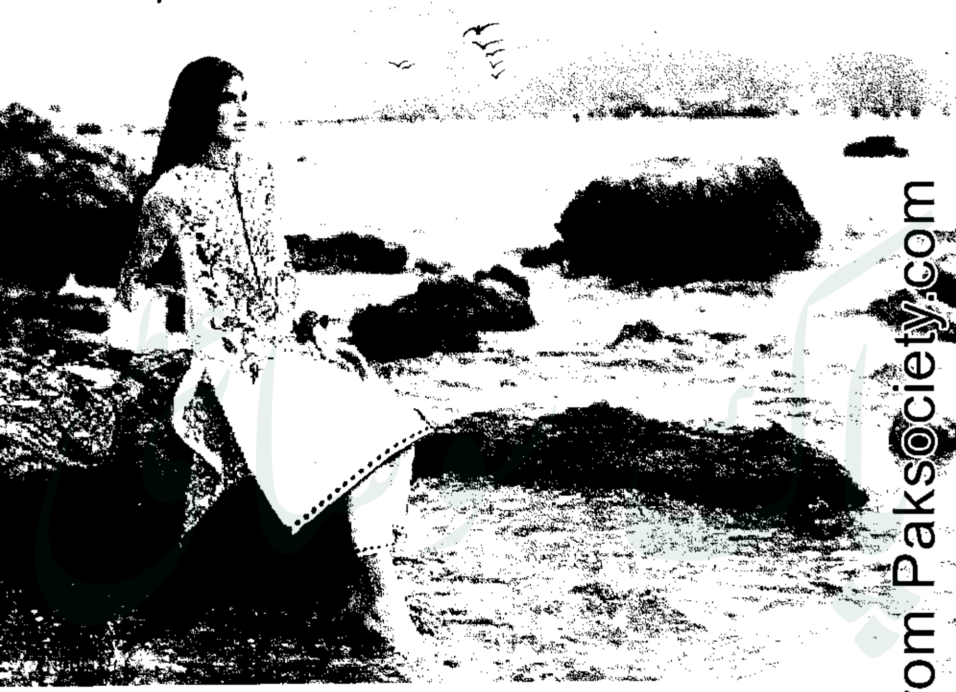
محمد شہزاد خان 0333-2256789

قیمت فی پرچا (پاکستان) 60 روپے

قیمت فی پرچا (سعودی عرب) 12 ریال یا مساوی متحدہ عرب امارات

پبلشر و پروپرائٹر: ذیشان رسول • مقامِ اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکس ٹینشن ڈیفنس، مین کورنگی روڈ کراچی 75500

پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی



مستقل عنوانات

Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.
Postal Address: Box No. 662, G.P.O. , Karachi-74200
Phone: (021)35895313, Fax: 35802551, E-mail address: jdpgroup@hotmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجھے کچھ کہنا ہے......!

عزیز قارئین! ماہِ رمضان المبارک کی بابرکت ساعتیں مبارک ہوں۔

خوشا نصیب کہ پروردگار عالم نے ہمیں اتنی زندگی عطا کی کہ ایک مرتبہ پھر ہم اس ماہِ مقدس کے فیوض و برکات سے فیض یاب ہورہے ہیں۔ یہ مہلت ہی تو ہے کہ ہم حیات ابدی کے لیے مزید زادِراہ اکٹھا کر پائیں......

اس بات کی مزید وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ اس عارضی دنیا کی آسائشات اور آرام و سکون پانے کے لیے انسان اپنا سرمایہ اور محنت وہاں لگانا چاہتا ہے کہ جہاں سے اسے بھرپور فائدہ حاصل ہو تو کیوں نہ ہم اپنے رب کی دی ہوئی توانائیاں اور توفیق ان پُرنور ساعتوں کی عبادات اور اعمال میں لگائیں کہ جن کا اجر ہمیں اس دنیا کے ساتھ آخرت میں بھی ملے گا۔

''بے شک دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔'' رمضان شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی مغفرت کا مہینہ ہے، جس کا پہلا عشرہ رحمت، دوسرا مغفرت اور تیسرا نجات ہے۔

جس طرح خاص طور پر اس ماہ گناہوں سے دوری اور عباوات سے قربت اختیار کی جاتی ہے...... چاہے وہ ادائیگیٔ حقوق العباد ہوں یا حقوق اللہ...... تو تمام سال یہی ریاضت، یہی کوشش جاری کیوں نہیں رکھی جاسکتی...... اس کا آسان مگر قدرے تلخ جواب یہ ہے کہ ہم یہ اوصاف دوسروں میں بصد شوق دیکھنا چاہتے ہیں، اور اپنے کو ہر لحاظ سے کامل اور خامیوں سے مبّرا گردانتے ہیں۔

ہمیں بصد خلوصِ نیت اس ماہ کی برکتوں اور رحمتوں سے مکمل طور پر سیراب ہونے کی عملی تدبیر کرنی ہے کیونکہ اپنے رب کی رضا حاصل کرنے اور گناہوں سے نجات پانے کے لیے اس ماہ سے بڑھ کر کوئی موقع نہیں کہ جب ربُّ العالمین اپنے بندے کی ضیافت خود کرتا ہے...... جو ایک طرف مغفرت کی صورت ہوتی ہے اور دوسری طرف رزق و روزی میں برکت اور وسعت کی صورت جبھی ہر مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی استعانت اور حاجت روائی میں پیش، پیش ہوتا ہے۔

سو ضیافتِ پروردگار کے آداب ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے ہمیں حقیقی روزہ دار بننے کی سعیِ خالص کرنا ہے۔

مدیرہ

نزہت اصغر

دین کی باتیں

کہہ دو کہ آؤ میں پڑھ کر سناؤں کہ تمہارے پروردگار نے تم پر کیا کچھ حرام کیا ہے، یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ کرو، اور والدین کے ساتھ نیکی کرو......اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی۔ اور بے حیاؤں کے پاس بھی نہ جاؤ۔ خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔ اور کسی نفس کو جس کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے تم قتل نہ کرو، سوائے اس کے جب حق کے ساتھ ہو۔ اس نے تمہیں ان باتوں کی وصیت کی ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔ (۱۵۱) اور تم یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ۔ مگر ایسے طریق سے (کہ) جو بہترین ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔ اور تم ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو۔ ہم کسی نفس کو اس کی وسعت کے سوا تکلیف نہیں دیتے۔ اور جب تم بات کہو تو انصاف کرو، گو وہ تمہارا قرابت والا ہو، اور تم اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو۔ انہی باتوں کی اس (اللہ تعالیٰ) نے تمہیں وصیت کی ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اور یقیناً یہی میرا راستہ سیدھا ہے، پس اسی کی پیروی کرو، اور تم مختلف راستوں کی پیروی مت کرو، کہ وہ تمہیں اس کے راستہ سے ہٹا دیں گے۔ اس (اللہ تعالیٰ) نے تمہیں ان باتوں کی وصیت کی ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ (۱۵۳) پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو اس پر (نعمت کو) پورا کرنے والی تھی جو نیکی کرے...... اور ہر شے کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت تھی۔ تاکہ وہ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں۔ (۱۵۴) اور یہ کتاب جو ہم نے اتاری ہے برکت والی ہے، پس اسی کی پیروی کرو اور ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (۱۵۵) (کہیں ایسا نہ ہو) کہ تم یہ کہہ دو کہ ماسوا اس کے نہیں ہے کہ ہم سے پہلے دو گروہوں پر کتاب نازل کی گئی تھی۔ اور یہ کہ ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے یقیناً بے خبر تھے۔ (۱۵۶) یا تم یہ کہو کہ اگر ہم پر کتاب نازل کی جاتی، تو ہم یقیناً اس سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ پس تحقیق تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل اور ہدایت اور رحمت آ گئی ہوئی ہے۔ تو اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلائے، اور ان سے منہ موڑے۔ عنقریب ہم ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں سے منہ موڑتے ہیں بڑے عذاب کی سزا دیں گے۔ بہ سبب اس کے کہ وہ منہ موڑا کرتے تھے۔ (۱۵۷) کیا وہ اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں۔ یا تمہارا پروردگار (ہی) آ جائے، یا تمہارے پروردگار کی کچھ نشانیاں آئیں۔ جس دن تمہارے پروردگار کی بعض نشانیاں آ جائیں گی، تو کسی نفس کو جو پہلے ایمان نہ لا چکا ہوگا، یا جس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کمائی ہوگی، اس کا ایمان فائدہ نہ دے گا۔ کہہ دو کہ تم انتظار کرو، ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں۔ (۱۵۸) یقیناً وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ گروہ گروہ بن گئے۔ تمہارا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ ماسوا اس کے نہیں ہے کہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد ہے پھر وہ انہیں بتائے گا، جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ (۱۵۹)

(سورۃ انعام ۶، پارہ ۸۔ آیات ۱۵۱ تا ۱۵۹)



دین کی باتیں

آنحضرت ﷺ کے اسمائے گرامی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الْھَادِیْ الْاِنْسِ وَالْجَآنِ ط

افضل الانبیا، ختمی مرتبت، سید المرسلین حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفاتی اسمائے مبارکہ میں سے ایک نام سیدنا ھاد بھی ہے جس کا مفہوم رہنما، ہادی اور ہدایت عطا کرنے والے کے ہیں۔

1: القرآن: ترجمہ اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم تو ان کو سیدھے راستے کی طرف بلاتے ہو۔ (آیت ۷۳، سورۂ مومنون)

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم تو صرف خبردار کرنے والے ہو اور ہر ایک قوم کے لیے ایک رہنما ہوا کرتا ہے (آیت ۷ سورۂ رعد)

2: الحدیث حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں تم لوگوں کے لیے مثل ایک باپ کے ہوں۔ اپنی اولاد کے لیے یعنی جس طرح اولاد کی خیر خواہی اور ان کو زندگی کے اصول و آداب سکھانا ہر باپ کی ذمے داری ہے اسی طرح تمہاری تربیت بھی میرا کام ہے۔

3: الرائے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت عام طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گلیوں اور بازاروں میں سے گزرتے تھے تو بچے دروازوں سے نکل کر دوڑتے ہوئے آتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھٹنوں اور ہاتھوں سے چمٹ جاتے تھے۔ جب کبھی آپ دونوں صفات ایک ہی شخص کی ذات میں مجتمع دیکھیں۔ یعنی بچوں کی محبت اور ایسا چال چلن جس کی وجہ سے اس کے گرد و پیش کے لوگ اسے صادق و امین کے نام سے پکاریں تو پھر آپ اس میں ایک ہیرو کے، ایک پیدائشی لیڈر کے، بنی نوع انسان کے ایک ہادی کے عناصر موجود پائیں گے۔ مجھے یہ کہنے میں ذرا تامل نہیں کہ میرے دل میں پیغمبرِ اسلام کے لیے نہایت عزت ہے۔ میری رائے میں ہادیانِ دین و رہبرانِ بنی نوع انسان میں ان کا درجہ بہت بلند ہے۔

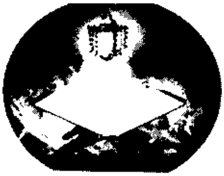
(مشہور مورخ لالہ چیت رائے)

4: الفضائل: ہر نماز کے بعد 21 مرتبہ اس اسم پاک کو پڑھ کر دعا مانگنے والے کو اللہ صراطِ مستقیم پر گامزن کرے گا۔ ایمان کی سلامتی اور دین کی سمجھ اسے نصیب ہوگی۔ برائیوں سے نفرت اور نیکی کی طرف رغبت ہوگی۔

اگر کوئی جنگل یا بیابان میں کسی مقام پر راستہ بھول گیا ہو اور کوئی راستہ دکھانے والا نہ ہو تو 20 مرتبہ یہ اسم پاک ھاد پڑھے تو صحیح راستہ مل جائے گا اور پریشانی رفع ہوگی۔



قیصرہ حیات کی کتاب انوار اسما النبی ﷺ سے اقتباس



اللہ اور اس کا نور



باب پنجم

قرآن پاک سے عشق کی پرنور داستان ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کے قلم سے

جہنم کا ایندھن

☆سورۂ ملک (67) میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ”وہ خدا جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے بڑی برکت والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے کام کرتا ہے اور وہ زبردست (اور) بخشنے والا ہے۔ اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار سے انکار کیا ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں واضح طور پر بتا دیا کہ کون سا عمل اچھا اور کون سا برا ہے۔ کون سی راہ سیدھی ہے اور کون سی گمراہ کن۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی آیتیں کھول کر بیان کر دیں۔ پھر بھی انسان گمراہی کا راستہ اختیار کرتا ہے اور صراطِ مستقیم سے بھٹک جاتا ہے۔ وہ شیطان کے چنگل میں پھنس کر اپنی عاقبت خراب کرتا ہے اور اپنا ٹھکانا جہنم کو بنا لیتا ہے۔

☆”اگر تم کو اس کتاب میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل فرمائی ہے کچھ شک ہو تو اسی طرح کی ایک اور سورۂ بھی بنا لاؤ اور خدا کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں، ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔“

”لیکن اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہیں کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے اور جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔“ سورۂ بقرہ 2 (آیات 23، 24)

☆”دوزخ کو جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا۔“

”سو اب (آگ کے) مزے چکھو اس لیے کہ تم نے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا (آج) ہم بھی تمہیں بھلا دیں گے اور جو کام تم کرتے تھے ان کی سزا

میں ہمیشہ کے عذاب کے مزے چکھتے رہو......" سورۂ سجدہ 32 (آیات 13، 14)
☆"(اُس دن کافرو!) تم اور جس کی تم خدا کے سوا عبادت کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہوں گے اور تم سب اس میں داخل ہو کر رہو گے۔" سورۂ انبیا 21 (آیت 98)
☆"اور انہوں نے خدا کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں کہ شاید (ان سے) ان کو مدد پہنچے......"
"مگر وہ ان کی مدد کی طاقت ہرگز نہیں رکھتے اور وہ ان کی فوج ہو کر حاضر کیے جائیں گے۔" سورۂ یٰسین 36 (آیات 74، 75)
یعنی قیامت کے دن جہاں یہ بت پرست خدا کے سامنے حاضر کیے جائیں گے وہاں یہ بت بھی جو بت پرستوں کا لشکر ہو گا، جواب دینے کے لیے حاضر کیا جائے گا۔ (مولانا فتح محمد جالندھری)
جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ دوزخ کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں تو یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ کون سے پتھر ہیں جو دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ قرآنی آیات سے پتا چلتا ہے کہ تمام بت پرست اور پھر اُن کے بنائے ہوئے پتھر کے بت جن کی وہ پوجا کرتے تھے، سب کے سب دوزخ میں پھونک دیے جائیں گے۔
☆"(کہا جائے گا کہ ہاں) فیصلے کا دن جس کو تم جھوٹ سمجھتے تھے یہی ہے۔"
"جو لوگ ظلم کرتے تھے اور ان کے ہم جنسوں کو اور جن کو وہ پوجا کرتے تھے (سب کو) جمع کر لو......"
"(یعنی جن کو) خدا کے سوا (پوجا کرتے تھے) پھر ان کو جہنم کے راستہ پر چلا دو......" سورۂ صٰفٰت 37 (آیات 21 تا 23)
☆"مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آتشِ جہنم سے بچاؤ، جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جن پر تند خو اور سخت مزاج فرشتے (مقرر) ہیں جو ارشاد، خدا ان کو فرماتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجا لاتے ہیں۔" سورۂ تحریم 66 (آیت 6)

☆"اور یہ کہ ہم میں بعض فرمانبردار ہیں اور بعض (نافرمان) گنہگار ہیں تو جو فرمانبردار ہوئے وہ سیدھے راستے پر چلے۔"
"اور جو گنہگار ہوئے وہ دوزخ کا ایندھن بنے۔" سورۂ جن 72 (آیات 14، 15)
☆"ہم عنقریب اسی کو سقر میں داخل کریں گے۔"
"اور تم کیا سمجھے کہ سقر کیا ہے؟"
"(وہ آگ ہے کہ) نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی۔"
"اور بدن کو جھلس کر سیاہ کر دے گی۔"
"اس پر 19 داروغہ ہیں۔"
"اور ہم نے دوزخ کے (داروغہ) فرشتے بنائے ہیں اور ان کا شمار کافروں کی آزمائش کے لیے مقرر کیا ہے۔" سورۂ مدثر 74 (آیات 26 تا 31)
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب مسلمانوں کو سیدھے راستے پر چلائے۔ وہ راستہ جو دراصل نور کا راستہ ہے اور جو سیدھا اللہ تعالیٰ کی طرف جا رہا ہے۔ جہاں پر مومنوں کو فرشتے سلام پیش کریں گے اور ان کا نور ان کے ساتھ ہو گا اور وہ باغات میں رہیں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کو وہاں کوئی خوف ہو گا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے...... برخلاف اس کے جن لوگوں نے دوسرا راستہ چن لیا یعنی گمراہی کا راستہ...... وہاں تو اندھیرا ہے، رسوائی ہے، شیطان ہے اور اس کا انجام یقیناً دوزخ ہی ہے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔
اللہ تعالیٰ ہمیں نور کے راستے پر چلائے، ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارا ٹھکانا جنت الفردوس میں ہو۔ (الٰہی آمین)

☆☆☆

جہنم کی زندگی قرآن حکیم کی روشنی میں

جہنم کی زندگی کیا ہے؟ جہنم میں کیا کچھ ہو گا؟

لوگ کس قسم کی زندگی گزاریں گے؟ کتنا عذاب سہیں گے؟ ان سب باتوں کا جواب ہمیں قرآنی آیات سے مل جاتا ہے۔

جو لوگ خدا پر ایمان لائے، انہوں نے نیک عمل کیے اور آخرت پر یقین رکھا، ان کے واسطے اللہ تعالیٰ نے جنت تیار کی اور ایک خوب صورت زندگی کا وعدہ کیا..... مگر وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا، خدا کی آیات کا مذاق اڑایا اور آخرت پر یقین نہ کیا، ان کے لیے دردناک عذاب کی وعید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جہنم بنائی، جس میں وہ سدا جلتے رہیں گے۔

آخرت پر یقین رکھنا اپنے اندر وسیع معنی رکھتا ہے۔ جو شخص واقعی اس بات پر دل سے یقین رکھے کہ مرنے کے بعد ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا اور پھر اپنے ہر اچھے اور برے عمل کا جواب دہ ہونا پڑے گا اور جو کچھ برائیاں، ہم نے دنیا میں کیں، ان کی سزا بھگتنی پڑے گی تو پھر کوئی شخص گناہ کے قریب جانے کی جرات نہیں کرے گا۔ نہ کوئی جھوٹ بولے گا، نہ کسی کا حق مارے گا، نہ چوری کرے گا اور نہ کوئی اور دوسرا گناہ..... مگر منہ سے کہہ دینے اور دل سے یقین کرنے میں بڑا فرق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، ایک دوسرے کا حق مار رہے ہیں تو جس شخص نے آخرت پر یقین نہ رکھا اس کے لیے جلتی ہوئی آگ تیار کی گئی ہے۔

جن لوگوں کے نیک اعمال زیادہ ہیں، ان کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں ملے گا اور جن کے گناہ زیادہ ہیں یعنی جو جہنمی ہیں، ان کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں ملے گا۔

☆ اللہ تعالیٰ سورۂ حاقہ (69) میں فرماتا ہے۔

''اور جس کو اس کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا گیا تو وہ کہے گا، کاش! مجھ کو میرا اعمال نامہ دیا ہی نہ جاتا اور مجھے خبر ہی نہیں ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے، اے کاش (میری) موت (ہمیشہ کے لیے) مجھے ختم کر گئی ہوتی۔ (افسوس) میرا مال بھی میرے کچھ کام نہ آیا۔ مجھ سے میری حکومت بھی جاتی رہی..... (حکم ہوگا) اس کو پکڑ لو پھر زنجیر میں جکڑ دو پھر دوزخ (کی آگ) میں اسے جھونک دو۔ تو پھر (اس دوزخ میں بھی) ایک زنجیر سے جس کا طول ستر گز ہے، اس کو جکڑ دو کیونکہ وہ خدا بزرگ و برتر پر ایمان نہیں رکھتا اور نہ محتاجوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔ پس آج اس کا یہاں کوئی ہمدرد نہیں اور اس کے لیے کوئی غذا بجز زخموں کے دھوون کے نہیں جس کو سوائے گنہگاروں کے کوئی نہ کھائے گا۔'' (آیات 25 تا 37)

☆ ''اور جس (بدنصیب) کو اس کا نامۂ اعمال پشت کے پیچھے سے دیا جائے گا تو وہ موت کو پکارے گا۔ (اور موت اب نہ آئے گی) اور (انجام کار) وہ دوزخ میں پڑے گا۔ (یہ اس کا نتیجہ ہے کہ) وہ اپنے گھر میں (آخرت سے بے خبر) خوش و خرم رہا کرتا تھا۔ اس نے سمجھ رکھا تھا کہ اس کو (اللہ کے سامنے) واپس نہیں جانا ہے۔ کیوں نہیں (ضرور جانا ہے) بے شک اس کا رب اس کو دیکھ رہا تھا۔'' سورۂ انشقاق 84 (آیات 10 تا 15)

☆ ''اور سرک رہے گا۔ اس سے بڑا بدبخت وہ جو پہنچے گا بڑی آگ میں۔ پھر نہ مرے گا اس میں نہ جیے گا۔'' سورۂ اعلیٰ 87 (آیات 11 تا 13)

ایک اور سورۂ میں ارشاد رب العزت ہوتا ہے۔

☆ ''اور کتنے منہ اس دن ان پر گرد پڑی ہے چڑھی آتی ہے ان پر سیاہی، وہ لوگ وہی ہیں جو منکر ہیں، ڈھیٹ۔'' (آیات 40 تا 42)

☆ ''بے شک دوزخ (سرکشوں کی) تاک میں ہے (انہی کی منتظر ہے) (اور وہی) سرکشوں کا ٹھکانا ہے۔ جہاں وہ مدتوں پڑے رہیں گے۔ نہ وہاں (کسی قسم کی) خنکی کا مزہ اٹھا سکیں گے اور نہ پینے کی چیز کا۔ سوائے گرم پانی اور (بدبودار) پیپ کے (جو دوزخیوں کے زخموں سے ان کو ملے گا) (یہ ان کے اعمال کے موافق بدلہ ہے۔'' سورۂ نباء 78 (آیات 21 تا 26)

☆ ''بلاشبہ ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں

طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔'' سورۂ دہر 76 (آیت 4)

☆ ''عنقریب میں اس کو آگ میں جھونکوں گا اور آپ کیا سمجھیں کہ دوزخ کیا ہے؟ (ہاں آگ ہے لیکن وہ آگ) جو نہ باقی رہنے دے گی اور نہ چھوڑے گی۔ (جلائے گی اور پھر اصلی حالت میں لائے گی) اور پھر جلائے گی اور یہ سلسلہ لامتناہی ہوگا۔ نہ عذاب میں کمی ہوگی، نہ موت آئے گی۔'' سورۂ مدثر 74 (آیات 26 تا 28)

اسی سورہ میں آگے فرمایا کہ ''یہ آتشِ دوزخ ...... آدمیوں کو جھلسا دے گی۔ اس (دوزخ) پر انیس (کارکن فرشتے مقرر) ہیں۔ اور ہم نے دوزخ کا محافظ فرشتوں ہی کو مقرر کیا ہے۔ یہ گنتی ہم نے کافروں کی آزمائش کے لیے رکھی ہے تاکہ اہلِ کتاب یقین کریں۔'' (ان کی کتب میں بھی یہ تعداد 19 ہی بتائی گئی ہے) (سورۂ مدثر 74 آیات 29 تا 31)

اسی سورۂ مدثر میں مزید بیان جاری ہے......

''ہر شخص اپنے اعمال کے وبال میں مبتلا ہے سوائے اصحاب یمین کے (جو عرشِ الٰہی کے دائیں جانب ہوں گے) (وہ) باغوں میں (ہوں گے اور) آپس میں پوچھتے ہوں گے مجرموں کے متعلق۔ تم کو کس بات نے دوزخ میں پہنچایا؟

وہ کہیں گے ہم نماز نہ پڑھتے تھے اور ہم محتاجوں کو کھانا نہ کھلاتے تھے اور ہم اہلِ باطل کے ساتھ مل کر انکارِ حق کیا کرتے تھے اور ہم قیامت کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم پر وہ (موت) جس کا آنا یقینی تھا، آ پہنچی۔ اب کسی سفارش کرنے والے کی کوئی سفارش ان کے کام نہ آئے گی۔'' سورۂ مدثر (آیات 38 تا 48)

☆ سورۂ مزمل (73) میں جھٹلانے والوں کے لیے ارشاد رب العزت ہوتا ہے۔

''بلاشبہ (ان کے لیے) ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور دوزخ ہے اور گلے میں پھنسنے والی غذا ہے اور دردناک عذاب ہے۔'' (آیات 12، 13)

☆ ''اور جو لوگ اپنے پروردگار کے منکر ہیں، ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے اور (دوزخ) بڑی بری جگہ ہے۔ جب وہ اس میں جھونکے جائیں گے تو اس کا دھاڑنا (اس کا شور) سنیں گے اور جو جوش مار رہی ہوگی، (ایسا معلوم ہوگا) غضب سے پھٹ پڑے گی۔'' سورۂ ملک، 67 (آیات 6 تا 8)

سورۂ واقعہ (56) میں تین قسم کے لوگوں کا بیان ہے۔ ایک داہنے ہاتھ والے مومن جن کا نامۂ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں ہوگا جو عرش کے داہنے جانب ہوں گے۔ یہ خوش بخت اور خوش نصیب ہوں گے۔ دوسرے بائیں ہاتھ والے جو عرشِ عظیم کے بائیں جانب ہوں گے۔ جن کے اعمال نامے بھی ان کے بائیں ہاتھ میں ہوں گے نحوست اور بدبختی کا مرقع...... اور تیسرے سبقت لے جانے والے جو ہر اچھے کام میں سبقت لے گئے اور جن کی زندگی مثالی ہوگی۔

اسی سورۂ واقعہ (56) میں تو اصحاب شمال کا بیان اس طرح ہوتا ہے۔

''اور بائیں ہاتھ والے کیسے برے برے حال میں ہوں گے۔ یہ بائیں جانب والے گرم ہوا اور کھولتے ہوئے پانی میں سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے۔ نہ اس میں ٹھنڈک ہوگی اور نہ وہ فرحت بخش ہوگا۔ بے شک وہ اہلِ دوزخ اس سے پہلے بڑے خوش حال لوگ تھے اور وہ گناہ عظیم پر مُصر رہتے تھے۔'' (آیات 41 تا 46)

اسی سورۂ واقعہ میں آگے بیان ہوتا ہے......

''پھر اسے جھٹلانے والے گمراہو! تم کو یقیناً تھوہر کے درخت سے کھانا ہوگا پھر اسی سے پیٹ بھرنا ہوگا...... پھر اس پر گرم پانی پینا ہوگا۔ پھر تم (اسے) ایسے پیو گے جیسے پیاس کا مارا ہوا اونٹ...... یہ ہوگی قیامت کے دن ان کی مہمانی (اسی کے وہ مستحق تھے)'' (آیات 51 تا 56)

(جاری ہے)

......یہ کہاں بچیں کہ دل ہے

رفعت سراج

بنی اسرائیل کا سونے کا بچھڑا آج ڈالر، پونڈ، یورو، درہم و دینار کی شکل اختیار کر چکا ہے۔
دل جذبات کا استعارہ ہے مگر اب وہ دل کہاں . . .
سونے کے بچھڑے میں دل بھی سونے کا ہے . . .
دل کو رویا جاتا ہے، جگر کو پیٹا جاتا ہے . . .
کبھی ناقدروں کے حوالے کر دیا جاتا ہے، یاریاں ٹوٹ جاتی ہیں۔
الزام تراشیوں کا ایک طوفان بد تمیزی برپا ہو جاتا ہے۔
دل سے دل کو راہ بھی ہوتی ہے . . .
آج کا انسان یہ راہ سٹیلائٹ کے ذریعے search کرنے کی کوشش کرتا ہے۔
دل اور سونے کا بچھڑا . . .
عبادات، معاملات . . .
جنتِ گم گشتہ کے بے دخل باسیوں کی ازلی کہانی . . .

رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا
غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غمِ عشق گر نہ ہوتا، غمِ روزگار ہوتا
ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

قسط 11

''تم نہیں بچ سکے...... آخر کار گرفتار ہو گئے...... میں نے اپنے بچے کو خاندان کی اکلوتی نشانی کو سوزِ عشق سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کی...... جس آگ میں، میں جل کر راکھ ہو گئی...... اس آگ سے بچانے کی کوشش کی...... مگر یہ کیا ہو گیا؟'' لیڈی صوفیہ انتہائی روحانی اذیت میں مبتلا ہو رہی تھیں۔ اعصابی کمزوری کے باعث تواتر سے آنسو بھی گرنے لگے تھے جو پرنس کو بہت تکلیف دے رہے تھے...... مگر وہ اس وقت دو طاقتور جذبات کی گرفت میں تھا۔

ایک جذبہ جو سفینہ کے سارے رنگ اس کے دل میں اتارتا رہتا تھا۔ دوسرا...... خون کا وہ رشتہ جو تمام فطری رشتوں کا مجموعہ تھا......

''محبت ملن کے دلنشیں خواب تو دکھاتی ہے...... مگر محبت اندیشوں سے آزاد کبھی نہیں ہوتی۔ کبھی نہ ملنے کا اندیشہ، کبھی پا کر کھو دینے کا اندیشہ، کبھی بدگمانیوں کا اندیشہ...... یوں جیسے محبت کو حادثوں کا انتظار رہتا ہے......'' لیڈی صوفیہ روتے ہوئے خود کلامی کر رہی تھیں۔



پرنس زندگی کے عجیب وغریب موڑ پر آ کھڑا ہوا تھا..... دل کی اس بے اختیاری کا تجربہ پہلی بار ہوا تھا۔
وہ سفینہ سے ملنے سے پہلے تک بے شمار لڑکیوں سے ملا تھا..... جن میں ہم وطن بھی تھیں اور غیر ملکی بھی......
حسنِ لطیف کو سیراب کرنے والے بے شمار وجود..... مگر وہ سب سے بخیر وخوبی گزر آیا تھا..... دل کہیں اٹکا، نہ رکا..... یا شاید وہ ان سب حسیناؤں کی بے اختیاریوں سے لطف اندوز ہوتا آگے بڑھتا رہا..... اس نے بہت محتاط زندگی گزاری۔ وہ روحانی طور پر اپنے باطنی سکون سے لطف اندوز ہونے کا عادی ہو چکا تھا۔ آج کے دور کی اہم ضرورت یعنی موبائل فون رکھنا تو درکنار وہ تو لینڈ لائن نمبر پر آنے والی کال تک براہِ راست اٹینڈ نہیں کرتا تھا اگر اس کا پی اے آؤٹ آف اسٹیشن ہوتا تو لینڈ لائن فون کی گھنٹی اس کے لیے پرندوں کی آواز سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ اس سے روابط میں رہنے والوں کو بہت اچھی طرح علم تھا کہ وہ کسی صورت بھی فون خود ریسیو نہیں کرے گا..... جس وقت وہ ذاتی مصروفیات کے باعث فون پر بات نہیں کرسکتا تھا اس وقت اس کا پی اے آنے والی کالز کا ریکارڈ رکھتا اور پرنس فرصت پا کر ریکارڈ چیک کر کے اسے نوٹ کراتا کہ اسے کس، کس کو کال بیک کرنا ہے۔
اعصاب پر بوجھ ڈالنے والا کوئی بھی عمل وہ ہرگز انجام نہیں دیتا تھا..... اپنی زندگی کی پہلی اعصابی جنگ کا تجربہ اسے کل رات ہوا تھا جب اس نے لمحہ، لمحہ گن کر سفینہ کا انتظار کیا تھا۔
''ہم حادثات سے نہیں بچ سکتے.....'' لیڈی صوفیہ نے ایک آہِ سرد سینے سے آزاد کی اور ٹیبل پر رکھی دستی پیتل کی گھنٹی اٹھا کر زور، زور سے ہلائی۔
ان کی ذاتی خادمہ دوڑتی ہوئی حاضر ہوگئی تھی۔
''میں ایک مشورہ دینا ضرور سمجھتی ہوں۔'' لیڈی صوفیہ نے چھڑی کے سہارے کھڑے ہوتے ہوئے بڑی سرد مہر نظروں سے پرنس کی طرف دیکھا۔
''تم بہت سکون سے اپنا جائزہ لو..... روحانی محبت اور وقتی تاثر میں بہت فرق ہے..... زمین، آسمان کا..... لڑکی خوب صورت اور کم گو ہو تو ہر تیسرا شخص اسے پسند کرتا ہے۔'' لیڈی صوفیہ کی آواز اعصابی کمزوری کے باعث کپکپا رہی تھی۔
پرنس یوں خاموش بیٹھا تھا گویا اعتراف جرم کے بعد مجرم کے پاس کہنے کو کچھ نہ بچا ہو۔
لیڈی صوفیہ خادمہ کے ساتھ اندر کی طرف جا رہی تھیں..... پرنس ذہنی طور پر مغرب کی نماز کی تیاری کر رہا تھا۔
آج کل تو نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا تو لگتا پھیلے ہوئے ہاتھوں میں سفینہ کا چہرہ کسی پھول کی طرح سجا ہوا ہو۔
''خدا کرے گرینڈ مام صبح تک یہ ساری باتیں بھول چکی ہوں۔'' وہ دادی کی بے قراری کو محسوس کرتے ہوئے دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا۔

☆☆☆

تیر خطا گیا تھا..... وار او چھا پڑا تھا۔
اتنی محنت کی..... کچھ بھی نہ ہوا..... ساحل شدید مایوسی کی کیفیت میں گھر آیا تھا..... یوں جیسے راستے میں لٹا ہوا مسافر..... ہر شے سے ویرانی ٹپکتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ گھر جو اسے عارضی ٹھکانے کے طور پر قابلِ قبول لگتا تھا اب اپنا مقدر محسوس ہو رہا تھا۔
وہی شام وسحر کی کشاکش..... وہی تنخواہ میں چالیس دن کا جوڑ توڑ..... وہی من پسند شے حاصل کرنے سے پہلے پہروں کی سوچ..... بہترین ذہانت، وجاہت، کارکردگی، محنت..... سب صفر..... وہ کسی نگاہ کی طلب..... کسی دل کی آرزو نہیں تھا..... اعلیٰ درجے کی خوش فہمی شدید مایوسی میں ڈھل رہی تھی۔



شایداس نے کچھ زیادہ ہی عجلت سے کام لیا...... ہاتھ تو کچھ نہ آیا بس ذلیل ہو کر رہ گیا تھا...... منہ کی کھا کر منہ سر لپیٹ کر کسی کونے میں لیٹ جانے کو جی چاہ رہا تھا۔

ٹھنڈے پانی سے شاور لینے کے بعد طبیعت قدرے ہلکی تو ہوگئی تھی مگر روز کی طرح کھانے کے لیے فون پر کوئی آرڈر کرنے کو جی نہیں چاہا...... جیسے بھوک ہی مر چکی تھی۔ حسبِ معمول آپا نے مغرب کے بعد اسے کال کی تھی مگر اس نے کال ریسیو کرنے کے بجائے اپنا سیل فون mute کر دیا تھا...... وہ اپنی مایوس آواز بہن کو سنانا نہیں چاہتا تھا جو روز اس سے فون پر بات کر کے اور اس کا جوش وجذبہ محسوس کر کے سمجھتی تھیں کہ ان کے بھائی کے دن پھرنے والے ہیں اور عنقریب وہ کراچی شہر کے امیر لوگوں میں سے ایک ہونے جا رہا ہے...... اپنی کلاس کی لڑکی سے تو وہ شادی کرنے سے انکار کر چکا تھا جس کا سیدھا سا مطلب وہ یہ سمجھتی تھیں کہ ضرور کسی امیر، دولت مند لڑکی نے ان کے بھائی کو شرفِ قبولیت کا عندیہ دے دیا ہے۔

بجلی کی بچت کے ضمن میں گھر میں سیور لگے ہوئے تھے ان میں سے بھی سب سے کم پاور کا باہر بالکونی اور کچھ مناسب پاور کا لاؤنج میں جلتا تھا...... باقی ہر طرف اندھیرا تھا...... جب واش روم میں جاتا تھا تو لاؤنج کی لائٹ آف کر دیا کرتا...... ہر وقت بچت سر پر سوار رہتی کہ چار پیسے بچیں گے تو پسند کا ڈنر کرنا آسان ہوگا۔ وہ اس تکلیف دہ زندگی کو عارضی سمجھ کر برداشت کر رہا تھا مگر آج یقین ہو چلا تھا کہ یہی اس کی تقدیر ہے...... کروڑوں، اربوں

انسانوں کی طرح اپنی زندگی برقرار رکھنے کے لیے اسے صرف ضروریات پوری کرنے کے لیے تگ و دو کرتے رہنا ہے.....نقد و زر کی فراوانی کسی دیوانے کا خواب ہے۔

اسے ابھی تک یقین نہیں آیا تھا کہ تاجور نے اس کی نظم اور زارا کا نام نہیں پڑھا......اس کی شاطرانہ ذہانت اسے یقین دلا رہی تھی کہ تاجور نے سب کچھ پڑھ لیا تھا، وہ اس پر نرم ہاتھ اس لیے رکھ رہی تھیں کہ وہ اس کے حوالے سے بیٹی کا ذکر کرنا اپنی ہتک سمجھتی ہوں گی۔

یہی احساس اسے بار، بار احساسِ ذلت سے دوچار کر رہا تھا......وہ اپنا جائزہ لے رہا تھا کہ کیا کل وہ اس آفس میں اپنی صلاحیت کے مطابق perform کر پائے گا؟

وجود کے ہر کونے سے انکار کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔

☆☆☆

لیڈی صوفیہ کی شخصیت کے بارے میں سفینہ نے جو کچھ تاجور کو بتایا تھا انہوں نے بہت دلچسپی سے سنا تھا...... پھر اپنے کسی دھیان سے چونک کر سفینہ کی طرف دیکھا تھا۔

’’پرنس تو un married ہے ناں......؟‘‘

سفینہ نے بے اختیاری کیفیت میں ماں کی طرف دیکھا تھا......اسے حیرت تھی کہ وہ ماں سے لیڈی صوفیہ کے بارے میں بات کر رہی ہے اور وہ اُن کے پوتے کے بارے میں پوچھ رہی ہیں۔

’’جی فی الحال تو وہ سنگل ہی ہیں......مگر ہو سکتا ہے انگیجڈ ہوں۔‘‘ سفینہ نے لاشعوری طور پر ماں کو بات بڑھانے سے روکا تھا تاکہ پرنس کو کسی صورت موضوع نہ بنایا جا سکے۔

’’گلوبل چینج نے ہماری سوسائٹی پر بہت منفی اثرات ڈالے ہیں امیگریشن، غیر ملکی کرنسی، اوور نائٹ دولت کے انبار جمع کرنے کی کوشش...... بے شمار لوگوں کی کلاس راتوں رات تبدیل ہو گئی خاندانی، غیر خاندانی کوئی فرق نہیں رہا۔لیکن لیڈی صاحبہ کی باتیں سن کر مجھے بہت اچھا لگا......ابھی یہ شہر مہذب و خاندانی لوگوں سے خالی نہیں ہوا......‘‘ وہ کافی کا آخری گھونٹ لے کر مگ سائڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے خوشگوار موڈ میں کہہ رہی تھیں۔ سفینہ اس وقت ان کے بیڈ روم میں موجود تھی......جن دنوں وہ گھر پہ ہوتی تھی تاجور آفس سے آ کر فریش ہونے کے بعد اسے بیڈ روم میں طلب کر لیا کرتی تھیں......تاکہ اسے زیادہ سے زیادہ وقت دے سکیں......اور زیادہ سے زیادہ بات چیت ہو سکے...... بیٹی کے معمولات و مسائل سے آگاہ رہ سکیں......کوئی حقیقی مسئلہ ہو تو ہاتھ کے ہاتھ اس کا مناسب حل نکالا جائے۔

’’اماں......سارے خاندان ایک جیسے ہوتے ہیں بظاہر پھر یہ خاندانی اور غیر خاندانی کیا ہوتا ہے......مطلب...... یہ الفاظ کیوں استعمال ہوتے ہیں......انسان کا انسان ہونا کافی نہیں......؟‘‘ سفینہ نے اچانک غیر متوقع اور مشکل سوال کر دیا تھا۔ (دل توڑ دینے والے بھی خاندانی ہوتے ہیں) تاجور پہلے چونکی پھر دھیرے سے ہنس پڑی تھیں۔

’’بہت مزے کا سوال کیا ہے تم نے۔‘‘ انہوں نے محبت پاش نگاہوں سے بیٹی کی طرف دیکھ کر اس کی حوصلہ افزائی کی تھی۔

’’جب......کسی انسان میں صبر و ضبط محتاط گفتگو......ناپسندیدہ حالات کا بہادری اور خاموشی سے سامنا کرنے کی اہلیت نظر آتی ہے تو اس سے اس کی پچھلی نسلوں کی محنت کا پتا چلتا ہے......خاندانی لوگ اپنے اخلاق، لباس اور گفتگو سے پہچان لیے جاتے ہیں...... وہ کبھی ہلکی بات نہیں کرتے، حیادار ہوتے ہیں......انسانوں کی عزت اچھالنے کے بہانے نہیں ڈھونڈتے......اپنے ساتھ بدترین برائی کرنے والوں سے بدلہ لینے میں جلدی نہیں کرتے...... wisdom (دانائی و فراست) خاندانی لوگوں ہی میں ملتی ہے...... کیونکہ یہ باپ، دادا پردادا کی

مسلسل محنت کا سفر ہوتا ہے......'' تاجور نے حیرت وغور وفکر کا مظاہرہ کرتی خاموشی سے پلکیں جھپکاتی بیٹی کو شانوں سے تھام کر پیشانی چوم لی۔ وہ جب بات کرتی تھیں پوری توجہ سے سنتی تھی۔

''تم نے لیڈی صوفیہ کو سائیکو کنسیڈر کیا ہے...... بیٹا بات یہ ہے کہ وہ عمر کے جس حصے میں ہیں، اس عمر میں انسان کا نارمل رہنا حیرت انگیز ہوتا ہے...... زندگی آزمائش کا نام ہے...... suffer کراتی ہے۔ بے حد و حساب دولت بھی روحانی خوشیوں کی ضمانت نہیں ہوتی...... میں تمہارے پاپا کے بعد مسلسل suffer کر رہی ہوں۔'' بولتے، بولتے تاجور اچانک خاموش ہوگئی تھیں۔ سفینہ نے چونک کر ماں کی شکل دیکھی۔

وہی لیڈی صوفیہ جیسی بات کی تھی...... عورت ایک نام کے پیچھے ساری زندگی لگا دیتی ہے...... اگر بیوی، شوہر سے پہلے دنیا سے رخصت ہو جائے تو شوہر مرحومہ کو کتنی جلدی بھول جاتے ہیں۔ دوسری شادی کر کے ہنستے قہقہے لگاتے نظر آتے ہیں، واقعات آناً فاناً ذہن میں گھومنے لگے۔ وہ بھی کئی مہینوں سے ایک نام کے گرد گھوم رہی ہے......

عورت کو مسئلہ کیا ہے وہ اپنی ذات کو اتنا محدود کیوں کر لیتی ہے؟

''کیا سوچنے لگیں بیٹا......؟'' تاجور کو سوچ میں گم بیٹی پر ٹوٹ کر پیار آ گیا...... سفینہ اپنے دھیان سے چونک پڑی۔

''کچھ نہیں اماں...... بس آپ کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی......'' وہ زبردستی کے انداز میں مسکرا کر گویا ہوئی۔

''میرے بارے میں، جلدی سے بتاؤ کیا سوچ رہی تھیں؟'' تاجور کا موڈ بہت خوشگوار تھا یا وہ بیٹی کو خوشگوار رفاقت کا احساس دلانے کی لاشعوری کوشش کر رہی تھیں۔

''یہی کہ آپ نے کس طرح اور کتنی محنت سے سارا سیٹ اپ مین ٹین رکھا ہوا ہے۔ کتنا تھک جاتی ہوں گی...... مگر کبھی ظاہر نہیں کرتیں۔'' اس نے ماں کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر معصوم بچی کی طرح چوم لیا۔

''تم دونوں بہنیں مجھے تھکنے نہیں دیتیں...... میرے سامنے تمہارا شاندار مستقبل ہے...... میں اپنی بیٹیوں کو ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتی ہوں جس طرح سب ماؤں کی خواہش ہوتی ہے۔'' وہ محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''اور وہاں کی کوئی خاص بات سناؤ...... سوشل اسٹیٹس تو ان کا بہت ہائی ہے...... ظاہر ہے رہن سہن بھی اسی حساب سے ہوتا ہے۔ پرنس کی دادی کی بھی تم نے بہت باتیں کیں...... مگر پرنس کے بارے میں کوئی خاص بات نہیں کی۔'' وہ بغور اسے دیکھ رہی تھیں...... اور شاید لاشعوری طور پر بیٹی کی دلی کیفیت کا جائزہ لے رہی تھیں۔

سفینہ کے لیے یہ غیر متوقع سوال تھا...... وہ ایک دم گھبرا سی گئی تھی یوں جیسے ماں نے ماورائی نگاہ سے اس کے دل میں چھپی تصویر دیکھ لی ہو...... جلدی سے جھک کر دایاں پاؤں کھجانے لگی گویا مناسب جواب سوچنے کے لیے مہلت لے رہی ہو۔ سر میں کھجلی اس لیے نہیں کی کہ ماں براہِ راست چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''وہ...... ان کے بارے میں کیا خاص بات بتاؤں کہ جب وہ کھانے کی میز پر ہوتے ہیں تو ان کی پلیٹ میں کھانا بھی نوکر نکال کر دیتا ہے حتیٰ کہ سوپ یا ڈیزرٹ کا باؤل اپنے ہاتھ میں لے کر کھڑا ہوتا ہے۔ جس میں سے وہ صرف دو چار spoons ہی استعمال کرتے ہیں۔ اماں سوچیں...... کتنی تکلیف دہ زندگی ہے...... اتنا تکلف، اتنا اہتمام...... تو یہ سوچ کر ہی سر میں درد ہونے لگتا ہے۔''

''تمہیں محسوس ہوتا ہے...... انہیں تو آرام ملتا ہے تب ہی تو عادت بن گئی ہے۔''

''یہ بھی کوئی زندگی ہے، لوگ ملتے ہوئے بھی گھبرائیں اور جو ملیں وہ شدید کامپلیکس کا شکار ہو جائیں۔ anyhow ہمیں کیا ان کی اپنی زندگی ہے جیسے مرضی گزاریں۔ میں پیکنگ شروع کرتی ہوں۔ کل صبح کی فلائٹ ہے، صبح پانچ بجے نکل جاؤں گی۔ اس وقت تو شاید آپ نماز کی تیاری کر رہی ہوں گی۔'' سفینہ نے پرنس کے ذکر کی طوالت سے گھبرا کر فوراً ہی موضوع بدل دیا تھا۔

ایک سال میں اس نے بہت لکھا تھا مگر بے چینی تھی کہ بڑھتی جارہی تھی۔ انسان کا ناشکرا پن اور ہوس اسے کبھی خوش نہیں ہونے دیتے۔

''تو مس انابیہ چوہدری اب کچھ بات کر لیتے ہیں آپ کے اس افسانے کی جس نے ادب کی دنیا میں آپ کو منفرد مقام دلوایا۔ کچھ بتایئے گا'' لامساوی انسان'' کے بارے میں۔'' وہ ایک چینل پر انٹرویو دے رہی تھی جبکہ اینکر نے اس سے اچانک سوال کیا اور یہ سوال تو اس سے ہر انٹرویو میں کیا جاتا تھا۔

''آں...... ہاں.....'' اس نے ایک گہری سانس لی۔'' یہ افسانہ میں نے بہت دل سے لکھا تھا، شاید اسی لیے پڑھنے والوں کے دلوں پر اتنا گہرا اثر ہوا اس کا......'' اس کے ذہن کے پردے پر بہت کچھ تازہ ہونے لگا تھا۔

''بہت شکریہ مس انابیہ چوہدری آپ نے ہمیں اپنا قیمتی وقت دیا۔ ناظرین یہ تھیں ہماری بہت ہی قابل رائٹر مس انابیہ تیمور چوہدری جو کہ ایک بہت نرم اور دردمند دل رکھتی ہیں......'' اینکر جانے کیا کچھ بول رہی تھی۔ وہ اسٹوڈیو سے نکل کر روڈ پر آ گئی تھی۔ گاڑی تھوڑی سی آگے بڑھی تو روڈ بلاک تھا، بہت رش تھا۔

''یہاں کیا ہوا؟'' اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا اور گاڑی سے نکل کر آ ئی۔ سامنے کا منظر اسے دہلا گیا۔

''انور......'' اس کے لب پھڑ پھڑائے، لوگوں کے ہجوم میں وہ انور ہی تھا۔ سرخ رنگ کا زنانہ لباس پہنے، بے تکے انداز میں کیے گئے میک اپ کے ساتھ وہ مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔ پاؤں میں گھنگرو باندھے وہ ناچنے کے لیے تیار تھا۔

''رک جاؤ۔'' انابیہ کے لبوں نے بے آواز جنبش کی۔

''اری ناچ بھی......'' انور کے ساتھ کھڑے خواجہ سرا نے اسے ٹہوکا دیا۔'' ناچتی کیوں نہیں؟'' اس نے پھر کہا...... انابیہ کے قدم زمین نے جکڑ لیے تھے۔

زبان گنگ تھی...... طبلے کی تھاپ پر انور نے ناچنا شروع کر دیا تھا۔

''ٹھہر جاؤ۔'' انابیہ نے پھر بولنے کی کوشش کی...... مگر زبان نے ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ جو لفظوں کی ساحرہ گردانی جاتی تھی...... لکھنے بیٹھتی تو الفاظ ہاتھ باندھے سامنے کھڑے ہوتے آج دو لفظ بولنے کو بے تاب تھی۔

''اگر مجھے کبھی ناچنا پڑا تو میں مر جاؤں گا۔'' اس کے کان میں آواز آئی...... انور ناچ رہا تھا۔

''مجھے اپنا تماشا نہیں لگوانا......'' کسی نے سرگوشی کی...... انور کے پاؤں بہت تیزی سے تھرک رہے تھے۔

''آپ میرا اتنا خیال کیوں کر رہی ہیں؟'' انور بہت زیادہ زور، زور سے ناچ رہا تھا۔ طبلہ رک گیا، سب رک گئے مگر انور کا جسم بہت تیزی سے گھوم رہا تھا۔'' انور رک!'' ایک خواجہ سرا نے اسے روکنا چاہا۔

''انو بس کر اب......'' ایک اور ساتھی نے اسے پکڑنا چاہا مگر وہ کسی کے قابو میں نہ آ رہا تھا۔ اب سب کو تشویش ہونے لگی۔ سڑک پر ہجوم بڑھ چکا تھا۔ لوگ اس کی تصویریں بنا رہے تھے، اس کا خوب تماشا لگ چکا تھا۔

''انو......'' ایک دم وہ بل کھا کر زمین پر گرا تھا اس کے ساتھی اس کی طرف بھاگے، وہ اوندھے منہ سڑک پر گرا پڑا تھا۔

''انور......'' انابیہ بھاگ کر اس کے قریب آئی تھی۔ ان لوگوں نے اسے سیدھا کیا۔

''نہیں انور......'' انابیہ نے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔ انور کی روح جسم کی قید سے آزاد ہو گئی تھی۔

''انور اٹھو......'' انابیہ اس کو جھنجوڑ کر زور، زور سے رو رہی تھی۔ سب حیرت زدہ سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''کتنی عظیم ہے یہ رائٹر، اس کے دل میں خواجہ سراؤں کے لیے کتنا درد ہے۔'' کسی نے اسے پہچان کر کہا...... سب اس سے متاثر ہو رہے تھے۔ اور اس کے خاموش آنسو اس کے اندر کسی بارش کی طرح گر رہے تھے۔



وڈی

عذرا آفتاب

رات کی تاریکی کو ختم کرنے کے لیے صبح کی پہلی کرن نمودار ہو رہی تھی۔ اسی لمحہ زمین کے سینے سے ایک ننھی کونپل پتی نے اپنا سر باہر نکالا اور ٹھنڈی ہوا میں اپنی پہلی سانس لی۔ اس کا بیج نہ جانے کون سے خطے سے کسی پرندے نے لاکر پھینک دیا تھا اور زمین نے اسے اپنے اندر پناہ دے کر سینچ کر زندگی دی۔

خدا کی قدرت کہاں کا بیج کہاں آیا اور زندگی پائی۔ سخت زمین پر یہ ننھا سا نازک ترین پودا۔ موسم اور

''میں کتنی بھی مصروف ہوں تم مجھ سے ملے بغیر نہیں جاؤ گی...... ورنہ مجھے عجیب سی بے چینی رہتی ہے...... ایک دو مرتبہ ایسا ہوا تو مجھے یوں لگا جیسے میں سالوں سے اپنی بیٹی سے نہیں ملی۔'' تاجور نے تاکید کے ضمن میں کہا اور بہت محبت سے اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا...... بے نام بے قراریاں ماں کی آغوش میں آنکھیں موندنے لگیں۔

☆☆☆

کئی سال بعد ایسا ہوا تھا کہ بیڈ پر لیٹنے کے بعد اس نے نیند کا انتظار کیا تھا۔ آج مراقبہ بھی نہیں ہو سکا تھا۔ اس نے سانس کی مشق کا دورانیہ بھی بڑھا دیا تھا...... مگر آنکھیں بند کرتے ہی سفینہ کا محسوس ہونے والا سرد رویہ ذہن کے پردے پر فلم کی طرح چلنا شروع ہو جاتا تھا...... ارتکاز نہیں ہو پا رہا تھا...... مراقبے کی پہلی شرط یہی ہے کہ ذہن کو بے ربط خیالات سے پاک اور خالی کر لیا جائے۔

کئی بار کی کوشش کے بعد وہ زچ ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا تھا...... سفینہ کے تصور سے ذہن کو خالی کرنا ممکن نہیں لگ رہا تھا...... اور اس لمحے اسے اپنی پردادی کی ذہنی حالت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہوا تھا، وہ بولتی رہتی تھیں اور پرنس سنتا رہتا تھا...... بس ایک افسوس کی کیفیت ضرور پیدا ہوتی تھی کہ اس کی دادی غمزدہ ہیں......

شروع، شروع میں اس نے عقل مندوں کی طرح دادی کو سمجھانے کی کوشش ضرور کی تھی مگر انہوں نے پہلی کوشش کو ہی ناکام کر دیا تھا۔

''عشق عقل سے آگے کی بات ہے...... سمجھانا وہاں بنتا ہے جہاں معاملات کا تعلق عقل سے ہو...... تم اپنا وقت ضائع مت کرو...... میں اپنے غم سے دوستی کر چکی ہوں......'' لیڈی صوفیہ کی ممانعت میں اتنا حتمی تاثر تھا کہ اس دن کے بعد سے وہ صرف اچھا سامع بن کر رہ گیا، اپنی طرف سے کوئی افلاطونی بات کرنے کی کوشش نہیں کی......

صحیح معنوں میں آج اسے دادی کے درد کا اندازہ ہوا تھا...... دل دیکھنے دکھانے والا کھلونا نہیں ہے۔ عشق سمجھنے، سمجھانے والا جذبہ نہیں ہے...... وہ آئی تو بہت خوش تھی...... اس کی روحانی مسرت اس کی آنکھوں سے جھلک رہی تھی...... مگر وہ اچانک برف کی بن گئی...... احساسات سچے ہوتے ہیں اور عیار عقل طاقتور جذبات سے گھبرا کر کونے میں دبک جاتی ہے۔

''میں تمہیں پل، پل اس طرح پڑھ رہا تھا جس طرح وال کلاک میں لگا تھرمامیٹر ماحول کا درجۂ حرارت بتاتا ہے...... تم آنچ دے رہی تھیں پھر تمہاری طرف سے سرد ہوائیں آنے لگیں......'' پرنس کے لیے وہ معمہ بن چکی تھی۔

''میں تو سوچ رہا تھا قدرتاً آج پیش رفت ہو گی...... مگر یہ آسمان تک دیوار کیسی ہے؟''

پرنس نے انگلیوں سے پیشانی دبانا شروع کر دی...... کہ امکانات کے تمام دروازوں پر بھاری قفل پڑے ہوئے تھے...... خیال بچوں کی طرح بھاگتا اور بند دروازے سے ٹکرا جاتا تھا۔

☆☆☆

''اسکول ٹیچر ہے...... گورنمنٹ جاب ہے۔ بارہ، تیرہ سال بعد ریٹائر ہو گی تو بیس، پچیس لاکھ ملیں گے۔ اور بارہ سال بعد دو کمروں کا مکان ستر لاکھ میں ملے گا اور وہ بھی کہاں...... کچی آبادی میں...... باقی کے پینتالیس لاکھ اس کے والد محترم ڈونیٹ کریں گے۔'' آپا کی بات سن کر وہ بری طرح تپ کر گویا ہوا تھا۔

''جو گاڑی مجھے پسند ہے وہ تیس لاکھ کی آتی ہے۔ بارہ سال بعد پچاس لاکھ میں بھی شاید نہ ملے...... یہ بیس، پچیس لاکھ کی باتیں نہ کیا کریں مجھ سے...... ہاں نہیں تو......'' وہ غصے کی شدت بہ مشکل کنٹرول کر رہا تھا۔ اس نے کب سے اپنا سیل فون پاورڈ آف کیا ہوا تھا ایک ضروری کال کرنے کے لیے آن کیا اور فوراً آپا کی کال آ گئی...... دل تو چاہا کال ریسیو ہی نہ کرے پھر یہ سوچ کر ریک کر لی کہ وہ پریشان ہو کر رات بھر ٹرائی کرتی رہیں گی...... اور کل دن میں کسی بھی وقت اس کی خوب کھنچائی کریں گی۔

''بیٹھے فرش پر ہو اور خواب عرش کے دیکھ رہے ہو...... انسان کو اپنی حیثیت کے حساب سے منصوبے بنانا چاہئیں۔'' آپا نے اب اسے با قاعدہ ڈانٹنا شروع کر دیا۔

''منصوبے کیوں بدلیں......؟ حیثیت کیوں نہ بدلیں۔'' وہ بھی چمک کر گویا ہوا۔ ''بڈھے ہو جاؤ گے...... پھر کوئی بیٹی نہیں دے گا...... ہوش کے ناخن لو......'' آپا نے پورا زور لگا کر کہا۔

''ارے چھوڑیں...... آپ تو بس گھر میں دال کڑھی بناتی رہیں۔ آپ کو تو کچھ پتا ہی نہیں۔

بڈھے رئیسوں کے پیچھے تو حسین لڑکیاں ہاتھ دھو کر پڑ جاتی ہیں کہ بس دو چار دن کا مہمان ہے...... اس کے بعد ساری دولت ہماری......'' اس نے شانِ بے نیازی سے جواب دیا۔

''میرے چندا اولاد پالنے، سنبھالنے کی بھی ایک عمر ہوتی ہے۔'' آپا نے ایک اور کارڈ تول کر پھینکا......

''غریب آدمی کے ہاں پیدا ہونے سے تو بہتر ہے کہ پیدا ہی نہیں ہوں۔ جنت میں رہ کر ہی مزے کر لیں۔'' اس نے پھر ترکی بہ ترکی جواب دیا تھا۔

''ارے میرے اللہ...... میرے بس میں ہو تو سب سے پہلے تمہیں دماغ کے ڈاکٹر کے پاس لے جا کر چیک اپ کراؤں۔'' یہ کہتے ہی آپا نے اپنی طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا تھا...... اور شاید یہ زندگی میں پہلی بار ہوا تھا ورنہ اسے ہی تھک کر کہنا پڑتا تھا کہ آپا پھر بات کروں گا کچھ دوست آ گئے ہیں...... اس نے سکون کی گہری سانس لی۔

''تھینک یو آپا...... آپ نے مجھے پھر سے تازہ دم کر دیا...... ورنہ ڈپریشن سا ہو رہا تھا۔ ایسی کی تیسی...... دولت آ کر جا سکتی ہے...... دماغ تو کوئی نہیں چھین سکتا۔ میرے پاس دماغ ہے...... ہار نہیں مانوں گا......'' وہ نئے عزم کے ساتھ اٹھ کر کھڑا ہوا۔

اپنی رائٹنگ ٹیبل تک آیا...... اور کھڑے، کھڑے لکھنا شروع کر دیا۔

کون کہتا ہے قسمت میری کھوٹی ہے
ایک پیارے سے فرشتے کی ڈیوٹی ہے
وہ روز مجھے گلے لگا کر کہتا ہے
خواب بڑے تیرے عمر اگرچہ چھوٹی ہے
ہاتھ میں سنہری کاغذ ہے اس پر لکھا ہے
قسمت ضرور جاگے گی جو ابھی پڑی سوتی ہے
یہ فرشتہ میرے کان میں یہ بھی کہتا ہے
بہت پیاری ہے وہ نہ کالی ہے نہ موٹی ہے

اس نے لکھ کر پھینکنے کے انداز میں قلم ٹیبل پر رکھا اور آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا...... اپنے سیاہ گھنے ریشمی بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے غور سے اپنا جائزہ لیا۔

''ایک لاکھ کا ڈنر سوٹ پہننے کی دیر ہے...... ''ٹرمپ'' میرا ملازم دکھائی دے گا۔'' وہ اپنی سیاہ گھور آنکھوں میں جھانک کر مسکرایا۔

☆☆☆

سفینہ پلک جھپکائے بغیر آئینے میں خود کو دیکھے جا رہی تھی۔ جیسے کوئی برسوں بعد ملنے والے یارِ دیرینہ کو پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو...... اسے وہم ہوا کہ اس کا چہرہ بار، بار زارا کے چہرے میں تحلیل ہو رہا ہو......

زارا...... لاابالی، سطحی، وقتی تاثر پر فیصلے کرنے والی، جواریوں کی طرح خطرات میں کود پڑنے والی......

ایڈونچر، رسک اس کے نزدیک معمولات کی طرح تھے......شاید اسے ابھی تک خود بھی ان کے معنی معلوم نہیں تھے۔

دونوں بہت خوب صورت تھیں...... نہ قد و قامت میں کوئی کمی، کسر نہ ہی چہرے کے نقوش میں تناسب کا عیب......دونوں کی مسکراہٹ کسی ٹوتھ پیسٹ بنانے والی کمپنی کی تشہیر کے لیے استعمال میں لائی جاسکتی تھی...... بال گھنیرے تھے مگر زارا زیادہ تر بالوں کو گردن سے نیچے نہیں آنے دیتی تھی البتہ سفینہ کے بال کمر تک تھے اور بڑھانے کی گنجائش رہتی تھی مگر وہ خود سے زیادہ لمبائی کے حق میں نہیں تھی کہ بال جتنے لمبے ہوں انہیں سنبھالنا مشکل ہوتا ہے‘ وہ بھی خاص طور پر ایم بی اے کی طالبہ کہ جس کو موٹی، موٹی کتابیں لے کر بھٹکتی ہیں۔

’’پرنس...... اتنا میچور، مشہور شخصیت، خوبرو جوان جس کو ہر آنکھ نظر بھر کر دیکھنے کی تمنا رکھتی ہو......زارا میں اسے کیا خاص بات نظر آئی۔ اس کے اپنے اندر اتنا حسن ہے کہ حسن کی اسے کوئی کمی نہیں پھر......؟ پھر......؟‘‘

پھر سے آگے سوچ کے پر جل رہے تھے۔

☆☆☆

کشتیاں پانی میں چلتی ہیں......مگر یہ کیا......؟ کشتیاں ہوا میں تیر رہی تھیں......سنہری زنجیر نے دونوں کشتیوں کو ساتھ باندھا ہوا تھا۔

وہ یوں آہستہ، آہستہ فضا میں بلند ہو رہی تھیں جیسے پرواز کے آغاز میں طیارہ بتدریج بلندی پر جاتا ہے...... پھر اس نے دیکھا کشتیاں چاند کے بالکل قریب جا پہنچی تھیں اور ابابیلوں کے سائز کے چھوٹے، چھوٹے سنہری پرندوں نے کشتیوں کے گرد طواف کرنا شروع کر دیا تھا......

بے انتہا حسین نظارہ تھا......

لیکن......یک دم بھڑکتی آگ نے کشتیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا......پرندوں کی چونچوں سے پانی کے قطرے ٹپکنے لگے...... وہ پہلے سے زیادہ تیزی سے طواف کر رہے تھے......پھر اس نے دیکھا کشتی سے ایک شعلہ اس کی طرف لپکا......اس نے شعلے کی حدت محسوس کرتے ہی آنکھیں کھول دیں......سارا جسم پسینے میں شرابور تھا۔

وہ جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا......اور ہاتھ بڑھا کر ٹیبل لیمپ روشن کر دیا......تاریک کمرے میں ...خوابناک سی روشنی پھیل گئی......اس نے شرٹ کو چٹکی سے پکڑ کر کھینچا جو پسینے سے بھیگ کر جسم سے چپکی ہوئی تھی......پھر سینٹرل اے سی کی جالیوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر چیک کیا کہ اے سی آن ہے یا آف ہے......کیونکہ ہلکی روشنی میں وہ آن آف کا اندازہ نہیں کر پا رہا تھا۔

چند سیکنڈ بعد ہی اسے محسوس ہوا کہ اے سی کام کر رہا ہے اور کمرا ٹھنڈا ہے۔

اسے اپنے پسینے میں بھیگنے کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آئی۔ ٹھنڈک کا احساس ہوتے ہی طبیعت میں سکون اترنا شروع ہوا۔ پُرسکون ہوتے ہی اسے دھیان ہوا کہ وہ خواب دیکھ رہا تھا......اب خواب ذہن کے پردے پر فلم کی طرح چل رہا تھا......

اس نے گہری سانس لی اور شرٹ کے بٹن کھولنا شروع کر دیے، پسینے میں بھیگی ہوئی شرٹ ناقابلِ برداشت ہو چکی تھی۔ پھر اٹھ کر واش روم گیا پندرہ‘ بیس منٹ نیم گرم پانی سے شاور لیا اور نائٹ سوٹ پہننے کے بجائے سفید کرتا پاجامہ زیب تن کر کے اور حسبِ عادت ہلکی سی خوشبو لگا کر بیڈ روم سے باہر آ گیا......

ایک قیامت کی بے کلی تھی‘ وسیع و عریض گھر کی چار دیواری اسے کال کوٹھڑی کے مانند محسوس ہو رہی تھی۔

وہ از خود رفتگی کے عالم میں مین گیٹ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ گارڈ اپنے کیبن میں غالباً خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا۔ پرنس نے خود ہی گیٹ کھولا......کھٹ پٹ کی آواز سے گارڈ چونکتا ہوا گیا اپنی گن تھامے یوں باہر نکلا جیسے مجرم کو ننگے ہاتھوں گرفتار کرنے کا بھرپور یقین ہو......

مگر حیرت سے چکرا کر رہ گیا......سامنے گھر کا مالک تھا۔ فریش، تر و تازہ، بے شکن سفید لباس میں ملبوس،

خوشبو سے مہکتا ہوا...... پرنس گیٹ سے باہر نکل چکا تھا...... وہ دیکھ چکا تھا کہ گارڈ کیبن سے باہر آچکا ہے اسے اب اس بات کی، پروا نہیں تھی کہ گیٹ بند بھی کرنا ہے۔

گارڈ حواس باختہ اس کے پیچھے لپکا......

''سر، سر...... آپ کہاں جارہے ہیں ابھی تو فجر کی اذان میں بہت دیر ہے۔'' گارڈ کو شک ہوا کہ شاید آج پرنس نیند میں چل رہا ہے۔ وہ سات سال سے اس گھر کی چوکیداری کررہا تھا اس نے آج سے پہلے کبھی پرنس کو خود سے گیٹ کھول کر باہر جاتے نہیں دیکھا تھا۔ اذان کی آواز کے ساتھ تو وہ بھی جاگ جاتا تھا۔ اور اسے پتا تھا کہ اس کا صاحب پانچ وقت مسجد جاتا ہے اور اقامت سے کافی پہلے گھر سے نکل جاتا ہے۔

''شیر زمان گیٹ بند کرکے آرام کرو......'' اس نے مشینی اور بے تاثر انداز میں گارڈ کو حکم دیا اور آگے بڑھتا چلا گیا۔ گارڈ بے بسی کی تصویر بنا بس دیکھے گیا۔

☆☆☆

''آج اماں اور سفینہ اتنی دیر تک بند کمرے میں جانے کیا باتیں کرتی رہیں؟'' فیس بک لاگ آؤٹ کرتے ہوئے زارا کا ذہن پھر لایعنی باتوں میں الجھنے لگا۔

''میری ہی باتیں کررہی ہوں گی۔ لاکھوں کا نقصان جو ہوا ہے...... بس اب زندگی بھر اسی کا غم منایا جائے گا...... جیسے بہت غریب ہوگئے...... ہونہہ......'' اندازے لگاتے ہوئے اندر چھپا احساسِ جرم اپنی طرف متوجہ کرنے لگا۔

''دیکھو تو ذرا میں نے ڈنر کے لیے منع کردیا تو کسی نے مجھ سے آکر پوچھا تک نہیں۔ اس گھر میں تو کسی کو میری پروا ہی نہیں۔ اماں تو بس پیسہ بنانے کی مشین بن گئی ہیں...... سفینہ کو اس لیے importance دیتی ہیں کہ وہ ان کا بزنس سنبھالے گی۔ دو کے چار اور چار کے آٹھ بنائے گی۔'' کسی نے سچ کہا ہے کہ مصروفیت بہت بڑی نعمت ہے۔ خالی ذہن شیطان کی فیکٹری ہوتا ہے...... اسے نیند نہیں آرہی تھی کوئی کارآمد مصروفیت بھی نہیں تھی۔ فیس بک پر الٹی سیدھی خبریں پڑھ کر ذہن ویسے ہی شل ہوگیا تھا۔ کسی کے رازوں سے پردہ اٹھ گیا تھا کسی کی پرسنل وڈیو viral ہوگئی تھی۔ کسی سیلی بریٹی کی بیوی کے ہاتھوں پٹائی ہوگئی تھی۔ کہیں سے بھی کوئی اچھی خبر نہیں آرہی تھی۔

سوچتے، سوچتے اس کی نظریں سامنے لگی پینٹنگ پر جارکیں۔ چھم سے پرنس سامنے آکھڑا ہوا۔

یہ مہنگی تصویر خریدنے پر اسے تاجور سے کتنی ڈانٹ پڑی تھی بقول تاجور...... ''یہ کیا ہے......؟ تالاب میں مچھلیاں تیر رہی ہیں۔''

''اُف آرٹ کی اتنی انسلٹ...... سو، سوری پرنس...... ایکچو ئیلی ہماری اماں کو آرٹ کی سمجھ نہیں...... ہاں اگر سفینہ نے آپ کی تعریف کی تو انہیں آرٹ اور آرٹسٹ دونوں اچھے لگنے لگیں گے۔ کبھی، کبھی مجھے شک ہوتا ہے میں اڈاپٹڈ تو نہیں ہوں...... سفینہ کو پتا تھا کہ میں پرنس کی فین ہوں...... وہ جان بوجھ کر مجھے ساتھ لے کر نہیں گئی۔''

دل سے دھوئیں کے بادل اٹھ رہے تھے اور بخارات کی صورت دماغ پر چڑھ رہے تھے۔

اس نے تکیہ سر پر رکھا اور بیڈ پر اوندھ گئی۔

☆☆☆

دور سے تو پرنس کو یہی گمان ہوا کہ گیٹ کے باہر گارڈ کھڑا ہے مگر مزید قدم بڑھانے پر وہ بری طرح چونک پڑا تھا۔

وہ تو کوئی لڑکی تھی...... ہلکی روشنی میں اور کچھ واضح نہیں ہورہا تھا۔ حیرت سے وہ میکانکی انداز میں آگے بڑھتا جارہا تھا...... یہ وہی بنگلا تھا جس میں وہ معصوم بچہ رہتا تھا جو پہلی بار اسے مسجد میں ملا تھا...... چھوٹے، چھوٹے ہاتھوں کا کاسہ بنا کر رو، رو کر دعائیں مانگ رہا تھا۔

لڑکی پرنس کو اپنی جانب آتا دیکھ کر محتاط ہوگئی......اس نے سیاہ چادر میں خود کو لپیٹا ہوا تھا...... پرنس کو دیکھ کر وہ چادر کھینچ کر سر پر ڈالنے لگی۔

''ایکسکیوزمی......آپ اتنی رات کو یہاں اکیلی کیوں کھڑی ہیں؟ کیا اس گھر میں جانا چاہتی ہیں کوئی گیٹ نہیں کھول رہا...... میں ٹرائی کروں؟'' یہ کہہ کر پرنس نے انٹرکام کا بٹن دبانے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

''پلیز، پلیز......ایک منٹ'' لڑکی نے بے اختیار اسے روکا پرنس نے بڑی سریلی کھن کھن کرتی آواز سنی......اور غور سے لڑکی کی طرف دیکھا۔

اسے یوں لگا جیسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے......کہاں......؟ یہ دھیان میں نہیں آرہا تھا۔

''پلیز، آپ اپنا کام کریں...... مجھے آپ کی ہیلپ کی بالکل بھی ضرورت نہیں......'' لڑکی کے انداز میں گھبراہٹ کے بجائے اعتماد تھا۔

''محترمہ آج کل جو حالات ہیں، اس طرح سے ایک لڑکی کا تنہا باہر کھڑا ہونا مناسب نہیں......آپ گیٹ کھلوانے کی کوشش تو کریں۔'' پرنس کے حساس دل میں اس لڑکی کے لیے صرف اور صرف انسانی ہمدردی کے جذبات تھے۔

''پلیز آپ اپنا کام کیجیے...... یہ میرا اپنا گھر ہے، مہمان نہیں ہوں۔'' لڑکی کے انداز میں اب بہت سرد مہری و بیزاری تھی اب پرنس کو اس کی ٹھیک سے پہچان ہوئی۔

''یہ تو وہی ہے، جس کو ایک مرتبہ ظہر کے وقت ایک نوجوان مرد کے ساتھ کار میں دیکھا تھا......'' پل بھر میں سارا منظر نظر کے سامنے پھر گیا۔

''اوہ......آئی ایم سوری...... میں اتنی رات کو آپ کو یہاں اکیلا پا کر فکر مند ہوگیا تھا۔'' اسی وقت چوکیدار نے گیٹ کا ذیلی پٹ کھول کر باہر جھانکا تھا۔ گیٹ کھلنے کی آواز پر لڑکی نے چونک کر دیکھا اور پرنس کی طرف دیکھے بغیر اندر چلی گئی...... گیٹ فوراً بند ہوگیا تھا۔ پرنس سر کھجاتے ہوئے خود کو دنیا کا احمق ترین شخص گردان رہا تھا۔ بند گیٹ گویا منہ چڑا رہا تھا۔

☆☆☆

زارا کوئی من پسند مشروب پینے کے خیال سے اپنے کمرے سے نکلی تھی۔ یہ اس کی عادت تھی رات کو دیر تک جاگتی تو تھوک کے بھاؤ بلیک چاکلیٹ کھاتی اور جوسز وغیرہ پیتی......کل اتوار تھا اس لیے کالج جانے کی فکر نہیں تھی۔ اتوار کو ظہر کی اذان تک پڑی سوتی رہتی تھی۔

کمرے سے باہر آتے ہی اس کی نظر سفینہ کے کمرے پر پڑی، کمرے میں لائٹ آن تھی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ زارا کے لیے حیران کن تھا......رات کے ڈھائی تین کے درمیان کا وقت تھا......

''سفینہ ابھی تک جاگ رہی ہے؟'' وہ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہوکر کھلے دروازے سے اندر جھانکنے لگی اسپلٹ آف تھا فین چل رہا تھا۔ کچھ کپڑے بیڈ پر پڑے ہوئے تھے، ساتھ کتابیں بھی ڈھیر کی صورت میں کپڑوں کے قریب ہی رکھی ہوئی تھیں۔ کارپٹ پر ایک سوٹ کیس کھلا ہوا تھا جس میں کافی سارے ڈریسز اور ٹاولز رکھے ہوئے تھے۔

''اوہ......شاید سفینہ کل لاہور جارہی ہے۔'' وہ خود بخود سمجھ گئی۔

''آج تو کوئی خاص بات چیت ہی نہیں ہوئی ورنہ پتا چل جاتا مگر وہ خود کہاں ہے؟'' اس نے کمرے میں نظر دوڑائی......سفینہ کمرے کے کسی حصے میں موجود نظر نہیں آئی۔

اس کی نظر بالکنی کے دروازے پر گئی جو بند ہی نہیں تھا باقاعدہ اندر سے چٹخنی بھی لگی ہوئی تھی۔ شاید واش روم میں ہوگی۔

اسی وقت ماحول میں ہلکی سی آواز ابھری...... زارا نے چونک کر دیکھا......سفینہ نے اپنا سیل چارجنگ کے

لیے لگایا ہوا تھا۔ غالباً چارجنگ مکمل ہونے کی اطلاع تھی...... وہ چند سیکنڈ سوچ کر سفینہ کے سیل کی طرف بڑھی۔ بڑے سائز کا اسمارٹ فون تھا۔

اس نے چارجر سے الگ کیے بغیر سیل اٹھا کر گویا سفینہ کے خفیہ راز جاننے کی کوشش کی...... پہلے میسجز چیک کیے پھر تازہ کالز کا ریکارڈ دیکھا۔

کچھ بھی ہاتھ نہیں لگا۔

''پرنس کا نمبر تو ضرور saved ہوگا......'' بجلی کے کوندے کی طرح ایک خیال لپکا۔

''پرنس کے نام سے ہی ہوگا۔''

اس نے کانٹیکٹ میں P کھنگالنا شروع کیا عین اسی وقت واش روم کا دروازہ کھلا اور سفینہ باہر آگئی۔ زارا نے بدحواس ہوکر سیل فون رکھ دیا۔

''وہ میں کچن سے جوس لینے جا رہی تھی تو تمہارے روم کا ڈور کھلا دیکھا، لائٹ بھی جل رہی تھی...... میں نے سوچا دیکھوں تم کیا کر رہی ہو شاید کل تم لاہور واپس جا رہی ہو؟'' زارا نے اپنی بدحواسی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے زبردستی کی مہربان مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی۔

''ہوں...... صبح کی فلائٹ ہے......'' سفینہ قریب آتے ہوئے بے تاثر لہجے میں گویا ہوئی اور سیل فون اٹھا کر دیکھنے لگی کہ چارجنگ ہو رہی ہے یا مکمل ہو چکی ہے۔

ٹچ ہوتے ہی اسکرین روشن ہوگئی...... سامنے کانٹیکٹ نظر آئے "P" کے کانٹیکٹس میں زیادہ نام بھی نہیں تھے۔

ایک یونیورسٹی کی مینجمنٹ کے بندے کا نام تھا پرویز اختر اور ایک اس کی کلاس فیلو پیرو جاد ستور کا نام تھا۔

''وہ میں ویسے ہی دیکھ رہی تھی۔ تمہارے پاس تو apple تھا ناں شاید تم نے فون سیٹ چینج کیا ہے۔ چور کی داڑھی میں تنکے کے مصداق اور ناتجربہ کار ہونے کے باعث خواہ مخواہ کی بات کر بیٹھی۔

سفینہ نے سیل unpluged کیا اور گہری سانس لے کر زارا کی طرف دیکھا۔

''اب میں تھوڑا ریسٹ کروں گی...... صبح، صبح گھر سے نکلنا ہے...... کچھ چیزیں بھی پیک کرنی ہے...... گڈ نائٹ......'' زارا کو یوں لگا جیسے وہ کہہ رہی ہو ''گیٹ آؤٹ......'' وہ یوں ہوگئی گویا بچی ہوگئی ہو۔

''اوکے گڈ نائٹ......'' اس نے کھسیاہٹ مٹانے کے لیے سفینہ کو گلے لگا کر گڈ نائٹ کہا پھر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگی۔

کچن کی طرف جاتے ہوئے شکر ادا کر رہی تھی۔

''تھینک گاڈ...... سفینہ کو خیال نہیں ہوا کہ میں اس کا سیل لے کر کیوں کھڑی ہوئی تھی۔ ویسے بھی یہ بزنس مائنڈڈ لوگ کچھ بونگے ہی ہوتے ہیں۔''

☆☆☆

سفینہ نے زارا کے باہر نکلتے ہی دروازہ بند کرلیا تھا...... اور اپنے سیل فون کی طرف گھور رہی تھی۔

اس نے زارا کو چوری کرتے رنگے ہاتھوں پکڑا تھا...... وہ "P" سے شروع ہونے والے ناموں کی لسٹ دیکھ رہی تھی۔

''میرے پاس پرنس کا کانٹیکٹ نمبر ہوتا تو تمہیں دے دیتی۔'' اس نے گہری سانس لے کر سیل بیڈ پر اچھال دیا۔

''وہ جو تمہیں اپنے اسٹوڈیو میں پینٹ کر رہا ہے اگر واقعی تم اس کی آنکھوں میں خواب بن چکی ہو تو وہ تمہارے لیے کچھ نہ کچھ کر دکھائے گا، ہوسکتا ہے مجھ ہی سے کانٹیکٹ کرے۔'' سوچتے ہوئے دل بار، بار دھڑکنے کے انداز تبدیل کر رہا تھا مگر شاید اسے خود پر مکمل قابو تھا۔

''شاید یہ تمہاری لک ہے کہ پرنس جیسا بندہ تمہیں نوٹس کرے..... بے وقوف اور خوب صورت عورت بہت سے مردوں کو پسند ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ کہیں ان کو چیلنج کرتی محسوس نہیں ہوتی..... لیکن پرنس عام سا بندہ تو نہیں ہے۔'' وہ دھپ سے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''میں کیوں اتنا سوچ رہی ہوں؟ کیا مجھے بہت تکلیف ہے کہ پرنس نے میری بہن کو اتنا اہم بنا دیا؟ لیکن میں تو خوش ہوں کہ خود کو دھوکا دینے کا سفر زیادہ طویل نہیں تھا۔ پرنس نے ایسا کچھ نہیں کیا جو اس کی پکڑ ہو..... ہمارے خیالات و احساسات کسی کی ذمے داری نہیں..... یہ تو بس سیدھا سیدھا اپنا قصور بنتا ہے۔'' سفینہ کی بنیادی، فطری فراست نے بہر حال اسے انگلی سے پکڑ کر ایک طرف کھڑا کر ہی دیا۔

☆☆☆

پرنس پارک تک گیا تھا چند منٹ بعد ہی واپس گھر کا رخ کر لیا تھا۔ پوش ایریا کے حسین بنگلے، کوٹھیاں، خوب صورت لان اور گیٹ سے باہر بھی سبزہ و ہریالی..... خوب صورت برقی روشنیاں، صاف ستھرے روڈ، ہلکی، ہلکی ٹھنڈی ہوا..... دور، دور تک کسی قسم کی کوئی بد صورتی نہیں تھی..... نہ ہی کوئی بنگلا زیرِ تعمیر تھا جہاں سریا، بجری، چوکیدار کی جھونپڑی مخمل میں پیوند کی مثال ہوتی..... اکثر گھروں سے رات کی رانی کی مہک فضا کو بہت سحر انگیز بنا رہی تھی۔

کھلی فضا میں چہل قدمی نے ذہن پر بہت مثبت اثر ڈالا تھا اگرچہ وہ حیرت کے سمندر سے ابھی باہر نہیں آیا تھا..... بار، بار نظر اسی کوٹھی پر پڑ رہی تھی جہاں کچھ دیر پہلے بڑا پُراسرار واقعہ پیش آیا تھا۔

ویسے تو اس گھر کا نام پُراسرار ہاؤس یا کاشانۂ حیرت ہی ہونا چاہیے تھا۔ پرنس کے تجربات کے لحاظ سے ..... اصل میں وہ عالمگیر انسانیت کا حامل ایک فنکار تھا..... اب جو کچھ اس نے دیکھا تھا اس کے لیے شاید اتنا زیادہ اہم نہیں ہوتا تو نظر انداز بھی کر دیتا۔

مگر مسئلہ ایک معصوم بچے کا تھا..... جو ایک سوالیہ نشان بن کر ذہن میں کسی کانٹے کی طرح گڑا ہوا تھا۔ بچے فطرت پر ہوتے ہیں.....اور فطرت کو مسخ کرنا اس دنیا کا سب سے مکروہ جرم ہے.....

وہ چھوٹے، چھوٹے بچوں کو کاروں کی صفائی کرتے دیکھ کر کڑھتا تھا، بھکارن کی گود میں ادھورے لباس میں بچے کو دیکھ کر اس کی روح میں تڑپ پیدا ہوتی تھی۔

تپتی دھوپ میں برقعے میں شیر خوار کو چھپائے ہاتھ پھیلائے بھکارن کو دیکھتا تو سوچتا.....

''ایک نفس اپنی نفسانی تسکین کے لیے کتنے معصوم نفوس کو تپتی دھوپ کی دوزخ میں جلاتا ہے۔''

دو ٹانگوں پر چلنے والے مویشی نما انسان.....

پیغمبر آگئے کتاب مل گئی۔

پھر بھی جہالت کے اندھیرے.....

نہ شرفِ انسان کا شعور، نہ صفائی نصف ایمان سے آگہی نہ طہارت و پاکیزگی کا ادراک.....

ناپاکی و غلاظت کی کوکھ سے درندگی و سفاکیت جنم لیتی ہے۔ جانوروں کی طرح ہر قسم کی بھوک مٹانے کے علاوہ اور کوئی خیال نہیں.....

جانوروں ہی کی طرح ہر قسم کی لاقانونیت..... قانون کا شعور تو انسان کی معراج ہے..... حیا، احتیاط، تقویٰ، بے غرضی، یہ تو انسانیت کی اسناد ہیں سوچ کا ایک نیا در کھلا تھا۔

اگر دھوپ میں ننگا بچہ گود میں اٹھا کر بھیک مانگنے والی بھکارن کو جہالت کی پروردہ ہونے کی رعایت دی جا سکتی ہے تو..... یہ عالیشان گھروں میں بسنے والے انسان جو بچوں کو بچپن ہی میں بوڑھا کر دیں..... کہ بچہ مسجد

میں آ کر رو، رو کر اللہ سے دعائیں مانگنے لگے۔ ان میں اور بھکارن میں کوئی فرق ہے؟ اللہ کے سامنے تو ٹوٹ کر گریہ وزاری وہ کرتا ہے جسے یقین ہوتا ہے کہ اس کا دنیا میں اللہ کے سوا کوئی سننے والا نہیں۔ ننگے، گندے، میلے بچوں اور ثوبان میں پھر بھی تو فرق نکلا ناں کہ وہ دھوپ میں جلتے ہیں اور ثوبان کروڑوں کے گھر میں رہتا ہے۔

وہ جانے کتنی دیر رک کر ثوبان کے گھر کے بند گیٹ کو گھورتا رہا۔ اس کا جی چاہا اللہ اسے اس عمل پر قادر کردے کہ وہ اندر جائے اور سوئے ہوئے ثوبان کو گود میں بھر کر باہر لے آئے۔ اس کا حساس دل ثوبان میں اٹک گیا تھا۔

''شاید کرمنل ہیں..... مگر کرمنل لوگوں کے گھر میں اتنا پیارا بچہ.....؟ درخت اپنے پھل کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔'' فطری دانش نے پھر سوال کی دیوار اٹھا دی۔

☆☆☆

گھر واپس آنے کے بعد پل بھر کے لیے اسے نیند نہیں آئی..... اپنا ذہن کسی اور طرف لگانے کی بہت کوشش کی..... مگر تخلیقی کیفیت طاری نہ ہو سکی..... اسٹوڈیو کی طرف دیکھتے ہی طبیعت میں بیزاری اترنے لگی..... ہلکی روشنیاں بھی آنکھوں پر بوجھ ڈال رہی تھیں۔ اس نے لان کی ساری لائٹس آف کردی تھیں..... گارڈ کیبن سے باہر اس کی تمام حرکات وسکنات کا جائزہ لے رہا تھا مگر مالک سے سوال جواب کرنے کی جرأت نہیں تھی۔

چاروں اور اندھیرا پھیلتے ہی وہ سر جھکا کر اپنے کیبن میں چلا گیا تھا۔ وہ لائبریری میں جا کر کوئی ایسی کتاب تلاش کرنے لگا جو آج کے واقعے سے پیدا ہونے والی..... بے معنی وحشت کو دور کرنے کا سبب بن جائے۔

اطالوی دریچوں والا وسیع کمرا..... جس میں دن کی قدرتی روشنی اپنی پوری طاقت کے ساتھ داخل ہو سکتی تھی اور مصنوعی روشنی کے اہتمام میں بھی کوئی کسر نہیں تھی.....

''جی چاہتا ہے ثوبان کو کسی روز چپکے سے گود میں اٹھا کر اپنے گھر لے آؤں..... اسے ایک پلے اسٹیشن کی رشوت دے کر سب کچھ پوچھ لوں..... مسجد میں رونے والا بچہ گھر میں بھی تو روتا ہوگا.....'' فنکار کائناتی ذہن کی وسعت کے حساب سے ماحول اور رویوں کو محسوس کرتا ہے..... اسی لیے محبوب کی دلکشی سے صرفِ نظر کرکے انسانیت کے اس مخفی اور الم ناک رخ پر نگاہ کرتا ہے جس پر عام انسان کی نظر نہیں جاتی.....

جا بجا کوچہ و بازار میں بکتے ہوئے جسم
خاک میں لتھڑے ہوئے خون میں نہلائے ہوئے
لوٹ جاتی ہے اُدھر کو بھی نظر کیا کیجیے
اب بھی دلکش ہے تیرا حسن مگر کیا کیجیے
اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا
مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ

پرنس شہیر علی خانزادہ..... رات کے اس پہر عالم گیر انسانیت کا روپہلی لبادہ اوڑھے اس شرف کے تعاقب میں تھا جو اس کائنات کی تخلیق کا بنیادی مقصد تھا۔

سفینہ کی محبت کا ادراک ہوتے ہی جو نامانوس سی بے کلی لاحق رہنے لگی تھی..... یہ بے قراری اس سے سوا تھی۔ یا محبت کا وہ ادراک پھیل کر کائنات کی وسعت کو ناپنے کی کوشش کر رہا تھا..... آفاقی محبت کی حلاوت چکھتے ہی روح لامحدود مسافتوں کا سفر طے کرنے لگی۔

اس نے بے سوچے سمجھے ایک کتاب شیلف سے نکالی اور وہیں کھڑے، کھڑے ورق گردانی کرنے

لگا..... لائبریری میں سترھویں اور اٹھارویں صدی کی بھی نادر و نایاب کتب موجود تھیں۔ جن کی حفاظت لیڈی صوفیہ قیمتی زیورات کی طرح ہی کرتی تھیں۔ کوئی کتاب گرد میں اٹی ہوئی نظر نہیں آتی تھی خواہ اسے سالوں ہاتھ نہ لگایا گیا ہو......

لائبریری میں بطورِ خاص بھینی، بھینی خوشبوؤں کا اہتمام کیا جاتا تھا..... تاکہ پرانی کتابوں کی مخصوص مہک طبعِ نازک پر گراں نہ گزرے۔

دنیا کے عظیم رہنماؤں کی زندگی پر لکھی گئی کتاب اس کے ہاتھوں میں تھی ورق گردانی کرتے، کرتے وہ مہاتما گاندھی کے کہے ہوئے ایک جملے پر رک گیا۔

"what barrier is there that love can't break" (وہ کون سی رکاوٹ ہے جو محبت توڑ نہیں سکتی؟) وہ چند ثانیے ساکت کھڑا رہا..... پھر کتاب بند کر کے واپس شیلف میں لگا دی۔

اسے محسوس ہوا جیسے کوئی زنجیر کھن کھن کرتی ٹوٹ گئی ہو..... ''ایک دن ثوبان میرے بہت قریب ہوگا۔''

یقین کی قوت نے اسے سینے سے لگا کر زور سے بھینچا اور کچھ دیر پہلے کی کیفیت آبی بخارات کی طرح اڑ گئی..... یہ معجزاتی تغیر اس تڑپ کی شدت میں پوشیدہ تھا جو گہرے سکون سے پہلے بہت تڑپاتی ہے۔

☆☆☆

سفینہ لاہور کے لیے روانہ ہو چکی تھی..... ماہین اس مرتبہ اس کی ہم سفر نہیں تھی۔ اس کی ماما کی طبیعت خراب تھی اس لیے وہ دو دن مزید رکنا چاہتی تھی۔

تاجور خود سفینہ کے ساتھ ائرپورٹ تک گئی تھیں..... گھر واپس آتے، آتے سورج آب و تاب سے چمکنے لگا تھا۔

چھٹی کا دن ہونے کی وجہ سے وہ بہت پُرسکون تھیں اور ناشتے کے بعد فائلیں لے کر بیٹھ گئی تھیں۔

زارا تو چھٹی کے دن لمبی تان کر سوتی تھی..... اس لیے تاجور کو یقین تھا کہ وہ دوپہر تک بہت سکون سے اپنے کام نمٹا سکتی ہیں..... زارا کی بے تکی باتیں..... پھر اس کی جھاڑ جھپاڑ یہ بھی ایک الگ سے کام ہوتا تھا۔

لاؤنج میں اس کے سلیپر پڑے ہوئے تھے..... ٹیبل پر چاکلیٹ کے ریپر زالیش ٹرے میں ٹھونسے ہوئے تھے۔

''شاہانہ کہہ رہی تھی کہ سفینہ تو MBA مکمل ہونے سے پہلے شادی نہیں کرے گی..... زارا کا ہی سوچ لو''

وہ کسی بڑے بزنس مین کے سب سے چھوٹے اور لاڈلے بیٹے کا رشتہ بتا رہی تھی..... اور تاجور نے کہہ دیا تھا کہ سوچ کر جواب دیں گی۔

اس دن سے بار، بار بس ایک ہی بات ذہن میں آ رہی تھی کہ کسی کے لاڈلے بیٹے سے زارا کی شادی کرنے کا مطلب یہ ہے گویا ایک جنگِ عظیم کی بنیاد رکھ دی گئی۔

اسی سوچ بچار کے دوران انکشاف ہوا کہ زارا کو سنبھالنے کے لیے بہت سمجھدار، باوقار شخص کی ضرورت ہے..... جو عمر میں اس سے اچھا خاصا بڑا ہو..... جو اتنا سلجھا ہوا ہو کہ دنیا کو خود پر ہنسنے کا موقع نہ دے۔

درحقیقت زارا ان کے لیے مسئلہ بنتی جا رہی تھی۔ اس کی زندگی میں ترتیب نام کی کوئی شے نہیں تھی بس تاجور کی ڈانٹ سے بچنے کے لیے کالج ضرور باقاعدگی سے جاتی تھی..... اصل میں کالج باقاعدگی سے جانے میں اسے فائدہ بہت تھا..... پاکٹ منی باقاعدگی سے ملتی تھی..... آرٹ کالج میں آئے روز کسی نہ کسی شے کی ضرورت پڑ جاتی تھی، ضرورت بتاتی اور پیسے مل جاتے..... جو پیسے لیتی اس میں سے کچھ نہ کچھ بچا لیتی اس طرح ہاتھ میں ہر وقت کھلا پیسہ رہتا یوں خرچ کرنے میں مزہ بہت آتا تھا۔

''اماں آپ کے کتنے مزے ہیں..... کتنے مزے سے پیسے بانٹتی رہتی ہیں۔'' کبھی، کبھی ماں کے ہاتھ میں موٹی سی چیک بک دیکھ کر پھکڑپن سے کہہ بھی دیتی تھی..... اس کے نزدیک ڈیوز کلیئر کرنا پیسے بانٹنا تھا۔

تاجور اب اس کی طرف سے سوچ کر پریشان رہنے لگی تھیں کہ کوئی بھی تو ایسی بات نہیں جس پر وہ مطمئن ہوسکیں......اور انہیں یقین ہو کہ شادی کے بعد وہ سسرال میں یا داماد کے سامنے ان کی عزت رکھ پائے گی۔

بے سوچے سمجھے بولنا...... وقت بے وقت کھانا سونا...... بلا ضرورت چیزیں خریدنا...... ذرا، ذرا سی بات پر موڈ آف کرنا...... پاؤں پٹخنا...... وہ اپنی نانی اماں سے سنتی تھیں۔

''کنواری'' پاؤں پٹختی ہے تو ''بر'' (شوہر) مانگتی ہے۔'' مگر وہ اپنی سوچ کو خود ہی سختی سے مسترد کر دیتی تھیں...... بچوں کی سی حماقتیں کرنے والی ابھی سے شادی کے لیے سیریس کیونکر ہوسکتی ہے۔ دوسرے انہیں زارا سے کتنی بھی شکایتیں ہوسکتی تھیں مگر ایک بات کا ایمان کی حد تک یقین تھا کہ اس کا کسی کے ساتھ love affair نہیں ہے۔

وہ اس درجہ منہ پھٹ تھی کہ ایسی بات ہوتی تو وہ بتائے بغیر رہ نہیں سکتی تھی...... ان کو مطلع نہ کرتی مگر سفینہ کو ضرور بتا دیتی، ذہن فائلوں سے ہٹ کر بار، بار زارا کی طرف چلا جاتا تھا۔

اب انہیں یقین ہو چلا کہ زارا کے لیے بہت سنجیدگی سے سوچنے کی نوبت آ چکی ہے۔

اگر اس وقت کچھ نہ سوچا گیا تو آگے چل کر معاملات گمبھیر ہوسکتے ہیں......

کسی معزز فیملی میں بیاہنے کے خیال سے ہی ایک انجانا سا خوف اپنے حصار میں لے لیتا تھا۔ آئے دن کی شرمندگی ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ انہوں نے بہت باوقار، باضابطہ اور منظم زندگی گزاری تھی۔ معاشرے میں ان کو بے حد عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا...... وہ اپنے سرکل کی بہت بااثر خاتون تھیں...... اور اس میں ان کے مال و دولت سے زیادہ ان کی صاف ستھری باوقار زندگی کا مکمل دخل تھا۔

لوگ اپنا مال بچانے کے لیے زندگی داؤ پر لگا دیتے ہیں اور وہ تو اپنی عزت کو سب سے بڑا اثاثہ سمجھتی تھیں۔ جس پر کوئی سمجھوتا نہیں ہوسکتا تھا کہ مال جا کر دوبارہ آسکتا ہے...... مگر گئی ہوئی عزت پلٹ کر نہیں آتی۔

چھٹی کا دن...... فرصت کے لمحات...... پورے ہفتے جن خیالات کو جھٹک، جھٹک کر معمولات نمٹاتی رہتی تھیں۔ ان خیالات نے آج موقع پا کر اچھا خاصا دبوچ لیا تھا۔ ساحل کے قلم سے لکھا زارا کا نام وہ ایک لمحے کے لیے بھی فراموش نہیں کرسکی تھیں۔

خوب صورت دولت مند لڑکی...... جو حجاب بھی نہیں لیتی آئے روز سامنے آجاتی ہے۔ کسی بھی نوجوان کی آنکھوں کا خواب بن سکتی ہے...... اسی کا نام جوانی ہے...... اور جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ لاشعوری طور پر وہ ساحل پر غور و خوض کر رہی تھیں۔

☆☆☆

"if you want to be successful,never lie to your own self." (اگر آپ کامیاب ہونا چاہتے ہیں۔ تو اپنے آپ سے کبھی جھوٹ نہ بولیں)

پرنس نے تازہ اورنج جوس سے بھرا ہوا نفیس و نازک گلاس لیڈی صوفیہ کو پیش کرتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا تھا۔

دونوں اس وقت اسٹوڈیو میں موجود تھے۔ پرنس نئی پینٹنگ کی فہرست مرتب کر رہا تھا، اسے آج صبح ہی فلوریڈا میں ہونے والے مقابلہ مصوری میں شرکت کا دعوت نامہ موصول ہوا تھا۔

ساری رات جاگنے کے باوجود وہ چاق و چوبند تھا۔ سانس کی مشق اور یوگا کے چند آسن کی مشق کے بعد وہ کسی اسپورٹس مین کی طرح چوکس اور شاداب نظر آرہا تھا۔

''یہ تمہارے خیالات ہیں یا کسی کی wisdom مجھ سے شیئر کر رہے ہو؟'' لیڈی صوفیہ نے اپنی بوڑھی سکڑی سمٹی آنکھوں کو مزید سکیڑ کر پرنس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی۔

''اوہ تو یہ "Paulo Coelho" کے خیالات ہیں جو ابھی ہمارے درمیان موجود ہے...... a living author''

''اوہ...... کمال ہے میں نے اس کی best selling ناول نہیں پڑھی ہاں eleven minutes ضرور پڑھی ہے۔''

لیڈی صوفیہ کی رو پھر بہکنے لگی......

انہوں نے زارا کے حوالے سے بات شروع کی تھی اور ان کو روکنے کے لیے پرنس کو اپنی طرف سے بہت مضبوط بات کرنا ضروری تھی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ لیڈی صوفیہ کو جھوٹ سے بے انتہا نفرت ہے سچ کا بہت بڑے دل سے خیر مقدم کرتی ہیں، بے پناہ مسرت کا اظہار کرتی ہیں......

''میں ضرور جاننا چاہوں گی...... وہ سچ کیا ہے جو آج کل اکثر تم اپنے آپ سے بولتے ہو؟''

''سفینہ بہت منفرد ہے...... وہ تجربہ کار بوڑھی عورتوں کی طرح مضبوط ہے...... اسے اپنے آپ پر مکمل کنٹرول ہے...... اسے کچھ بھی کہنے کی جلدی نہیں ہے...... وہ بہت گریس فل اور پُرسکون ہے۔''

''لیکن پُرسکون سمندر کی تہ میں تو طوفان پوشیدہ ہوتے ہیں۔ my beloved son'' لیڈی صوفیہ نے اپنے ہاتھوں کی لرزش محسوس کرتے ہوئے گلاس ٹیبل پر رکھ دیا۔

''یہ تو پھر بہت خوب صورت بات ہے...... وہ جوان لڑکی ہے اسے سمندر جیسا ہی ہونا چاہیے......''

''وہ تمہیں اچھی لگی...... کیونکہ اس میں بہت خوبیاں ہیں...... مگر اچھا لگنا اور بات ہے اور محبت ہونا الگ بات...... ہم زندگی بھر اچھے، اچھے لوگوں سے مل کر آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ تم کیا یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ تم سفینہ سے مل کر آگے نہیں بڑھے...... رک گئے ہو......؟'' لیڈی صوفیہ بہ مشکل بول پائیں۔

''میں رک گیا ہوں گرینڈ مام...... میرے پاؤں پتھر کے ہوگئے ہیں...... میں اسٹیپ نہیں لے پارہا......''

پرنس نے ایک پینٹنگ شیشے کی وسیع الماری سے نکالتے ہوئے بہت اعتماد اور سنجیدگی سے جواب دیا۔

''تم ایک اور لیڈی صوفیہ create کرنے جارہے ہو پرنس۔''

لیڈی صوفیہ اچانک آبدیدہ ہوگئیں۔

''میں جانتی ہوں میرے پوتے جیسا اسے شاید کہیں نہیں ملے گا۔ وہ زندگی بھر چہروں میں ایک چہرہ ڈھونڈتی رہے گی۔''

''لیکن میں اس سے محبت نہیں کرتا...... گرینڈ مام میں ایک مصور ہوں...... میری زندگی میں حسن کی کمی نہیں...... میں نے آج تک کوئی بدصورت چہرہ نہیں دیکھا کیونکہ میری آنکھیں حسن شناس ہیں...... مجھے ہر چہرہ حسین نظر آتا ہے...... میری چاہت کا معیار چہرے کا حسن نہیں ہے گرینڈ مام......! میری روح میں کچھ رنگ ہلکے پھیکے تھے۔ سفینہ وہ رنگ مجھ سے شیئر کررہی ہے...... کیمسٹری مکمل ہورہی ہے...... کیمسٹری میچ ہونا الگ بات ہوتی ہے۔''

''تم بہت تیزی سے آگے بڑھ گئے...... یہ تمہاری فیلنگز ہیں یا سفینہ......''

''فیلنگز بے شک محبت کرنے والے کی ہوتی ہیں...... مگر میں مراقبے کے دوران سفینہ کی فیلنگز ریسیو کرتا ہوں میں بالکل بھی کنفیوزڈ نہیں ہوں۔'' پرنس بول رہا تھا...... وہ لیڈی صوفیہ سے پشت کیے ہوئے تھا۔

لیڈی صوفیہ پلکیں جھپکائے بغیر اس کی پشت کو گھور رہی تھیں۔

پھر وہ دائیں بائیں جھولنے لگیں...... پرنس خاموشی پاکر یہی دیکھنے پلٹا تھا کہ لیڈی صوفیہ اچانک خاموش کیوں ہوگئیں۔

اور انہیں جھولتا پاکر وہ تیزی سے ان کی جانب بڑھا تھا۔

(جاری ہے)



اونچی اڑان

رفعت شبانہ

فجر کی اذانوں کی آواز کے ساتھ ہی جہاں آرا بیگم کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اٹھ کر وضو کیا اور نماز پڑھنے لاؤنج میں آگئیں پھر کچھ دیر قرآن پاک کی تلاوت کی۔ اسی دوران میں ان کے شوہر کے کھانسنے کی آواز آئی تو دعا مانگ کر وہ کمرے کی طرف آگئیں۔ جہاں عابد صاحب اٹھ کر بیٹھ گئے تھے۔

''ارے بیگم ذرا چائے تو پلواؤ بڑی طلب ہو رہی ہے۔'' انہوں نے بیگم کو دیکھتے ہی فرمائش کر ڈالی۔

''ارے بابا چائے بھی مل جائے گی' اتنی بھی کیا جلدی ہے۔'' جہاں آرا بیگم نے میاں کو سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے خود کچن میں جا کر چائے بناؤ گی۔ تمہارا کیا ہے، تم اس معصوم کو آواز دو گی' آرڈر سنتے ہی وہ بیچاری کچن میں گھس جائے گی اور دو

منٹ میں آپ کے حکم کی تعمیل ہو جائے گی۔'' عابد صاحب نے بڑی بہو کی طرف داری کرتے ہوئے بیگم کو دبے لفظوں میں سنایا۔

''اوہو بڑی طرف داری کررہے ہیں اس کی آپ بے شک وہ اس گھر کی بڑی بہو ہے اور ہم اس کا خیال بھی رکھتے ہیں لیکن اس گھر کی رونق بڑھانے میں فرحانہ کا ہاتھ ہے، اس گھر کو وارث بڑی بہو نے نہیں فرحانہ نے دیے ہیں اور بڑی بہوابھی تک بے اولاد ہی ہے۔ میری وجہ سے ہی وہ ابھی تک اس گھر میں آرام سے رہ رہی ہے اگر میں خیال نہ رکھتی تو کیا وہ رہ سکتی تھی اس گھر میں؟'' جہاں آرا بیگم نے تمام غصہ شوہر پر نکال دیا۔

''چلو چھوڑو ان سب باتوں کو ذرا تم بہو سے چائے تو بنواؤ، بیچاری بڑا کام کرتی ہے اسی لیے تم نے ماسی کو بھی گھر سے ہٹادیا۔'' عابد صاحب نے یہ بات بہت ہلکی آواز میں کہی تھی اس لیے جہاں آرا بیگم نہیں سن سکیں ورنہ چائے میں مزید پندرہ منٹ اور لگ جاتے۔

''ارے ریحانہ کہاں ہو، اتنی صبح ہوگئی ہے اور تم ابھی تک سورہی ہو۔ چائے بھی نہیں بنی تمہیں معلوم تو ہے کہ تمہارے سسر جلدی ناشتا کرتے ہیں اور میں شوگر کی مریضہ زیادہ بھوک برداشت نہیں کرسکتی۔ چلو اٹھ کر آؤ جلدی..... میری ہڈیوں میں اب اتنا دم نہیں ہے۔'' وہ بہو کے کمرے کے باہر ہی زور، زور سے بول رہی تھیں۔

آواز سن کر وہ فوراً کمرے سے باہر آگئی۔

''ہاں امی میں ابھی ناشتا تیار کرتی ہوں، فجر کی نماز کے بعد دوبارہ آنکھ لگ گئی تھی اور آج انہیں آفس بھی دیر سے جانا تھا اس لیے نہیں اٹھی۔'' ریحانہ نے وضاحت پیش کی۔

☆☆☆

اس گھر میں تمام کاموں کے لیے صرف بڑی بہو کو آوازیں دی جاتی تھیں۔ کسی کو کپڑے استری کرنا ہوں، دروازے پر دیکھنا ہو، سسر کو دوا دینی ہو، مہمانوں کی خاطر مدارات کرنی ہو، دودھ والے سے دودھ لینا ہو غرض کہ سب کاموں کے لیے بڑی بہو کو ہی آوازیں دی جاتی تھیں۔ اور بڑی بہو بڑی سرعت سے سب کی فرمائشیں پوری کررہی ہوتی تھی۔

ویسے تو اس گھر میں دو بہوئیں اور بھی تھیں دوسرے نمبر کی ساجدہ تھی جو اپنے تین بچوں کے ساتھ امریکا میں رہتی تھی۔ اس کا شوہر ائرلائن میں تھا۔ تیسری بہو فرحانہ تھی جس کے چار بیٹے تھے۔ اور میاں بینک میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے...... جہاں آرا بیگم کی تین بیٹیوں میں سے ایک انہی کے گھر کے ایک پورشن میں مقیم تھی، اس کی سسرال لاہور میں تھی۔ وہ گرمیوں، سردیوں کی چھٹیوں میں وہاں چلی جاتی تھی۔ اگرچہ گھر کے سارے مکین ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے لیکن چھوٹی بہو فرحانہ بڑے نخروں اور تمکنت سے رہتی تھی اور ساس کی شہہ پر کچھ زیادہ ہی اتراتی تھی اور اپنی من مانی بھی کرجاتی تھی اس کی وجہ اس کے اوپر تلے کے چار بیٹے تھے اور دوسری طرف بڑی بہو ریحانہ بیچاری جو اس نعمت سے محروم تھی، وہ فرحانہ کی زبان اور اس کی حرکتوں کا نشانہ بنتی تھی لیکن صبر وتحمل سے وہ ہر چیز کا مقابلہ کرتی۔

ریحانہ اور اس کا شوہر اختر کم گو اور سنجیدہ قسم کا تھا۔ ماں، باپ کا بھی نہایت فرمانبردار اور سعادت مند... سارے خاندان میں اس جوڑے کی سعادت مندی کی لوگ مثالیں دیتے پھرتے۔

لیکن ساس کی آنکھوں کا تارا فرحانہ اور اس کے چار بیٹے تھے۔ ساس دبی، دبی زبان میں ریحانہ کو..... بے اولادی کا طعنہ دیتی تھیں لیکن وہ خاموشی سے سب کچھ برداشت کرتی جاتی۔ فرحانہ کے چاروں بیٹے بڑی تائی سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ اور اکثر اپنے مسائل کے حل کے لیے اور کام کروانے کے لیے بھی وہ ریحانہ کے پاس ہی آتے۔

شروع، شروع میں تو ریحانہ نے بہت علاج کروائے۔ شوہر کے ساتھ اکثر ڈاکٹر کے پاس جاتی رہتی لیکن اللہ کو منظور نہیں تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساس کی تمام امیدیں آہستہ، آہستہ ختم

ہوگئیں۔ اور جب کبھی ساس اسے بے اولادی کا طعنہ دیتیں یا کوئی سخت بات کہتیں تو ایسا لگتا کہ ریحانہ کچھ اپنے دفاع میں کہنا چاہتی ہو لیکن شوہر کی وجہ سے خاموش ہو جاتی......

پروین جو سب سے چھوٹی نند اور رہتی تھی اس کی البتہ بڑی بھابی سے خوب بنتی تھی۔ وہ ساری باتوں کو سمجھتی بھی تھی کہ امی غلط کہہ رہی ہیں وہ اکثر ریحانہ کی طرف داری بھی کر رہی ہوتی۔ اس کا ہاتھ بھی بٹاتی غرض کہ دونوں کی کافی دوستی تھی۔ بڑے بھیا بھی پروین کو بہت چاہتے تھے اور اس کی ہر بات پوری کرتے۔

سویرے، سویرے ریحانہ کچن میں چلی جاتی۔ سب کا ناشتا تیار کرتی اس دوران میں شوہر بھی ناشتا کر کے آفس چلے جاتے۔ فرحانہ ناشتے کے وقت نیچے آتی چاروں بچوں کے ساتھ ناشتا کرتی اور پھر تھوڑی دیر ساس سے باتیں کرتی اور پھر دوپہر کے کھانے پر آتی تھوڑا بہت دکھاوے کا کام کرتی اور پھر رات کے کھانے پر ہی ملاقات کرتی کیونکہ سب کا باورچی خانہ مشترکہ ہی تھا۔ بڑی بہو کے بھی دل میں اکثر آتا کہ اس گھر کے سارے کام وہ ہی کرتی ہے، ساس کبھی فرحانہ کو کچھ نہیں کہتیں اگر اس کے بچے نہیں ہیں تو اس میں اس کا کیا قصور......؟ جوائنٹ فیملی ہونے کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ...سب کاموں کی ذمے دار بھی وہی ہو اور باتیں بھی وہی سنے۔

پروین بڑی بھابی کو حوصلہ دیتی اور ماں کو بھی سمجھانے کی کوشش کرتی لیکن سب بے سود... ثابت ہوتا۔

وقت گزرتا گیا اسی ماحول میں اب بچے بھی سب کے بڑے ہوتے گئے۔ زیادہ تر بچے فارغ التحصیل ہو چکے تھے۔ فرحانہ کے دو بچے تو جاب پر بھی لگ گئے تھے۔

پر ساس کا وہی تلخ رویہ رہا...... سسر کا انتقال ہو گیا تھا۔ وقت بہت بیت چکا تھا۔ اب فرحانہ اپنے بچوں کی شادی کرنے کے سلسلے میں مصروف رہنے لگی۔ اس نے دو بچوں کی منگنی تو کر دی تھی، ایک کے لیے اپنی بھانجی کو پسند کیا تھا اور دوسرے کے لیے اپنی دوست کی بیٹی کو منتخب کیا۔ اب فرحانہ اپنی بہوؤں کے لیے گھر کی سیٹنگ میں لگی ہوئی تھی۔ چھوٹی نند پروین کا اپنا گھر تیار ہو گیا تھا، وہ اپنے نئے گھر میں شفٹ ہو گئی۔ اب سب سے اوپر کا پورشن فرحانہ اپنی آنے والی بہوؤں کے لیے تیار کروا رہی تھی۔ شادی میں کچھ ہی دن رہ گئے تھے۔

بڑی نند اور امریکا والے بیٹا، بہو بھی آنے والے تھے۔ اس گھر کی پہلی شادی تھی۔ گھر کے سارے کام اب بھی بڑی بہو کی ذمے تھے۔ فرحانہ شاپنگ کے لیے نکل جاتی اور ریحانہ کے لیے باورچی خانہ تھا۔ لیکن جتنے شگون اور رسومات تھیں اس میں ریحانہ خود بھی ہاتھ نہیں لگاتی اور جب اسے آواز دی جاتی کہ آئیں بھابی یہ شگون کر دیں تو سب سے آخر میں انہیں بلایا جاتا۔ منگنی کے وقت بھی منہ میٹھا کروانے وہ سب سے آخر میں آئی کہ فرحانہ برا نہ مان جائے لیکن بچے پھر بھی تائی اماں کو بلاتے اور پاس بٹھایا لیکن آج کل وہ خود ہی آگے نہیں بڑھتی تھی۔ آج بھی شادی کے سلسلے میں مہمان وغیرہ آئے ہوئے تھے۔ مہمانوں کے جاتے، جاتے بارہ بج گئے۔ سارے کاموں سے فارغ ہو کر وہ دو بجے اپنے کمرے میں آئی اور تھکن کے مارے گہری نیند میں چلی گئی۔

صبح فجر کے وقت زور، زور سے چیخنے چلّانے کی آوازوں کے ساتھ ہی بڑے بھیا اور ریحانہ کی آنکھ کھل گئی۔ جلدی سے کمرے سے وہ باہر آئی تو ایک ہولناک منظر تھا...کچھ خوفناک آوازیں تھیں فرحانہ بین کرتے، کرتے بے ہوش ہو کر سیڑھیوں سے نیچے گری ہوئی تھی۔ افراتفری مچی ہوئی تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا ہو گیا؟

بڑی بہو اور بڑے بھیا کے اوسان ٹھیک ہوئے تو وہ اوپر کی طرف گئے تو معلوم ہوا کہ ڈاکا پڑا ہے لیکن اور آگے گئے تو دیکھا کہ فرحانہ کے شوہر کو کرسی سے باندھا ہوا تھا آنکھوں پر پٹی اور منہ پر سختی سے ٹیپ لگایا ہوا تھا اور چند قدم آگے تینوں بیٹوں کو گولیاں لگی ہوئی تھیں۔

پولیس کو فون کر دیا گیا۔ گھر میں ایک افراتفری اور

ہولناکی چھائی ہوئی تھی۔ سب کے اوسان خطا ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب ذہن نے کام کرنا شروع کیا تو بڑی بھابی نے فرحانہ کے کمرے کی جو حالت دیکھی تو وہ دماغی توازن ختم کرنے کے لیے کافی تھا۔

رات چار بجے کے بعد پانچ ڈاکو پڑوسیوں کے گھروں کے ذریعے اوپری منزل کی طرف سے داخل ہوئے پوری فیملی کو یرغمال بنایا نیچے آنے والے راستے کو انہوں نے بند کر دیا۔ تمام زیورات، کرنسی اور قیمتی اشیا انہوں نے اپنے قبضے میں لیں۔ جب بچوں نے مزاحمت کی تو انہوں نے بچوں پر فائرنگ کر دی۔ سامان وہ لوٹ چکے تھے۔ شکر ہے سانسیں آ رہی تھیں پر تینوں بچوں کی حالت خطرناک تھی۔ تینوں کو اسپتال لے جایا گیا...... کیونکہ چھوٹے بچے کی پشت پر گولی لگی تھی وہ زخمی تھا جبکہ سب سے بڑا نچلی منزل میں سو رہا تھا اس لیے بچ گیا تھا۔ فرحانہ مکمل بے ہوش، ڈاکٹروں کی نگرانی میں تھی۔ عجیب طرح کی چیخ و پکار اور آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ موبائل فون کی گھنٹیاں چپ نہیں ہو رہی تھیں۔ اخباری رپورٹر، محلے اور آس پڑوس کے لوگ، ایمبولینس کی آوازیں مختلف ٹی وی چینلز کے لوگ، ڈاکٹرز وغیرہ پورا گھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا اوپر سے پولیس اپنی تحقیقات میں لگی ہوئی تھی۔ بڑے بھیا اپنے بھتیجے وسیم (جو زخمی تھا) اس کے ساتھ اسپتال میں تھے۔ دو بیٹوں کی موت کی تصدیق ہو چکی تھی۔ لیکن وسیم زخمی تھا اس کی ریڑھ کی ہڈی میں گولی لگی تھی ڈاکٹرز گولی نکالنے میں مصروف تھے۔ غرض کہ اس عجیب اور ہولناک سانحے نے اس گھر کی تمام خوشیوں کو منٹوں میں نگل لیا تھا۔

شادی کا گھر ماتم کدہ بن گیا...... فرحانہ ہوش میں آ کر بچوں کو پوچھتی...... اور پھر سے بے ہوش جاتی اس کی دماغی کیفیت درست نہیں تھی چاروں طرف آہیں اور سسکیاں تھیں۔ بڑا بیٹا بدحواس ساتھا اور تمام مہمانوں کے درمیان افسردہ بیٹھا تھا۔ ادھر وسیم کی گولی نکال دی گئی تھی حالت اگرچہ خطرے سے باہر تھی مگر......

غرض کے وقت آگے بڑھتا گیا وقت کو بھلا کون روک سکا ہے۔ وقت نے تو پر لگا کر اڑنا تھا اڑتا چلا گیا...... وسیم اگرچہ زندہ بچ گیا تھا مگر معذور ہو گیا تھا۔ ساس اماں کی کمر اس صدمے سے دُوہری ہو چکی تھی اور ویسے بھی عمر اپنا اثر دکھاتی ہے۔ فرحانہ کو اکثر دورے پڑنے لگے تھے۔ اس حالت میں انہوں نے اللہ کی طرف رجوع کر لیا۔ اب وہ زیادہ تر نماز، قرآن پاک پڑھتیں اور یک ٹک گھورتی رہتیں۔ بڑی بہو ان کی ہر وقت دلجوئی کرتی۔ اب وسیم بھی نیچے رہنے لگا تھا۔ اس کی بھی ساری ذمّے داری اب تائی امی کے ہاتھ میں تھی۔ اب وہ صرف تائی امی کو آواز دیتا۔ بڑے بھیا اب وسیم کے ساتھ ہی سوتے تھے۔

ایک دن بڑی بہو فجر کی نماز پڑھ کر سونے لیٹی تو اس کی آنکھ لگ گئی۔ غنودگی کے عالم میں اسے محسوس ہوا کہ کوئی اس کے پاؤں پکڑے ہوئے ہے' اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو کوئی جھکا ہوا تھا۔ بڑی بہو کو سفید سر نظر آیا۔ دیکھا کہ ساس اماں اس کے پاؤں پکڑے ہوئی تھیں اور کہہ رہی ہیں۔

''اے بیٹی تو مجھے معاف کر دے، میں نے تیرا بڑا دل دکھایا، تجھے بے اولادی کا طعنہ دیا۔ تجھ سے میں نے بہت ناانصافیاں کی ہیں تو جب تک مجھے معاف نہیں کرے گی' میں تیرے پاؤں نہیں چھوڑوں گی۔'' وہ بلک رہی تھیں۔

''اماں کیسی باتیں کر رہی ہیں۔'' ریحانہ یہ سب دیکھ کر فوراً اٹھی اور اماں کو بڑھ کر گلے سے لگا لیا۔

''نہیں' پہلے تم مجھے معاف کر دو۔'' اس نے اماں کو کرسی پر بٹھایا اور خود سامنے بیٹھ گئی۔

''اماں یہ اولاد اللہ کی دین ہے، میرے آپ کے ہاتھ میں کچھ نہیں...... میں نے آپ کو معاف کیا، میرے دل میں کوئی شکوہ، کوئی خلش نہیں ہے۔ لیکن امی جان ایک حقیقت آج آپ بھی سن لیں۔'' وہ کچھ دیر رکی۔ ''دراصل بے اولادی کی وجہ میں نہیں آپ کا بیٹا تھا لیکن میں نے اپنی ساری زندگی انہی کے ساتھ گزارنے کا عہد کر لیا تھا۔''



خوش قسمت

عقیلہ حق

''امی سب آپ کو بہت پسند کرتے ہیں، امی میری پوری سسرال آپ کی بہت تعریف کرتی ہے۔ ہماری ساس تو ہر وقت بس یہی کہتی رہتی ہیں کہ آپ جیسی خوش قسمت عورتیں بہت کم ہوتی ہیں جنہوں نے اس قدر مکمل زندگی گزاری ہو۔ مجھے فخر ہے کہ آپ میری ماں ہیں، اُف امی آپ کتنی اچھی ہیں۔ بابا آپ سے کس قدر محبت کرتے ہیں، پلیز مجھے وہ گُر تو بتائیں جس کی وجہ سے آج تک آپ بابا کے لیے بہت قیمتی ہیں اور بابا آپ سے اس قدر محبت کرتے ہیں۔'' آج تیسری مرتبہ میری بیٹی نے میرے ہاتھ تھام کر یہ جملے کہے..... وہ جب بھی اپنی سسرال سے آتی تو اسی طرح مجھ سے اپنی محبتوں کا اظہار کرتی۔

بلاشبہ میں ان خوش قسمت عورتوں میں سے ہوں کہ جنہیں لوگوں نے ہمیشہ پسند کیا..... میری شادی

شدہ زندگی لوگوں کے لیے مثال رہی۔ میں بظاہر سسرال کی چہیتی اور میاں کی لاڈلی رہی ہوں، میرے بچے ہمیشہ پوچھتے رہے کہ امی سب کے گھروں میں لڑائی ہوتی ہے، ہمارے گھر میں تو کوئی زور سے نہیں بولتا۔لیکن یہ صرف میں ہی جانتی ہوں کہ غصہ کرنا، چیخنا بہت آسان ہے لیکن اگر آپ کو غصہ آرہا ہے اور آپ پھر بھی تحمل سے بات کررہے ہیں، نظرانداز کررہے ہیں تو میرے خیال سے یہ دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔اور میں کسی سے کیوں اختلاف کرتی۔میں یہ اچھی طرح جانتی تھی کہ شادی شدہ زندگی ایک بھربھری ریت کی دیوار کی طرح ہوتی ہے جو بظاہر تو بہت مستحکم اور خوب صورت نظر آتی ہے لیکن جولوگ اس کے نزدیک ہوتے ہیں، وہی جانتے ہیں کہ اس سے ٹیک لگانے یا اس پر دباؤ ڈالنے کا مطلب ہے...... دیوار کا ڈھے جانا۔اگر اسے سلامت رکھنا ہے تو روز صبح اسے محبت، ایثار اور قربانی سے ''پوتنا'' ہوگا۔ایک دن کی بھی بے پروائی اس پر گرد ڈال دیتی ہے اور پھر یہ گرد وغبار رفتہ رفتہ ٹیلا سا بن جاتا ہے۔ لہٰذا میں نے پوری زندگی اس رشتے کی جان توڑ حفاظت کی...... میاں، بیوی کا رشتہ، خونی رشتہ تو ہوتا نہیں ہے کہ توڑنا چاہو بھی تو نہیں توڑ سکتے یہ تو وہ کاغذی رشتہ ہوتا ہے جو تین دستخطوں سے وجود میں آتا ہے۔ اور تین ہی دستخط اسے ختم بھی کردیتے ہیں...... لیکن یہ بات بھی اٹل ہے کہ آپس میں محبت، قربانیاں اور ایک دوسرے کے لیے عزت و احترام اسے دنیا کا مضبوط ترین رشتہ بنادیتے ہیں۔

میں اپنی پیاری بیٹی کو جس نے ابھی کچھ عرصے پہلے ہی نئی زندگی شروع کی تھی کیسے بتاؤں کہ اس کی ماں کی پوری زندگی نا تمام آرزوؤں اور قربانیوں کا مجموعہ ہے۔اس کی ماں نے ساری زندگی اپنی خوشیوں کے جنازے خود ہی اٹھائے ہیں۔ بظاہر مکمل اور بھرپور زندگی...... صرف اس لیے کہ کل کوئی اسے کسی قسم کا طعنہ نہ دے سکے...... اس بچی کو کیا پتا کہ اس کی ماں اپنی انا کہیں رکھ کر بھول گئی۔اور اب تو یہ بھی بھول گئی کہ اس کے پاس انا بھی تھی۔کیونکہ وہ جانتی تھی کہ جس عورت میں انا ہوتی ہے اس کا گھر بستا نہیں اور میری بیٹی، میری گڑیا میری چاند مجھے اپنا بسانا تھا۔

میں طوبیٰ علی اپنے ماں، باپ کی لاڈلی بیٹی، یونیورسٹی کی بہترین مقررہ، شاعرہ، ادیبہ، کمپیئر، ایم ایس سی گولڈ میڈلسٹ اور ایم فل کی ہونہار طالبہ کہ جس زمین پر پیر رکھتی وہ میری ہوجاتی۔میری قابلیت اور اعلیٰ کردار کی دھوم میرے ڈپارٹمنٹ کے علاوہ دوسرے شعبوں تک پھیل چکی تھی۔میرے لیے کوئی امتحان مشکل امتحان نہ رہا کہ کامیابیاں میرے پیچھے بھاگتی تھیں...... میری زندگی میں دو چیزیں الحمد للہ ہمیشہ میرے ساتھ رہیں۔ ایک پنج وقتہ نماز اور دوسرا مطالعہ...... نہ میں اپنے اللہ کو بھولتی اور نہ وہ...... رب العزت مجھے فراموش کرتا...... زندگی میں جو مانگا میرے مالک نے دیا...... اور جو نہ مانگا وہ بھی دیا...... یہ میری کوئی خوبی نہیں تھی بلکہ میرے مالک کا مجھ گناہ گار پر کرمِ خاص تھا۔ میں رات کی تنہائیوں میں اپنے رب سے باتیں کرتی۔اس سے فرمائشیں کرتی، اس کے آگے روتی اور میرا مالک مجھ پر اپنی رحمتیں برساتا رہتا۔میرے رب نے لوگوں کے لیے مجھ عام سی لڑکی کو خاص بنادیا لیکن میں نے کبھی اپنے آپ کو خاص نہ سمجھا جبکہ میری دوستیں اکثر میرے سیاہ لانبے بالوں اور میری خوب صورت آنکھوں پر شعر پڑھتیں اور میں مسکرا کر ٹال دیتی کہ میرا مزاج کبھی سطحی نہ رہا تھا۔لوگ میری ذہانت کے گن گاتے مگر میں اپنے سے بڑھ کر ذہین لوگوں کو سراہتی۔

میں نے زندگی کو ہمیشہ حقیقت کی نگاہ سے دیکھا اور زندگی کے معاملات کو ہمیشہ بہت سنجیدگی سے لیا...... جس عمر میں لڑکیاں رومانوی شعر یاد کرتی ہیں، میں اس عمر میں کتابوں میں سر دیے مستقبل کو ڈھونڈتی تھی کیونکہ میرا تعلق ایک مڈل کلاس گھرانے سے تھا اور میں چاہتی تھی کہ اگر خدانخواستہ کبھی کوئی برا وقت آئے تو میری پشت پر ایک اعلیٰ ڈگری ہو کیونکہ میری پشت پر میرے باپ کی جاگیریں نہیں تھیں یا میرے سامنے میرے

بھائیوں کے اعلیٰ عہدے نہیں تھے۔

میں ایک حق حلال کی روٹی کمانے والے شریف النفس انسان کی بیٹی تھی اور میرے بھائی ابھی چھوٹے تھے۔ میں زندگی میں بہت کچھ نہیں بلکہ تھوڑا بہت ضرور مانگتی تھی لیکن ضروری نہیں کہ شطرنج کے سارے مہرے آپ اپنی مرضی سے چلیں۔ بعض اوقات بازی وہاں مات ہوتی ہے جہاں آپ جیتنے والے ہوتے ہیں......

میرے والدین کی اچانک وفات نے میری زندگی کا رخ ہی موڑ دیا...... اب میں ایک پُراعتماد بیٹی نہیں رہی بلکہ ہراساں، خوفزدہ بہن بن گئی اور ہم اپنی پھوپی کے پاس آگئے اور وہ ہمارے لیے ایک ڈھال بن گئیں باوجودیکہ وہ خود ایک کمزور اور سسرال کی ستائی ہوئی عورت تھیں لیکن پھر بھی انہوں نے ہمارے برے وقت میں ہمارا ساتھ دیا لیکن وہ میری عمر، میری ذہانت سے میری قابلیت ہراساں ہوگئیں اور انہوں نے تیزی سے میرے لیے رشتوں کی تلاش شروع کردی۔

میرے سامنے بہت سارے مسائل تھے، میرے چھوٹے بہن بھائی، میرے باپ کی عزت، میری ماں کا رکھ رکھاؤ، میں ایک بائیس سالہ لڑکی نہیں رہی بلکہ اپنے کاندھوں پر ذمے داریاں اٹھائے ایک چالیس سالہ فکر مند مزدور بن گئی۔ میں اکثر اپنے رب سے سوال کرتی کہ میری جوانی کہاں گئی؟ کیونکہ میرے سینے میں کبھی ایک دوشیزہ کا دل نہ دھڑکا، میرے اندر تو اِک ماں رہتی تھی، ڈری، سہمی، ہراساں اولاد کے مستقبل کے لیے فکر مند ماں......

سو میں شادی سے انکاری ہوگئی لیکن لوگوں کے طعنوں اور سوالوں نے میرے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچ لی شاید وہ وقت میری زندگی کا بدترین وقت تھا۔ اور پھر کاتبِ تقدیر نے میری تقدیر کی بساط پر اِک مہرہ اور آگے بڑھایا اور میری شادی ہوگئی۔

زندگی کا نیا باب کوئی خوشگوار نہیں تھا۔ میں جو اِک دکھی، پریشان اور ہراساں لڑکی تھی میری باگ ڈور اِک ضدی، اصول پرست اور سخت گیر مرد کے ہاتھ میں دے دی گئی۔ اور اس مرحلے پر میرے وجود میں دراڑیں پڑنا شروع ہوگئیں۔ لیکن اگر زندگی آپ کی اپنی مرضی کے مطابق میسر ہو تو وہ اصل زندگی تو نہیں ہوئی۔ زندگی تو یہی ہے کہ وہ آپ کی مرضی کے خلاف بھی ہو تو آپ اس کو خوش اسلوبی سے گزاریں۔

میرے سامنے شطرنج کی بساط تھی اور کھیلنے والا سارے مہرے اپنی مرضی سے رکھ رہا تھا۔ میں خالی ہاتھ اور خالی دامن تھی...... لیکن نہیں...... میں خالی ہاتھ نہیں تھی......

میرے سٹیفکیٹ، میری ڈگریاں، میرے ایوارڈز، میرے ماں، باپ کی تربیت...... ان کے استعمال کا وقت آچکا تھا کیونکہ میں سمجھ چکی تھی کہ میں ایک مشکل شادی شدہ زندگی میں قدم رکھ چکی ہوں۔ مجھے قدم جمانے کے لیے اپنی زمین بھی خود ہی بچھانی تھی۔

میری سسرال کا ہراک فرد منجھا ہوا سیاستدان تھا اور میرے شوہر ان کے اشاروں پر ناچنے والے کٹھ پتلی۔

میں نے اپنی زبان کو فی الحال الماری میں بند کردیا تھا۔ شاید ناممکنات سے لڑنا ہی زندگی ہے۔

میری ساس نندیں میری خوب صورتی اور ذہانت سے ہراساں تھیں اور یوں میرے خلاف ایک بڑا محاذ کھل گیا۔ میری اچھائیوں کو برائیاں بنا کر پیش کیا جاتا...... اور میرا سارا دن دبی، دبی وضاحتیں دیتے اور معافیاں مانگتے ہی گزر جاتا۔ میرے پاس کوئی کاندھا ایسا نہیں تھا جس پر سر رکھ کر میں روتی۔

میں جانتی تھی کہ اگر مجھے زندہ رہنا ہے تو کسی کو یہ پتا نہیں چلنا چاہیے کہ علی کی زندگی میں اور ان کے گھر والوں کی زندگی میری کیا اہمیت ہے۔ میری حیثیت ان کے نزدیک کچھ نہیں تھی اور میں نے اپنی یہ ازدواجی حیثیت سب سے چھپانے کی ٹھان لی۔ اس وقت تک جب تک میرے قدموں تلے زمین نہیں آجاتی۔

علی مجھ سے کتنا ہی خفا ہوتے۔ میں مسکراتی رہتی...... ہر ناراضی کو سہہ جاتی، وہ دن کو رات کہتے میں آمنا صدقنا کی مصداق بنی رہتی۔ میں ہنس کر ہر وار سہہ جاتی اور مزید سسرال والوں کے قریب ہونے کی کوشش کرتی۔ وہ

لوگ برا کرتے میں اچھا کرنے کی کوشش کرتی۔ میں ان کی ہر نفرت کا جواب محبت اور سلوک سے دیتی۔

میں نندوں کے بچوں کو پڑھاتی، ساس کے لیے گرم روٹی اپنے ہاتھ سے ڈالتی، بیمار نند کے سر میں تیل کی مالش کرتی، رات، رات بھر اپنے شوہر کو مناتی، بہلاتی اور بغیر اف کیے ان کی جھڑکیاں کھاتی جاتی۔

وہ لوگ میرے صبر اور تحمل سے گھبرا گئے۔ اور میرے کئی نام رکھ دیے گئے کوئی مجھے سیاستدان کہتا تو کوئی چپ گھنی اور کوئی جادوگرنی کہتا...... کیونکہ کم از کم شوہر صاحب اب پہلے کی طرح سب کے سامنے مجھے ذلیل نہیں کرتے۔ اور یہ جیت کی طرف میرا پہلا قدم تھا۔

اور اسی زمانے میں مجھے اندازہ ہوا کہ دراصل وہ لوگ تو اتنی جلدی علی کی شادی ہی کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اور اس حقیقت نے مجھے لرزا دیا۔

علی اپنے سب بہن، بھائیوں میں سب سے زیادہ ہینڈسم، تعلیم یافتہ اور مالی طور پر مستحکم تھے۔ ان کا اپنا ذاتی بزنس تھا۔ وہ لوگ حلوے کے لالچ میں ہمیشہ علی کی شادی کو ٹالتے رہے، علی کے پیسے کے بل بوتے پر چھوٹے بھائیوں کی بھی شادیاں ہوگئیں مگر بقول میری نندوں کے انہیں علی کے مزاج کی کوئی لڑکی نہ مل سکی اور یوں ان کی عمر اڑتیس سال ہوگئی۔

خاندان والوں کے اعتراضات اور علی کے خود کہنے پر انہوں نے لڑکیاں دیکھنے کا کام شروع کیا۔ اِک ایسی لڑکی جو کم عمر ہو...... جس کا مزاج ان کے بھائی سے مختلف ہو جو کسی بھی لحاظ سے ان کے سنجیدہ، میچور اور بزنس مائنڈڈ بھائی سے گزارہ نہ کرسکے اور ان کی نظرِ انتخاب مجھ پر ٹھہری...... اُدھر پھپھو کو بھی کچھ جلدی تھی۔

میں جو بہت ذہین تھی، میرے جملے محفل کو زعفران زار بناتے تھے، میرے دلائل بہت موثر ہوتے، مجھ سے بحث میں جیتنا عام طور پر ناممکن ہوتا، میں یونیورسٹی کی ناقابلِ شکست مقررہ، میں جو چپ رہنا ہی نہ جانتی تھی، مجھے ایک چپ سی لگ گئی، نہ جانے کیسے میں بالکل چپ ہوگئی، ہر زیادتی، ہر ذلت، ہر ظلم، ہر جھوٹ پر میں چپ ہی رہتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ تو سب کا ہے۔ میں اللہ سے اپنے دل کی باتیں کرتی اور مجھے لگتا جیسے اللہ نے میرے دل پر تسلیوں کے پھاہے رکھ دیے ہوں۔

سسرال والے علی کو مجھ سے بدظن کرنے کے لیے کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے اور علی بغیر تحقیق کے ہی مجھ پر زیادتیوں اور الزامات کی بھرمار کردیتے۔ میں خاموش رہتی، مجھے اتنا پریشان اور ذلیل کیا جاتا کہ میں تنگ آکر خود ہی وہاں سے چلی جاؤں۔

کبھی، کبھی آپا جھنجلا جاتیں اور کہہ دیتیں۔

”تم یہاں سے غارت کیوں نہیں ہوجاتیں۔ ارے ہم نے تو سوچا تھا کہ غریب گھر کی بے آسرا لڑکی ہو، دو روٹیاں ملازم نہیں کھاتے تم کھالوگی لیکن تم۔ تم گھنی، میسنی، چالاک تم تو علی کی جان سے ہی چپٹ گئیں۔“ میں سنتی اور بس اپنے اللہ کے حضور گڑگڑاتی۔

علی فطرتاً ایک اچھے انسان تھے، ان کا دل جیتنا مشکل ضرور تھا...... ناممکن نہیں وہ...... میرے میکے نہ جاتے اور نہ ہی مجھے جانے دیتے۔ ان کے گھر والے مجھے بے عزت کرتے۔ میں کچھ نہیں مانگتی تھی۔ صرف اتنی عزت تو میرا حق تھا۔ جو ایک بہو کو ملتی ہے یا اِک بیوی کو لیکن نہ جانے کیوں میں ہمیشہ محروم ہی رہی۔

☆☆☆

آج میرے بابو جی کی برسی تھی۔ مجھے اپنے باپ سے عشق ہے۔ صبح سے میرا دل گھبرا رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ کسی طرح اڑ کر اپنے بہن، بھائیوں کے پاس پہنچ جاؤں اور اپنے بابو جی کے کمرے میں تنہا بیٹھ کر بہت روؤں...... وہ سارے آنسو جنہوں نے میرے دل میں زخم ڈال دیے ہیں۔ وہ تمام شکوے جو مجھے دنیا سے ہیں، وہ تمام زیادتیاں جو لوگ مجھ پر کرتے ہیں‘ ان سے کہوں لیکن کیسے؟

میں کچن میں روٹی پکا رہی تھی کہ صبح سے مجھے اتنی فرصت بھی نہ ملی کہ میں دو نفل پڑھ کر اپنے باپ کو بخش دیتی کہ میری دیورانی نے بڑی بے پروائی سے مجھ سے کہا۔

”آج آپ کا چھوٹا بھائی کئی دفعہ آپ کو لینے آیا؟“

''کب......تم نے مجھے بتایا نہیں؟'' میرے سینے پر اِک گھونسا سا لگا۔

''میں نے مناسب نہیں سمجھا۔'' اس نے ... بے پروائی سے سلاد کھاتے ہوئے کہا۔ ''گھر پر کام بہت تھا ناں اس لیے۔''

''اب ایسی بھی شکل بنا کر مت بیٹھو، اِک تو تمہاری شکل خراب ہے اوپر سے بنا بھی لیتی ہو۔ تمہیں دیکھ کر تو میرا دل گھبرانے لگتا ہے، اب تمہارے گھر میں آگ تو لگی نہیں ہوگی، ہوگی کوئی ضرورت تمہارے بہن، بھائیوں کو...... کچھ پیسے چاہیے ہوں گے۔'' میری بڑی نند آپا بلقیس جو اکثر و بیشتر یہیں رہتی تھیں نے میرے دل و دماغ پر ہتھوڑے برسائے۔

''ارے نہیں آپا......'' میں روز کی طرح اپنی اور اپنے بہن، بھائیوں کی ذلت سہہ گئی۔ ''آج کل تو آپ آئی ہوئی ہیں، میں گھر کیوں جاؤں گی۔'' میرا صبر انتہاؤں پر تھا۔

''تو تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ میرے میکے آنے کی وجہ سے تمہارا میکے آنا جانا بند ہوگیا اور بی بی بات سن لو، جن کے ماں، باپ نہیں ہوتے ان کا کوئی میکا نہیں ہوتا سمجھیں...... ہم تو یہ سوچ کر تم کو بیاہ کر لائے تھے کہ تمہارے آگے پیچھے ماں، باپ نہیں ہیں اور بہن، بھائی تو کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے۔ لیکن تمہاری تو جان ہی نہیں چھوٹی، اچھا خاصا علی کے لیے ایک چھوٹی سی فیملی میں مجھے لڑکی پسند آگئی تھی لیکن یہ ندرت ہے ناں...... اسے تم میں نہ جانے کیا نظر آیا کہ پھنسا کر رکھ دیا علی کو جنجال پورہ میں، اتنا عرصہ ہوگیا تم کو ہمارے ساتھ رہتے ہوئے تمہارے چہرے کی غربت ہی ختم نہیں ہوئی۔'' آپا نہ جانے کس بات کا غصہ نکال رہی تھیں۔ وہ تو ویسے بھی بولتیں تو خاموش نہیں ہوتی تھیں اور آج تو مجھے صلواتیں پڑ رہی تھیں تو پھر خاموشی....

''چلیں آپا، میں آپ سے معافی مانگ لیتی ہوں، میری غلطی ہے۔'' میں عاجزی سے بولی۔ بہت عرصہ ہوا میں نے وضاحتیں دینی چھوڑ دی تھیں۔ اب تو میرے منہ پر جھوٹ بولا جاتا اور میں کان لپیٹے کام میں مصروف رہتی۔

میں نے صبر کی ٹھان لی تھی لیکن کیا صبر کرنا آسان ہے؟ صبر اور وہ بھی ایسا صبر......

☆☆☆

''بھابی چائے پی لیں۔'' ملازمہ میرے لیے گرما گرم چائے لیے کھڑی تھی۔ میں جو ابھی کچن سے فارغ ہو کر ٹھنڈے کمرے میں آکر بیٹھی تھی کہ علی کو مجھ سے کوئی کام تھا کہ زہرہ فرشتے کی طرح محبت سے چائے لے کر آگئی۔

''نہیں، میرا دل نہیں چاہ رہا۔'' میں نے رسان سے منع کیا کہ کوفت سے میرا تو برا حال ہو رہا تھا۔ زہرہ اور میری خاطر داری۔

''چھوڑو زہرہ، دلہن کی آج کل طبیعت ٹھیک نہیں ہے، تم کچن دیکھو۔'' آپا نے منافقت سے کہتے ہوئے زہرہ کو جانے کا اشارہ کیا کہ انہیں اپنے بھائی سے ایک بڑا چیک لکھوانا تھا۔

اور میں ان ڈراموں کی عادی تھی۔ علی کی ہمدردی اپنی اتنی اچھی بہنوں کے ساتھ کیوں نہ ہوتی کہ میں آرام سے صوفے پر پیر اونچے کر کے بیٹھی ہوں اور ان کی چھوٹی بہن کچن میں مصروف ہے، واہ ری قسمت......

لیکن اللہ جانتا ہے۔ اللہ تو دلوں کے بھید جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری منافقتیں اور ہماری چالیں سب سمجھتا ہے۔ بندہ لاکھ اپنی چالیں چلے جب اللہ اپنی چال چلے گا تو......؟

''میری بہنیں آپ کا کس قدر خیال رکھتی ہیں اور آپ کے نخرے ختم ہوتے میں ہی نہیں آتے۔'' رات کو جب دکھے دل اور ٹوٹتے بدن کے ساتھ میں بستر پر آکر لیٹی تو علی نے کتاب بند کرتے ہوئے میری طرف کروٹ بدل کر کہا۔

''جی......'' میں نے ہولے سے کہا اور کوئی میرا اندر بڑے زور سے چیخا۔ ''ان اللہ مع الصابرین۔'' اور چند بے آواز آنسو میرے اندر کہیں گر گئے۔

''کیا بات ہے، جواب کیوں نہیں دے رہیں آپ؟'' علی کی آواز میں دبا، دبا غصہ تھا۔ جو اس بات کی نشاندہی کر رہا تھا کہ آج کوئی نئی کہانی سنائی گئی ہے۔

''کیا کہوں...... کہ آج سارا دن کیا ہوتا رہا؟'' میں نے تکلیف کو دباتے ہوئے اس شخص سے کہا۔ جو نکاح کے تین بول پڑھوا کر مجھے لے آیا تھا۔ جس سے میرا رشتہ ضرورت کا تھا...... جس کی خاطر میں نے اپنے اندر ہر قسم کا سمجھوتا پیدا کیا۔ جس کے لیے میں اپنی خوشی، اپنی انا، اپنی خودداری کہیں رکھ کر بھول گئی تھی۔

جس کی ایک محبت کی نظر کے لیے میں نہ جانے کیا، کیا سہتی تھی...... میں خیالوں میں نہ جانے کہاں تک پہنچ جاتی کہ علی کی آواز مجھے واپس لے آئی۔

''کیا ہو رہا تھا؟''

''آپ یقیناً فیشل کروانے گئی ہوں گی۔'' علی نے میری چمکتی ہوئی جلد پر اک طنزیہ نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''چلیں یہی سمجھ لیں۔'' میں ہلکے سے مسکرائی۔

زندگی میں نہ جانے کیا، کیا سہنا تھا لیکن میرے اللہ میرا بھرم میری عزت قائم رکھنا۔ میرے مالک اس چہار دیواری سے باہر، میری ذات کو مجروح نہ کرنا۔

''کیا آپ ناراض ہو گئے؟'' علی نے کروٹ بدل لی تھی۔ میں نے ان کے بازو پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔ کیونکہ حسبِ حالات میں نے ہار مان لی تھی۔ غلطی کیے بغیر ہی مجھ کو منانا تھا اور مجھ کو ہی معافی مانگنی تھی۔

ہمیشہ کی طرح وہ لوگ جیت گئے تھے، اِک چھت کے لیے ایک سائبان کے لیے، اپنے ماں، باپ کی عزت کے لیے .... اس مان کے لیے جو میرے ماں باپ مجھ پر کرتے تھے۔

میں دن میں کتنی بار اپنی انا کو تار، تار کرتی تھی...... یہ صرف میرے اور میرے اللہ کے درمیان تھا۔

''ہاتھ ہٹائیں...... اور لائٹ آف کریں۔ بند کریں یہ ڈراما، میں سونا چاہتا ہوں۔'' علی نے درشتی سے کہا۔

اور میں نے لائٹ آف کر دی۔

کبھی، کبھی میں سوچتی کہ ہر چیز کو ٹھوکر مار دوں۔ اور چیخ کر کہوں بہت ہو گیا۔ اب بس کریں...... خدا کے لیے اس ظلم کو ختم کریں۔ میں ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی ہوں کہیں جاب کر کے عزت اور آرام سے دو وقت کی روٹی کھا سکتی ہوں لیکن مسئلہ روٹی تو نہیں تھا تو کیا تھا پھر؟

''کیا تعلیم کا صرف یہی استعمال ہے کہ جاب کرلو......؟'' کوئی میرے اندر سوال کرتا اور میں بالکل بے بس ہو جاتی۔

میں اس بات کو جانتی تھی کہ ہمارا معاشرہ مردوں کا معاشرہ ہے۔ ہم لاکھ دعویٰ کریں کہ مرد اور عورت برابر ہوتے ہیں، نہیں اس سوسائٹی میں عورت صرف عورت ہوتی ہے۔ اور مطلقہ عورت کے لیے تو گھر کے باہر دنیا منہ کھولے اس عورت کو نگلنے کے لیے تیار ہے۔ اور وہی دوست احباب جو آج میری اچھائیوں کے دعویدار تھے کل مجھ سے ملنے سے کترائیں گے۔ میرے منہ پر تسلی دے کر میرے پیچھے میرے کردار پر کیچڑ اچھالیں گے۔ وہ مرد جو ہمیشہ نظریں نیچی کر کے مجھ سے بات کرتے ہیں، ان کی ہوس بھری نظریں میرے جسم میں پیوست رہا کریں گی۔ ہر شخص اپنی بہن اور بیوی سے چھپ کر مجھ پر کمخواب کی چادر ڈالنے کے لیے تیار ہو گا۔

میں اکیلی عورت کس، کس محاذ پر اپنا دفاع کروں گی۔ ایک چادر اور چار دیواری تو ہے، دل ہی تو دکھتا ہے، عزتِ نفس کچلی جاتی ہے امیدوں، آرزوؤں اور خوشیوں کے جنازے روز اٹھاتی ہوں، گیلی پلکوں کے ساتھ سوتی ہوں اور دکھے دل کے ساتھ اٹھتی ہوں، اِک محبت کی نظر اور پیار بھرے جملے کے لیے ترستی ہوں، رات بہت اندھیری ہو گئی ہے لیکن صبح کی امید تو ہے، ابھی میری کشتیاں جلی تو نہیں؟ آس اور امید باقی ہے......

دعا کے لیے ہاتھ تو اٹھتے ہیں، مجھے یقین ہے رحمان کی رحمت ایک دن جوش میں ضرور آئے گی امید قائم ہے اور جب رات بہت گہری ہو تو صبح قریب ہوتی

ہے اور میرے لیے رات بہت اندھیری اور بہت گہری ہوگئی تھی۔ اور میرے مالک کی رحمت جوش میں آئی۔ اور ضرورت کے کسی لمحے میں، میرے مالک نے میری گود میں میری پیاری بیٹی کو ڈال دیا۔

جب وہ پیدا ہوئی تو اطمینان کی ایک ٹھنڈی لہر میرے سینے میں اتر گئی کہ میری بیٹی، میری دوست، میری غمگسار، میری حمایتی دنیا میں آگئی ہے...... میں اسے دیکھ، دیکھ کر جیتی اور ہر وقت اللہ کا شکر ادا کرتی اور دل میں سوچتی جب یہ بڑی ہوگی تو میں اسے اپنے دل اور روح کا اِک، اِک زخم دکھاؤں گی اور پھر اس کے کندھے پر سر رکھ کر بہت روؤں گی۔ میں مرنے سے پہلے اسے اپنے زخم دکھاؤں گی اور کہوں گی کہ تم ہی تو میری وہ غم گسار ہو جس کے لیے میں نے راتوں کو اٹھ، اٹھ کر اللہ سے دعا کی۔

وقت اور حالات کبھی ایک سے نہیں رہتے، دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن ضرور آتا ہے۔ کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی راتیں......

میری ساس کا انتقال ہوگیا چھوٹی نند شادی ہوکر کینیڈا چلی گئی۔ آپا میں وہ دم خم نہ رہا۔ بچوں کے بڑے ہونے کے بعد آنا بھی کم ہوگیا تھا۔ دیور، دیورانی کی اپنی الگ دنیا تھی اور علی اور میری زندگی میں جب تنہائی آئی جب علی کے کان بھرنے والے چھٹ گئے اور علی کی آنکھوں پر پڑا غفلت کا پردہ ہٹ گیا تو دنیا میں اللہ کے بعد میرے سب سے بڑے حمایتی وہی تھے۔ اب میں اس وسیع وعریض کوٹھی کی حکمران ہوں، علی مجھ سے بہت محبت کا اظہار کرتے ہیں بلکہ عملی طور پر بھی وہ میرے لیے سایہ دار درخت ہیں، اللہ انہیں میرے سر پر سلامت رکھے...... میری محبتوں اور خدمتوں اور قربانیوں نے ان کے مزاج کو یکسر بدل دیا لیکن جو زخم لگ گئے ان سے آج بھی خون رستا ہے، جو جملے، جو طعنے میرے کانوں نے سنے ان کی بازگشت کبھی، کبھی سونے نہیں دیتی۔ لیکن آج کے اس سکھ کے لیے میں نے اپنی زندگی کے بیس سال دے دیے۔ میرے اندر ...نوجوان، شوخ وچنچل لڑکی کی جگہ ایک ذمے دار ماں ایک مخلص بیوی اور ایک ہمدرد مالکن آکر بس گئی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ میری جوانی کہاں گئی؟ میری زندگی کس نے گزاری......؟ وہ زندگی جس کا اِک لمحہ بھی میں نے اپنی مرضی اور خوشی سے نہ گزارا، کیا میرے مالک تو اس زندگی کا حساب مجھ سے لے گا؟

میری پیاری بیٹی، میری جان، میری زندگی میں تمہیں کیسے بتاؤں؟ تمہاری تربیت میں، میں نے اپنی تمام صلاحیتیں استعمال کیں اور اللہ کا شکر ہے کہ میں کسی بھی طرح شرمندہ نہ ہوئی۔ تم اور تمہاری تربیت میرا وہ کارنامہ ہے جس نے تمہارے دودھیال میں میرا سر فخر سے بلند کردیا۔ تم صبر، قناعت، ہمدردی اور غمگساری میں میرا عکس ہو۔ سوچا تھا ایک دن تمہارے کاندھے پر سر رکھ کر اپنے اندر جمے سارے آنسو بہادوں گی، بہت روؤں گی، مرنے سے پہلے میں رونا چاہتی ہوں، زندگی میں کبھی کسی نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میں کیا چاہتی ہوں، ہر شخص نے صرف یہ بتایا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے، کیا تم مجھ سے پوچھوگی؟ کیا تم رونے کے لیے مجھے اپنا کندھا دوگی؟

لیکن میں نے پوری زندگی اس بات کا بہت خیال رکھا کہ کسی کو مجھ سے کوئی تکلیف نہ پہنچے سب مجھ سے خوش رہیں اور تم تم تو میری بیٹی ہو میری جان ہو، میں تمہیں اپنی بپتا سنا کر کیونکر دکھی کروں۔ میرا بیٹا آج ہاورڈ یونیورسٹی میں اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑ رہا ہے اور میری بیٹی بہترین تربیت لے کر پیا دیس سدھار گئی۔

''ہاں میری جان ہاں...... میں بہت خوش قسمت ہوں، شوہر کی من چاہی، سسرال اور میکے دونوں طرف چاہے جانے والی، عزت دار، سلیقہ شعار، رکھ رکھاؤ والی، اللہ نے مجھے دین اور دنیا کی ہر نعمت دی ہے۔ خوب صورت، فرمانبردار، قابل اولاد...... میری زندگی قابلِ مثال اور قابلِ فخر ہے۔ زندگی نے بہت نوازا ہے مجھے میں بہت خوش قسمت ہوں ہاں بہت خوش قسمت......!''

''مائے گاڈ حیدر..... تم کہاں چلے گئے تھے.....یوں اکیلے..... سیل بھی گھر چھوڑ دیا تھا.....میری تو جان.....''

''آئی ایم سوری آنٹی..... میری وجہ سے ان کی وھیل چیئر خراب ہوگئی تھی ورنہ یہ اب تک گھر پہنچ چکے ہوتے۔''

اور سمیعہ کی نظروں میں یک دم وھیل چیئر کے پیچھے کھڑی لڑکی گرفت میں آئی تھی۔

''آپ.....؟'' حیرت بھرا انداز سوال......

''مومنہ.....مومی کہہ کر بلاتے ہیں سب۔'' اس نے آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ سمیعہ کے آگے کیا تھا۔

سمیعہ انہیں گھر سے ذرا فاصلے پر ملی تھیں۔ وہ یقیناً حیدر کو تلاش کرتے ہوئے وہاں تک آئی تھیں..... ان کے ساتھ ان کا ملازم افضل بھی تھا۔

''اوہ..... بہت شکریہ مومنہ..... بہت شکریہ.....'' سمیعہ نے گرم جوشی سے اس کا ہاتھ تھامے رکھا تھا۔

''افضل..... کیپٹن صاحب کو لے کر چلو.....'' سمیعہ نے مڑ کر کہا تھا۔

''آؤ، مومنہ میرے ساتھ آؤ..... اب ایک چائے کا کپ تو بنتا ہی ہے۔''

''شیور وائے ناٹ.....''

ناولٹ

من جاں بازم

سحر ساجد

نواں حصہ





اپنی پشت پر ابھرنے والی اس آواز پر حیدر .... بے ساختہ مجبور ہوا کہ اس اخلاق کے مظاہرے پر وہ مڑ کر گھور کر اس لڑکی کو دیکھے..... جو کہ اب دھیمی رفتار کے ساتھ سمیعہ سے باتیں کرتی ہوئی چلی آ رہی تھی۔

''اسٹوپڈ......'' وہ سر جھٹک کر شدید ناگواری سے بڑبڑایا تھا۔

☆☆☆

گزرنے والا ایک سال...... بے حد سخت گزرا تھا۔

اس سال کا زیادہ حصہ اس نے اسپتال میں گزارہ تھا...... وہ اس قابل بھی نہیں رہا تھا کہ خود سے کروٹ بدل سکے۔

ایک سال میں اس نے ایک سے زیادہ سرجریز بھگتی تھیں۔ وہ بے حد مشکل وقت تھا۔ وہ بہت سی پرابلمز کا شکار ہوا تھا...... بیک بون پین، ابنارمل پلز، شدید گھبراہٹ، بی پی...... اور bowel control جیسے پرابلمز اس نے سہے تھے۔ اس کی حالت کو بہتر اور توازن ہونے میں بہت عرصہ لگا تھا۔ فزیوتھراپی...... ایکسرسائزز یہ ابھی تک چل رہی تھیں۔ اس کا بایاں پاؤں بھی ٹیڑھا ہی تھا۔ ایک سرجری ابھی اس کے لیے ہونی تھی۔ وہ خود سے موو کرنے کے قابل نہ رہا تھا۔ اور وہ بضد تھا کہ اسے یہ بھی کروانی ہے...... مگر ڈاکٹرز متفق نہیں تھے...... وہ بے حد کمزور ہو چکا تھا...... اس نے میجر سرجریز بھگتی تھیں اور یہ آسان کام نہیں تھا...... وہ چاہتے تھے کہ اس کی حالت ذرا سی سنبھل جائے تو پھر دیکھا جائے گا۔ اس کی مجموعی صحت کا امپروو ہونا زیادہ ضروری تھا۔ صحت ہو گی تو وہ کسی اور سرجری کی نئے آپریشن کا متحمل ہی ہو سکے گا۔ ڈاکٹرز اس کے بازو کے بارے میں... پرامید تھے کیونکہ اس کا نرو مجروح ہوا تھا...... جبکہ ٹانگ کے بارے میں وہ بالکل بھی پرامید نہیں تھے۔ شاید کہ وہ اب کبھی نہ کھڑا ہو سکے...... شاید کہ وہ یوں ہی وھیل چیئر پر ہی...... آہ...... یہ بھی زندگی اور اس کی حقیقتیں...... خواب، سپنے...... فینٹسی...... رومینس...... یہ سب تو جیسے اِک بادِ بہار کا جھونکا تھا اور بس...... جس دن اس کے علم میں آیا کہ اس کا بایاں حصہ کیوں موو نہیں کر پا رہا...... اور اب وہ موو کرے گا بھی یا نہیں...... اس دن کی رات، وہ رات...... معمول سے زیادہ سیاہ تھی، زیادہ بھاری تھی۔ وہ ایسی ہی اِک رات تھی کہ جس کی صبح میں بال سفید ہو جایا کرتے ہیں، وہ collapse کر گیا تھا۔ یہ آسان نہ تھا...... بالکل بھی آسان نہیں تھا۔ وہ اب تک اپنے جسم کا مفلوج ہو جانا وقتی بات سمجھ رہا تھا مگر جب اسے بتایا گیا تو......تو......

''مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔''

''حیدر۔'' سمیعہ نے بھرائے لہجے کے ساتھ اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''ممی میں نے کہا ناں مجھے اکیلا چھوڑ دیں......'' اور اس نے ماں پہ شاؤٹ کیا۔

''حیدر سب ٹھیک ہو جائے گا بلیومی......'' اب کہ یہ کرنل صاحب تھے۔

''کیا ٹھیک ہو جائے گا ......کیا؟ میں ایک cripple سے زیادہ اور کچھ بھی نہیں اب......'' وہ باپ پر بھی برہم ہوا تھا...... سمیعہ اور کرنل صاحب نے رک کر ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر کمرے سے باہر چلے گئے۔ اور ان کے جاتے ہی اس نے بازو میں لگی ڈرپ کی سوئی کو کھینچ کر باہر نکالا اور پرے پھینک دیا۔ چند لمحے وہ تکیے پر سر گرائے لمبی، لمبی سانسیں لیتا رہا اور پھر اس نے ذرا سا اٹھ کر اپنے بائیں پیر کو دیکھا۔

''میرے خدا......'' اور اس نے تکلیف سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اس نے بِنا فائر کے اپنے سینے میں سوراخ ہوتا محسوس کیا تھا...... اس کا پورا، پورے کا پورا وجود کسی بلیک ہول میں بدل رہا تھا۔ اس کے سینے میں یک دم اِک آگ سی بھڑکی تھی۔

''کیوں؟ میں ہی کیوں......؟'' اس نے ہاتھ مار کر بیڈ کے ساتھ رکھی ٹیبل پر موجود چیزوں کو نیچے گرایا...... نیک بریس کو کھینچ کر اتارنا چاہا اور......

''حیدر۔ حیدر پلیز ایسا مت کرو، مت کرو ایسا......'' سمیعہ چیزوں کے گرنے کی آواز پہ حواس باختہ ہو کر بھاگ کر آئی تھیں اور یوں مشتعل دیکھ کر وہ

اس کے سامنے روتے ہوئے کہہ رہی تھیں اور وہ کچھ نہ بولا۔ مزید کچھ نہ کیا بلکہ گہری، گہری، سانسیں لیتا رہا۔ اس کے جبڑے بھینچے ہوئے تھے اور آنکھیں نم تھیں اور پھر کتنے ہی دن وہ اسی اک حالت میں رہا۔ خاموشی، بیزاری، غصہ، طیش...... فزیوتھراپسٹ کو اس سے شکایت ہونے لگی تھی۔ اسٹاف کو وہ ''دفع ہو جاؤ'' کہہ کر کمرے سے باہر نکال دیتا...... وہ اتنا بے بس ہو چکا تھا کہ جسمانی ضروریات بھی خود سے ادا کرنے سے قاصر ہو گیا تھا اور یہ چیز اسے تڑپاتی تھی۔ غصہ دلاتی تھی، وہ خود پہ دوسروں کو رحم کھاتا نہیں دیکھ سکتا...... بالکل بھی نہیں...... وہ اپنے جسم کے بائیں حصے کی طرف نظر بھی نہ کرتا...... وہ اسے دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ یوں جیسے یہ اس کا جسم نہ تھا کسی دوسرے، تیسرے کا تھا...... بعض اوقات جب وہ درد کا شکار ہوتا یا پھر اس کی دھڑکن تیز ہوتی تو وہ اسٹاف کو ٹریٹمنٹ کرنے سے بھی روکنے کی کوشش کرتا۔ اس نے زندگی میں سب کچھ کھو دیا تھا، سب کچھ...... اور قریب تھا کہ وہ خودکشی کے مختلف طریقوں پہ غور کرنے لگتا کہ اک دن جب وہ ایسے ہی میس (mess) پیدا کر رہا تھا تو کرنل صاحب نے یک دم دونوں ہاتھوں سے اسے گریبان سے پکڑا اور بیڈ سے چند انچ اوپر اٹھایا۔ ان کا چہرہ سرخ تھا اور وہ طیش میں نظر آتے تھے۔ سمیعہ کی ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ وہ ہاتھ منہ پر رکھے حیرت اور خوف سے کرنل صاحب کو دیکھ رہی تھیں۔

''تم جانتے ہو، تم کون ہو...... کون ہو تم؟'' اور وہ تعجب سے پُر آنکھوں سے انہیں دیکھتا جاتا تھا۔

''تم ایک سولجر ہو، کمانڈو ہو کمانڈو...... کیا تم بھول گئے کہ تم اشرف المخلوقات ہو...... اِک اشرف مخلوق......!'' وہ غصے سے کہہ رہے تھے۔

''کیا تم جانتے ہو ایک کمانڈو اور عام انسان میں کیا فرق ہوتا ہے؟'' انہوں نے چند انچ اور اسے اوپر اٹھایا۔

''بھلا کیا...... یہ میں تمہیں نہیں بتاؤں گا حیدر...... بالکل بھی نہیں...... یہ تمہیں پتا ہونا چاہیے۔ تمہیں یاد ہونا چاہیے۔'' انہوں نے جھٹکے سے اسے چھوڑا تھا۔ اس کا وجود بیڈ سے ٹکرایا تھا اور ابھی وہ باپ کو تعجب سے دیکھتا تھا۔

''آج کی رات ہے حیدر...... تمہارے پاس محض آج کی رات اور تم خود فیصلہ کرو گے کہ تمہیں cripple بننا ہے یا کہ فوجی...... it's up to you now'' اس کے سینے پر انگلی سے ٹھونک بجا کر انہوں نے کہا اور جبڑے بھینچ کر اِک کرخت نظر سے اسے دیکھا۔ حیدر محسوس کر سکتا تھا کہ انہوں نے اپنے ہاتھ کو بڑی مشکل سے روک رکھا تھا ورنہ اب تک ایک گھونسا اس کا جبڑا بھی توڑ چکا ہوتا اور پھر وہ وہاں سے اسی پُر طیش انداز میں چلے گئے تھے۔ سمیعہ اور حیدر کی نظروں نے دروازے تک ان کا پیچھا کیا تھا اور دروازہ زور سے بند ہونے پر وہ دونوں ہی اِک جھرجھری سی لے کر رہ گئے تھے۔

اور اب اس کے پاس محض ایک رات تھی......

ایک رات...... اور وہ ساکت لیٹا رہا...... چھت کو گھورتا رہا...... اس کی آنکھوں کے سامنے مناظر بھاگتے تھے اور وہ گزرتے ہوئے ماضی کو یادداشت کے بل پر آنکھوں کے عین سامنے زندہ ہوتا دیکھ سکتا تھا اور منظر جی اٹھے تھے۔

''جوان......''

''یس سر......''

''مورال کتنا ہے؟''

''ہائی سر......''

''اپ ٹو؟''

''اسکائی سر......''

''تمہیں زندہ رہنا ہے اگر سروائیو کرنے کے لیے ہاتھ کی انگلیاں چبا کر کھانی بھی پڑیں تو تب بھی تمہیں سروائیو کرنا ہے...... زندہ رہنا ہے ہر حال میں رہنا ہے، ہر حال میں......

"Take...Position...Aim... Shoot"

اور اس کے کانوں میں تڑ، تڑ فائرنگ کی آواز گونجنے لگی۔

وہ، وہ تھا کہ جو موت کے تعاقب میں تھا اور اب

...... اب اس نے حیرت سے اپنے نیم مردہ وجود کو دیکھا...... کیا سوچ کر اس نے collapse (ہاتھ پیر چھوڑنا، ڈھے جانا) کرنا چاہا تھا۔ ہاں کیا سوچ کر وہ بے یقین تھا، حیران تھا تو اب صرف اس کے پاس اک رات تھی...... محض اک رات... وہی ایک رات کہ جس میں اسے یہ طے کرنا تھا کہ اسے یوں ہی گرے رہنا تھا...... اوندھے منہ یا کہ...... یا کہ ہمت کو اسی راکھ سے دوبارہ اٹھانا تھا۔ حوصلے کو جنم دینا تھا اور بہادری کو جگانا تھا...... یہ سب اسی ایک رات نے طے کرنا تھا۔ وہ بہت سی چیزوں سے گزرا تھا، اس رات وہ آزردہ ہوا...... تڑپا...... شکوہ کیا...... مرجانا چاہا مگر جیسے ہی آنکھوں میں آنسو آئے...... اسے لگتا کہ اب بس...... اب کہ وہ رویا تو...... یہ توہین ہوگی...... زیادتی ہوگی۔ وہ ان آنسوؤں کو گلے سے نیچے اتار لیتا...... اس کے پاس اس وقت صرف اور صرف اللہ تھا۔ رو لیتا تو کیا جاتا......؟ مگر رونا اسے اپنی ہی بے عزتی کے مترادف محسوس ہوا۔ ایسا کرنے سے خود ہی شرمندگی محسوس ہوتی ہے...... تو بس وہ بھی...... وہ ہی تھا...... اتنی سخت ٹریننگ شاید اسی دن کے لیے دی جاتی ہے۔ یہ ہی سکھایا جاتا ہے کہ......

"how to survive" چاہے کیسے بھی حالات ہوں...... کیسا بھی موسم...... کتنی بھی کٹھن راہ ہو...... بقا کیسے حاصل کرنی ہے، کیسے زندہ رہنا ہے یہی تو...... یہی تو سکھایا جاتا ہے۔ زندگی کی وہ رات بھاری ضرور تھی، سخت ضرور تھی...... لیکن اس ایک رات نے بڑا کچھ طے کر دیا تھا۔ اور جب اس رات کی صبح کا ذب نمودار ہوئی اور مؤذن کی آواز نے تیرگیوں کو کاٹ کر اجالے کی نوید دی تو...... اس نے جھک کر نیچے گری گھنٹی اٹھائی...... اسے بجایا اور اپنے اٹینڈنٹ سے کہا۔

"مجھے وضو کرنا ہے......" وہ بے حد مضبوط لہجے میں بولا تھا۔

"اور کون ہے جس کی رحمت تمہیں تب ڈھانپ لیتی ہے جب تم غم کے غضب کا شکار ہو رہے ہوتے ہو۔ وہ اللہ...... الرحمان الرحیم......" آپ گر بھول رہے ہیں تو آپ کو بتلادوں کہ حیدر کون تھا؟ ہاں (the few' the proud...the commandos)

☆☆☆

اس کے بعد ایک لمبا سلسلہ شروع ہوا۔ سرجریز کے زخم مندمل ہونے کے بعد...... ریکور کرنے کے بعد...... ایکسرسائزز اور فزیو تھراپی کا ایک لمبا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ اور اب وہ ایک تعاون کرنے والا مریض تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا اور اب جب اس کی حالت کچھ سنبھلی اور وہ گھر شفٹ ہوا تو معلوم ہے اس نے پہلا جملہ کیا کہا۔

"میری گن کہاں ہے؟" بیڈ پر نیم دراز سائڈ ٹیبل کی دراز کھولے سوال کیا گیا...... عادل نے رک کر حیرت سے اسے دیکھا۔

"میری 9 mm کہاں ہے عادل بھائی؟" اس نے دہرایا۔ حیدر کو محسوس ہوا کہ عادل کو اس کا سوال سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

"تم نے اسے کیا کرنا ہے؟" حیرت اب بھی لہجے میں تازہ تھی۔

"ایک پسٹل سے کیا، کیا جاتا ہے؟" وہ جواب دیتے ہوئے الٹا حیران ہوا۔

"تم، تم......؟"

"سیدھا ہاتھ سلامت ہے۔" اس نے سنجیدگی سے جواباً ہاتھ ہلا کر کہا تھا۔ عادل کا دل اک لمحے کے لیے بھر آیا۔ وہ اپنی بھری آنکھوں کے ساتھ مسکرایا تھا۔

"ممی...... ممی...... حیدر کی گن کہاں ہے؟ سائڈ ٹیبل کی دراز میں نہیں ہے۔" وہ بولتا ہوا کمرے سے باہر نکلا تھا۔

اور چند لمحوں بعد وہ گھر کے لان میں موجود تھا...... عادل نے باٹل پام کے موٹے تنے پر چاقو سے کراس کا نشان لگایا تھا...... حیدر نے گن کو ایک ہاتھ سے لوڈ کیا، اسے اٹھایا۔ نشانہ باندھا اور...... ڈز......

نشانہ پہلے جیسا نہیں تھا...... مگر...... برا بھی

نہیں تھا۔

''ناٹ بیڈ......'' اس کی وہیل چیئر کے پیچھے کھڑا عادل اس کا کندھا تھپتھپا کر کہہ رہا تھا۔

لان میں بائل پام کے دو درخت تھے۔ جن کی بلندی کو سر اٹھا کر ماپنا پڑتا تھا...... تنے بے حد موٹے اور جڑیں زمین کے اندر......اور وسیع رقبہ گھیرے ہوئے...... اور اب ان درختوں کے تنوں کی چھال ادھڑی ہوئی نظر آتی تھی...... اتنے داغدار سے ہو گئے تھے۔ اور جب یہ خدشہ لاحق ہوا کہ درخت اب گر جائیں گے تو تب اس نے پریکٹس کرنی بند کی تھی......

تب عادل اسے پاسبان شوٹنگ رینج میں لے کر جانے لگا تھا اور جب وہ نہ ہوتا تو اس کے اٹینڈنٹ یہ فریضہ انجام دیتے تھے۔ اسے اپنا نشانہ ٹھیک نہیں کرنا تھا......

اسے تو اپنی پہلے جیسی مہارت واپس چاہیے تھی تو ثابت ہو گیا کہ ایک فوجی وہ ہوتا ہے جو محبِ وطن اور بہادر ہوتا ہے۔ وہ بزدل تو نہ تھا جو ڈھے جاتا، بہادری پر شک کرنا تہمت کے برابر تھا اب اور......

حب الوطنی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ ایک دوسرے اسلامی ملک کے لیے اس نے اپنے ملک کی ناموس کا جھنڈا بلند رکھا تھا۔ اس کی حالت ذرا سی سنبھلی تو اس نے پاؤں کے آپریشن کے لیے کہا تھا۔ اور اس بات کے لیے وہ ایک ضدی بچہ بن گیا تھا۔

اسے ہر حال میں آپریٹ کروانا تھا...... اگر وہاں 0.5 فیصد چانس بھی ہوتا ناں تو...... اسے وہ بھی avail کرنا تھا۔

ڈاکٹرز نے اسے دبے، دبے لفظوں میں آپریشن کی کامیابی کے تناسب کے بارے میں آگاہ کیا تھا مگر وہ ایک ضدی بچہ بن گیا...... اور اس نے یہی کہا ......اسے آپریٹ کروانا ہے...... ہر حال میں...... چاہے چانسز کتنے ہی کم کیوں نہ ہی اور......

اور اس کا یہ آپریشن کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اس کے پاؤں کی حالت میں ذرا سی تبدیلی بھی نہیں آسکی تھی...... وہ...... ویسے کا ویسا ہی ٹیڑھا تھا...... ایک اور دھچکا......ایک اور جھٹکا......

کتنے ہی لمحے وہ اپنے ٹیڑھے پاؤں کو دیکھتا رہا۔ تو وہ اب عام جوتے بھی نہیں پہن سکتا تھا۔ کبھی نہیں...... تھک کر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس نے جسم کو ڈھیلا چھوڑا تھا۔ یہ لڑائی تھی...... جنگ تھی......اور وہ ہار نہیں مان سکتا تھا۔ اسے مرنا سکھایا گیا تھا...... ہارنا نہیں...... مورال ڈاؤن ہو سکتا تھا، حکمتِ عملی کے طور پر وہ پسپا ہو سکتا تھا مگر...... فائٹ......وہ یہ کرنا نہیں چھوڑ سکتا تھا...... کیونکہ......وہ......ایک فوجی تھا۔

☆☆☆

موی اس دن پارک میں واک کے لیے گئی تو نظر یک دم سمیعہ آنٹی پر پڑی تھی۔

ہائے آنٹی......'' اس نے دور سے ہی پکارا اور جوش سے ہاتھ ہلایا۔ جواباً انہوں نے بھی ہاتھ ہلا کر جوش کا مظاہرہ کیا تھا۔

وہ اس وقت ریڈ کلر کے پشمینہ کے سوٹ میں ملبوس تھیں۔ اس عمر میں بھی ان کی جلد دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اتنا glow بڑے سے بڑے پارلر کے دس چکر لگانے کے بعد بھی نہ آئے۔

''واؤ...... لکنگ ہاٹ آنٹی......'' اس نے بے تکلفی سے شرارت سے قریب آ کر کہا تھا۔ اور وہ ہنس پڑیں، اسے چلتے رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ بھی وہاں واک کے لیے آئی تھیں۔

''آنٹی آپ تو اس عمر میں بھی کتنوں کے دل دھڑکا دینے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔'' دونوں اب تیز قدموں سے ساتھ، ساتھ چل رہی تھیں۔ ''جبھی میں کہوں کہ آج پارک میں لڑکوں کی تعداد زیادہ کیوں نظر آ رہی ہے۔'' اس کی شگفتگی عروج پر تھی۔

''تم جیلس ہو رہی ہو کیا؟''

''ہاہاہا......'' وہ ہلکا سا قہقہہ لگا کر ہنسی......اور پھر کندھے اچکا دیے یوں جیسے کہ وہ ہو رہی تھی۔

''آپ بھی یہاں روزانہ واک کے لیے آتی ہیں؟''

''ہاں......

''حیرت ہے، کبھی دیکھا نہیں...... ملاقات نہیں ہوئی۔''

''آج میں ذرا لیٹ آئی ہوں، ورنہ میں صبح کے وقت آتی ہوں......'' تیز قدموں کے ساتھ واک کرتے ہوئے جواب دیا۔ مومی بھی اُن کی رفتار سے ہم رفتار ہونے کی کوشش میں تھی۔

''اوہ...... جبھی تو......''

''تم بتاؤ...... کیا کرتی ہو؟''

''اپنی ممی کو تنگ کرتی ہوں۔''

''یعنی کہ تم اچھی بیٹی نہیں ہو۔''

''بالکل بھی نہیں۔'' اور یک دم اس کے پاؤں پر کوئی چیز آ کر لگی تھی۔

''آؤچ......'' وہ بے ساختہ رکی تھی اور سر اٹھا کر اس سمت دیکھا جہاں سے وہ چیز آئی تھی۔ ذرا سے فاصلے پر پہنچ کر ایک بچی منہ بسورے بیٹھی تھی۔ قریب ہی اس کی ماں بیٹھی تھی جو اس طرح کے رویے پر اب اسے ڈانٹ رہی تھی...... سمیعہ بھی اس کے ساتھ ہی رکی تھیں۔ وہ ایک کھلونا تھا جو کہ قدموں میں آ گرا تھا مومی نے جھک کر پیروں میں سے وہ کھلونا اٹھایا۔ وہ ایک جہاز تھا۔

''یہ لو...... کیوں پھینکا بھئی...... مجھے لگ جاتا تو......'' نرمی سے کہتے ہوئے اس نے آگے بڑھ کر بچی کو وہ کھلونا واپس کرنا چاہا تھا۔

بچی نے اس کے ہاتھ سے کھلونا لے کر پھر سے زور سے دور پھینکا۔

''پلین گندا ہے......'' وہ زور سے چیخی۔

اور مومی...... وہ دم بخود رہ گئی، ساکت ہوگئی...... اوپر کی سانس اوپر، نیچے کی اندر ہی کہیں گم......

''آئی ایم سوری یہ......'' اس کی ماں نے کہنا چاہا مگر مومی نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔ ایک ٹرانس کی سی حالت میں وہ پنجوں کے بل بچی کے سامنے بیٹھی تھی۔

''پلین کیوں گندا ہے؟''

''یہ میرے بابا کو لے گیا ہے......'' بچی نے اب کے منہ بسورا تھا۔ اور...... اور...... ساتوں کے ساتوں آسمانوں کا بوجھ عین مومی کے سر پر گرا اور اسے دفن کر کے رکھ گیا۔ وہ زمین کی ساتویں تہ میں جا گری تھی۔

''پلین واقعی گندا ہے...... یہ میرے بابا کو بھی لے گیا تھا۔'' اس بچی کا ہاتھ تھام کر وہ کسی بے اختیاری کیفیت کا شکار ہو کر بولی تھی۔

سمیعہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''اس کے بابا عمرے پر گئے ہیں اور جب سے اسے معلوم ہوا ہے کہ وہ پلین پر بیٹھ کر گئے ہیں، یہ ایسے ہی ری ایکٹ کرتی ہے۔ آسمان پر اڑتے جہاز کو دیکھ کر چلّانے لگتی ہے...... پلین گندا...... پلین گندا...... کھلونے جہاز کو بھی ہاتھ نہیں لگاتی۔'' اس بچی کی ماں اب اسے بتا رہی تھی۔

وہ ایک گہری سانس بھر کر اٹھی...... اس بچی کا گال تھپتھپایا...... پیار سے۔

''جو چیز آپ کے پیاروں کو...... جان سے پیارے...... رشتوں کو آپ سے دور لے جائے...... وہ کیسے اچھی لگ سکتی ہے کیسے اچھی ہو سکتی ہے۔'' دھیمی آواز، پھیکی سی مسکراہٹ اور دل گداز لہجہ...... سمیعہ نے بہت اچھی طرح سے نوٹ کیا تھا۔

وہ پل او ور کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر سر جھکا کر ان تک واپس آئی تھی۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہیں۔ اور پھر وہ دونوں ایک بار پھر سے ساتھ، ساتھ چلنے لگی تھیں لیکن قدموں میں پہلے جیسی تیزی نہیں تھی۔

''تمہارے بابا کیا کرتے ہیں مومی؟'' سمیعہ نے بڑے مناسب لفظوں کا انتخاب کیا تھا اپنے تئیں......

اس نے رک کر اُن کا چہرہ دیکھا اور پھر یوں ہی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑی منہ اٹھا کر سورج کو ادھ کھلی آنکھوں سے دیکھتی رہی۔

''وہ نہیں ہیں...... ائر کریش......'' لہجہ عجیب سا تھا۔

''اوہ...... میرے خدا......'' سمیعہ نے یک دم دونوں ہاتھ منہ پر رکھے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ اور ان کے کانوں میں بے اختیار وہ آواز گونجی۔

''جو چیز آپ کے پیاروں کو...... جان سے

پیارے رشتوں کو آپ سے دور لے جائے وہ کیسے اچھی لگ سکتی ہے...... کیسے اچھی ہو سکتی ہے۔'' موی نے اچانک سورج سے نظریں ہٹا کر سمیعہ کو دیکھا۔

''پلین گندا ہے......'' اور پھر وہ ایک سوگوار مسکراہٹ کے ساتھ اس بچی کے سے لہجے میں بولی تھی۔

☆☆☆

''افضل، افضل میرے فلیٹس لے کر آنا ذرا......''

ٹی وی لاؤنج کے صوفے پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے بلند آواز سے کہا تھا۔

''آپ کہاں جا رہی ہیں؟'' ٹی وی کا والیوم آہستہ کرتے ہوئے حیدر نے پوچھا۔

''واک پر......''

''یہ کون سا وقت ہے واک کا...... آپ تو صبح کے وقت نہیں جاتیں؟''

''وہ میری دوست کی ٹائمنگ یہ ہی ہے تو میں نے سوچا میں اپنی ٹائمنگ چینج کر لیتی ہوں۔''

اور اس سارے جملے میں حیران کر دینے والے لفظ ''میری دوست'' کے تھے۔

''کون سی دوست......؟'' اس نے اچنبھے سے پوچھا۔

افضل اب ان کے پیروں کے پاس جوتے رکھ رہا تھا۔

''موی......'' وہ فلیٹس پہنتے ہوئے بولیں۔

''کون موی......؟''

''افوہ...... حیدر...... تمہاری جمالیاتی حس شدید طرح سے متاثر ہوئی ہے...... وہ ہی لڑکی جو تمہیں اس دن گھر تک چھوڑ کر گئی تھی۔'' فلیٹس پہننا ترک کر کے انہوں نے افسوس سے کہا تھا۔

''اوہ کم آن ممی...... کیا ہو گیا ہے آپ کے ٹیسٹ کو......'' سر جھٹک کر بیزاری سے کہتے ہوئے اس نے ٹی وی کا والیوم پھر سے اونچا کیا۔

سمیعہ نے فلیٹس پہنتے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھا اور پھر اس کے بال بگاڑے تھے۔

''بچ کر رہیے گا اس سے...... اس لڑکی کا دماغ ٹھیک نہیں ہے۔'' اس نے مسکرا کر شرارت سے تنبیہ کی۔

''اچھا، تمہیں بڑا پتا چل گیا...... ایک ہی دفعہ ملنے سے......''

''ایک عمر گزاری ہے ممی......! ایسے ہی تو بال سفید نہیں کیے۔''

''لو...... بڈھا تو دیکھو ذرا......'' سمیعہ نے اس کی گدی پہ چپت لگائی تھی۔ وہ ہنس پڑا۔ انہوں نے جھک کر اس کا سر چوما...... مگر نہ جانے کیوں آنکھیں بھر آئی تھیں۔

''میں جا رہی ہوں......'' وہ وہیں سے مڑی تھیں۔

''ٹیک کیئر......'' اس نے بلند آواز سے سیدھا ہاتھ ہلا کر کہا۔

اور پھر گھر کا بیرونی دروازہ پار کر کے...... پارک جانے تک انہوں نے کئی بار اپنی نم آنکھیں صاف کی تھیں۔

☆☆☆

موی کی منگنی ہو رہی تھی۔ کافی چھان پھٹک کروانے کے بعد ہمایوں کا پروپوزل منظور ہو گیا تھا۔ ہمایوں ایک اچھے عہدے پر تھا، پڑھا لکھا تھا۔ اچھی فیملی سے تھا اور گل کی حیرت تھی کہ جاتی نہیں تھی۔ اس کے گھر والوں کو موی جیسی لڑکی پسند آ گئی تھی تو حیرت کی ہی بات تھی ناں...... وہ کہیں سے بھی ہمایوں کے میچ کی نہیں تھی۔

سچ ہے کہ جوڑے آسمانوں پر ہی بنتے ہیں۔ زمین والے تو ایسے ایسے میچ دیکھ، دیکھ کر بس حیران ہی ہوتے ہیں۔

ویک اینڈ پہ فنکشن رکھا گیا تھا...... سعد آج ہی پہنچا تھا۔ اور ابھی جہاں، جہاں کارڈز بانٹے جا چکے تھے...... وہ لسٹ میں ان ناموں پر کراس لگا رہا تھا۔

گل اور عائلہ فنکشن کے انتظامات ڈسکس کر رہی تھیں۔ مشی اور موی...... حسبِ معمول وہیں لاؤنج میں کشن پہ بیٹھی کوئی animated مووی دیکھ رہی تھیں۔ حسیب ان لوگوں کو کال کر رہے تھے جن کو کارڈ بھیجنا اتنے شارٹ نوٹس پر ممکن نہیں تھا۔

''ہائے اللہ......'' وہ موی تھی جو یک دم سینے پر

ہاتھ رکھ کر ہائے اللہ کہہ کر اٹھی تھی۔
سب بری طرح سے چونکے..... بلکہ چونکے کم پریشان زیادہ ہوئے۔
''کیا ہوا.....؟''
''سعد.....کوئی کارڈ ہے؟'' گل کے سوال کو نظر انداز کر کے سعد سے پوچھا گیا۔
''نہیں.....''
''اوفوہ.....'' وہ بے طرح سے جھنجلائی۔
''ہوا کیا ہے؟''
''میں نے اپنی دوست کو انوائٹ کرنا تھا۔''
''دوست.....؟ آپ کی کون سی دوستیں ہیں؟ کیا راتوں رات آسمان سے deploy کیا گیا ہے۔ اس والی دوست کو؟'' سعد نے مذاق اڑایا تھا۔ باقی افراد پھر سے اپنے، اپنے مشغلوں میں مصروف تھے کہ مومی کو تو عادت تھی ایسے ڈرامے کرنے کی۔
''بکومت.....ایک آنٹی ہیں۔'' پاؤں میں چپل اڑستے ہوئے اس نے گردن سے لپٹا اسٹول اتار کر شانوں پر پھیلایا۔
''آنٹی.....اور.....دوست.....'' سعد قہقہہ لگا کر ہنسا۔
مومی نے اسے گھور کر دیکھتے ہوئے اٹھنے کا اشارہ کیا۔
''کیا مطلب؟ میں کہیں نہیں جارہا.....'' وہ اشارہ سمجھ کر بدکا۔
''ممی.....!'' مومی ٹھنکی.....
''لے جاؤ سعد..... اس کی دوستوں کی کون سا فوجیں ہیں۔ اگر قسمت سے کوئی دوست بن ہی گیا ہے تو بلانے دو.....'' گل کا دل خواہ مخواہ میں پگھلا جاتا تھا۔
اور سعد بادلِ ناخواستہ اٹھا تھا۔
''آپ بھی ناں ایویں ہی ... ایموشنل ہو جاتی ہیں۔'' وہ جاتے، جاتے گل کو کہہ کر گیا تھا۔

☆☆☆

مومی کا سمیعہ کے گھر اب کافی آنا جانا ہو چکا تھا۔ منزہ سے بھی جان پہچان ہو گئی تھی۔ شام کے سات بجے سردیوں کے دن اور وہ دونوں بہن، بھائی سڑک کراس کر کے سمیعہ کے گھر تک آگئے تھے۔
چوکیدار اسے جانتا نہ ہوتا تو کبھی اس جیسے حلیے والی لڑکی کے لیے گیٹ نہ کھولتا..... بد رنگ ڈھیلی ڈھالی جینز..... پاؤں میں گھر کی چپل.....کندھوں پر اسٹول.....اور سیاہ رنگ کا کرتا.....
''سمیعہ آنٹی کہاں ہیں؟'' اندر داخل ہوتے ہی افضل کو دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔
''اپنے کمرے میں ہیں۔'' وہ ذرا حیرانی سے گویا ہوا۔
''ان کو بلاؤ..... ذرا جلدی.....''
''آپ بیٹھیں۔''
''نہیں..... ان کو بلاؤ..... جلدی.....'' وہ بیٹھی نہیں تھی۔
''چائے تو پینے دیں..... اتنی سردی میں آپ کے ساتھ آیا ہوں۔ اب بیٹھیں تو سہی.....''
مومی نے جواباً اس کے کندھے پر مکا مارا تھا۔
''آ.....آؤچ.....'' سعد درد سے دُہرا ہو گیا..... وہ ہی درد جو کہ اٹھا ہی نہیں تھا۔
''تماشے نہ کرو..... چپ رہو.....'' مومی نے آنکھیں نکالیں۔ اور افضل ان لوگوں کو دیکھتا ہوا الجھن بھرے تاثرات کے ساتھ سیڑھیاں گن کر چڑھتا تھا۔
''جاؤ بھئی.....'' اس پر نظر پڑتے ہی مومی دبی آواز میں رعب سے بولی تھی۔
''مومی..... تم..... اس وقت..... خیریت.....'' سمیعہ بولتے ہوئے سیڑھیاں اتریں۔ اس ٹائم اسے دیکھ کر حیرانی ہونی چاہیے تھی اور وہ حیران ہی تھیں۔
''السلام علیکم.....'' وہ خوش دلی سے بولی۔
''وعلیکم السلام.....'' اور جواب دیتے ہوئے ان کی نظروں نے سعد تک سوالیہ انداز میں سفر کیا تھا۔
''بھائی ہے میرا..... گورنمنٹ کالج لاہور میں

پڑھتا ہے۔'' مومی نے بیٹھ کر تعارف کروایا۔
''اچھا، اچھا کیسے ہو سعد......؟ آؤ بیٹھو......'' وہ شفقت سے بولیں۔
''نہیں آنٹی، بس میں آپ کو انوائٹ کرنے آئی ہوں۔'' سعد بیٹھنے کو تیار نظر آتا تھا مگر مومی نے رک کر ارمانوں پر پانی پھیر دیا تھا۔
''انوائٹ؟''
''میری اینگیجمنٹ ہے۔''
''آ......اچھا......مبارک ہو۔'' انہوں نے بے اختیار اس کا گال چوما۔
''اور آپ کو آنا ہے۔'' مومی نے ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے تھے۔
''آپ میری واحد دوست ہیں۔'' جذباتی دباؤ ڈالا گیا۔
''میں کوشش......''
''نہیں، آپ نے آنا ہے۔'' اسی اثنا میں گراؤنڈ فلور پر موجود ایک کمرے کا دروازہ آہستگی سے کھلا۔ اس طرح سے کہ کوئی متوجہ نہیں ہو سکا تھا۔
''مومی......بیٹے فیملی فنکشن ہوگا تو......''
''نہیں، آپ نے آنا ہے......چاہے فیملی فنکشن ہی کیوں نہ ہو......آپ میری دوست ہیں یار...... وہ بھی اکلوتی......سعد سے پوچھ لیں...... میری کوئی دوست نہیں۔'' سمیعہ نے اس کے ضدی انداز پر بیچارگی سے سعد کو دیکھا۔
''مومی ٹھیک کہتی ہیں، ان کی کوئی دوست نہیں......آپ ہی واحد ہیں۔''
''دیکھو ذرا دوست بھی بنایا تو مجھ بوڑھی کو......تم لوگ بیٹھو تو سہی......''
سعد تو بیٹھنے لگا تھا کہ......
''نہیں، پہلے آپ پرامس کریں کہ آپ آئیں گی۔'' اس نے ابھی تک اُن کے ہاتھ نہیں چھوڑے تھے۔
''اچھا بھئی ٹھیک ہے آؤں گی۔'' سمیعہ ماننے پر مجبور ہوئی تھیں۔
''آ......تھینک یو......''

پاکیزہ کی لگن

آپ لوگ میری پاکیزہ سے پُرخلوص وابستگی کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ میں یہ رسالہ بچپن سے پڑھ رہی ہوں۔ ایک مرتبہ جب سب گھر والوں کا پکنک پر جانے کا پروگرام بنا میں اسی وقت اسکول سے آئی تھی اور میرا پسندیدہ رسالہ بھی میرے ساتھ تھا میں پاکٹ منی سے پیسے جوڑ کر خریدتی تھی۔ بس میں نے رسالہ پکڑا اور اسٹور میں جا چھپی یوں بھی میں تنہائی پسند تھی اور اکثر پڑوس میں سہیلی کی طرف چلی جاتی اور ہم دونوں مل کر رسالے اور کہانیاں پڑھتے۔ سب سمجھے کہ میں حسبِ معمول پڑوس میں چلی گئی ہوں گی وہ لوگ پکنک پر چلے گئے اب میں اسٹور میں چھپی رسالہ پڑھنے میں مگن تھی۔ ہوش اس وقت آیا جب شام کے سائے بڑھنے لگے اور اندھیرا چھانے لگا۔ اس وقت ہمارے گاؤں فیض اللہ جنڈیال میں بجلی نہیں آئی تھی۔ اب جب احساس ہوا کہ میں گھر میں اکیلی ہوں اور اندھیرا بھی بڑھ رہا ہے تو بہت سٹپٹائی کسی طرح باورچی خانے پہنچی۔ ڈر، ڈر کر لالٹین جلائی گھر والے باہر سے تالا لگا گئے تھے۔ اس خوف کے عالم میں رسالہ پڑھنے کا سارا ایڈونچر اڑنچھو ہو گیا۔ رات کو گھر والے واپس آئے میری ڈھونڈیا مچی اور میں لالٹین لیے اسٹور میں چھپی بیٹھی تھی آگے کیا ہوا اس کو چھوڑیں بس میری پاکیزہ سے محبت کا اندازہ لگائیں۔ اب تو کوئی روک ٹوک ہے نہ منادی......خوب ٹھاٹ سے پڑھتی ہوں۔

از: نرگس نسیم، صابہ موہڑہ

فرطِ جذبات سے کہتے ہوئے اس نے یہ چٹاخ، چٹاخ ان کے دونوں گالوں کے بوسے لیے تھے۔

''سو سویٹ آف یو آنٹی......'' اور بالآخر ان کے ہاتھ چھوڑ دیے گئے۔

''بچہ پہلی بار آیا ہے، چلو اب بیٹھو بس چائے۔''
سعد پھر سے بیٹھنے کو تیار نظر آیا مگر یہ مومی...... دشمن کہیں کی......

''نہیں آنٹی بہت سے کام ہیں پھر کبھی...... یہ بچہ ابھی لسٹ بنا رہا تھا۔ وہ ہی چھڑوا کر اسے ساتھ لے کر آئی ہوں۔'' اس نے پھر سے انکار کیا۔

''چلو پھر میں مجبور نہیں کرتی۔''

''آنا بیٹے، دوبارہ کبھی...... ضرور آنا۔'' اس کے کندھے پر پیار دیتے ہوئے سمیعہ نے کہا تھا۔

''جی ضرور......'' چبا کر کہتے ہوئے سعد نے کھا جانے والی نظروں کے ساتھ مومی کو دیکھا تھا۔

''یہ کیا تھا ممی......؟'' ان کے جاتے ہی جو آواز ابھری تھی۔ وہ حیدر کی تھی... دروازہ کھول کر وہ ہی کمرے سے باہر آوازیں سن کر آیا تھا۔

''انوائٹ کرنے آئی تھی۔ انگیجمنٹ ہے اس کی۔'' وہ مسکرا کر اس کی طرف مڑتے ہوئے بولی تھیں۔

''یہ کیسا چوہدرانی اسٹائل تھا انوی ٹیشن کا۔'' وہ ٹھیک محظوظ ہوا تھا۔

سمیعہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں۔

''ایسی ہی ہے بس......'' انہوں نے کندھے اچکا کر کہا۔

''quite wild'' اور حیدر کی جانب سے مومی پر دو لفظوں کا پہلا تبصرہ آیا تھا۔

☆☆☆

وہ منگنی کے لیے تیار تھی مگر اسے تیار کہنا مناسب ہرگز، ہرگز نہیں تھا۔

عائلہ نے اسے پارلر لے جانے کی کوشش کی تھی...... اور وہ مومی ہی کیا جو لوگوں کی کوششوں کو بار آور ہونے دے، وہ نہیں گئی تھی۔

سادہ سا چہرہ...... اکلوا کلر کا ہلکے کام کا فینسی فراک...... عائلہ نے ہی اس کے بالوں کا جوڑا بنا کر دوپٹا ٹکایا تھا۔ بڑی دقتوں کے بعد وہ ہلکی سی لپ اسٹک پر راضی ہوئی اور بس...... کوئی اور سنگار نہیں...... چوڑیاں نہ ہی کچھ اور...... جو ہلکی سی لپ اسٹک لگائی گئی تھی...... وہ ہی اب عجیب سی محسوس ہو رہی تھی۔

گل ابھی، ابھی اسے دیکھنے آئی تھیں اور ان سے رہا نہیں گیا تو اپنے کانوں سے گولڈ کے اسٹڈز اتار اس کے کانوں میں پہنا دیے۔

''رہنے دیں امی......'' اس نے احتجاج کیا۔

''آج تو ممی کی مان لو......'' اور اس نے مان لی۔

گل نے نم آنکھوں کے ساتھ اس کے سر پر بوسہ دیا اور پھر چلی گئی تھیں۔

اسی اثنا میں کمرے میں رکھا ٹیلی فون سیٹ بولنے لگا تھا۔ غالباً سب مصروف تھے۔ اسی وجہ سے کوئی اٹھا نہیں رہا تھا۔

''ہیلو......!''

''جی کون......؟''

''جی بات کر رہی ہوں۔'' اور پھر خاموشی سے وہ دوسری طرف موجود شخص کی بات سننے لگی تھی۔

''جی...... میں سمجھ گئی...... آپ کو کچھ اور کہنا ہے؟'' چند لمحوں کے بعد اس نے کہا تھا۔

دوسری طرف سے نامعلوم کیا کہا گیا تھا کہ اس نے سر کو جھٹک کر فون کریڈل پر رکھا تھا۔ اور پھر آئینے میں خود کو دیکھنے لگی تھی۔ وہ کتنی عجیب لگ رہی تھی ناں...... کاش کہ منگنی ایک عدد ڈھیلی ڈھالی جینز اور لوز کرتا پہن کر کروائی جا سکتی...... کاش کہ...... اس کے دل میں اس خواہش نے بھرپور انگڑائی لی تھی۔

☆☆☆

رسم ہو چکی تھی اور اب کھانے کا مرحلہ تھا...... گل اپنی پلیٹ لے کر سمیعہ کے پاس آئی تھیں۔

''آپ مومی کی دوست ہیں؟'' بیٹھتے ہوئے نرمی سے پوچھا گیا۔

''جی..... میں ہی ہوں۔'' وہ شگفتگی سے مسکرا دیں۔
''میں موی کی ممی ہوں.....''
''اوہ اچھا.....! خوشی ہوئی آپ سے مل کر.....''
''کیسے ہوئی اس کی دوستی آپ سے؟ اس نے تو اپنے بچپن کے دوست تک چھوڑ دیے تھے۔''
اور سمیعہ انہیں اس کی دوستی کا قصہ بتانے لگیں۔
''آپ کی بات سن کر پتا نہیں کیوں یہ احساس ہو رہا ہے کہ موی ٹھیک کہتی ہے..... ملٹری والوں کے ساتھ حادثات کے وقوع پزیر ہونے کے چانسز زیادہ ہوتے ہیں۔'' سمیعہ اداسی سے مسکرا دیں۔
''معلوم نہیں..... مگر..... جوان بیٹوں کے دکھ اکثر ہم ہی دیکھتے ہیں۔''
''اللہ سب سے بڑا کارساز ہے۔'' گل نے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر تسلی دی..... سمیعہ نے آہستگی سے سر ہلایا۔
''موی پڑھتی نہیں ہے؟'' اور گل نے اس سوال پر ایک گہری سانس بھری تھی۔
اور پھر وہ انہیں موی کی کہانی سنانے لگیں..... بچپن سے لے کر ہمایوں کے رشتے تک۔ اور یہ کہانی سن کر..... سمیعہ نے عجیب سے شاک کا شکار ہو کر دور بیٹھی موی کو دیکھا تھا۔
''ولیمن گندا ہے۔'' ایک فقرہ سماعتوں میں گونجا اور سب کچھ بہت اچھی طرح سے سمجھا گیا تھا۔

☆☆☆

منگنی کے فنکشن کے بعد وہ چینج کر کے لاؤنج میں آ گئی تھی جہاں سب تھکاوٹ کے باعث ڈھیر تھے۔
ہا..... کیسا سکون ملا تھا..... جینز اور کرتا پہن کر بیان سے باہر تھا۔
''اب آپ ایک سیل فون لے لیں.....'' سعد نے اسے چھیڑا۔
''کیوں.....؟'' وہ ممی کے پیروں کے پاس نیچے کشن پر بیٹھتے ہوئے بولی تھی۔
''اوہو سمجھا کریں ناں، ضرورت پڑے گی بھئی۔''
''بکومت.....'' ناراضی سے کہہ کر وہ مشی کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ اور اس کے کھلے بالوں کو ربڑ بینڈ میں جکڑنے لگی۔
''سعد ٹھیک کہہ رہا ہے..... تمہیں واقعی ہی اب سیل فون کی ضرورت ہے۔'' وہ حسیب تھے۔
اس نے مشی کے بالوں پر ربڑ بینڈ چڑھایا اور پھر مڑ کر سکون سے چاچو کو دیکھا۔
''مجھے افسوس ہے کہ آپ ایک گدھے کا ساتھ دے رہے ہیں۔'' اور سب بیک وقت ہنس پڑے۔
''نہیں بھئی..... تمہارے ان لاز..... اب تم سے..... پرسنلی کانٹیکٹ کرنا چاہیں گے..... تو ہم کیا کہیں گے کہ بچی کے پاس پرسنل نمبر ہی نہیں..... یہ لو..... یہ میرا والا سیل فون رکھو..... مجھے ویسے بھی نیا لینا ہے۔'' انہوں نے بات کرتے ہوئے اپنا سیل کھول کر سم باہر نکالی تھی۔
''ضرورت تو کوئی نہیں ہے مجھے.....''
''رکھ لو..... کہا ناں ضرورت پڑے گی۔'' جملے کا دوسرا حصہ سعد کو دیکھ کر شرارت سے کہا گیا تھا۔
اور وہ ہنس دی تھی۔
''سعد اس کو سم لا دینا۔''
''جی چاچو.....''
''اللہ، کوئی چائے ہی پلا دے۔'' یہ دکھ بھری فریاد عائلہ کی تھی جو کہ اپنے پیروں کو دبا رہی تھی۔ ہائی ہیل پہننے کی وجہ سے وہ سوجے ہوئے تھے اور دکھ رہے تھے۔
''آج میں پلاتی ہوں چائے۔'' موی اک جوش سے اٹھی۔
''نہیں.....'' اور یہ لفظ سب کی طرف سے مشترکہ طور پر آیا تھا۔ موی ٹھٹک کر رکی اور پھر مڑ کر گھور کر سب کو دیکھا۔
''میں بناتی ہوں چائے.....'' گل مسکرا کر کہتے ہوئے اٹھیں۔ اک عرصے بعد..... اک لمبے عرصے بعد..... اتنے کشٹ اٹھانے کے بعد یہ ہنسی کے چند پل ان کی زندگیوں میں آئے تھے۔ ورنہ اس دن کو گرد دیکھیں

کہ جس دن مجیب عالم کا تابوت بنا جسد کے آیا تھا۔ تو لگتا تھا کہ کیا وہ ایسے کبھی ہاں کبھی بھی ہنس پائیں گے؟

☆☆☆

اس نے چند منٹ رک کر پارک میں سمیعہ کا انتظار کیا..... وہ نامعلوم کیوں آج واک پر نہیں آئی تھیں۔ اور پھر چند لمحے اور انتظار کرنے کے بعد وہ اُن کے گھر کی طرف چل پڑی تھی۔

دروازے سے اندر داخل ہو کر بائیں طرف لان تھا اور اس کے ساتھ کار پورچ..... وہ اپنے دھیان میں اندر آئی تھی اور لاشعوری طور پر نظر لان تک گئی تھی اور ٹھٹک کر رک گئی۔

وہ ڈھلتے سورج کی کوئی آخری شعاع تھی..... جو ترچھی ہو کر اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی..... وہ اس وقت وہیل چیئر پر نہیں تھا..... کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ پینٹ کے پائنچے ٹخنوں سے اوپر تک فولڈڈ تھے۔ سر پر ٹوپی، کف ذرا سے مڑے ہوئے بایاں بازو گود میں... اس نے ایک ہاتھ اٹھا کر کندھے تک لے جاتے ہوئے اللہ اکبر کہا۔ اور سینے پر رکھ لیا تھا۔

موی کے پورے وجود میں اِک لہر برقی رو کی طرح دوڑی..... اور اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے وہ دم بخود اسے دیکھ رہی تھی۔ اور تب تک دیکھتی رہی جب تک اس نے نماز ختم نہیں کر لی تھی۔

سلام پھیر کر حیدر نے اسے دیکھا اور پھر خاموشی سے ایک ہاتھ دعا کے لیے اٹھایا، وہ چلتی ہوئی اس تک آئی۔

کرسی کی بیک پر دونوں ہاتھ رکھے وہ اب بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

حیدر نے دعا مانگ کر ہاتھ چہرے پر پھیرا ٹوپی اتاری، ساتھ والی کرسی پر رکھا اپنا ٹیبلٹ اٹھایا اور اسے آن کرتے ہوئے بولا۔

''جی.....؟'' اسے دیکھے بنا کہا گیا تھا۔

''پتا نہیں آپ لوگوں کو کیوں اتنا شوق ہوتا ہے آرمی جوائن کرنے کا..... آدھی سے زیادہ عوام آرمی آفیسرز بننے کے خواب دیکھتی ہے۔ دیکھیں ذرا اب..... آپ نماز بھی ٹھیک سے نہیں پڑھ سکتے۔'' لہجہ تلخ نہیں زہریلا تھا۔

''اچھا تو..... اب پھر..... پھر کیا ہو سکتا ہے؟''

وہ بولا۔ ''ٹھیک ہے اگر آپ کی بات مان لوں کہ میرے ساتھ یہ ایک آرمی آفیسر ہونے کی وجہ سے ہوا تو.....تو اس کے بعد؟ اس کے بعد کیا؟ پچھتاوا.....؟ ٹھیک ہے پچھتا بھی لیا پھر؟ پھر کیا کروں گا؟ جو ہونا تھا..... وہ تو ہو گیا..... یہ کسی بھی صورت لوٹایا جا نہیں سکتا..... پھر اب؟''

اور موی بے اختیار جھنجلائی..... جواب جو نہیں تھا اس کے پاس.....

''یا پھر آپ کی طرح دنیا میں ہر ہونے والا حادثہ اٹھا کر ملٹری پر ڈال دوں یا پھر ملٹری کو دن رات کوسوں..... برا بھلا کہوں۔ یہ بھی سب کیا؟ لیکن سوال پھر وہی.....اس سب کے بعد ہو گا کیا.....؟ کیا میں ٹھیک ہو جاؤں گا؟''

موی نے بولنے کے لیے منہ کھولا مگر لفظ تو جیسے چڑیاں، طوطے تھے..... پھُر سے اُڑ گئے.....اور وہ کھلے منہ کے ساتھ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ وہ ہر بار ہی اسے لاجواب کیوں کر دیا کرتا تھا۔ وہ جھنجلائی۔

''ٹھیک ہے اگر یہ وظیفہ ہے، آئی مین ملٹری کو دن رات کوسنے سے میں ٹھیک ہو جاؤں گا تو میں یہ وظیفہ دن رات کرنے کو تیار ہوں.....لیکن شرط یہ کہ آپ گارنٹی دیں۔''

تھوڑی سی اور عزت افزائی..... وہ اس کو دیکھتے ہوئے .....اس کے جواب کا انتظار کرتا رہا۔ اور پھر تف کے سے انداز میں سر کو جھٹکا۔

''اس کے دو ہی حل تھے.....میں collapse کر جاؤں یا پھر ڈٹ جاؤں اور میں ایک اشرف المخلوق ہوں..... روئے زمین پر سب سے زیادہ اشرف.....میں collapse نہیں کر سکتا تھا..... یہ میری توہین تھی۔'' ٹیبلٹ کو گود میں رکھے وہ اب شہادت کی انگلی سے swipe کرتے ہوئے بول رہا تھا۔

اور مومی کے اندر وہ کیا تھا جو اسے ہلا رہا تھا۔ وہ پلکیں جھپکائے بنا دیکھتے رہنے پر مجبور ہوئی تھی۔

حیدر نے یک دم نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور وہ نظریں اس سے کہتی تھیں۔

"now what?"

''آ...... آنٹی کہاں ہیں؟'' وہ بے اختیار ہکلائی۔

''مجھے پتا ہوتا کہ آپ یہ پوچھنے آئی ہیں تو میں آپ کو دیکھتے ہی بتا دیتا' وہ گھر پر نہیں ہیں۔''

مومی کا چہرہ سرخ ہوا۔ وہ اتنی ناپسندیدہ تھی کیا؟

''تھینک یو......'' پتھر دے مارنے کے سے انداز میں کہہ کر وہ وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

گیٹ پار کرنے سے پہلے اس نے مڑ کر اسے دیکھا...... وہ ابھی تک ٹیبلٹ کو گود میں رکھے اس پر انگلی چلاتے ہوئے کچھ دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

سم کے سیل فون میں ڈلتے ہی سب سے پہلی آنے والی کال ہمایوں کی ہی تھی۔

نمبر محفوظ نہیں تھا...... مومی کو تو پہلے ٹچ سیل فون استعمال کرنا ہی نہیں آیا...... کال ریسیو کرنا نہیں آرہا تھا...... دو تین دفعہ انگوٹھے کی مدد سے ریسیو کرنی چاہی مگر کال ریسیو ہی نہیں ہو رہی تھی...... اسی دوران کال ایک دفعہ ختم ہو کر دوبارہ آنا شروع ہو چکی تھی۔

''کیا مصیبت ہے؟'' وہ بڑبڑائی۔ بہر حال اب کی بار کال ریسیو کر ہی لی تھی۔

''ہیلو......''

''ہائے......''

''کون......؟''

''ہمایوں......''

''کو...... اوہ...... ہمایوں......'' بلاشبہ وہ کون ہمایوں کہتے، کہتے رکی تھی۔

''کیسی ہیں آپ......؟''

''اچھی ہوں......'' مومی کو حیرانی نہیں ہوئی کہ اس کا نمبر کیسے ہمایوں تک پہنچا تھا...... یہ یقیناً عائلہ کی کارستانی تھی۔

''کیا کر رہی ہیں؟''

''آپ سے بات......'' ترنت جواب دیا گیا۔

اور دوسری طرف بے اختیار خاموشی چھائی تھی۔

پھر گلا کھنکھارنے کی آواز سنائی دی تھی۔

مومی کا انداز ہمایوں کو خواہ مخواہ میں کنفیوز کر رہا تھا۔

''کیا کرتی ہیں آپ سارا دن...... میرا مطلب ہے مشاغل کیا ہیں آپ کے......؟''

''موویز دیکھتی ہوں، ان سے فرصت ملے تو کوکنگ کر لیتی ہوں، وہ الگ بات کہ چاچو کو میرے بنائے ہوئے سنگاپورین رائس...... رائس نہیں دلیا لگے تھے مگر آپس کی بات ہے، وہ دلیا بھی نہیں ہوتا۔'' وہ خود ہی کہہ کر...... خود ہی ہنسی تھی۔ ایک بے ڈھنگی ہنسی......

اور اس کے بعد خاموشی...... ہمایوں نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر گلا کھنکھارا۔

''آپ کی...... pics دیکھیں میں نے کافی اچھی لگ رہی تھیں آپ۔'' اپنے تئیں ہمایوں نے موزوں ترین بات کہی تھی۔

''اوہ کم آن...... خواہ مخواہ کا رومینس نہ جھاڑیں...... کہاں اچھی آئی ہیں میری pics...... اتنی فضول سی تو تھیں۔'' جواباً مومی ٹھیک ٹھاک بیزار ہوئی۔

اس کے بعد جانے کیسے ہمایوں نے بے حد مہذب انداز میں اپنی جان چھڑوائی تھی۔ فون بند کرنے کے بعد اس نے حقیقتاً ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی...... اور ٹیبل پر رکھا پانی کا گلاس اٹھا کر پانی پیا تھا۔

''کیا چیز تھی وہ...... جنگلی کہیں کی...... اِل مینرڈ......'' تو وہ اس لڑکی سے شادی کرنے جا رہا تھا۔

اور مومی...... وہ چند لمحے بند فون کو دیکھتی رہی۔

''ممی کو بتا دیا ناں اس نے...... تو ٹھیک ٹھاک کلاس ہوگی...... اور جو ممی کو ٹینشن ہوگی وہ الگ ہے...... سدھر جاؤ مومنہ...... سدھر جاؤ اب تمہاری شادی ہونے والی ہے...... اُف...... کیا میری شادی اس سے...... اس ہمایوں سے ہونے والی ہے؟'' خود کلامی

...... کے سے انداز میں بولتے، بولتے آخر میں یک دم اسے دھکا لگا تھا۔

یوں جیسے اسے آج ہی تو معلوم ہوا ہو کہ اس کی شادی ہونے والی ہے..... اور وہ بھی ہمایوں سے.....

''کیسے برداشت کروں گی اسے میں..... کیسے.....؟'' وہ سر پر ہاتھ رکھے ٹھیک ٹھاک پریشان نظر آئی تھی۔ اور یہاں پر آکر موی کافی غلط ہوگئی تھی۔ ایکچوئیلی جسے برداشت کرنا تھا..... وہ موی نہیں..... ہمایوں تھا۔

☆☆☆

گیٹ کے باہر گاڑی رکنے کی آواز آئی اور پھر گاڑی کا مخصوص ہارن.....

''پاپا آگئے..... پاپا آگئے.....'' مشی یک دم اٹھ کر باہر کو بھاگی۔

''موی ذرا گیٹ کھولنا.....'' عائلہ نے مصروف سے انداز میں کہا تھا۔ وہ کچن میں تھی۔

موی ایک بیزار نظر عائلہ پر ڈال کر اٹھی تھی۔ پھر جا کر گیٹ کھولا..... گاڑی اندر آئی..... کار پورچ میں رکنے کے بعد موی گیٹ بند کر کے گاڑی تک آئی تھی۔

اس نے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر فروٹ کے شاپرز نکالے تھے۔ حسیب عالم ہینڈ بریک کھینچنے کے بعد گاڑی سے باہر آئے۔

''پاپا، پاپا.....'' مشی اب دونوں ہاتھ اٹھا کر حسیب کے ساتھ چمٹنے کو تیار تھی۔

''میرا بے بی.....'' حسیب نے جھک کر اسے اٹھایا اور اس کا سر چوما اور پھر ایک بازو پھیلایا..... جہاں پر موی آکر سمائی تھی۔

''کیسی ہو؟''

''فائن.....''

''کتنی لڑائیاں کیں آج آنٹی کے ساتھ۔''

''ایک بھی نہیں.....''

''اوہ کم آن..... میں نہیں مانتا.....''

''پوچھ لیں..... میں ناراض ہوں اُن سے۔''

''تو ناراض آپ کب نہیں ہوتی ہیں.....؟'' وہ دونوں یوں ہی چلتے، چلتے گھر کے اندرونی دروازے تک پہنچ چکے تھے۔

موی نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا..... حسیب کے گزرنے کے بعد وہ بھی داخل ہوئی تھی۔

''آپ کی بیوی بہت خراب ہیں..... اور یہ مجھ جیسی معصوم لڑکیوں کو بھی خراب کرنے کا باعث بن رہی ہیں۔'' وہ کچن شیلف پہ فروٹ کے شاپرز رکھتے ہوئے بولی تھی۔ ناراض نظریں عائلہ پر.....

عائلہ نے مڑ کر اسے دیکھا اور ہنس دی۔

''کیوں بھئی.....؟ کیوں تم پہلے سے خراب لوگوں کو..... مزید خراب کر رہی ہو۔'' مشی کو اتارتے ہوئے صوفے پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے عائلہ کو مخاطب کیا تھا۔ عائلہ نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔

''اس کا نمبر ہمایوں نے مجھ سے مانگا..... تو میں نے دے دیا..... تو یہ تب سے منہ سُجائے ہوئے ہے.....'' وہ اب ڈنر ٹیبل سیٹ کرنے کے لیے برتن نکال رہی تھی۔

موی خاموشی سے برتن اٹھا کر ٹیبل پر لگانے لگی۔

''تو تمہیں اچھا نہیں لگا موی؟''

''اتنا فضول سا بندہ ہے چاچو..... فون کر کر کے میرا دماغ کھائے گا اب.....'' اور اس کی اس بات پر عائلہ اور حسیب نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''موی اس طرح سے نہیں بولتے بیٹا..... بچی نہیں ہیں اب آپ..... ماشاء اللہ سے انگیجڈ ہیں..... بی ہیو جینٹلی!'' حسیب کو ناگوار گزرا تھا۔

اور ان کی اس ناگواری پہ بھی اس نے مڑ کر کھا جانے والی نظروں سے عائلہ کو دیکھا تھا۔

''اچھا جاؤ..... ممی کو بلا کر لاؤ..... کھانا تیار ہے..... حسیب آپ بھی چینج کر لیں۔'' اس نے بیک وقت دونوں کو دیکھا۔

موی اس طرح سے ناراض سی دِکھتی اٹھ کر ممی کو بلانے چلی گئی تھی اور حسیب چینج کرنے..... تھوڑی دیر

بعد وہ سب کھانا کھا رہے تھے۔
''ہوسکتا ہے میرا ٹرانسفر ہو جائے......'' حسیب اچانک بولے تھے۔
''ہائے اللہ نہیں......'' وہ مومی تھی......ڈراما کوئین......جس نے یک دم چمچ ہاتھ سے چھوڑا تھا۔
''چاچو ہمیں کہیں نہیں جانا...... میں اپنی دوست نہیں چھوڑ سکتی۔'' اعتراض ملاحظہ کریں ذرا مومنہ کا......
''تم تو چپ کرو......'' گل نے گھورا۔
''کہاں ہورہا ہے؟''
''کچھ کنفرم تو نہیں ہے فی الحال......''
''اوہ......خیر......تم کوشش کرو حسیب کہ ٹرانسفر نہ ہو......ابھی تو مومی کی شادی بھی کرنی ہے، اس طرح تو بڑی مشکل ہو جائے گی......'' گل فکرمندی سے بولی تھیں۔
''مشی کی اسکولنگ بھی ڈسٹرب ہوگی۔'' عائلہ کو بھی فکر لاحق ہوئی۔
''ہاں، دیکھتا ہوں، کچھ کرتا ہوں، کہا تو ہوا ہے میں نے......اب دیکھیں کیا بنتا ہے۔ آپ لوگ کھانا کھائیں......کھانے سے کیوں ہاتھ روک دیا۔ اللہ بہتر کرے گا۔'' وہ کھانا کھانے کا اشارہ کرتے ہوئے......خود بھی کھانے لگے تھے۔
خبر اچھی نہیں تھی......وہ لوگ کم ہی راول پنڈی سے باہر نکلے تھے اور اب یہ کافی مشکل لگ رہا تھا۔

☆☆☆

اور ٹھیک اسی وقت جب حسیب عالم کے گھر میں ڈنر ٹیبل پر یہ بات ہورہی تھی......ٹھیک اسی وقت حیدر کے گھر میں بھی افراد ڈنر ٹیبل پر موجود تھے۔ افضل تازہ تازہ چپاتیاں کچن سے لا کر رکھ رہا تھا۔
منزہ، سمیعہ، کرنل صاحب اور حیدر......حیدر کی وہیل چیئر ڈائننگ ٹیبل کے ساتھ رکھی گئی تھی......اور وہ اتنی اونچی کی گئی تھی کہ میز کی سطح تک جا پہنچے۔ اس کی پلیٹ میں فش کے ٹکڑے رکھے ہوئے تھے......جسے وہ فورک کی مدد سے اٹھا کر کھا رہا تھا۔
''پاپا......''

کرنل صاحب ہاتھ روک کر متوجہ ہوئے۔
''ڈاکٹرز اب کیا کہتے ہیں؟ نیکسٹ سرجری کب تک ہوگی؟'' اور جب وہ یہ پوچھتا تھا تو بے حد سنجیدہ دکھتا تھا۔
''کم آن حیدر......کیا ہوگیا ہے......بالکل ہی بچے بن کر رہ گئے ہو......ابھی تم ریکور ہو رہے ہو......کر نہیں چکے......صحت دیکھی ہے اپنی......'' سمیعہ کو رہ کر غصہ آیا تھا۔
وہ علاج کے لیے بیرون ملک جانا چاہتا تھا اور وہ کون سا اسے لے کر نہیں جانا چاہتے تھے مگر اس کی صحت اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی ابھی......
''ممی پلیز......ٹھیک ہوں میں...... I can handle it'' وہ بیزار ہوا۔
''یہ تمہارے بتانے کی بات نہیں حیدر......کہ تم اسے ہینڈل کر سکتے ہو یا نہیں......یہ ڈاکٹرز ہی بتائیں گے۔ تمہاری تمام رپورٹس ڈیلنگٹن اسپتال بھیج رہے ہیں، دیکھو وہ اب کیا کہتے ہیں......تمہاری صحت سب سے اہم ہے بیٹا......رسک تو نہیں لے سکتے ناں اب......'' سمیعہ کے برعکس کرنل صاحب کا لہجہ نرم تھا۔
وہ ماتھے پر بل لیے ایک لمحے کے لیے خاموش بیٹھا رہا۔ کاش کہ وہ انہیں سمجھا سکتا کہ اس وہیل چیئر پر بیٹھنا کس قدر مشکل کام تھا......کس قدر تکلیف دہ تھا......وہ اتنا بیزار ہوا کہ دل چاہا کھانا چھوڑ کر چلا جائے......لیکن......اس نے فورک والا ہاتھ اٹھایا......اس میں فش کا ٹکڑا پھنسایا اور منہ میں ڈالا تھا۔ اس کو کھانا کھاتے دیکھ کر سب پھر اپنی، اپنی پلیٹوں کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔

☆☆☆

مومنہ کی انگیجمنٹ کے ٹھیک تین ہفتے بعد......رات کے قریباً گیارہ بجے کال بیل گونجی تھی......سب چونکے تھے۔ اس وقت......اس وقت کون ہوسکتا تھا۔
گل نیم غنودگی میں تھیں......مومی ابھی جاگ رہی تھی۔ عائلہ، مشی کو سلانے کے چکر میں اور حسیب

نیوز دیکھ رہے تھے۔ایسے میں جب کال بیل گونجی......
تو سب کے اپنے، اپنے کاموں میں مصروف ہاتھ یکبارگی ساکت ہوئے تھے۔سب کے ذہنوں میں ایک ہی سوال چھن کرکے آیا تھا۔

''اس وقت کون ہوسکتا ہے؟''مومی اٹھ کر سیڑھیوں تک آئی......حسیب اتنی دیر تک گھر کا اندرونی دروازہ کھول کر باہر جاچکے تھے۔عائلہ بھی کمرے سے باہر آچکی تھی۔

''کون ہے آنٹی......؟''مومی نے ریلنگ سے جھکے، جھکے پوچھا۔عائلہ نے اوپر دیکھتے ہوئے کندھے اچکائے......یوں جیسے کہتی ہو معلوم نہیں......

حسیب تب تک گیٹ کے اندر ہی کھڑے پوچھ رہے تھے۔

''کون......؟''اور سعد کا دل چاہا وہیں کھڑے، کھڑے......خیر......

''میں ہوں چاچو......سعد......''

''سعد......''نام کا پکارے جانا اپنے اندر تشویش لیے ہوئے تھے......وہ ویک اینڈ نہیں تھا۔

حسیب نے آگے بڑھ کر گیٹ کھولا۔

''سعد......خیریت، بیٹا اس وقت......؟''

''خیریت ہے چاچو......''وہ نیم دلی سے بولا۔

وہ مطمئن تو نہ ہوئے مگر اس کے اندر آنے کے بعد گیٹ بند کرکے اس کے پیچھے تک آئے تھے۔

اور جب وہ اندر داخل ہوا تو......

''سعد......تم......''اور عائلہ کو یہ کہتے ہوئے سن کر......مومی بے طرح سے بے قرار ہوکر سیڑھیاں اتری تھی۔

''سعد......کیا ہوا......اس طرح سے کیوں آئے ہو؟ بنا اطلاع کے......سب ٹھیک ہے؟ بیمار تو نہیں ہوگئے؟''اور اپنی بے طرح کی بے قراری سے مجبور ہوکر اس نے سعد کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔

سعد نے ہونٹ بھینچ کر کسی چیز کو روکا......اپنے اندر اتارا......دفن کردینا چاہا لیکن......

''ٹھیک ہوں مومی......''ماتھے پہ رکھا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر وہ بولا تھا۔

''پھر اس طرح سے کیوں آئے ہو؟''وہ عائلہ تھی۔

''اچھا، چھوڑیں بعد میں دیکھا جائے گا......ابھی تھکا آیا ہے۔کھانا وانا پوچھیں اس سے۔''حسیب نے انہیں ٹوکا تھا۔

وہ پریشان نظر آتا تھا......یہ صاف دکھتا تھا۔

''نہیں، کھانا نہیں کھاؤں گا......ممی سو رہی ہیں؟''

''ہاں......اب تک تو سو ہی چکی ہوں گی۔''

''ٹھیک ہے، میں بھی آرام کروں گا......''یہ کہہ کر وہ سب کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔

اور جب وہ سیڑھیاں چڑھ رہا تھا تو اس کے قدموں کی شکستگی منہ بول کر اپنا آپ بتاتی تھی۔مومی تب تک اسے دیکھتی رہی جب تک وہ اپنے کمرے میں چلا نہیں گیا تھا۔

''اسے کیا ہوا چاچو......؟''

''پریشان ہے......خود ہی بتادے گا، ابھی اسے آرام کرنے دو......معلوم نہیں کس چیز نے اسے اتنا مجبور کیا ہے کہ وہ یوں ایمرجنسی میں اٹھ کر گھر تک آگیا۔''حسیب یہ کہتے ہوئے خود بھی پریشان نظر آئے تھے۔

''چلو جاؤ......شاباش تم بھی سو جاؤ اب......''اس کا گال تھپتھپا کر کہتے ہوئے حسیب نے اسے پچکارا تھا۔

مومی الجھ کر سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔

''پہلے تو کبھی اس طرح سے نہیں آیا......پوچھنے تو دیتے۔''

''تھکا ہوا آیا ہے......پہلے ہی پریشان ہے اور پریشان کرتے......بھابی بھی سو رہی ہیں، صبح دیکھا جائے گا......جو مسئلہ ہے وہ تو اب ہے ہی......وہ تو کہیں نہیں بھاگا جا رہا ناں......''حسیب اور عائلہ باتیں کرتے ہوئے اپنے بیڈروم کی طرف بڑھے تھے۔

اور مومی......وہ چند لمحے سعد کے کمرے کے باہر کش مکش کا شکار ہوکر کھڑی رہی اندر جائے یا نہ جائے......پوچھے نہ پوچھے......

اس نے دستک دینے کے لیے ہاتھ اٹھایا اور پھر یک دم روک لیا..... کچھ لمحے سوچتی رہی اور پھر پلٹ گئی اور اس دروازے کے پار.....سعد بیڈ پر سر جھکائے بیٹھا..... بری طرح سے دل آزردہ دکھائی دیتا تھا......

یوں جیسے دل کسی چیز کو سہنے سے انکاری ہو..... یوں جیسے کوئی چیز برداشت سے باہر ہو اور یوں جیسے وہ پھٹ پڑنے کو بے تاب ہو.....اپنے کمرے کے باہر پہنچ کر مومی نے مڑ کر ایک دفعہ پھر اس بند دروازے کو دیکھا۔

اس کا دل چاہا کہ وہ جائے..... دروازہ کھولے اور دھونس جماتے ہوئے سعد سے پوچھے کہ آخر مسئلہ کیا ہے۔اور پھر باوجود خواہش کے وہ نہیں گئی، مڑ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ جہاں ممی گہری نیند سو رہی تھیں۔

اس نے ایک نظر ممی کو دیکھا اور پھر اُن کے پہلو میں آ کر لیٹ گئی تھی۔

مومی اس وقت اگر سعد کے کمرے کا دروازہ کھول کر دھونس جما لیتی تو اچھا ہوتا..... بہت بہتر ہوتا تو تب وہ نہ ہوتا..... جو اگلی صبح کو ہوا تھا۔

☆☆☆

گل نماز پڑھنے کے لیے اٹھی تھیں، نماز پڑھنے کے بعد وہ قرآن پاک لے کر باہر لان میں جا کر پڑھنے کی غرض سے کمرے سے باہر آئی تھیں اور ٹھٹک کر رکی تھیں۔سعد کے کمرے کی لائٹ آن تھی۔

''یہ کس نے آن کر دی، یہ مومی بھی ناں...... وارڈ روب ٹھیک کرنے جاتی ہے اور الٹا کئی کام بگاڑ کر آتی ہے۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے اس کے کمرے کی طرف بڑھیں اور دروازہ کھولا تو......

تو...... بیڈ پہ سر جھکائے بیٹھے سعد نے مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا اور گل کو ٹھیک ٹھاک جھٹکا لگا۔

''سعد، میرے بچے، تم کب آئے......؟'' اندر آتے ہوئے قرآن پاک کو بیڈ کی سائڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ بولیں۔

''ممی......!'' ان کے قریب آتے ہی سعد... کسی بچے کی طرح اُن سے لپٹا تھا۔

''سعد...... کیا ہوا ہے بیٹا...... اور کب آئے تم؟'' وہ ساری رات کا......ساری رات کا بھرا بیٹھا تھا اور گل بے حد غلط موقع پر اس کے کمرے میں آئی تھیں......اس وقت گل کے بجائے کوئی بھی ہوتا تو سعد وہ ہی کرتا......وہ ہی کہتا جو اس نے گل سے کہا تھا اور......

☆☆☆

وہ عائلہ کے ساتھ اسپتال آئی تھی۔

سعد پہ نظر پڑتے ہی وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اس تک پہنچی اور......

''ممی کو کچھ ہوا ناں سعد...... تو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی......'' اس نے اچانک ہی اس کے کالرز دونوں ہاتھوں میں پکڑے تھے۔

''تم پاگل تھے......ہاں، پاگل تھے کیا؟ کیوں بتایا تم نے ممی کو...... کیوں؟ کیا تم نہیں جانتے تھے کہ وہ انجائنا پیشنٹ ہیں؟ گدھے......'' وہ اس کو کالرز سے پکڑ کر جھٹکے دیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

اور سعد خاموشی سے سر جھکائے کھڑا رہا۔

''مومی! کیا کر رہی ہو؟'' حسیب نے زبردستی اس کے ہاتھوں سے سعد کے کالرز چھڑوائے تھے۔

''دفع ہو جاؤ تم......شکل مت دکھانا اپنی مجھے......'' وہ چیخی تھی۔

''بس کرو......بس کرو......ممی ٹھیک ہیں اب...... شی از فائن ناؤ......'' حسیب نے اسے اپنے دونوں بازوؤں میں لیتے ہوئے کہا۔

اس نے ایک جھٹکے سے طیش سے اپنا آپ چھڑوایا اور پھر باہر کی طرف نکل گئی تھی۔

''مومی......!'' عائلہ نے پیچھے جانا چاہا لیکن حسیب نے کندھے سے پکڑ کر روک دیا تھا۔

گل کو پھر سے انجائنا کا اٹیک ہوا تھا۔

☆☆☆

عین منگنی کے دن آنے والی وہ کال...... جسے گھر والے اپنی مصروفیت کی بنا پر اٹینڈ نہیں کر پائے تھے...... اور جسے شومیٔ قسمت مومی نے اٹینڈ کیا تھا وہ کسی اور کی

نہیں تھی...... وہ ہمایوں کی ایکس وائف کی تھی۔ جسے مومی نے نہایت تحمل سے سنا تھا اور وہ ہی کہا تھا جو اس نے کرنا چاہا تھا۔

ہمایوں بھلے سے ایک چھوڑ پہلے سے دس عورتوں کو طلاق دے چکا ہوتا...... اسے فرق نہیں پڑتا تھا۔ اسے فرق پڑتا...... یہ کیسے ہوتا؟

مومی شادی محض ضرورت کی بنا پر کر رہی تھی...... صرف ممی کے لیے...... خانہ پُری، فارمیلٹی، دنیا دکھاوا...... زندگی کسے گزارنی تھی؟ کسے چاہیے تھی؟ سب ہی لڑکیوں کی شادی ہوتی ہے چلو اس کی بھی سہی...... وہ تمام نزاکتوں سے دور تھی...... سمجھنے سے قاصر تھی...... تو ایسے میں ہمایوں کی جگہ کوئی بھی ہوتا مگر سویلین ہوتا...... جوان، بوڑھا، شادی شدہ، طلاق یافتہ، رنڈوا اسے فرق نہیں پڑتا تھا...... اور اس نے ثابت کیا تھا کہ واقعی میں اسے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

گھر بھر میں اس نے کسی کو ہوا تک نہیں لگنے دی تھی کہ کسی عورت کی کال بھی آئی تھی...... وہ عورت کون تھی...... اس نے مومی سے کیا کہا...... یہ سب وہ ایسے بھول گئی جیسے کبھی ہوا ہی نہیں تھا...... لیکن سارا معاملہ وہاں سے خراب ہوا...... جب اس عورت کی کال سعد کو گئی۔ لوگوں نے جب معاملات خراب کرنے ہوں تو معلومات حاصل کرنا ان کے لیے مسئلہ نہیں ہوتا...... یہ تب اُن کے بائیں ہاتھ کا کھیل بن جاتا ہے...... تو یہ بحث فضول ہوگی کہ وہ عورت سعد تک کیسے پہنچی......؟ اسے پہنچنا ہی تھا سو پہنچ گئی۔

اور سعد...... وہ مومی نہیں تھا...... نہ ہی بن سکتا...... وہ اس جتنا بے حس تھا نہ ہی ہوسکتا تھا...... یہ اتنا غیر اہم معاملہ تو نہیں تھا کہ یوں چھپا لیا جاتا۔

اس عورت نے نہ جانے کس، کس طرح سے سعد کو بھڑکایا تھا۔ ہمایوں اور اس کی لو میرج تھی...... اس نے ایک کی چار کر کے سعد کو بتائیں...... ہمایوں کے گھر والوں نے غلطی کی تھی...... انہیں سب کچھ صاف بتا دینا چاہیے تھا...... دھوکا نہیں دینا چاہیے تھا...... سعد کی بات سن کر شاک اس قدر شدید تھا کہ گل برداشت نہیں کرسکیں......

انہوں نے مومی کی خودکشی کی کوشش سہار لی تھی مگر یہ نہ برداشت کرسکیں۔

انسانی اعصاب...... پے در پے واقعات سہہ سہہ کر اتنے کمزور ہوجاتے ہیں کہ پھر انسان کو گرا دینے کے لیے ایک معمولی سی بات ہی کافی ہوتی ہے...... ایک ہلکا سا جھٹکا اور بس...... اور یہ...... یقیناً معمولی سی بات ہرگز، ہرگز بھی نہیں تھی۔ یہ چھوٹا معاملہ تو نہیں تھا۔

مومی کیا ہے...... وہ تو ہے ہی جنگلی، پگلی، خودسر اور بے حس...... تو اس کا کیا، کیا جاتا......؟ لیکن مائیں...... وہ کھیلنے کے لیے بچے کو کند چھری بھی نہیں دے سکتیں۔ چاہے بچہ کتنی ہی ضد کیوں نہ کرے...... نفع، نقصان کا حساب بچے کو نہیں ہوتا...... یہ ماں کو ہی ہوتا ہے۔ جبھی تو وہ ایک دفعہ پھر سے اسپتال جا پہنچی تھیں۔

☆☆☆

اس نے آہستگی سے دروازہ کھولا۔ وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے کھڑکی میں کھڑی تھی آواز پر مڑ کر دیکھا اور اسے دیکھتے ہی اس کے چہرے کے تاثرات کھنچ گئے تھے...... غصے سے اس نے پھر سے اپنا رخ بدل لیا تھا۔

''ابھی تک ناراض ہیں؟'' وہ قریب آتے ہوئے بولا۔

جواب ندارد......

''مومی پلیز...... اب تو بس کردیں یار! غلطی ہوگئی تھی ناں......'' لہجہ از حد بیچارگی لیے۔ وہ عین اس کی پشت کے پیچھے کھڑا تھا۔

''پلیز......''

اور مومی نے یک دم بھڑک کر رخ بدلا۔

''ممی کو کچھ ہوجاتا تو ذمے دار کون تھا سعد...... کون؟'' اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر وہ بولی تھی۔

''آئی ایم سوری مومی......!'' اور وہ بے طرح سے

شرمندہ ہوا......

''تمہیں مجھے بتانا چاہیے تھا......چاچو سے بات کرتے نہیں تو عائلہ آنٹی کو ہی بتا دیتے...... مجھے خود اس عورت کی کال آئی تھی سعد...... لیکن تم...... تم رہے گدھے کے گدھے......الو......''

طیش کسی طور کم ہو کے نہیں دے رہا تھا۔

''اتنے بڑے ہو کر بھی عقل نام کو نہیں ......اتنا نہیں جان سکتے تھے تم کہ وہ عورت تمہیں پمپ کر رہی تھی، بھڑکا رہی تھی...... اب ہو گیا ناں اس کا مقصد پورا......کیا ملا...... ہاں......کیا ملا...... کسی کا کچھ نہیں بگڑا...... ہمایوں کا، نہ اس عورت کا......تکلیف تو ممی کو اٹھانی پڑی ہے سعد ہاں ممی کو......'' مومی کا بس نہیں چلتا تھا، دل کرتا تھا کہ مارے سو...... تو گنے ایک۔

''میں پریشان تھا مومی...... ساری رات جاگتا رہا......سوچتا رہا......اور جب ممی کمرے میں آئیں تو میں کنٹرول نہیں کر سکا۔''

''تمہیں برداشت کرنا چاہیے تھا......مرد بنو مرد...... بچے نہیں ہو تم......'' وہ ذرا جو خاطر میں لائی ہو۔

''مومی......پلیز یار......

"it,s enough now" اور سعد اس طعنے پر تلملایا۔

مومی نے ایک گہری سانس بھر کر خود کو کول ڈاؤن کرنا چاہا۔

''غلطی آپ کی بھی ہے...... آپ کو بھی انفارم کرنا چاہیے تھا گھر والوں کو لیکن آپ...... آپ خود کو معلوم نہیں کیا سمجھتی ہیں۔ان لوگوں نے دھوکا دیا ہے ہمیں......'' تو اب سعد کی باری تھی۔

''سوواٹ......؟'' وہ چبھتے مگر ٹھنڈے لہجے میں بولی۔

''میں اب بھی ہمایوں سے شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔ کوئی ضرورت نہیں کوئی بھی میس کری ایٹ کرنے کی۔''

''مومی......؟'' سعد بے اختیار شاکڈ ہوا۔

''آپ جانتی ہیں، ہمایوں اپنی ایکس وائف کو ٹارچر کرتا رہا ہے۔''

''تو؟ مجھ پر کر کے دکھائے ذرا...... ہاتھ نہ توڑ دوں گی میں اس کے...... میں مومی ہوں...... سمجھے...... مو......می......''

وہ محض اسے دیکھ کر رہ گیا تھا......کبھی جو وہ بات کو سمجھے۔

''آپ ایسا کیوں کر رہی ہیں؟'' زچ ہوتے ہوئے...... تھکے ہوئے لہجے میں اس نے پوچھا۔

''تم نے ہی تو پوچھا تھا کہ میں ممی کو کوئی سکھ، کوئی خوشی نہیں دے سکتی کیا......اور اب......اب مجھے یہ کرنے دو سعد......'' کھڑکی کی طرف چہرہ کیے وہ بنا کسی تاثر کے بولی تھی۔

اور سعد دم بخود ہو کر اسے دیکھ رہا تھا...... یوں جیسے مومی اس کی بہن نہ ہو کوئی اور ہو......

''آپ وہ نہیں ہیں، جو دکھتی ہیں، جو نظر آتی ہیں......آپ کے کتنے چہرے ہیں مومی؟ کتنے......؟ آپ اصل میں کیا ہیں...کیا......؟'' وہ یوں بول رہا تھا کہ جیسے بے یقینی اور حیرت اس کے لہجے میں حلول کر چکی ہو اور مومی چپ کھڑی بنا کسی تاثر کے دونوں ہاتھ جیسے سینے پر باندھے......سامنے موجود سڑک کو دیکھتی رہی۔

''وہ کیا تھی؟'' وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

☆☆☆

زندگی کیا ہے؟ کس چیز کا نام ہے؟

زندگی کسی سیدھی لائن کا نام نہیں ہے...... یہ دل کی دھڑکن جیسا گراف ہے......جو لائن گر سیدھی ہوئی تو...... زندگی تو نہ ہوئی ناں اونچ نیچ ،اچھے برے دن......سختیاں، مشکلیں...... اور خوشیاں ،خوشیاں بھی...... یہ سب زندگی کا حصہ ہوتے ہیں۔

مومی نے اب کی بار......اس دفعہ بھی اپنی کرنی چاہی...... وہ اب بھی ہمایوں سے شادی کرنے پر بضد تھی لیکن گھر والے کیسے راضی ہو جاتے...... یہ ممکن تھا بھلا اب......؟

''مومی تم کیا چاہتی ہو آخر...... کہ اب کے مجھے

شدید ہارٹ اٹیک ہو جائے؟'' اس ساری بحث کے دوران گل اچانک جذباتی ہوئیں۔

''تم میری اولاد ہو..... اسی طرح سے عزیز ہو مجھے جس طرح سے سعد..... سولہ سال کے بعد سے تم نے کوئی خوشی نہیں دیکھی..... سو میں نے بھی نہیں دیکھی موی..... اور اب میں تمہیں ایک miserable لائف نہیں دے سکتی بیٹا..... میں کیا منہ دکھاؤں گی مجیب کو کہ ان کی لاڈلی بیٹی کو میں ایک اچھا لائف پارٹنر بھی ڈھونڈ کر نہ دے سکی.....؟ اور وہاں ایک دم سے سناٹا چھایا تھا۔

''ٹھیک ہے، میں آپ کی بات مان لیتی ہوں ممی..... لیکن اس کے بعد..... اس کے بعد آپ مجھے پھر سے مجبور نہیں کریں گی کہ اب میں کسی ملٹری مین سے ہی شادی کروں۔'' اور وہ کہہ کر رکی نہیں تھی وہاں سے چلی گئی تھی۔

اور گل نے بے حد تھکے سے انداز میں ایک گہری سانس بھری تھی۔ وہ نجانے کیسے ان کے ذہنوں کو پڑھ لیا کرتی تھی کیسے؟

☆☆☆

سعد اگلے کچھ ویک اینڈ باقاعدگی سے گھر آتا رہا تھا..... گل کو دیکھنے..... ان کے منع کرنے کے باوجود وہ آجایا کرتا اور اب اسے اتوار کی شام میں نکلنا تھا۔

''موی پیکنگ تو کر دیں۔''

''خود کرو.....!''

''ابھی تک ناراض ہیں یار..... اب تو خفگی ختم کریں۔''

اور وہ اسے گھور کر دیکھتے ہوئے اٹھ کر اس کے کمرے تک گئی تھی..... سعد بھی مسکراتے ہوئے اس کے پیچھے آیا تھا۔ وہ اب اس کی الماری سے کپڑے نکال، نکال کر بیڈ پر رکھ رہی تھی۔ سعد نے اپنا بیگ نکالا اور کھول کر بیڈ پر رکھا۔

موی اپنا غصہ اب شرٹس کو بے ڈھنگے انداز میں تہہ کر کے..... بیگ میں پٹختے ہوئے نکال رہی تھی۔

''یقین نہیں آتا، یہ لڑکا کالج میں پڑھتا ہے..... عقل معلوم نہیں کہاں ہے.....؟ کہاں رکھ چھوڑی اس نے.....'' وہ بڑبڑا رہی تھی۔

''آئندہ، آئندہ کوئی بھی بات ہوئی..... کوئی بھی..... ذرا سی بات تو تم مجھے بتاؤ گے یا حسیب چاچو کو..... ممی کو ہرگز، ہرگز بھی نہیں۔'' وہ اچانک کپڑے رکھنا چھوڑ کر کمر پر ہاتھ رکھ کر تنک کر بولی تھی۔

''او کے.....'' سعد بیزار ہوا۔

''تم نے اگر کسی لڑکی سے افیئر بھی چلانا ہے تو بھی سب سے پہلے مجھے ہی بتاؤ گے۔'' وہ اب دوبارہ سے بیگ میں کپڑے رکھ رہی تھی۔

''او کے.....'' سعد کی سعادت مندی قابلِ رشک تھی۔

''اور..... اور..... آئندہ یہ منحوس ہیئر کٹ کروا کر مت آنا..... سمجھے۔'' اس نے ایک شرٹ کا گولا کھینچ کر اسے دے مارا تھا۔ وہ اس کے کیڈٹ کٹ کو منحوس کہہ رہی تھی۔

''نہ بالکل بھی نہیں..... یہ نہیں ہو سکتا۔ ائر فورس میں آپ نے جانے نہیں دیا..... یہ ہیئر کٹ میں نہیں چینج کروا سکتا..... میرے سلگتے دل کا سکون ہے یہ۔'' اور ساری کی ساری سعادت مندی بھک کر کے معدوم ہو گئی تھی۔

''ایڈیٹ.....'' موی نے دانت پیسے تھے۔

''ویسے موی.....! اب تو آپ کی ایک عدد منگنی بھی ٹوٹ گئی..... گو پہلے بھی کوئی نہیں تھا..... تو ایسے میں آپ سے شادی کون کرے گا؟''

موی جو الماری میں منہ دیے کھڑی تھی..... جھٹکے سے مڑی۔

''تم سے مطلب.....'' وہ خواہ مخواہ میں تیکھی ہوئی تھی۔

''وہ تیمور صاحب ابھی تک کنوارے ہی ہیں تو ممی اور حسیب چاچو.....''

وہ بات مکمل نہیں کر سکا تھا اور چوزے کی طرح گردن، کندھوں میں دبائی تھی۔ موی کی آنکھوں کے شعلے اس تک آن پہنچے تھے۔

''جاؤ جا کر کہہ دو ممی سے...... نو ملٹری مین......
او کے'' نو ملٹری مین۔'' کمر پر ہاتھ رکھ کر اس نے ایک دفعہ پھر سے شاؤٹ کیا تھا۔

☆☆☆

منزہ کی شادی کو کئی سال ہو چکے تھے مگر ابھی تک وہ اولاد سے محروم تھی۔ اور اب...... اتنے سالوں بعد...... خوشی کی خبر ملی تھی...... اور یہ ایک بڑی خبر تھی...... خوشی کے مارے منزہ نے رو، رو کر حالت خراب کر لی تھی۔

اس کی ساری فیملی ہالینڈ میں سیٹل تھی...... اس کے فادر ریٹائرڈ کرنل تھے۔ ایک ہی بھائی تھا جو کہ ہالینڈ میں ہی کسی ملٹی نیشنل کمپنی میں پوسٹڈ تھا۔ اسکائپ پہ گھر والوں سے بات کرتے ہوئے وہ بری طرح سے رو رہی تھی، ہنس بھی رہی تھی اور یوں رونے پہ ڈانٹ بھی کھا رہی تھی۔

یہ یقیناً چھوٹی خبر نہیں تھی۔ معمولی بات نہیں تھی اسے صحیح معنوں میں اتنے سالوں بعد...... آج اس بات کی کمی محسوس ہوئی تھی کہ اس کی ماں اس کے پاس نہیں تھی۔

جو سکون ماں کے سامنے اس کے گلے سے لگ کر کسی خوشی کو شیئر کرنے پر ہوتا ہے...... وہ یقیناً فاصلوں سے نہیں ہوتا پہلی دفعہ اسے یہ فاصلے بری طرح سے کھلے تھے...... عادل ان دنوں وانا میں پوسٹڈ تھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ ابھی کے ابھی آ جائے...... لیکن یہ ممکن نہیں تھا...... وہ جانتی تھی۔ ڈاکٹر نے اسے مکمل احتیاط اور بیڈ ریسٹ کا بول رکھا تھا...... پھر سمیعہ نے زبردستی اسے لیپ ٹاپ کے سامنے سے اٹھایا اور کمرے میں سونے بھیجا۔

اور اس رات ...... اس رات منزہ سو نہیں پائی تھی...... پچھلے گزرنے والے اتنے سال...... وہ سال اس کی آنکھوں کے سامنے تازہ ہو، ہو کر فلم کی سی صورت گزرتے رہے...... اس نے آج تک عادل سے یا دیگر گھر والوں سے ایک بھی کوئی سخت جملہ کوئی harsh word نہیں سنا تھا۔ سمیعہ فکر مند ضرور

ہوتی تھیں.....اسے لے کر ڈاکٹرز کے ہاں چکر پہ چکر ضرور کاٹتیں مگر انداز چبھتا نہ تھا۔

یہ کمی محسوس تو ضرور ہوتی تھی مگر پھر بھی وہ خوش رہتی تھی..... مطمئن تھی۔ ڈپریشن کا شکار کبھی نہ ہوئی تھی۔ وہ بخت آور تھی..... سب کی قسمت ایسی نہیں ہوتی.....اور آج.....آج.....صبر کا پھل جو ملنا ہی ہوتا ہے..... مل کر ہی رہتا ہے۔اور یہ کسی اور کا نہیں.....اللہ کا وعدہ ہے۔اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف کبھی نہیں کرتا۔

☆☆☆

اس اٹیک کے بعد گل کی صحت روز بروز گرتی جارہی تھی۔ سنبھلنے میں نہیں آرہی تھی۔ ڈاکٹرز کہتے تھے کہ اسٹریس ہے، ٹینشن ہے جس کی وجہ وہ پہلے جیسی صحت حاصل نہیں کر پارہی تھیں۔

اور سبھی جانتے تھے کہ اسٹریس کیا تھا.....ٹینشن کیسی تھی؟ اور اب کہ سب چپ تھے۔ خاموشی سے مومنہ کا منہ تکتے تھے اتنا بڑا دھوکا جو ہوا.....اس کے بعد گل کسی پر بھی اعتماد کرنے سے قاصر تھیں.....ان لوگوں نے چھان بین کروائی تھی مگر ہوا کچھ یوں تھا کہ ہمایوں کی فیملی کو راولپنڈی شفٹ ہوئے کچھ ہی عرصہ گزرا تھا۔ بظاہر سب اچھا ہی اچھا تھا۔کوئی نہیں جانتا تھا کہ ماضی میں کیا ہو چکا تھا اور یہیں پر آ کر مار پڑی تھی۔

اور اب.....اک جامد خاموشی تھی.....گل کی طرف سے بھی اور مومنہ کی طرف سے بھی۔ مومی کو ماں کی حالت پریشان ضرور کرتی تھی لیکن نہ جانے وہ کس مٹی سے گندھی ہوئی تھی۔ اپنی ضد نہیں چھوڑتی تھی۔ خودکشی کرتے وقت ممی کا خیال نہیں آیا.....لیکن یہ بات چھپالی تھی.....سعد سے لڑتی تھی مگر اپنی ضد نہیں چھوڑتی تھی۔

وہ عجیب تھی، جذباتیت میں اگر کچھ بھی کر گزرتی سوچتی کہاں تھی؟ اور جب سوچتی تو پھر لڑنے مرنے پر آجاتی، ہاہ یہ جذباتی لوگ.....انتہاؤں کے مارے ہوئے۔

''آپ میری دوست نہیں۔''سمیعہ کو وہ ٹیکسٹ میسج مومی کی طرف سے موصول ہوا تھا۔

''کیوں بھئی؟''حیرانی سے ٹائپ کیا گیا۔

اور جواب ندارد.....مومی واک آؤٹ کر گئی تھی۔

پھر جواب لینے کے لیے سمیعہ کو ان کے گھر تک آنا پڑا۔ وہ اپنی دوست کو تو اب ناراض کرنے سے رہیں..... گھر آ کر گل کو دیکھ کر وہ شاکڈ رہ گئی تھیں۔ چہرہ صاف بتاتا تھا کہ بیماری جھیلی گئی ہے۔ اور تب ہی تو مومی کی ناراضی کی وجہ سمجھ میں آگئی تھی۔ مومی نے انہیں عائلہ کی بنائی ہوئی چائے ضرور سرو کی تھی مگر سلام تک نہیں کیا تھا۔اور وہ اس کے اس بچگانہ رویے پر ہنس پڑی تھیں۔

''چلو.....فٹافٹ اپنے جوگرز پہن کر آؤ..... اتنے دنوں سے واک نہیں کی۔ میرا کولیسٹرول لیول ہائی ہو رہا ہے۔''انہوں نے دھونس جمائی۔

اس نے برا سامنہ بنا کر انہیں دیکھا لیکن اٹھ گئی تھی۔ مہربانی تھی اس کی جو اٹھ گئی تھی۔ نہ اٹھتی تو کوئی کیا کر لیتا مومنہ مجیب عالم کا.....کیا بگاڑ لیتا۔

''ممکن تو نہیں ہے وہ آپ کی بات سمجھے اور مان لے.....لیکن پھر بھی اس کی دوست ہونے کے ناتے میں آپ سے درخواست کروں گی کہ اسے سمجھائیے گا۔''گل نے مومی کے اٹھتے ہی سمیعہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

''پریشان نہ ہوں آپ..... میں بات کروں گی اس سے.....آگے جو اللہ کی مرضی.....''انہوں نے گل کا ہاتھ تھپتھپا کر تسلی دی۔

☆☆☆

جاتی سردیوں کے دن..... دن لمبے ہوتے ہوئے اور راتیں گھٹتی ہوئی..... بہار کی آمد، آمد تھی..... ہوا کے جھونکے کلیوں کو چٹکنے پر اکساتے تھے.....سورج کی تمازت اب جسم کو تیکھی محسوس نہ ہوتی تھی، چبھتی تھی.....نئے، پتے پھوٹ رہے تھے، درختوں پر سبزہ امڈ پڑا تھا۔ وہ شام کا وقت تھا جب وہ دونوں پارک میں آئی تھیں۔ مومی ناراض ،ناراض سی.....اور آنٹی کے لبوں پر شرارت، شرارت سی.....

''تو تمہاری منگنی ٹوٹ گئی..... چچ، چچ، چچ۔''

لہجے میں تاسف کم اور شرارت زیادہ تھی...... مومنہ مجیب عالم سے اسی طرح سے افسوس کیا جا سکتا تھا۔

''ہاں، حالانکہ ممی کو کہا بھی تھا...... اتنی مشکل سے مجھے کسی نے پسند کیا ہے، مت ایسا کریں لیکن ممی خواہ مخواہ میں ایموشنل ہو جاتی ہیں۔''

''مومنہ......! کوئی تک ہوتی ہے کسی بات کی بھی...... کیسے کرتے وہ اس ہمایوں سے تمہاری شادی؟''

''آنٹی یہ لوگ پریکٹیکل ہو کر کیوں نہیں سوچتے...... ممی اسی طرح سے میری ٹینشن لے کر اپنی صحت کا ستیاناس کرتی رہیں گی...... حبیب چاچو الگ سے پریشان ہوں گے...... اس مسئلے کا جو حل ملا تھا کیوں نہ avail کر لیا گیا...... کیوں نہیں؟'' اور سمیعہ نے حق دق ہو کر اسے دیکھا۔

''یہ ہر بات کے لیے مجھے مجبور کیوں کرتے ہیں؟'' اس نے پاؤں کی زور کی ٹھوکر سے پتھر اڑایا۔

''اور تم بھی تو کوئی بات مان جایا کرو ناں......! مسز مجیب اگر تمہاری شادی اپنی فیملی میں کرنا چاہتی ہیں تو کرنے دو...... ایک دفعہ ان کی مان کر تو دیکھو......''

''ان کا پورے کا پورا خاندان...... سڑے ہوئے فوجیوں سے بھرا ہوا ہے۔ اور مجھے کسی فوجی سے شادی نہیں کرنی۔''

''کیوں......؟'' گر سمیعہ حیران تھیں تو ٹھیک حیران ہوئی تھیں۔ مومی نے اُف، کے سے انداز میں انہیں دیکھا۔

''آپ مجھے یہ بتائیں، میری ممی اتنی بیمار رہیں اور آپ نے ایک کال تک نہیں کی...... اچھی دوستی ہے بھئی۔'' کمر پر ہاتھ رکھ کر وہ اچانک لڑنے کی بھرپور تیاری میں نظر آئی۔ یقیناً اس نے موضوع بدلا تھا...... جان چھڑوائی تھی۔

''آئی ایم سوری ہنی...... مجھے معلوم ہی نہیں ہو سکا۔ منزہ کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی تو میں گھر سے ہی نہیں نکل سکی تھی۔'' انہوں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر پیار سے معذرت کی۔

''اٹس اوکے......'' اس نے احسان کرتے ہوئے ان کے دونوں ہاتھ چہرے سے ہٹائے۔

''بائی داوے کوشش اچھی تھی بات بدلنے کی۔'' وہ ایک دفعہ پھر سے ساتھ، ساتھ چلنے لگیں۔

''ہاہاہا......'' مومنہ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ ''آپ بہت تیز ہیں۔''

''آنٹی جو ہوئی تمہاری......'' ترنت جواب دیا گیا۔ اور پھر کچھ قدم انہوں نے بے حد خاموشی کے ساتھ طے کیے۔

''تمہیں فوجی کیوں نہیں اچھے لگتے مومنہ......؟'' نرم نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا گیا تھا۔ اور اس سوال پر وہ یکلخت رکی تھی۔

''اس لیے کہ وہ مر جاتے ہیں یا پھر معذور ہو جاتے ہیں......'' انہیں براہ راست دیکھتے ہوئے مومی بے حد بے رحم ہو گئی تھی۔

وہ جواب نہیں تھا...... دل میں گھونپ دیے جانے والا خنجر تھا خنجر...... سمیعہ کا چہرہ لمحوں میں سفید ہوا تھا۔ وہ فق چہرے کے ساتھ اسے دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

☆☆☆

گھر میں ایک محسوس کی جانے والی تناؤ کی سی کیفیت اپنے پنجے جما چکی تھی اور وجہ...... ظاہر ہے مومی کی ہٹ دھرمی...... اور گل کی صحت...... کوئی بھی مومی کو کچھ کہتا نہ تھا۔ سوال کیے جاتے نہ جواز مانگے جاتے۔ اور اب کہ تو پریشرائز کرنے کی بھی کوئی کوشش نہ کی گئی۔ سب خاموش، ناراض سے مگر اسے کھلا چھوڑ دیا کہ لو بی بی! کر لو اپنی مرضی...... چلا لو اپنی جہاں تک تمہیں چلانی ہے...... ہم برداشت کیے جانے کے لیے ہی تو پیدا کیے گئے ہیں اور تمہیں تو صرف اپنی من مانی کرنے کے لیے ہی دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ تو بیٹا، کیے جاؤ...... چلائے جاؤ اپنی...... ہم ضبط آزماتے ہیں، تم وار آزماؤ...... والا حساب تھا اب کہ...... اور اس نے ہمیشہ کی طرح...... ایک ہونہہ کہہ کر بے پروا ہو جانا چاہا...... ایک رِنگ مار کر سب کچھ اڑا دینا چاہا......

کندھے اچکا کر ''مجھے کیا'' کہنا چاہا...... اس نے ہمیشہ کی طرح وہ ہی کرنا چاہا جو وہ کرتی آئی تھی۔ لیکن...... کوئی چیز تھی جو اسے پشت سے پکڑ کر کھینچتی تھی اور منہ کے بل گرانے کو تیار تھی۔

کچھ تھا کہ وہ ہونہہ نہ کہہ سکی...... بے پروانہ بن سکی...... اور ایک عدد کِک مار کر اڑا بھی نہیں سکی۔

اور وہ تھی گل کی حالت...... انہیں تو اب کہ خاموشی کسی بیماری کی طرح آن چمٹی تھی...... کھانا بھی کم ہوگیا تھا۔ زرد چہرہ اور کمزور سے کمزور تر ہوتا جسم بیڈ کی سائڈ ٹیبل مختلف دواؤں سے بھری ہوئی' دوائیاں کیا کام کریں...... کیا اثر دکھائیں؟ جب بیٹی دل کا روگ بنتی جارہی ہو۔

اور مومی...... جتنی بھی بے حس سہی...... جتنی بھی بے حسی کی انتہا کو بھی چھو آئے تو تب بھی، تب بھی وہ ماں کو مرتا دیکھ سکتی تھی کیا......؟ کیا ایسا ہونا ممکن تھا؟

یہ جو رشتے ہوتے ہیں ناں بلڈ ریلیشن' یہ خون کی تقسیم ہوتی ہے اور خون ایسے ہی تو نہیں کھنچتا...... پیرنٹس کے نام پر اس کے پاس ماں تھی...... صرف ماں بچی تھی...... اور وہ اسے بھلا مرتا دیکھتی؟

اس دن بھی تکلیف کی بِنا پر انہیں اسپتال لے جانا پڑا تھا اور وہ پورا دن اسپتال میں گزار کر آئی تھیں جب تک گل یہ سمجھتی رہیں کہ وہ مومنہ کو سمجھا سکتی ہیں، اس پر اپنی چلا سکتی ہیں انہوں نے collapse نہیں کیا تھا اور جب انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ مومی لاعلاج بن چکی ہے، اس کا کوئی حل نہیں تو وہ ڈھے گئیں، اپنا آپ چھوڑ دیا، ہار مان لی اور جب سعد کو پتا چلا کہ ممی ایک پورا دن اسپتال میں گزار کر آئی ہیں تو...... تو......

''ممی کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے، جو کچھ ہوا...... بابا کے بعد جو کچھ بھی ہوا ہے ناں مومی...... وجہ آپ تھیں...... آپ اپنی ماں کو مار رہی ہیں...... آپ انسان نہیں ہیں، پوائزن ہیں...... سلو پوائزننگ جانتی ہیں ناں کیا ہوتی ہے...... کیا؟ آپ وہ ہی ہیں...... آپ ہماری زندگیوں میں نہ ہوتیں تو ہم بہت خوش ہوتے...... بہت خوش......'' دکھ، تنفر، افسوس، کیا نہیں تھا جو سعد کے لہجے میں نمایاں نہیں تھا اور وہ خاموش رہی، چپ رہی اور اسی کم فہم کیفیت کے ساتھ اس نے فون بند کر دیا تھا...... اثر سعد کی بات کا نہیں ہوا تھا۔ اثر ممی کی حالت کا ہو رہا تھا۔

تو کیا برف پگھل رہی تھی؟ مومی نے بس ہار مان لینے کا فیصلہ کیا تھا...... کیا واقعی......؟

☆☆☆

وہ آج معمول سے زیادہ خاموش تھی۔ چپ تھی...... کسی سوچ کا شکار نظر آتی تھی۔ کسی کیفیت میں جکڑی دکھائی دیتی تھی۔

''کیا بات ہے مومنہ؟'' سمیعہ پوچھے بِنا نہ رہ سکی تھیں۔ اس نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا۔

''ممی کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

''ٹھیک ہے......'' اب کہ آہستگی سے ہونٹ ہلے۔

''تو تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں کیا؟'' اور مومی نے گہری سانس بھر کر انہیں دیکھا اور دیکھتی رہی......

''آنٹی......''

''کیا؟'' اس کے چپ ہو جانے پر پوچھا گیا۔

''میں، میں آپ کے بیٹے سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔'' اور وہاں ایک خاموشی کا دھماکا ہوا اور دور، دور تک کسی بھنور کی طرح پھیلتا گیا۔

ہر طرف سائیں، سائیں تھی اور بس یہ سائیں، سائیں لحہ بہ لحہ بلند ہو رہی تھی...... پرندے سب شور کرتے ہوئے درختوں کو چھوڑ کر اُڑ گئے۔ سائیں...... سائیں...... اور...... ایک جملہ...... ایک آواز بازگشت کی صورت گونجتی ہوئی۔

''میں آپ کے بیٹے سے شادی کرنا چاہتی ہوں...... میں آپ کے بیٹے سے......'' گونجتی آواز میں اگلا جملہ آیا تھا۔

"I love him..." اس نے ایک اور دھماکا کیا تھا۔

(باقی آئندہ)

خاص مہمان

فرح طاہر قریشی



اسے اس محلے میں آئے ابھی کچھ ہی دن ہوئے تھے...... یہی وجہ تھی وہ ابھی یہاں، کسی ایک کو بھی نہیں جانتی تھی...... اور جاننے کو ابھی اس کے پاس بہت ٹائم تھا کیونکہ اب رہنا تو یہیں اسی محلے میں، انہی لوگوں کے ساتھ تھا...... اس لیے وہ تسلی کے ساتھ جان پہچان بڑھانا چاہتی تھی...... اسی لیے اس نے سوچ رکھا تھا کہ خوب اچھے سے اپنے گھر میں سیٹ ہو جائے...... اپنے گھر کو سجا بنالے...... پھر خیر و برکت کے لیے گھر میں

ایک میلاد شریف کا اہتمام کرے گی..... جس میں آس پڑوس سے سب کو باقاعدہ اپنے گھر مدعو کرے گی..... اور وہیں سے میل ملاپ کا آغاز کرے گی..... اس طرح لوگ گھر بار اور طور طریقے بھی دیکھ لیں گے۔ آئیڈیا اس کا اچھا تھا..... اس لیے میاں جی سمیت بچے بھی اس کے ہم خیال تھے..... اور خود وہ اپنے خیال سے ہم خیال ہوتی میاں جی کو آفس اور بچوں کو اسکول روانہ کرنے کے بعد تن دہی سے اپنے گھر کو سجانے بنانے میں جت جاتی۔

مگر آج کئی روز کی مسلسل محنت کے نتیجے میں جسم سستی محسوس کر رہا تھا..... اس لیے اس نے کسی بھی کام کو ہاتھ لگانے سے پہلے چائے کے ساتھ درد کی گولی لینے کا سوچ کر چائے بنانے کچن میں آ گئی..... گھر میں اس وقت اس کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا..... ہر طرف سکون بھرا سکوت پھیلا ہوا تھا..... جب چائے کو ابال دیتے ہوئے اچانک ٹھاہ، پھاہ کی بھاری آوازوں کے ساتھ نسوانی آوازیں اس کی سماعتوں سے ٹکرائیں.....

تو وہ چولھے کی آنچ کو کم کرتی بے ساختہ قدم بڑھاتی کچن سے باہر نکل کر آواز کی سمت کا تعین کرنے کی کوشش کرنے لگی..... آواز برابر والے گھر سے آ رہی تھی..... غور کرنے پر اس نے اندازہ لگایا جیسے دیوار کے اس طرف بھاری سامان کی شفٹنگ کا کام ہو رہا تھا..... شاید وہ لوگ یا تو یہاں سے جا رہے تھے..... یا پھر ان کی طرح وہ بھی نئے، نئے اس محلے کو آباد کرنے آئے تھے..... اپنے اندازے کی درستگی جاننے کے تجسس نے متجسس کیا تو..... وہ پلٹ کر کچن میں آئی.....

ہلکی آنچ پر دم آتی چائے کو کپ میں انڈیلا..... اور کپ اٹھا کر کچن سے باہر آ گئی..... کپ کو ایک طرف پڑی ٹیبل پر رکھا اور چیئر اٹھا کر اپنے اور برابر والے گھر کی دیوار کے قریب آ گئی..... تھی تو یہ ایک معیوب حرکت مگر اب جب تجسس نے کالے ناگ کی طرح اپنا پھن پھیلا کر اسے اپنے لپیٹے میں لیا ہوا تھا تو پھر سب ٹھیک ہے کہتے ہوئے وہ چیئر پر چڑھی اور دراز قد ہوتی نظر دوڑاتی جیسے اس گھر میں داخل ہو گئی..... یہاں وہاں ہر طرف سامان بکھرا ہوا تھا۔ بڑے، بڑے بکسوں پر صوفے اور صوفوں پر چھوٹا بڑا الم بلا.....

''شاید یہ لوگ بھی یہاں نئے شفٹ ہوئے ہیں.....'' اس نے خود کلامی کی۔ نظر سامنے والے کمرے کے دروازے تک ہی گئی تھی کہ جب ایک طرف سے نکلتی دو لڑکیوں نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی تھی۔

''حفصہ کی بچی..... ختم کرو یہ ڈرامے بازی.....'' پہلی لڑکی نے دانت کچکچاتے ہوئے تقریباً اسے جھنجوڑ کر کہا تھا۔

''یوں نیند کا بہانہ کر کے تمہیں کیا لگتا ہے، کام سے تمہاری جان چھوٹ جائے گی؟ میں بتائے دے رہی ہوں یا تو تم پوری طرح حواسوں میں آ کر اندر باہر کی سب دیواریں اور چھتیں صاف کر دو ورنہ میں یہ لمبا بانس تمہارے سر پر مار کر تمہارا سر توڑ دوں گی.....'' دھمکی دینے کے ساتھ خطرناک عزائم سے ذرا سا پلٹ کر دیوار کے ساتھ کھڑے بانس کو اپنی گرفت میں لیتے ہوئے وہ سنجیدہ سی پلٹی..... تو جھوٹ موٹ کی نیند میں جھولتی حفصہ پٹ سے آنکھیں کھولتی مکمل بیداری کی حالت میں آ گئی تھی۔

''دنیا میں بہت سے برے لوگ ہوں گے..... مگر تم ان بہت سے لوگوں میں سب سے زیادہ بری ہو رائمہ.....'' حفصہ جھنجلا کر بولی۔

''اونہہ.....'' رائمہ نے ناک سے مکھی اڑاتے ہوئے دوبدو کہا۔

''اور خود اپنے بارے میں کیا خیال ہے جناب کا.....؟'' اس کا مقصد پورا ہو چکا تھا..... حفصہ حواسوں میں لوٹ آئی تھی..... اور وہ اپنی ساری جھنجلاہٹ اس کی طرف منتقل کرنے کے بعد اب حالتِ سکون میں بھی جبھی مزے سے بولی۔

''دنیا میں بہت سے نکمے، نٹھلے ہوں گے..... مگر تم ان سب کی سردار بلکہ مہا سردار ہو..... اسی لیے جب

بھی تمہارے سر پر کوئی کام پڑتا ہے......تم پر نیند کا پہاڑ آن گرتا ہے۔''

''غلط بیانی مت کرو تم...... میں کوئی نکمی اور کام چور نہیں ہوں......تم سے زیادہ خوشی سے کام کرتی ہوں......مگر اب یہ کام بھی تو کام ہونا ں......''اس نے ناک چڑھاتے ہوئے کہا۔

''پکڑ کے مجھے اٹھا دیا...... دیواریں اور چھتیں صاف کر دو......''اس کے انداز کی نقل کرتے ہوئے وہ اس کے انداز میں تپ کر بولی تھی۔

''دکھاؤ مجھے بھی ذرا......دیواروں اور چھتوں پر کہاں تمہیں کہیں کوئی مٹی کا ذرہ یا معمولی سا جالا بھی دکھائی دے رہا ہو......''اس نے باقاعدہ اس کا سر پکڑ کر اوپر کی طرف گھمایا......اور عین اسی پل ان دونوں بہنوں کی بیک وقت نظر دیوار پر ٹنگی منال پر پڑی تو وہ دونوں ایک دم چونک کر سیدھی ہوئیں......جبکہ دیوار پر ٹنگی ان کی نوک جھوک سے لطف اندوز ہوتی منال یوں ایک دم ان کو اپنی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر ذرا سا کھسیا کر مسکرائی۔مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنی کھسیاہٹ مٹانے کو کچھ کہتی......اس کے سیل فون کی بلند ہوتی رنگ ٹیون نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرالی......نہ جانے کس کا فون تھا......ان سے بعد میں بات کرنے کا سوچ کر اس نے قدرے دوستانہ مسکراہٹ ان دونوں کی جانب اچھالی اور چیئر سے اتر کر تیزی سے اپنے سیل فون کی طرف بھاگی۔

☆☆☆

گھر کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد وہ اب کچن میں کھڑی میاں جی کی فرمائش پر کھیر پکا رہی تھی......جبکہ بچے اور میاں جی دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد قیلولہ فرما رہے تھے......گھوٹنے (لکڑی کا چمچا جس سے گھٹائی کا کام کیا جاتا ہے) سے کھیر کی گھٹائی کرنے کے بعد وہ اب ڈونگے میں کھیر نکالے خوشگوار موڈ میں بادام پستے سجا رہی تھی۔

جب اس کے ذہن کے کینوس پر حفصہ اور رائمہ

غزل

شاخ سے پھول جب جھڑے ہوں گے
شہر میں دور جا پڑے ہوں گے

کتنے ویران گھر پڑے ہوں گے
شہر میں لوگ جب لڑے ہوں گے

چوک میں لوگ جب کھڑے ہوں گے
وہ کسی سوچ میں پڑے ہوں گے

ہم ہی جھیلیں گے کب جدائی کا غم
دن یہ ان پر بھی کچھ کڑے ہوں گے

موسم گل میں اپنی شاخوں سے
زرد پتے ہی بس جھڑے ہوں گے

اس زمانے میں سچ جو بولے گا
اس کے پیچھے ہی سب پڑے ہوں گے

خود کو تنہا ہی پاؤ گے ہر پل
شہر میں لوگ تو بڑے ہوں گے

کلام: یاسمین کنول، پسرور

دونوں کا خیال لہرایا......تو ذہن میں اڈتی بے ساختہ سوچ کے زیرِ اثر ذرا دیر تو اس کی آنکھیں پُرسوچ انداز میں کھیر کے ڈونگے پر جمیں ......اور پھر اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کی نیت سے اس نے ایک اور باؤل میں کھیر نکالی......اچھے سے سجایا پہلے ڈونگے کو فریج میں رکھنے کے بعد دوپٹا اچھے سے اپنے گرد لپیٹتی......میاں جی کو پڑوس میں جانے کی اطلاع دیتے ہوئے باؤل سنبھالے گھر سے نکل آئی۔

☆☆☆

اور اب وہ حفصہ، رائمہ کے گھر کے باہر کھڑی بیل کا بٹن دبانے کا سوچ رہی تھی......جب اچانک

ہاتھ لگنے کی وجہ سے آپو آپ کھلتا دروازہ دیکھ کر وہ جھجکتی ہوئی اندر داخل ہوگئی..... صحن میں کوئی بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا..... وہ ایک طرف کھڑی ہو کر سوچنے لگی کہ اب کسی کو آواز دے کر بلائے یا واپس اپنے گھر پلٹ جائے..... اسی پل درمیانی عمر کی ایک عورت کچن سے نکلتی چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''جی.....؟''

''وہ..... میں..... آپ کے پڑوس میں کچھ دن پہلے ہی شفٹ ہوئی ہوں..... آج کھیر بنائی تھی تو سوچا.....'' وہ تیزی سے بولتی وہاں اپنے آنے کی وجہ بیان کررہی تھی۔

''اوہ..... معافی چاہتی ہوں..... میں نے آپ کو پہچانا نہیں تو اس لیے.....'' اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے بتول بیگم نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے قدرے شرمندہ لہجے میں کہا۔

منال نے کھیر کا باؤل ان کی طرف بڑھایا۔

''اور یہ تکلف کر کے آپ کیوں مزید شرمندہ کررہی ہیں..... یہ تو ہمارا فرض بنتا تھا۔ ہم آپ کی میزبانی کرتے..... مگر بس ذرا مصروفیت نے اس طرح ہر طرف سے غافل کیا کہ ہمیں یہ خیال ہی نہیں رہا.....'' شرمندہ، شرمندہ سی انہوں نے وضاحت پیش کی تو منال مسکرانے لگی۔

''ارے کوئی بات نہیں..... آپ پلیز شرمندہ مت ہوں..... اب تو انشاء اللہ آپ کا اور ہمارا ساتھ رہے گا..... آپ میزبانی کا فرض پھر کبھی ادا کر لیجیے گا..... ابھی آپ میری طرف سے یہ کھیر قبول کیجیے۔'' اس نے اپنے ملنسار انداز میں ہنس کر کہا تو بتول بیگم اسے اپنے ہمراہ لے کر مصروفیت میں گھری حفصہ، رائمہ کے پاس چلی آئیں۔

''لڑکیوں ابھی کام وام چھوڑو..... مہمان کو کمپنی دو..... میں ذرا کچن میں ہوں.....''

''پلیز میرے لیے کوئی تکلف مت کیجیے گا..... میں ابھی کھانا کھا کر آئی ہوں۔'' بتول بیگم کا ارادہ بھانپتے ہوئے منال نے فوراً انہیں کسی بھی تکلف کے اہتمام سے منع کیا۔

''تکلف کیسا آپ بیٹھیں..... میں بس ابھی آئی.....'' اسے جواب سے نواز کر وہ کھیر کا باؤل ہاتھ میں لیے باہر نکل گئیں..... تو وہ حفصہ اور رائمہ کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''کیا آپ لوگ بھی یہاں نئے شفٹ ہوئے ہیں؟'' بات کا آغاز خود اسی نے کیا تھا۔

''نہیں تو..... ہم تو شروع سے ہی یہی رہتے ہیں.....'' ایک اچھے میزبان والی خوب صورت مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا احاطہ کیا ہوا تھا..... جبکہ اس کا جواب سن کر منال کو قدرے حیرت ہوئی۔

''تو پھر..... یہ اس طرح پورا گھر ادھیڑ کے کیوں رکھا ہوا ہے آپ لوگوں نے.....؟ کیا کوئی مہمان آنے والا ہے؟''

اب کی بار حیران ہونے کی باری ان دونوں کی تھی..... جبھی اس کے سوال پر حیرت سے پہلے دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا..... اور پھر بیک وقت دونوں نے نظروں ہی نظروں میں اس کے سوال کو سمجھا اور ایک دم کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

''جی، جی بالکل صحیح سمجھیں آپ..... مہمان ہی کے استقبال کے لیے صفائی کی خاطر ہم اپنا گھر ادھیڑ کر بیٹھے ہیں.....'' رائمہ نے ہنس کر کہا۔

''اللہ.....! ایک مہمان کے لیے اس قدر تفصیلی صفائی.....؟ یہ صبح حفصہ بیچاری پھر ٹھیک ہی تھکن کا شور مچا رہی تھی.....'' اس نے ہنسی کو بھول میں دبا کر بیٹھی حفصہ کی طرف ہمدردی سے دیکھتے ہوئے قدرے دوستانہ انداز میں شرارت سے کہا۔

''کہیں یہ مہمان وہ خاص مہمان تو نہیں..... جو رشتے کے سلسلے میں آتے ہیں؟'' اس کے معنی خیز انداز پر ضبط کے باوجود حفصہ کی ہنسی نکل گئی۔

''نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں ہے..... وہ صبح تو میں رائمہ کو جان بوجھ کر تنگ کررہی تھی..... ورنہ اس

مہمان کے سواگت کے لیے تیاریاں تو میں خود بہت خوشی سے کرتی ہوں۔''

''کیا بہت خاص مہمان ہے......؟'' منال کا تجسس عروج پر تھا......اور وہ دونوں جان بوجھ کر اس کا تجسس بڑھائے جا رہی تھیں۔

''جی بہت خاص مہمان...... عام مہمانوں کے استقبال کے لیے تو ہم روزمرہ والی ہی تیاریاں کرتے ہیں......لش پش صفائیاں بھی روز ہوتی ہیں...... اور مینیو بھی ہم اپنی مرضی کا جھٹ پٹ تیار کر لیتے ہیں...... مگر یہ خاص اللہ کا مہمان جب ہمارے درمیان تشریف لاتا ہے تو پھر ہم اپنی پسند، اپنی مرضی کو پسِ پشت ڈال کر اس کی مرضی...... اس کی پسند کے شایانِ شان اس کا استقبال کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' حفصہ نے اس کی بات کا جواب تفصیل سے دیا تو مگر اس کی الجھن مزید بڑھا دی۔

''اللہ کا مہمان......؟'' جبھی وہ الجھن بھرے انداز میں اچنبھے سے بولی۔

''جی ہاں......اللہ کا مہمان یعنی ماہِ رمضان......''

رائمہ نے بالآخر پہیلی کو حل کرتے ہوئے اس کی الجھن کو دور کیا۔

''آپ کو معلوم تو ہے کہ پندرہ روز بعد رمضان کا بابرکت مہینہ ہمارے درمیان آنے والا ہے......اور ہمارے ابو کہتے ہیں بارہ مہینوں میں سے رمضان کے خاص مہینے کو اللہ تعالیٰ اپنا مہمان بنا کر ہم سب کے درمیان اس لیے بھیجتا ہے تاکہ وہ دیکھ سکے کہ ہم اس کے بندے......اس کے خاص مہمان کی مہمان نوازی کس انداز میں کرتے ہیں......اس لیے ہم اس خاص مہمان کی آمد سے قبل ہی اس کے شایانِ شان استقبال کی تیاری کی خاطر نئے سرے سے گھر کی تفصیلی صفائی کرتے ہیں...... پھر خود کو اس کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرتے ہیں......اور جب اللہ کا یہ مہمان ہمارے درمیان آ پہنچتا ہے تو ہم اللہ کے احکام کے مطابق ان دنوں دنیاداری سے مکمل پرہیز کرتے ہوئے نماز، روزہ، تسبیح، تراویح کا خوب اہتمام کر کے اس مہمان کے ساتھ گزر بسر کی اپنی سی کوشش کرتے ہیں......تاکہ تیس دن بعد جب اللہ کا یہ مہمان ہم سے رخصت ہو کر اللہ کے حضور پیش ہو تو بجائے ہماری شکایتیں کرنے کے وہ ہماری طرف سے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے ربِ کریم سے ہماری بخشش کی التجا کرے۔'' انتہائی خوب صورت انداز میں وہ جوں، جوں وضاحت کرتی گئی منال شرمندگی کے گہرے سمندر میں غرق ہوتی گئی۔

''یہ آج کی بچیاں کس قدر اچھی سوچ کی مالک تھیں...... اور وہ خود......؟'' وہ کسی گہری سوچ میں تھی۔ ان کو سن کر وہ اپنا محاسبہ کرنے پر مجبور ہو گئی...... کہ وہ خود کیسی مہمان نواز تھی......؟ نئے گھر میں شفٹ ہو کر اس نے گھر کی تفصیلی صفائی اس لیے کی...... کیونکہ گھر کو صفائی کی اشد ضرورت تھی......اور اس نے گھر کی آرائش و زیبائش کی بھی تو یہ سوچ کر کہ میلاد کا اہتمام کر کے جب وہ آس پڑوس سے سب کو بلائے تو لوگوں پر اس کی امارت و سلیقے کی خوب دھاک بیٹھ سکے......

شرمندگی کے سمندر کی آخری تہ میں ڈوبی وہ اپنی سوچ پر سر جھکا گئی......اس سے ضمیر کے آئینے میں اس کی دنیاوی سوچ اس کا منہ چڑاتی بڑی واضح دکھائی دے رہی تھی کہ......

دنیاوی جھمیلوں میں پڑ کر ہم اس قدر دنیا کے ہو کر رہ گئے ہیں کہ ہمارے پاس اتنا بھی وقت نہیں کہ ہم ماہِ رمضان کو اللہ کا خاص مہمان سمجھ کر اس کی آمد سے قبل اس کے استقبال کی خاص تیاریاں کر سکیں......اور پھر جب یہ مہمان ہمارے درمیان آ جائے تو ہم زیادہ نہیں تو بس تیس دن کے لیے خود کو دنیا کے جھمیلوں سے بچا کر اللہ کے احکامات کی بجا آوری کرتے ہوئے اس کے خاص مہمان کو راضی کر لیں......تاکہ آخرت میں نیکیوں کے میزان کے وقت اللہ کا یہ مہمان ہماری نیکیوں کے پلڑے کا وزن بڑھا کر ہمارے جنت میں داخلے کا سبب بن جائے......(آمین)

ناولٹ

رسائی نارسائی

ناہید سلطانہ اختر

''اب بھی سوچ لو' یہ بارات تمہاری طرف بھی آسکتی ہے۔'' موبائل فون میرے کان سے لگا ہوا تھا۔

حارث کی آواز میری سماعت تک پہنچ رہی تھی اور میرا من منجدھار میں ڈبکیاں کھا رہا تھا۔

ایک شخص جسے آپ اپنی زندگی کا مرکز و محور سمجھتے ہوں جس کے بغیر جینے کا تصور آپ کے لیے محال ہو، جس کے بِنا زندگی آپ کے نزدیک معنی کھودے، جسے آپ ایک ہی جست میں اپنا بنا سکتے ہوں ایک ایسے وقت جب محض آپ کے انکار کی وجہ سے اس کے جملہ حقوق کسی اور کے نام ہونے جا رہے ہوں اور آپ اس خیال سے نڈھال ہوں کہ وہ جو آپ کا ہوسکتا تھا کسی اور کا ہونے جارہا ہے آخری لمحوں میں وہی آپ سے کہے۔

''اب بھی سوچ لو......''

منجدھار کے دو پاٹوں کے بیچ الجھا میرا دل یکبارگی جیسے ٹھہر سا گیا۔

''کیا میں حارث کے بِنا رہ سکتی تھی...... جی سکتی تھی!''

میری بات کا اعتبار کرنا ممکن ہو تو یقین کرلیں کہ حارث سے میری محبت کی ڈور میرے دل سے بندھی تھی۔ اس جبلت سے نہیں جو جسموں کے اتصال کی محتاج ہوتی ہے۔ مجھے لگتا تھا بھری دنیا میں وہی ایک شخص مجھے سمجھتا تھا۔ جس سے میں اپنے دل کی ہر بات بلا کھٹکے کہہ سکتی تھی۔ اپنا ہر راز اس سے شیئر کرسکتی تھی اور آنکھ بند کر کے اس پر بھروسا کرسکتی تھی۔

اور میرے لیے یہ بات کسی اعزاز سے کم نہیں تھی کہ میرے دل سے بندھی محبت کی اس ڈور کا دوسرا سرا حارث کے دل سے بندھا تھا۔ اس سے میری محبت یک طرفہ نہیں تھی، وہ بھی مجھ سے محبت کے معاملے میں اتنا ہی جذباتی تھا جتنی میں تھی۔

لیکن اپنی محبت کی شدت کے باوجود میں اس حقیقت سے بھی نظریں نہیں چرا سکتی تھی کہ خاندانی روایات کو توڑ کر حارث کی زندگی میں شامل ہوجانے کو میں اپنا مقسوم نہیں بنا سکتی تھی۔ حارث سے شادی کرنے کے لیے مجھے اپنے خاندان کی مخالفت مول لینا پڑتی اور اس کا مجھ میں حوصلہ نہیں تھا۔

میں جس خاندان کی فرد تھی اس خاندان میں لڑکیوں کو غیر خاندان میں بیاہنے کی روایت نہ تھی۔ خاندان کے کنبوں میں آپس ہی میں رشتے ناتے ہوتے۔ لڑکیاں ماں، باپ کے گھر بیٹھی بوڑھی ہوجاتیں مگر انہیں غیر خاندان میں بیاہنا معیوب سمجھا جاتا۔ لڑکے البتہ کبھی، کبھی غیر خاندان میں شادی کرلیتے اور خاندان کو بندھا رکھنے کی خاطر ان کے اس اقدام کو مجبوراً قبول کرلیا جاتا تھا۔



میں اپنے بہن، بھائیوں میں دوسرے نمبر پر تھی۔ مجھ سے بڑے ایک بھائی تھے ان کے بعد میں پھر یکے بعد دیگرے دو بھائی اور سب سے آخر میں ایک بہن......

صد شکر کہ خاندان میں تعلیم کی روایت بلاتخصیص مرد و زن عام تھی بلکہ میں اگر یہ کہوں کہ ہمارے خاندان میں کسی لڑکے یا لڑکی کا پڑھا لکھا نہ ہونا معیوب سمجھا جاتا تو ایسا کہنا بے جا نہ ہوگا۔ خاندان کے گھرانوں میں تعلیم کے میدان میں سبقت لے جانے کا رجحان عام تھا۔ اور یہ بلاشبہ ایسا صحت مندانہ رجحان تھا جس نے مجھے یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا۔ یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران میرا قیام یونیورسٹی ہاسٹل میں رہا اور اسی دوران میری ملاقات حارث سے ہوئی جو بتدریج ہماری باہمی مزاج آشنائی اور پھر محبت میں بدل گئی۔

☆☆☆

حارث سے میری پہلی ملاقات ریڈیو اسٹیشن میں ایک پروگرام کی ریکارڈنگ کے دوران ہوئی تھی۔ گھر سے دور یونیورسٹی ہاسٹل میں قیام کے دوران پڑھائی کے اوقات کے علاوہ میرے پاس خاصا فارغ وقت ہوتا تھا، اس وقت کو استعمال میں لانے کے لیے میں نے ریڈیو پروگراموں میں شرکت کے لیے آڈیشن دیا اور خوش قسمتی سے اس میں کامیاب رہی۔ پہلے چھوٹے، چھوٹے پروگرام ملنا شروع ہوئے پھر بڑے پروگراموں تک بھی رسائی ہوگئی اچھی آواز اور عمدہ تلفظ کے باعث مجھے ریڈیو کے معروف پروگراموں میں بھی صداکاری کے مواقع ملنے لگے۔

حارث اسی یونیورسٹی سے فارغ التحصیل تھے جہاں میں زیر تعلیم تھی۔ انہوں نے ابلاغیات میں ماسٹرز ڈگری لے رکھی تھی۔ وجیہہ تھے، باصلاحیت تھے، اپنے عمیق مطالعے کے بل بوتے پر وہ بہت جلد ریڈیو پروڈیوسرز کی اس صف میں شامل ہوگئے۔ جنہیں ادارے کی آبرو سمجھا جاتا ہے۔ نوجوان ہونے کے

باوجود انہیں ان پروگراموں کی پروڈکشن ملنے لگی جو عموماً سینئر اور آزمودہ پروڈیوسرز کے ذمّے کیے جاتے ہیں، حارث کے ذمّے کیے جانے والے ایسے ہی ایک پروگرام کے لیے بطور کمپیئر میری آواز کا انتخاب کیا گیا۔

میری اور حارث کی پہلی ملاقات انہی کے کمرے میں ہوئی آڈیشن سے قبل انہوں نے مجھے ایک سابقہ پروگرام کا اسکرپٹ پڑھنے کے لیے دیا۔ پہلے اپنے سامنے بٹھا کر ایک پیراگراف مجھ سے پڑھوایا پھر آڈیشن کے لیے اسٹوڈیو میں لے گئے۔ مائیک کے سامنے بٹھایا اور آڈیشن لیا۔ اگرچہ میں مائیک سے پہلے ہی مانوس تھی۔ اسی اسٹیشن پر کئی ماہ سے پروگرام کر رہی تھی لیکن حارث کو اپنے پروگرام کے لیے اپنی مرضی کے لب و لہجے اور آواز والی خاتون صداکارہ درکار تھی۔ میری صداکاری ان کے معیارِ انتخاب پر پوری اتری اور ان کے پروگرام کے لیے بطور کمپیئر میرا انتخاب ہو گیا۔

مذکورہ پروگرام تقریباً سوا سال نشر کیا جاتا رہا۔ اس دوران میری تعلیم بھی اپنی تکمیل کے آخری مرحلے تک آ پہنچی...... سوا سال تک اکٹھے کام کرنے کے دوران حارث نے اپنے شریف النفس ہونے کا پورا ثبوت دیا۔ کبھی مجھ سے کوئی ایسی ویسی بات نہ کی۔ تاہم میری سہولت کا انہوں نے پورا خیال رکھا۔ میری تعلیمی مصروفیت کے پیشِ نظر وہ پروگرام کی ریکارڈنگ کے اوقات میں تبدیلی کر لیتے۔ مجھے ریڈیو کی گاڑی میں پک اینڈ ڈراپ کی سہولت فراہم کرواتے تھے۔ کبھی گاڑی دستیاب نہ ہوتی تو وہ کسی نہ کسی ذریعے سے مجھے یونیورسٹی ہاسٹل پہنچوا دیتے۔

تقریباً سوا برس بعد جب مذکورہ ریڈیو پروگرام ختم ہونے کو ہوا تو حارث نے مجھ سے کہا۔ ”میری خواہش ہے کہ آپ آئندہ بھی میرے ساتھ کام کریں۔“

”بشرطیکہ میں یہاں رہی......“ میں نے جواب دیا۔

”ہاں...... اب تو آپ کی تعلیم بھی مکمل ہونے کو ہے...... پھر کیا کریں گی؟“ حارث نے پوچھا۔

”کچھ نہیں کہہ سکتی۔“

”کیوں؟“

”ہو سکتا ہے گھر چلی جاؤں...... ہو سکتا ہے یہیں کوئی جاب مل جائے اور گھر والے اجازت دے دیں تو یہیں کہیں رہوں۔“

”شادی کا ارادہ نہیں؟“ حارث نے نظریں جھکا کر محتاط لہجے میں پوچھا۔

”وہ تو گھر والوں کا کام ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”آپ کی بھی تو کچھ مرضی ہو گی۔“

”ہمارے ہاں لڑکیوں کی مرضی نہیں دیکھی جاتی۔“

”اس دور میں؟“ حارث نے تعجب سے کہا۔ ”جبکہ دنیا اتنی بدل گئی ہے۔“

”بعض لوگوں کو دنیا کے بدلنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا...... وہ اپنی ہی ڈگر پر چلتے رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔“

”آپ کے لیے ہے کوئی آپ کے گھر والوں کی نظر میں؟“ حارث کے لہجے میں غیر معمولی احتیاط تھی۔

”کچھ کہہ نہیں سکتی۔“ میں نے کہا۔

”اور آپ کی اپنی نظر میں؟“

”کوئی نہیں...... اور اگر ہو بھی تو کیا فرق پڑتا ہے۔“

”کیوں......؟ کیوں فرق نہیں پڑتا؟“

”میں نے کہا ناں...... ہمارے ہاں لڑکیوں کی مرضی نہیں دیکھی جاتی۔“

”اور اگر...... آپ...... آپ کسی کی نظر میں ہوں جو آپ کے خاندان سے باہر ہو۔“

”کوئی فرق نہیں پڑتا...... ہمارے ہاں خاندان سے باہر شادیوں کی روایت نہیں۔“

”حیرت ہے...... بالفرض خاندان میں رشتہ نہ ملے تو......؟“

”تو لڑکیاں اپنے گھروں میں بیٹھی بیٹھی بوڑھی ہو جاتی ہیں۔“

”پھر تو ہمیں ایک پروگرام کرنا چاہیے آپ کے خاندان کی اس روایت پر۔“ حارث کا لہجہ اچانک شوخ

ہو گیا۔

میں نے چونک کر اُن کی طرف دیکھا۔

''میں آپ کو پروپوز کرنا چاہتا ہوں۔'' انہوں نے کہا۔

میں نے ہڑبڑا کر انہیں دیکھا۔

''کوئی غلط بات کہہ دی میں نے؟''

''نہیں......''

''تو پھر اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں آپ؟''

''مجھے آپ سے ایسی بات کی امید نہیں تھی۔''

''کیوں......؟''

''کیونکہ میں آپ کو ایک شریف آدمی سمجھتی ہوں۔''

وہ ہنس دیے۔ ''تھینکس فار دی کمپلیمنٹ......''

انہوں نے کہا پھر شگفتگی سے بولے۔ ''شریف آدمی کے لیے کسی خاتون کو پروپوز کرنا منع ہے؟''

''یہ بات نہیں۔'' میں جھینپ گئی۔

''تو پھر......؟''

''جو بات ممکن نہ ہو اسے نہ سوچنا ہی بہتر۔''

''بزم شاہی میں غریبوں کا گزر کیا معنی......؟''

انہوں نے ساحر کی معرکتہ الآرا نظم کا مصرعہ پڑھتے ہوئے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''نہیں نہیں...... میرا یہ مطلب ہرگز نہیں۔''

''تو پھر کیا مطلب ہے آپ کا؟''

''وہی جو میں بتا چکی ہوں...... ہمارے ہاں خاندان سے باہر شادی نہیں کی جاتی۔''

''میں آپ کے خاندان کی روایت بدلنے کا انتظار کر سکتا ہوں۔'' انہوں نے کہا۔

''روایتیں نہیں بدلتیں۔''

''روایت شکن ہونے چاہئیں...... بدل جاتی ہیں۔'' وہ بولے۔ میرے دل میں آیا...... انہیں ممتاز پھوپی کا قصہ سنادوں جنہوں نے خاندان کی اس روایت سے ٹکراتے ہوئے گھر سے بھاگ کر اپنی مرضی سے ایک غیر خاندان میں شادی کر لی تھی۔ انہیں آج تک خاندان میں واپس نہیں آنے دیا گیا تھا۔ دادی کے انتقال پر اُن کی صورت دیکھنے تک کی اجازت نہیں دی گئی تھی انہیں...... مگر میں نے حارث کو یہ قصہ سنانے سے احتراز کیا...... خاندان کی ہر بات تو ہر ایک کو نہیں بتائی جاتی۔

''کیا سوچ رہی ہیں؟'' انہوں نے مجھے چپ دیکھ کر پوچھا۔

''کچھ نہیں......''

''کچھ تو......؟''

''میرا خیال ہے ہم اس موضوع کو یہیں ختم کر دیں۔''

''ابھی تو بات شروع ہوئی ہے۔'' وہ دھیرے سے مسکرائے۔

میں نے پہلو بدلا۔

''ویسے...... آپ کے خاندان میں کوئی پروپوزل ہے آپ کے لیے؟''

''ابھی تک تو نہیں......''

''گڈ...... ! گویا امیدوار تو میں پہلا ٹھہرا۔''

''میں چلتی ہوں۔'' میں اچانک ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بیٹھیے، بیٹھیے...... ابھی تو میں آپ سے اگلے پروگرام کی بات کرنا چاہتا ہوں...... ہاں یہ بتائیں...... یونیورسٹی سے فارغ ہونے کے بعد کیا پروگرام ہے؟''

''گھر والے تو چاہتے ہیں کہ میں اچھے بچوں کی طرح گھر بیٹھ جاؤں مگر میں چاہتی ہوں کہ جاب کروں...... اگر گھر سے اجازت مل گئی تو شاید جاب کرلوں......''

''کہاں......؟''

''دیکھوں گی۔''

''دور نہ جایئے گا۔'' ایسا کہتے ہوئے وہ مجھے گہری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆

ریڈیو پر حارث کا نیا پروگرام شروع ہو گیا۔ اس پروگرام کی میزبان میں ہی تھی۔ امتحانات کے بعد یونیورسٹی چھوڑنا پڑی تو ریڈیو سے میری وابستگی میرے اسی شہر میں ٹھہرے رہنے کا بہانہ بن گئی۔ حالانکہ گھر

والے یہی چاہتے تھے کہ میں ریڈیو پروگرام کو بھی خیر باد کہوں اور گھر آجاؤں لیکن میں نے عذر پہ عذر تراشا......
''میں درمیان میں پروگرام کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔''
''پکی نوکری تو نہیں جو نہیں چھوڑ سکتیں۔'' ابو معترض ہوئے۔
''کمٹ منٹ تو ہے ناں ابو۔''
''ارے چھوڑو......لوگ ملک و قوم سے اپنی کمٹ منٹ کا خیال نہیں کرتے اور تم ریڈیو کے ایک چھوٹے سے پروگرام سے اپنی کمٹ منٹ کے لیے مری جارہی ہو۔'' بڑے بھائی نے کہا۔
''ہاں اور کیا...... تمہاری جگہ کوئی اور آجائے گا۔'' ابو بولے۔
''آرٹسٹ تو تھوک کے بھاؤ ملتے ہیں۔'' بھائی نے اور ہوا دی مجھ منت سماجت پر آنا پڑا۔
''ہفتے میں چار دن ہوتا ہے تمہارا پروگرام...... ایک شہر سے دوسرے شہر ہفتے میں چار مرتبہ آنا جانا مذاق ہے کیا۔'' ابو کی تیوری چڑھ گئی۔
''وہیں رہ لوں گی ناں ابو......'' میں نے دبی زبان سے کہا۔
''وہیں کہاں......! ہاسٹل تو تمہیں اجازت نہیں دے گا۔''
''پرائیویٹ ہاسٹل بھی ہوتے ہیں ابو......''
''تو تم پرائیویٹ ہاسٹل میں رہوگی۔'' ابو نے مجھے گھورا۔
''جی ابو...... بہت سی لڑکیاں اور عورتیں رہتی ہیں۔''
''کسی بڑی اور معقول وجہ کے ساتھ۔'' بھائی نے لقمہ دیا پھر بولے۔ ''ایک معمولی سے ریڈیو پروگرام کے لیے ہاسٹل میں رہنا تو کوئی معقول وجہ نہیں۔''
مجھے بھائی پر دل ہی دل میں تاؤ محسوس ہوا...... خواہ مخواہ مداخلت کررہے تھے۔
''معمولی مت کہیں بھائی...... ریڈیو سامعین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ لوگ گاڑیوں میں، دورانِ سفر، کام کے دوران ریڈیو سنتے ہیں اور جو پروگرام میں کررہی ہوں یہ ریڈیو کے مقبول پروگراموں میں سے ایک ہے۔''
''ایک پروگرام کے کتنے پیسے ملتے ہیں تمہیں؟'' بھائی نے کہا اور میں نے بلبلا کر انہیں دیکھا۔
''ہاں بتاؤ...... اتنے پیسے تمہیں گھر بیٹھے مل جایا کریں گے۔'' ابو بولے۔
''بات پیسوں کی نہیں ہے ابو......'' میں نے کہا۔
''تو پھر......؟''
''میں اپنی صلاحیتوں کو استعمال میں لانا چاہتی ہوں۔''
''گھر بیٹھو...... گھر کے کام کاج میں ماں کا ہاتھ بٹا کر، بہن، بھائیوں کے معاملات میں میرا اور اپنی ماں کا ساتھ دے کر بھی تم اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرسکتی ہو۔'' ابو نے کہا۔
''پلیز ابو......'' میں گڑگڑائی۔ ''اچھا...... مجھے میرا یہ کانٹریکٹ تو مکمل کرنے دیں...... کوئی نئی کمٹ منٹ نہیں کروں گی۔''
ابو سوچ میں پڑ گئے۔
''کس ہاسٹل میں رہوگی؟'' بڑے بھائی نے پھر ٹانگ اڑائی۔
''ہے ایک ہاسٹل...... ریڈیو اسٹیشن کے نزدیک ہی۔''
''لیکن کوئی نیا طوطا نہیں پالو گی تم۔'' ابو گمبھیر سی آواز میں بولے۔
''ٹھیک ہے ابو......'' میں نے کہا۔
بھائی کا منہ لٹک گیا۔ وہ اس حق میں نہیں تھے کہ میں تعلیم مکمل ہونے کے بعد بھی محض ایک غیر معقول وجہ کے تحت گھر سے دور پرائیویٹ ہاسٹل میں رہوں۔
میں خوش تھی...... اس لیے نہیں کہ ریڈیو پروگرام میرے لیے موت اور زندگی کا معاملہ یا کوئی بہت بڑی اچیومنٹ تھی بلکہ اس لیے کہ یونیورسٹی کی چار سالہ تعلیم کے دوران گھر سے دور ہاسٹل میں رہ کر میں اپنے گھر کے ٹکے بندھے نظام سے اتنی خائف ہوچکی تھی کہ مجھے دوبارہ اسی محبوس نظام میں جا بسنا گوارا نہیں تھا جہاں عورتیں صبح سے شام تک گھرداری، گھر کے مردوں اور

بچوں کی ناز برداری یا ایک دوسرے کی غیبت اور عیب جوئی میں لگی رہتیں۔ ویسے بھی میرے گھر بیٹھنے کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا تھا۔ خاندان میں دور، دور تک میرے جوڑ کا کوئی رشتہ نہیں تھا۔ گھر بیٹھ کر کنوار کوٹھڑا چھننے سے بہتر تھا کہ میں گھر سے باہر رہ کر اپنے لیے کوئی راہ متعین کرنے کی کوشش کرتی۔ گھر سے دور رہنے کی میری اس خواہش میں کم از کم اس وقت تک حارث کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ انہوں نے مجھے پرپوز کرنا چاہا تھا، میں نے انہیں اپنی خاندانی روایت سے آگاہ کر دیا تھا۔

ریاان کا وہ پروگرام جس کے لیے میں صداکاری کرتی تھی تو اس کے لیے بھی میں اگر چاہتی تو ان سے معذرت کر سکتی تھی۔ انہیں اپنے پروگرام کے لیے ایک نہیں دس آوازیں مل جاتیں۔

بھائی نے اپنی تمام تر مخالفت کے باوجود ہاسٹل میں میرے قیام کے سلسلے میں اپنی برادارانہ ذمّے داری کما حقہ پوری کی۔ ابو کی ایما پر وہ مجھے اپنے ہمراہ لے کر شہر آئے۔ پہلے حارث سے ملاقات کی، ان پر یہ احسان دھرا کہ صرف ان کے پروگرام سے میری وابستگی کے باعث مجھے پروگرام کی مدت ختم ہونے تک ہاسٹل میں قیام کی اجازت دی جا رہی تھی پھر ہاسٹل انتظامیہ سے ملے، اپنی خاندانی نجابت و برتری پر... بھرپور روشنی ڈالی۔ ہاسٹل میں میرے قیام و طعام کے معاملات طے کیے اور مجھے خاصی عزت و توقیر کے ساتھ ہاسٹل میں چھوڑ کر گئے۔

حارث بہت خوش ہوئے کہ میں واپس آ گئی تھی۔

☆☆☆

ہاسٹل میں میرے پاس وقت ہی وقت تھا۔ ہفتے میں تین دن پروگرام کے لیے مجھے ریڈیو اسٹیشن جانا پڑتا۔ ریڈیو کی گاڑی مجھے لینے کے لیے آتی واپسی پر کبھی ریڈیو کی گاڑی چھوڑ دیتی کبھی میں خود ہی آ جاتی۔

گھر والوں کو بتائے بغیر میں نے اپنے لیے ملازمت کی تلاش شروع کر دی۔ اس سلسلے میں حارث کی طرف سے بھی مشورے اور رہنمائی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

دھیرے، دھیرے میرے اور حارث کے درمیان تکلف کی دیوار چھٹنے لگی۔ وہ۔ ''آپ'' سے ''تم'' پر آ گئے۔ پروگرام کے بعد وہ مجھے روک لیتے۔ واپسی پر اپنی گاڑی سے ہاسٹل تک ڈراپ کرتے۔ کبھی کبھار ہم اکٹھے کھانے پینے کے لیے بھی اِدھر اُدھر جانے لگے۔ حارث نے اپنے اہلِ خانہ کا مجھ سے غائبانہ مگر تفصیلی تعارف کرا دیا تھا۔ والدین حیات تھے۔ والد سرکاری عہدے سے ریٹائرڈ تھے۔ والدہ ریٹائرڈ اسکول ٹیچر، حارث سمیت دو بھائی تھے...... چھوٹا بھائی آصف جو حارث سے تقریباً چھ،سات سال چھوٹا تھا۔ مکینیکل انجینیرنگ کر رہا تھا۔ مختصر سا کنبہ تھا۔ اور اس کنبے کے افراد ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے۔ حارث کے والدین اب ان کی شادی کرنا چاہتے تھے اور مناسب رشتے کی تلاش میں تھے۔

''امی، ابا کو آپ کے گھر بھیجوں......؟'' میرے دوبارہ شہر آنے کے کچھ دنوں بعد حارث نے مجھ سے کہا۔

''کوئی فائدہ نہیں۔''

''آزما تو لینے دیں۔''

''جو بات میں پہلے ہی جانتی ہوں اسے کیوں آزمایا جائے۔''

''پھر......؟'' وہ فکرمندی سے بولے۔

''پھر یہ کہ آپ کسی اچھی سی لڑکی سے شادی کریں اور اپنا گھر بسائیں۔''

میں بار، بار اپنی پسند اور رائے بدلنے والے لوگوں میں سے نہیں ہوں۔'' انہوں نے مکمل سنجیدگی سے کہا۔

میں کیا کہہ سکتی تھی۔ مجھے جاب مل گئی تھی۔

لیکن گھر والوں کو بتانا اِک کارِگراں تھا...... میں اپنے گھر کے قرینوں اور خاندان کی روایتوں سے آگاہ تھی۔ میں جانتی تھی امی، ابو، بھائی کوئی بھی گھر سے دور ایک دوسرے شہر میں میرے ملازمت کرنے کے حق میں نہیں ہوگا۔ دوسرے شہر میں ملازمت کرنے کی صورت میں مجھے رہائش بھی اسی شہر میں اختیار کرنا

پڑتی۔ ریڈیو پروگرام کے لیے کچھ عرصے کو ہاسٹل میں رہنے کی اجازت ملنا اور بات تھی مگر ملازمت کے لیے طویل عرصہ ہاسٹل میں قیام کی اجازت ملنے کا بظاہر کوئی امکان نہیں تھا۔ بہر حال مجھے گھر والوں سے بات کرنے کا چانس تو لینا تھا۔

ابو نے بیک جنبشِ گردن میری عاجزانہ درخواست مسترد کر دی۔ امی بھی ان کی ہمنوا بن گئیں۔

''جاب کی ضرورت کیا ہے؟'' بھائی نے ناگواری سے کہا۔

''بھائی میں نے جو پڑھا لکھا ہے اس کا کچھ استعمال بھی تو ہونا چاہیے۔'' میں نے جواب دیا۔

''تعلیم ملازمت کے لیے نہیں، انسان بننے کے لیے حاصل کی جاتی ہے۔'' ابو بولے۔

''وہ تو میں ہوں ابو.....'' میں نے دبی زبان سے کہا۔

''ہو تو عزت سے گھر بیٹھو۔''

''گھر بیٹھ کر کیا کروں گی ابو.....'' مجھے یہ کہنے کی ہمت کرنا پڑی۔

''جو دوسری لڑکیاں کرتی ہیں۔''

''لیکن کب تک ابو.....؟''

''میں سمجھتا ہوں تم کیا کہنا چاہتی ہو۔'' ابو کا لہجہ یکا یک بدل گیا۔

میں شرمندہ ہو گئی۔

''ملازمت کا اتنا ہی شوق ہے تو یہاں بھی مل جائے گی..... اسکول، کالج کہیں بھی پڑھانا شروع کر دو.....''

''مجھے ٹیچنگ کا بالکل شوق نہیں۔''

''دفتروں میں خوار ہونا چاہتی ہو؟''

''ابو..... لڑکیاں اب ہر شعبے میں جا رہی ہیں، اپنے کام سے عزت پاتی ہیں دفتروں میں۔''

''بحث کیوں کر رہی ہو..... جو ابو کہہ رہے ہیں وہ کرو.....'' بھائی کو میری کاٹ کا موقع ملا۔

''بحث نہیں کر رہی ہوں۔'' میں نے بھائی سے کہا۔

''تو پھر بحث کسے کہتے ہیں؟'' ابو کے لہجے سے ناگواری ٹپک رہی تھی۔ ''تمہیں اس لیے یونیورسٹی میں نہیں پڑھایا کہ تم باپ اور بڑے بھائی سے سوال جواب کرنے کھڑی ہو جاؤ۔''

''ٹھیک ہے ابو.....'' میں نے ہتھیار ڈالنے میں دیر نہیں کی۔ ''میں وہی کروں گی جو آپ اور بھائی چاہتے ہیں..... میں نے خواہ مخواہ یونیورسٹی میں چار سال مغز کھپایا..... مجھے سلائی اور کشیدہ کاری سیکھنی چاہیے تھی۔'' اپنے غیر یقینی مستقبل کے خیال سے میرا دل بھر آیا اور میں بے اختیاری طور پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

میرے آنسوؤں نے ابو کا دل پگھلا دیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور میرے نزدیک آ کر میرے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔ ''ٹھیک ہے، میں تمہیں نہیں روکوں گا..... مگر..... ایک شرط ہوگی۔''

میں نے شکر گزاری سے معمور ڈبڈبائی آنکھوں سے ابو کو دیکھا۔

''جب ہم نے ضرورت محسوس کی تمہیں نوکری سے چھوڑنا ہوگی۔''

''جی ٹھیک ہے۔''

میں جانتی تھی گھر بیٹھنے کے بجائے ابو کی شرط تسلیم کر لینا میرے لیے زیادہ عافیت کی راہ تھی۔ میری چھوٹی بہن کو میرے تایا ابو نے اپنے چھوٹے بیٹے کے لیے مانگ رکھا تھا۔ میں جانتی تھی کہ چھوٹی بہن کو نمٹانے ہی میں امی اور ابو کو ابھی دو تین سال لگ جانے تھے۔ اس وقت تک کون جانے حالات کیا ہونا تھے۔

میں نے ملازمت کر لی اور ہاسٹل میں اپنا قیام بڑھا لیا۔ حارث بہت خوش ہوئے۔ ان کا اور میرا ملنا جلنا بڑھ گیا۔

حارث کے گھر والے ان کی شادی کے لیے غیر معمولی سرگرم ہو چکے تھے۔ آئے دن انہیں نئے رشتوں کی تفصیل سے آگاہ کیا جا رہا تھا اور وہ نہایت استقلال کے ساتھ ہر رشتے میں کوئی نہ کوئی نقص نکال کر

اسے مسترد کیے جارہے تھے۔ بالآخر ان کی والدہ نے الٹی میٹم دے دیا۔

''تمہاری نہ، نہ سنتے میں عاجز آچکی ہوں، بس اب فائنل کرو۔'' انہوں نے حارث سے کہا۔

''میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا۔'' حارث نے کنی کترانے کی کوشش کی۔

''ابھی۔'' حارث کی والدہ نے استہزائیہ لہجہ میں کہا۔ ''تو کیا بڈھے ہوکر کروگے شادی۔''

''امی...... میں...... میں......''

''ہاں، ہاں بولو...... چپ کیوں ہوگئے؟''

''میں کیا کہتا امی سے۔'' مجھ سے ملاقات ہونے پر حارث نے کہا۔

''کہہ دیتے ٹھیک ہے جو سب سے اچھی لڑکی ہے اس سے کردیں میری شادی۔'' میں نے مذاقاً کہا۔

حارث مجھے شاکی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

''ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟''

''تمہیں اندازہ ہے کہ تم میرے لیے کیا ہو......''

''کیا ہوں بھلا......؟'' میں نے تجاہلِ عارفانہ کا مظاہرہ کیا۔

''تم شاید کبھی نہ جان سکو۔'' انہوں نے ایک گہری سانس کھینچی......

''میں جانتی ہوں...... میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔'' میں نے کہا۔ انہوں نے چونک کر میری طرف دیکھا......

''کیا؟ کیسے؟'' انہوں نے ایک ساتھ دو نہایت مختصر مگر بامعنی سوال کیے۔

ہاسٹل میں ایک پروفیسر میرے کمرے کے ساتھ والے کمرے میں رہتی ہیں، ان سے اکثر گپ شپ رہتی ہے۔ دانشور سی خاتون ہیں، ان کی اکثر باتیں ٹھاہ کرکے دل پر لگتی ہیں، ایک روز کہنے لگیں تمہیں اگر یہ جاننا ہو کہ کوئی شخص تمہارے بارے میں کیا فیلنگز رکھتا ہے تو اِدھر اُدھر دیکھنے یا کسی تیسرے فرد سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ اپنے دل میں جھانک کر اس کے بارے میں اپنی فیلنگز کو ٹٹول لو...... جو جذبات اس کے لیے تمہارے اپنے دل میں ہوں گے وہی تمہارے لیے اس کے دل میں ہوں گے۔''

''اوہ ڈیئر......!'' حارث بھڑک اٹھے۔ ''اگر پروفیسر صاحبہ کی بات حقیقت ہے اور میرے لیے تمہاری بھی وہی فیلنگز ہیں جو تمہارے لیے میرے دل میں ہیں تو مجھے خود کو دنیا کے خوش قسمت ترین لوگوں میں شامل سمجھنا چاہیے۔''

میں نے اپنے دل میں جھانکا...... میں پہلے بھی بارہا ایسا کرچکی تھی۔ میرے دل کے ہر جھروکے میں بس ایک ہی تصویر آراستہ تھی...... حارث کی۔

اس تصویر کو میں نے اپنے گھر والوں سے ہی نہیں اپنی دانست میں سبھی سے چھپا رکھا تھا۔

☆☆☆

ریڈیو جو میری اور حارث کی شناسائی کا بہانہ بنا تھا۔ میری زندگی کا جزولاینفک بن گیا۔ حارث ہی نہیں دوسرے پروڈیوسرز بھی مجھے اپنے پروگراموں کے لیے بک کرنے لگے۔

ملازمت اور ریڈیو سے ہونے والی آمدن سے ملنے والے خود کفالتی کے احساس نے میری ذات کو غیر معمولی اعتماد بخشا، میں خاندان کی ان عورتوں میں نہیں رہی تھی جو بر کے انتظار میں ماں، باپ کے گھر بیٹھی بوڑھی ہوگئی تھیں۔ میرے لیے میری ذات نہایت اہم تھی کیونکہ میں گھر بیٹھ کر اداسی اور ناامیدی اپنی آنکھوں میں سموئے بے بسی سے لوگوں کے چہرے تکنے پر مجبور نہ تھی۔ میں نہایت اعتماد سے دفتر میں اپنی کرسی پر بیٹھتی۔ ریڈیو پر اپنی پسند کے پروگرام کرتی۔ اس سلسلے میں پیسوں کی مجھے کوئی محتاجگی نہ تھی۔ ہمارا خاندان ایک کھاتا پیتا زمیندار گھرانا تھا۔ مجھے اگر گھر والوں سے اپنی ضروریات کے لیے کچھ لینے کی حاجت نہ تھی تو انہیں دینا بھی میری مجبوری نہ تھی۔ پھر بھی مجھے گھر سے بھی بہت کچھ ملتا رہتا۔ اور میں جب بھی چھٹی پر گھر جاتی گھر والوں کے لیے تحائف لے جانا نہ بھولتی۔

☆☆☆

حارث کے گھر والوں کا ان پر شادی کے لیے دباؤ بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے مجھ سے کہا۔

''تم منع کر دیا برا مناؤ میں اپنے گھر والوں کو تمہارے گھر بھیج رہا ہوں۔''

''نہیں حارث...... ایسا مت کیجیے گا...... میرے لیے پرابلمز ہو سکتی ہیں۔'' میں نے سٹپٹا کر انہیں دیکھا۔

''کیسی پرابلمز؟'' وہ چونکے۔

''گھر والے سمجھیں گے میں آپ کی خاطر گھر سے دور دوسرے شہر میں پڑی ہوں۔''

''اگر وہ ایسا سمجھیں گے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟''

''ہو سکتا ہے ابو یہ کہیں کہ جاب چھوڑو اور گھر بیٹھو...... انہوں نے تو جاب کی اجازت ہی اس شرط کے ساتھ دی تھی کہ جب وہ کہیں گے مجھے جاب چھوڑ کر گھر بیٹھنا ہوگا۔''

''پھر......'' وہ انتہائی متفکر دکھائی دینے لگے۔

''آپ شادی کر لیں۔''

''شادی سے انکار تھوڑی ہے مجھے...... لیکن شادی کروں گا تو صرف تم سے۔'' وہ مجھے محبت آمیز لجاجت سے دیکھ رہے تھے۔

محبت میں جب لجاجت حلول کر جائے تو محبت کرنے والے کو کتنی بے بسی سے دوچار کر دیتی ہے اس کا اندازہ مجھے پہلی بار اسی دن حارث کے چہرے کو دیکھتے ہوئے ہوا...... میں پگھل گئی۔

''اچھا، ایسا کریں، آپ خود سامنے آئے بغیر کسی اور ذریعے سے ابو کو پیغام بھجوا کر دیکھیں، وہ کیا کہتے ہیں۔''

''تھینک یو...... تھینک یو ویری مچ...... تم نے مجھے مقدر آزمائی کی اجازت تو دی۔'' وہ یک دم نہایت خوش دکھائی دینے لگے۔

میں جانتی تھی کہ میں کوئی غیر معمولی لڑکی نہیں تھی۔ واجبی سی شکل صورت، گندمی رنگت، پستہ قامت، ماسٹرز ڈگری، چودہ گریڈ کی ملازمت جبکہ حارث ایک وجیہہ و شکیل جوان اور اچھی ملازمت کے حامل تھے۔ شادی کے لیے انہیں مجھ سے کہیں اچھی، خوب صورت، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور عمدہ ملازمت کرتی لڑکی مل سکتی تھی مگر...... وہ مجھ پر مرمٹے تھے۔ اور میں خود بھی تو......

☆☆☆

حارث نے یہ آزمانے کو کہ میرے گھر والے میرے لیے خاندان سے باہر کوئی رشتہ قبول کرتے ہیں یا نہیں اپنی اصل شناخت پنہاں رکھتے ہوئے اپنے ایک قریبی دوست کے توسط سے میرے گھر والوں کو میرے لیے اپنا رشتہ بھجوا دیا جسے ابو نے یہ جواب دے کر مسترد کر دیا کہ ہم اپنے خاندان سے باہر بیٹیوں کے رشتے نہیں کرتے۔ حارث مایوس ضرور ہوئے مگر ناامید نہیں۔

''دوبارہ سہی......'' انہوں نے کہا۔

''پھر یہی جواب ملے گا۔''

''تمہارے خاندان میں تو کافی خواتین غیر شادی شدہ بیٹھی ہوں گی۔''

''کچھ نمٹ بھی جاتی ہیں، کسی کی بیوی مر جائے یا میاں بیوی میں ناچاقی ہو جائے تو پھر خاندان ہی کی کوئی ایسی لڑکی جس کا خاندان میں رشتہ نہ مل پایا ہو ٹھکانے لگا دی جاتی ہے۔''

''ٹھکانے لگانے والی بات بھی خوب ہے۔'' حارث بے ساختہ ہنس دیے۔

''ہاں اور کیا...... ٹھکانے ہی لگانا ہوا ناں......''

''تمہیں اگر ٹھکانے لگانے کی کوشش کی تو لگ جاؤ گی؟''

''اسی لیے تو گھر سے بھاگ لی ہوں...... گھر میں رہتی تو شاید مزاحمت نہ کر سکتی۔''

''تم وصی الدین نام کے کسی آدمی سے واقف ہو؟'' امی نے مجھ سے فون پر پوچھا۔ وصی الدین وہی صاحب تھے جن کے ذریعہ حارث نے میرے لیے پیغام بھجوایا تھا۔

میں مصلحتاً مکر گئی۔

''کیوں امی......؟''

''تمہارے لیے اپنے کسی دوست کے رشتے کی

بات کی تھی انہوں نے تمہارے ابو سے۔''
''ہوگا کوئی۔'' میں نے بے نیازی اور عدم دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔
''لیکن تمہارے ابو کا فون نمبر اور گھر کا پتا تو اسے کسی جاننے والے ہی دیا ہوگا ناں۔'' امی کی جہاندیدگی نے چند لمحوں کو مجھے گنگ کردیا۔
''لوگ بڑے کائیاں ہوتے ہیں امی..... فون نمبر اور پتا کیا، نہ جانے کیا کچھ کھنگال لیتے ہیں، خیر دفع کریں۔''
''تمہارے ابو نے اس شخص کو تو صاف انکار کردیا کہ ہم خاندان سے باہر بیٹیاں نہیں دیتے لیکن مجھ سے کہہ رہے تھے کہ دیکھا تم نے لڑکی گھر سے دور رہے تو کیا نقصان ہوتا ہے..... الٹے پلٹے لوگ جنہیں ہم جانتے تک نہیں گھر سے دور رہنے والی لڑکی کا رشتہ مانگنے لگتے ہیں..... ہوسکتا ہے تمہارے ابو تم سے نوکری چھوڑ دینے کو کہیں۔''
میں پریشان ہوگئی۔ امی نے غلط نہیں کہا تھا..... میں چھٹی پر گھر گئی تو ابو نے یہی بات کی۔
''ابو پلیز مجھے جاب کرنے دیں..... میں مصروف رہتی ہوں، خوش ہوں۔'' میں نے ابو سے کہا۔
''گھر میں رہتے ہوئے بھی مصروف رہ سکتی ہو تم..... بہت ہیں کرنے کے کام یہاں..... گھرداری بذاتِ خود ایک کل وقتی مصروفیت ہے۔''
''لیکن وہ کام تو گھر کی نوکرانیاں بھی کرسکتی ہیں..... جاب کے ذریعے میں اپنی تعلیم کو کام میں لا رہی ہوں، مجھے اعتماد ملتا ہے، اپنے کارآمد ہونے کا احساس ہوتا ہے..... پلیز مجھے جاب چھوڑنے کو نہ کہیں۔''
''میں نے تمہیں جاب کی اجازت بھی اسی شرط پر دی تھی کہ جب میں کہوں گا تم جاب چھوڑ دو گی۔''
''لیکن ابو..... کوئی..... کوئی ریزن بھی تو ہو۔''
''کیا یہ ریزن کافی نہیں کہ تمہیں وہ لوگ بھی جاننے لگے ہیں جنہیں نہیں جاننا چاہیے..... ہم عزت دار لوگ ہیں، مجھے یہ بات گوارا نہیں کہ جسے میں جانتا تک نہیں وہ میری بیٹی سے شادی کا پیغام مجھے بھجوائے۔''

شاعر اور مشاعرے

نثار اکبر آبادی کہتے ہیں مشاعروں میں شعر پڑھنے کی نسبت کتابی شکل میں چھپوانے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس طرح چوٹ لگنے کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ وہ ایسے شاعر ہیں کہ ایک مشاعرے میں اسٹیج پر آئے تو لوگ واہ، واہ کرنے لگے۔'' انہوں نے کہا میں نے تو ابھی شعر سنایا ہی نہیں اور آپ داد دے رہے ہیں۔'' تو حاضرین نے کہا۔'' اسی لیے تو داد دے رہے ہیں۔'' ایک ایسے ہی شاعر کے دوست کی مشاعرے میں جوتی گم ہوگئی۔ شاعر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔'' میرے اسٹیج پر جا کر شعر سنانے کی دیر ہے، خود ہی مل جائے گی۔'' ویسے مشاعروں میں شعر سنانا اتنا مشکل نہیں جتنا شعر نہ سنانا..... پھر مشاعرہ دراصل شاعروں کے آپس میں مل بیٹھنے کا بہانہ ہوتا ہے۔ پنڈت ہری چند اختر اور عبدالحمید عدم مشاعرے نہ ہونے کی وجہ سے بڑی دیر تک ایک دوسرے سے نہ مل سکے۔ اس دوران عدم صاحب موٹے ہوگئے۔ ایک مشاعرے میں ملاقات ہوئی تو اختر انہیں پہچان نہ سکے۔ انہوں نے پنڈت جی سے کہا۔'' پہچانا نہیں؟ عدم ہوں۔'' پنڈت جی نے انہیں دیکھا اور بولے۔'' اگر تم واقعی عدم ہو تو وجود کیا ہوگا؟'' جتنے زیادہ مشاعرے ہوں گے، شاعروں کی اتنی ہی پہچان ہوگی۔ اب تو میلا مویشیاں پر بھی مشاعرے ہونے لگے ہیں۔ شاعر تاریخ میں ہو تو ہم اسے اوتار سمجھتے ہیں اور اگر ساتھ والے کمرے میں ہوں تو مذاق اور وہ جس گھر میں ہوتا، وہاں اسے کوئی نہیں سمجھتا..... بہرحال وہ جس گھر میں ہو وہاں چوری نہیں ہوتی، جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس گھر میں چرانے کے لیے کچھ ہوتا ہی نہیں۔ مشاعرہ شاعروں کے لیے مشاہرہ ہوتا ہے۔ یوں مشاعروں پر پابندی دراصل ان کے روزگار پر لات مارنا ہے۔

انتخاب: از مزاحیات، ڈاکٹر یونس بٹ
پسند: نگہت آصف، اسلام آباد

''ابو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔''

''گھر میں رہو گی تو تمہیں اس عذر خواہی کی ضرورت بھی نہیں ہو گی۔''

''پلیز ابو.....'' میں گڑگڑائی۔

نہیں.....''

''پلیز.....'' میری آنکھیں بھر آئیں۔

''ابو سے بحث کیوں کر رہی ہو.....'' بھائی نے کہا۔

میں نے امی کو منت آمیز نگاہوں سے دیکھا۔

انہوں نے میری مدافعت کی۔

''جس گھر میں بیری ہو وہاں پتھر تو آتے ہی ہیں..... میری بیٹی کا کیا قصور جو گھر کے دونوں مرد میری بیٹی کو پریشان کرنے کھڑے ہو گئے ہو..... خاندان میں اس کے لیے کوئی رشتہ نہیں..... بیچاری اپنا دھیان بٹائے رکھنے کو نوکری کر رہی ہے تو تم چاہتے ہو کہ وہ نوکری چھوڑ دے..... کیا چاہتے ہو یہ بھی خاندان کی ان عورتوں کی طرح گھر بیٹھ کر سنکی، دیوانی ہو جائے۔ جو رشتے نہ آنے سے ماں، باپ کے گھر بیٹھی، بیٹھی بوڑھی ہو گئیں..... دیکھتی ہوں کیسے چھڑواتے ہو تم لوگ اس کی نوکری.....''

امی کے الفاظ نے مجھے ایسا حوصلہ دیا کہ میں کچھ دیر پہلے کی ساری کلفت بھول گئی۔ ہمارے خاندان میں مردوں کی بالا دستی ضروری تھی مگر بیویوں کی سارے شوہر سنتے تھے اور ماؤں کو تمام بیٹے احترام دیتے تھے۔ امی کو میرا ساتھ دیتا دیکھ کر ابو اور بھائی دونوں ہی ٹھنڈے ہو گئے۔

''مجھے تم پر پورا بھروسا ہے۔'' ابو نے میرے سر پر ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔ ''مگر پھر بھی احتیاط ضروری ہے۔ بدنامی کو گھر کا راستہ دیکھتے دیر نہیں لگتی۔''

چھٹی سے واپسی پر میں نے حارث کو تمام صورتِ حال سے آگاہ کرنے کے بعد نہایت سنجیدگی سے صلاح دی کہ اس تجربے کے بعد وہ اپنا وقت مزید ضائع کرنے کے بجائے کسی اور لڑکی سے شادی کرلیں۔

''تمہارے علاوہ کسی اور لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا میں.....'' حارث نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

''کرلیں.....آپ دو ہی تو بھائی ہیں..... والدین کو آپ کی شادی اور خوشیاں دیکھنے کا بہت ارمان ہو گا۔''

''آصف ہے ان کے ارمان پورے کرنے کے لیے۔''

''ہر شخص کی اپنی اہمیت، اپنا مقام ہوتا ہے..... آپ والدین کی پہلی اولاد ہیں۔ بڑے بیٹے ہیں، جو خواب آپ کے والدین نے آپ کے لیے دیکھے ہیں ان کی تعبیر کسی اور سے کیسے وابستہ کر سکتے ہیں وہ.....''

''عائلہ.....! میں خود کو تم سے بہتر سمجھا سکتا ہوں..... اس لیے بہتر ہو گا کہ تم مجھے سمجھانے کی کوشش نہ کرو.....''

''میرا خیال ہے، مجھے اپنی جاب سے ریزائن کر کے گھر واپس چلے جانا چاہیے۔'' میں نے کہا۔

''تمہارا کیا خیال ہے' تمہارے جانے سے میں اپنے مدار سے ہٹ جاؤں گا.....ساری زندگی اسی مرکز کے گرد گھومتا رہوں گا۔''

''میری خاطر.....'' میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

''نو.....''

☆☆☆

زندگی میں کبھی، کبھی ایسے مقامات بھی آتے ہیں جب انسان کو نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے ارادوں، وعدوں اور دعووں سے دستبردار ہونا پڑ جاتا ہے۔ حارث کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا..... ان کی امی بیمار پڑ گئیں اور ایسی کے بستر سے لگ گئیں..... مجھے بھی ان کی عیادت کے لیے جانا لازم ہوا بسترِ علالت پر بھی انہیں اپنی صحتیابی اور زندگی سے زیادہ حارث کی شادی کی تمنا تھی۔

''میں حارث کا سہرا دیکھے بغیر اس دنیا سے نہیں جانا چاہتی۔'' انہوں نے میری موجودگی میں نہایت حسرت سے کہا۔

''آپ اچھی ہو جائیں، انہیں آپ کی بہت فکر ہے۔'' میں نے حارث کی والدہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

''یہ شادی کر لے گا تو میں اچھی ہو جاؤں گی۔ کس ماں کو بیٹے کا سہرا دیکھنے کی تمنا نہیں ہوتی اور بیٹا بھی ہیرے جیسا......''

میری نظریں حارث کی جانب اٹھیں وہ مجھ کو دیکھ رہے تھے۔ صد شکر کہ ان کی والدہ میری اور بیٹے کی جذباتی وابستگی سے لاعلم تھیں...... وہ تو یہ سمجھ رہی تھیں کہ میں ریڈیو کی ایک صدا کارہ تھی جو اپنے پروڈیوسر کی بیمار والدہ کی عیادت کے لیے آئی تھی۔

''تم نے سنا امی نے کیا کہا۔'' اپنی گاڑی میں مجھے ہاسٹل تک پہنچانے کے لیے جاتے ہوئے حارث نے راستہ میں مجھ سے کہا۔

''کیا؟''

''اپنی صحتیابی انہوں نے میری شادی سے مشروط کر لی ہے۔''

''ہاں تو کر لیں ناں...... میں تو کب سے سمجھا رہی ہوں آپ کو......''

''خدانخواستہ امی کو کچھ ہو گیا تو میں ساری زندگی خود کو معاف نہیں کر سکوں گا۔''

''بعد کے پچھتاوے سے بہتر ہے کہ آپ ان کی خواہش پوری کر دیں۔''

''میرا ساتھ دو۔''

''کیا مطلب......؟'' میں نے چونک کر ان کی جانب دیکھا۔

''امی کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ میری شادی ان کی پسند سے ہو یا میری اپنی پسند سے...... وہ بس میری شادی دیکھنے کی آرزو مند ہیں...... تمہارے گھر والے راضی نہیں ہوتے تو نہ سہی امی کی خوشی کی خاطر ہم دونوں شادی کر لیتے ہیں...... بعد میں تمہارے گھر والوں کو بھی منالیں گے۔''

''نہیں حارث...... میں ایسا نہیں کر سکتی...... ابو کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانا میرے نزدیک گناہ ہے، جرم ہے...... میں یہ جرم نہیں کر سکتی۔''

حارث نے اسٹیئرنگ وھیل پر سے ہاتھ اٹھایا اور زور سے اسٹیئرنگ وھیل پر مارتے ہوئے بولے۔ ''کیا مصیبت ہے۔'' میں نے چونک کر حارث کی طرف دیکھا۔ وہ سخت سے سخت حالات میں بھی متحمل رہنے والے انسان تھے۔ اس سے پہلے میں نے انہیں اس قدر برے موڈ میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''مجھے مصیبت کہہ رہے ہیں۔'' میں نے انہیں نارمل کرنے کو کہا ورنہ میں جانتی تھی کہ وہ مجھے ایسا کبھی نہیں کہہ سکتے تھے۔

''تمہارے گھر والوں کو۔'' وہ بھنک کر بولے۔

''کیوں......؟''

''میں اب خود بات کروں گا تمہارے ابو سے۔''

''کیا......؟''

''یہی کہ مغربی دنیا ہم سے کیا چاہتی ہے...... امریکا سے ہمارے تعلقات کیونکر بہتر ہو سکتے ہیں......؟'' میں جانتی تھی کہ وہ غصے میں ایسا کہہ رہے تھے سو کھلکھلا کر ہنس دی۔

''تمہیں ہنسی سوجھ رہی ہے......'' انہوں نے ونڈ اسکرین پر سے نظریں ہٹا کر ذرا کی ذرا مجھے نہایت جارحانہ نظروں سے دیکھا۔

''تو کیا روؤں؟''

''روؤ گی...... ضرور روؤ گی...... جب میری ماں بے آس دنیا سے گئیں تو تم کتنی ہی بے رحم سہی اپنی بے رحمی پر ضرور روؤ گی۔''

''مجھ پر کیوں غصہ ہو رہے ہیں آپ؟''

''تو پھر کس پر ہوؤں......؟''

''اپنے آپ پر......'' مجھے بھی غصہ آ گیا۔

''کیوں......؟ میرا کیا قصور......''

''اپنی ماں کا اتنا ہی خیال ہے آپ کو تو کیوں نہیں پوری کر دیتے ان کی خواہش......؟ کیوں نہیں

کر لیتے شادی...... مجھے معلوم ہے آپ کو صرف انہی کی وجہ سے اتنی ٹینشن ہو رہی ہے۔''

''ہاں، تو کیوں نہیں راضی ہو جاتیں تم......؟'' ان کے لہجے میں درشتی تھی۔

''آپ چاہتے ہیں میں اپنے ماں، باپ کی عزت داؤ پر لگا کر آپ سے شادی کر کے بیٹھ جاؤں۔''

''بچی نہیں ہو تم جو میں تمہیں بہکاؤں گا...... بسترِ مرگ پر پڑی میری ماں کا خیال کرو......''

''آپ بھی میرے خاندان کی عزت کا خیال کیجیے...... ماں کی خواہش عزیز ہے تو کر لیجیے کسی اور لڑکی سے شادی۔''

''سنیئے محترمہ...... کسی اور لڑکی سے شادی کرنے کے لیے مجھے آپ کے مشورے کی ضرورت نہیں...... سمجھیں۔'' آخری لفظ پر انہوں نے پھر اپنا ہاتھ زور سے اسٹیئرنگ پر مارا۔

''میرا خیال ہے مجھے آپ یہیں اتار دیں۔'' مجھ سے اپنی اہانت برداشت نہ ہوئی۔

''یہاں اتر کر کیا کرو گی؟''

''جھک ماروں گی...... اس دن کو روؤں گی جب آپ سے میری ملاقات ہوئی...... تعلق بنا......''

انہوں نے ایک دھچکے سے گاڑی سڑک کنارے روک دی۔ اور دونوں ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے کرتے ہوئے نہایت لجاجت سے بولے۔ ''فار مائی سیک عائلہ...... فار مائی مدرز سیک...... مجھ سے شادی کرلو...... آئی پرامس میں تمہارے گھر والوں کو بعد میں کسی نہ کسی طرح منالوں گا۔'' حارث کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر مجھے ان پر ترس آنے لگا۔ محبت مجھے بھی تھی ان سے مگر میں اتنی بے قرار نہ تھی۔ خدا جانے کیا نظر آیا تھا اس چھ فٹ کے وجیہہ و شکیل مرد کو مجھ سی نہایت عام سی لڑکی میں۔

''نہیں حارث......'' میں نے انکار کر دیا۔

''مجھ سے محبت نہیں تمہیں؟''

''ہے...... مگر آپ سے محبت کی خاطر میں اپنے ماں، باپ کو رسوا نہیں کر سکتی۔''

وہ چند ثانیے مجھے دیکھتے رہے پھر انہوں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور سخت ہیجانی کیفیت میں گاڑی چلاتے ہوئے مجھے ہاسٹل تک پہنچایا۔ گاڑی سے اترتے ہوئے میں نے ان کی طرف دیکھا وہ جبڑے بھینچے بیٹھے تھے۔ مجھے اتار کر واپس جاتے ہوئے انہوں نے جس تیزی سے گاڑی موڑی میرا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ نہایت تیز رفتاری سے واپس گئے تھے۔

☆☆☆

ہفتہ بھر تک خاموشی رہی...... انہوں نے رابطہ کیا نہ میں نے...... ریڈیو پر بھی ان دنوں میرا کوئی پروگرام نہیں جا رہا تھا۔ امی اور ابو خلافِ توقع مجھ سے ملنے کے لیے آ گئے۔ میں بہت خوش ہوئی۔

''تم سے کچھ بات کرنی تھی اس لیے آئے ہیں ہم دونوں......''

میں کھٹک گئی۔ ایسی کیا بات تھی جسے مجھ سے کرنے کے لیے امی، ابو کو میرے پاس آنا پڑ گیا تھا۔

''تمہارے ابو تم سے حارث کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہیں۔'' امی نے کہا۔

میرا دل یکبارگی دھڑ کا۔

''حارث کے بارے میں...... کیا......؟ کیوں......؟''

میں تذبذب میں پڑ گئی۔

''میں اس سے ملا ہوں۔'' ابو کی نظریں نیچی تھیں اور لہجہ گمبھیر......

''کب......؟ کہاں؟ کیوں؟'' میں نے آپ ہی آپ سوچا۔

''وہ گھر آیا تھا'' ابو نے کہا۔

میرے دل کی دھڑکن بے مہار ہو گئی۔

''تمہارے ابو سے اس نے تمہارا رشتہ مانگا اور انہیں راضی بھی کر لیا۔'' میں نے چونک کر امی کو دیکھا۔ ان کا چہرہ بھی ان کی قلبی مسرت کی گواہی دے رہا تھا۔

''مشکل تھا'' ابو دھیمی آواز میں بولے۔

''خاندان کی روایات کے خلاف ہم اپنے خاندان میں

ملاوٹ نہیں ہونے دیتے مگر...... میں مجبور ہوگیا...... کیونکہ اس کی باتوں سے مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ تمہاری بھی مرضی ہے، میں نے پوچھ گچھ کرالی ہے، شریف لوگ ہیں، کوئی عیب نہیں ان میں۔''

''پتا نہیں کیا کہا ہوگا حارث نے ابو سے۔'' میں شرم سے زمین پر گڑی جارہی تھی۔

''ہمارے لوگوں میں ہلہلا ضرور اٹھے گا کہ خاندان سے باہر بیٹی کیوں دے رہے ہیں...... باتیں بھی بنائیں گے لوگ...... مگر میں نمٹ لوں گا۔'' مجھے اس خیال سے ہی کوفت ہو رہی تھی کہ ابو کو میری وجہ سے اپنے خاندان والوں کے سامنے سُبکی اٹھانا پڑے گی۔ اگرچہ بظاہر یہ بڑی عجیب بات تھی کہ روشن خیالی کے اس دور میں بھی ہمارا خاندان نسل در نسل خاندان ہی میں اپنے بچوں کی شادیاں کرنے کی اس روایت کی پاسداری کر رہا تھا۔ جس کی میڈیکل سائنس نہ صرف تکذیب بلکہ اس کے آئندہ نسلوں کی جسمانی و ذہنی صحت پر مضر اثرات کی نشاندہی بھی کر رہی تھی۔

''تمہارے ابو اور میں اس لیے آئے ہیں کہ......'' امی نے توقف کیا۔ ''یہ بات تم سے گھر آنے پر بھی کی جاسکتی تھی مگر پہلی بات تو یہ کہ لڑکے کو جلدی ہے دوسری بات یہ کہ فی الحال تمہارے ابو اس بات کو اپنے تک ہی رکھنا چاہتے ہیں۔ گھر میں بات ہوتی تو تمہاری بھابی کے کان میں بھی پڑتی۔''

''جب فیصلہ ہوجائے گا تو بتادیں گے...... وقت سے پہلے ڈھنڈورا پیٹنے کی کیا ضرورت ہے۔'' ابو بولے۔

میں چپ چاپ ان کی باتیں سن رہی تھی۔ مجھے یہ سمجھنے میں کوئی دشواری نہ تھی کہ میرے لیے حارث کے رشتے کی قبولیت کا فیصلہ ابو کے لیے کوئی آسان فیصلہ نہیں تھا۔ بلکہ خاندانی روایت کے خلاف جا کر خاندان والوں کے سامنے خفت اٹھانے کا معاملہ تھا...... مجھے شرمندگی ہو رہی تھی، ابو میرے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے۔ ابھی کچھ عرصے پہلے ہی کی تو بات تھی جب حارث نے اپنے ایک دوست کے توسط سے میرے لیے ابو کو پیغام بھجوایا تھا تب ابو کتنے ناراض ہوئے تھے۔ کتنے شدید ردِعمل کا مظاہرہ کیا تھا انہوں نے...... مجھے ملازمت ترک کردینے کو کہا تھا کتنا ناراض ہوئے تھے اور آج...... ابو خاندان کی مخالفت مول لینے کو تیار تھے۔ مجھے ابو سے شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔ ان پر ترس آرہا تھا...... اولاد کی وجہ سے والدین بھی، کبھی کس مقام پر جا کھڑے ہوتے ہیں...... مجھے حارث پر غصہ آرہا تھا۔ کیا ضرورت تھی انہیں ابو سے ملنے کی...... ان سے بات کرنے کی...... اس لیے تھوڑی دیا تھا میں نے انہیں ان کے دوست کی جانب سے بات چیت کے لیے اپنے گھر کا پتا کہ وہ ایک دن خود ہی منہ اٹھا کر جا پہنچیں...... مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ حارث نے ابو سے بات کر کے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ اپنی اور میری محبت کی تذلیل کی تھی اور مجھ پر ابو کے بھروسے اور اعتماد کو بھی پارہ، پارہ کیا تھا۔ مجھے یہ احساس کچوک رہا تھا کہ کہیں ابو اپنی عزت بچانے کے لیے تو خاندانی روایات کے خلاف جانے کا عندیہ نہیں دے رہے تھے۔ مجھے دکھ ہو رہا تھا، مجھے اپنے اوپر ابو کے اعتماد کو سرخرو کرنا تھا۔

''انہیں منع کردیں ابو......'' میں نے سر جھکا کر دھیرے سے کہا۔

''کیوں......؟'' امی نے کہا۔ دونوں نے مجھے چونک کر دیکھ رہے تھے۔

''میں گھر سے دور اس لیے نہیں ہوں امی کے جس کا جی چاہے منہ اٹھا کر میرا رشتہ مانگنے پہنچ جائے۔''

''وہ تمہاری مرضی ہی سے تو گیا ہوگا۔'' ابو بولے۔

''میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔''

''حیرت ہے...... وہ تو کہہ رہا تھا کہ تمہاری بھی مرضی ہے۔''

''میں اپنی جاب کر رہی ہوں...... خوش اور مطمئن ہوں۔'' میں نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

''تو پھر......؟'' امی نے مجھے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''وہ دوبارہ رابطہ کرے تو اسے منع کردیں...... مجھے

شادی کرنی ہی نہیں خاندان میں نہ خاندان سے باہر۔''
ابو نے ایک گہری سانس کھینچی۔ مجھے یوں لگا جیسے ابو کے سینے سے کوئی بوجھ ہٹ گیا تھا۔
امی اور ابو کے جانے کے بعد میں بہت روئی۔
جیتنے کے باوجود ہار جانے کا دکھ دل کو ہارنے سے زیادہ گھائل کرتا ہے۔

☆☆☆

''تم نے ایسا کیوں کیا؟'' حارث مجھے دل شکستگی سے دیکھ رہے تھے اور مجسم سوال بنے میرے سامنے کھڑے تھے۔
''آپ نے ایسا کیوں کیا؟'' میں شاکی تھی۔
''پلیز......'' وہ گڑگڑائے۔
''نہیں......'' میں نے فیصلہ سنایا۔
''ایسا ظلم مت کرو......''
''ظلم تو آپ نے کیا...... میں اپنے ماں، باپ، بہن، بھائیوں کی نظروں میں بے وقر ہو کر رہ جاتی۔''
''آئی لو یو......!''
''می ٹو حارث......''
''تو پھر ایسا کیوں کر رہی ہو؟''
''اپنی سرخروئی کے لیے۔''
''اور میری محبت؟''
''زندہ رہے گی...... میرے دل میں۔''
''عائلہ......''
''سوری......''
حارث تڑپے، گڑگڑائے، مرد ہونے کے باوجود رو دیے مگر میں اپنی جگہ سے سر مو نہ ہلی۔
مجھے اپنا وقار بحال رکھنا تھا ابو کی نظروں میں......
اور ابو کا وقار خاندان والوں کی نظروں میں......
اپنی والدہ کی خواہش اور خوشی کی خاطر حارث کو اپنے ہی خاندان کی ایک لڑکی سے شادی پر آمادہ ہونا پڑا۔ جس دن ان کی شادی کی تاریخ طے ہو رہی تھی انہوں نے مجھ سے کہا۔ ''اب بھی وقت ہے عائلہ۔''
''میری دعائیں آپ کے اور آپ کی ہونے والی جیون ساتھی کے ساتھ ہیں۔'' اپنے حصے کی خوشیاں دوسرے کے دامن میں ڈالنا کتنا مشکل ہوتا ہے یہ کوئی مجھ سے پوچھتا۔
''تم بہت ظالم ہو۔'' حارث نے مجھے اداس نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ شاید وہ ٹھیک ہی کہہ رہے تھے جو اپنے اوپر رحم نہ کھا سکے اس سے بڑا ظالم کون ہوگا۔ میں نے خود کو صلیب پر لٹکا دیا تھا۔
''اب بھی سوچ لو۔'' شادی کی تیاریوں کے دوران انہوں نے بلا مبالغہ بیس مرتبہ مجھ سے کہا۔
میرے پاس سوچنے کو تھا ہی کیا...... میں اپنی جملہ نقدی ہار چکی تھی۔
''شادی میں آؤ گی؟'' حارث نے مجھ سے پوچھا۔
''نہیں......'' میں نے جواب دینے میں کوئی سوچ بچار نہیں کی۔
''کیوں......؟''
''مجھے اپنے اوپر تو بھروسا ہے آپ کا اعتبار نہیں۔''
''تمہاری انہی باتوں نے تو مجھے بے مایہ کر دیا ہے۔''
میں نے غلط تو نہیں کہا تھا، بارات والے دن بارات کی روانگی سے کچھ دیر پہلے حارث کا نمبر میرے موبائل فون پر چمکا۔
''جی......'' میں نے کال ریسیو کی۔
''اب بھی سوچ لو عائلہ......''
''کیا سوچ لوں؟''
''یہ بارات تمہاری طرف بھی آ سکتی ہے۔''
''اور اس لڑکی کا کیا بنے گا جو دلہن بنی آپ کا انتظار کر رہی ہوگی۔''
''میں اس لڑکی سے معافی مانگ لوں گا...... معذرت کر لوں گا عائلہ...... بتا دوں گا اسے کہ میری محبت کوئی اور ہے۔''
''میں جب آپ کی اس طرح کی باتیں سنتی ہوں تو حیران ہوتی ہوں کہ کیا یہ وہی شخص ہے جس کی بردباری اور پیشہ ورانہ صلاحیتوں کا ریڈیو پر شہرہ ہے۔''
''محبت انسان کو دیوانہ بنا دیتی ہے عائلہ......''

''میں بھی تو آپ سے محبت کرتی ہوں مگر میں نے کبھی اس طرح بہکی، بہکی باتیں نہیں کیں...... جب فیصلے کا موقع آیا تو میں نے خود کو پرے دھکیل دیا اور یہ دیکھا کہ میرا اور میرے خاندان کا بھرم کیسے قائم رہ سکتا ہے۔''

''شاید میں کمزور ہوں اور...... تم بہت مضبوط......''

''بہر حال...... آپ کے اور آپ کی ہونے والی شریکِ زندگی کے لیے میری طرف سے نیک خواہشات......''

''اب بھی سوچ لو یہ بارات تمہاری طرف بھی آ سکتی ہے۔'' انہوں نے ایک مرتبہ پھر کہا۔

میرا دل ڈانواں ڈال ہو کر رہ گیا۔

ایک شخص جسے آپ اپنی زندگی کا مرکز و محور سمجھتے ہوں جس کے بغیر زندگی کا تصور آپ کے لیے محال ہو، جس کے بنا زندگی آپ کے نزدیک معنی کھو دے جسے آپ ایک ہی جست میں اپنا بنا سکتے ہوں ایک ایسے وقت جب محض آپ کے انکار کی وجہ سے اس کے جملہ حقوق کسی اور کے نام ہونے جا رہے ہوں اور آپ اس خیال سے نڈھال ہوں کہ وہ جو آپ کا ہو سکتا تھا کسی اور کا ہونے جا رہا ہے آخری لمحوں میں آپ سے کہے۔

''اب بھی سوچ لو۔''

مجھے حارث پر رحم اور اپنے اوپر غصہ آنے لگا۔

کیا، کیا تھا میں نے اس کے ساتھ اور کیا اپنے ساتھ لیکن...... شاید...... ٹھیک ہی کیا تھا۔

زندگی میں آپ کو ہمیشہ وہی تو نہیں مل جاتا جس کی آپ چاہ رکھتے ہیں۔ نارسائی سے سمجھوتا کرنا پڑتا ہے۔

سو میں نے اپنے دل پر پتھر رکھ کر حارث سے کہا۔ ''بچوں کی سی باتیں مت کریں حارث...... گڈ لک......''

اور میں نے کال ہی منقطع نہیں کی فون بھی بند کر دیا۔

شاید انہوں نے پھر کال کی ہو۔

☆☆☆

اگلے دن جب ان کی نو بیاہتا دلہن شام کو ہونے والی تقریبِ ولیمہ کے لیے تیار ہونے بیوٹی پارلر گئی ہوئی تھی، وہ میرے ساتھ بیٹھے آنسوؤں سے رو رہے تھے۔

''میں اس کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا عائلہ...... آئی نیڈ یو...... آئی ریلی نیڈ یو۔''

میں ان کی گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر ان کے ساتھ بیٹھی تھی۔ انہوں نے مجھے آفس کے باہر پرانے برگد کے نیچے سے پک کیا تھا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میں سواری کے انتظار میں کھڑی ہوں گی اور ان کی گاڑی اچانک میرے نزدیک آ رکے گی۔ کچھ کہے سنے بنا انہوں نے اپنے بائیں پہلو پر جھکتے ہوئے گاڑی کا اگلا دروازہ کھول دیا۔ انہیں یوں خلافِ توقع دیکھ کر مجھے حیرانی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھنے میں کچھ تامل ہوا۔ اس لیے نہیں کہ میں اس سے پہلے ان کی گاڑی میں ان کے ساتھ...... کبھی بیٹھی نہیں تھی۔ ایک بار نہیں لاتعداد مرتبہ...... بلکہ اس لیے کہ اب وہ کسی اور کے ہو چکے تھے...... پھر بھی مجھے گاڑی میں بیٹھنا پڑا۔

کچھ دیر تک مجھے یوں محسوس ہوتا رہا جیسے میں کسی اجنبی کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھی تھی۔ پھر میں نے اس درد انگیز خامشی کو توڑا جو اُن کے اور میرے درمیان حائل تھی۔

''آپ کیوں آ گئے؟''

''آئی کانٹ لو وِد آؤٹ یو عائلہ...'' انہوں نے ذرا کی ذرا میری طرف دیکھا اور بولے۔

''اب ایسی باتیں اچھی نہیں لگتیں آپ کے منہ سے۔'' میں نے کہا۔

''کیوں......؟''

''آپ کسی اور کے ہو چکے ہیں۔''

''میں ساری زندگی صرف اور صرف تمہارا رہوں گا عائلہ......''

''تعلق ٹوٹنا بھی زخم کی طرح ٹیسیں دیتا ہے...... ابھی نیا، نیا تعلق ٹوٹا ہے میرا اور آپ کا...... چند دن میں عادی ہو جائیں گے...... پھر آپ کو شاید میرا خیال بھی نہیں آئے کبھی۔'' میں نے کہا۔

''میری طرف دیکھو۔'' انہوں نے گاڑی روک دی اور ترچھے ہو کر میری طرف رخ کرتے ہوئے بولے۔

مجھے ڈر ہوا کہ وہ میری آنکھوں میں تیرتا درد دیکھ لیں گے۔

''اے...... اِدھر میری طرف دیکھو......'' انہوں نے تقاضا کیا۔ مجھے ہمت کرنا پڑی۔

''تم خوش رہ لوگی میرے بغیر......؟''

''جب سوال معنی کھو دے تو سوال نہ کرنا ہی بہتر......'' میں نے پھر نظریں چرا لیں۔

''سوال معنی کیوں کھو دے؟''

''منظر بدل جائے تو سوال بھی بدل جاتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''منظر نہیں بدلا...... قطعاً نہیں بدلا...... وہی ہے...... میرے دل میں اب بھی تم ہی ہو۔''

''آپ کی دلہن کیسی ہے؟''

''پتا نہیں......''

''کیوں......؟'' مجھے اُن کے جواب سے حیرانی ہوئی۔

''میں تو تمہی کو ڈھونڈتا رہا۔''

''مشکل یہ ہے کہ میں یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ آپ احمق ہیں۔''

''نہیں، نہیں...... کہہ دو...... تمہی تو ہو جو مجھے کچھ بھی کہہ سکتی ہو۔''

''میرا اور آپ کا بھلا اب اسی میں ہے کہ ہم ایک دوسرے کو بھول کر اپنی، اپنی زندگی میں گم ہو جائیں۔''

''تم بھول سکتی ہو مجھے؟'' انہوں نے کہا۔

یہ کیا سوال کر دیا تھا انہوں نے۔

''بولو...... چپ کیوں ہو؟''

''کوشش تو کی جا سکتی ہے۔'' میں نے آدھے جھوٹ سے کام لینے کی کوشش کی۔ میں جانتی تھی انہیں بھلا دینے کی کوشش بھی ناممکن تھی میرے لیے...... ان کی محبت تو میری رگ، رگ میں سمائی ہوئی تھی۔

''چیلنج کرتا ہوں...... نہیں بھول پاؤں گی تم مجھے۔'' ان کے لہجے میں بڑی اٹل سی کیفیت تھی۔

''جانتی ہو کیوں؟''

میں چونک کر بے ساختہ ان کی طرف دیکھنے پر مجبور ہوئی۔

''تمہاری پروفیسر دوست کے الفاظ میرے دل کو ڈھارس دیتے ہیں...... یہی کہا تھا ناں انہوں نے کہ اگر تم کسی شخص کی اپنے متعلق فیلنگز کا اندازہ کرنا چاہو تو اپنے دل میں جھانک کر اس کے بارے میں اپنی فیلنگز دیکھ لینا...... سو میں اگر یہ محسوس کرتا ہوں کہ میرے دل میں کوئی دوسری عورت تمہاری جگہ نہیں لے سکے گی تو تم...... تم کیسے کوشش کر سکتی ہو مجھے بھلانے کی۔''

ضبط کے سارے بندھن یکبارگی ٹوٹ گئے۔

اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ ڈھانپ کر میں اس روز اتنا روئی جتنا نہ اس سے پہلے کبھی روئی تھی نہ اس کے بعد......

☆☆☆

میں نے حارث کے بغیر جینے کا روگ پال لیا۔

وہ فون کرتے تو میں اسے ''سائلنٹ'' کر دیتی۔ ملنے کو کہتے تو مصروفیت کا بہانہ کر دیتی، ریڈیو اسٹیشن جاتی تو میری حتی الامکان کوشش ہوتی کہ ان سے اکیلے میں سامنا نہ ہو۔ وہ اپنے پروگرام کے لیے مجھے بک کرنا چاہتے تو میں کسی اور پروڈیوسر کے ساتھ اپنی کمٹ منٹ کا عذر پیش کر دیتی۔ وہ مجھے شاکی اور اداس نظروں سے دیکھتے۔ اپنی گاڑی میں لفٹ دینا چاہتے تو میں آئیں بائیں شائیں کر کے اِدھر اُدھر نکل لیتی۔

والدہ ان کی صحت یاب ہو گئی تھیں اور ایک روز میں نے انہیں خود ہی ریڈیو کے کسی ساتھی سے کہتے سنا کہ ان کی والدہ کے اپنی بہو سے تعلقات قابلِ رشک حد تک خوشگوار چل رہے تھے۔

ان کی یہ بات سن کر میرا ملول ہونا خود میرے اپنے لیے بھی نہایت حیران کُن تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے ان کی ان دیکھی بیوی سے حسد محسوس ہوا تھا...... اس نے میری جگہ لی تھی...... اس کی جگہ پر میں

خود بھی تو ہو سکتی تھی۔

بہرحال جو مقدر تھا وہ ہو چکا تھا۔

☆☆☆

ایک روز حارث نے مجھے گھیر ہی لیا۔

''کیوں اوائڈ کرتی ہو مجھے؟'' انہوں نے مجھ سے کتراہٹ کا گلہ کیا۔

''راستے جو مختلف ہو گئے ہیں۔''

''کون کہتا ہے؟''

''میں کہتی ہوں اور کون......''

''غلط کہتی ہو...... میں تو اب بھی اسی راستے کا مسافر ہوں۔''

''غلط کر رہے ہیں۔''

''تم سے فتویٰ نہیں مانگا ہے میں نے۔''

''تو پھر کیا چاہتے ہیں مجھ سے؟'' میں انہیں دیکھنے لگی۔

''مجھے اوائڈ کرنے کی کوشش مت کرو...... تم جتنا دور بھاگو گی مجھ سے، میں اتنی ہی شدت سے تمہارے پیچھے آؤں گا۔''

''میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ کی گھریلو زندگی میں کوئی الجھن کھڑی ہو۔''

''الجھن تو آل ریڈی ہے۔'' میں نے ہڑبڑا کر انہیں دیکھا...... میری حد درجہ احتیاط کے باوجود اگر ان کی گھریلو زندگی میں کوئی الجھن تھی تو نہایت حیران کن اور میرے لیے ایک بڑی ناکامی......

''کیا مطلب......؟''

''سیماب سے میرا رشتہ بے روح سا رشتہ ہے عائلہ...... وہ میرے ساتھ میرے نزدیک ہوتے ہوئے بھی نہیں ہوتی...... اور...... تم میرے ساتھ، میرے نزدیک نہ ہوتے ہوئے بھی میرے دل و دماغ، میرے حواس پر غالب ہوتی ہو۔''

''یہ تو پھر اس بیچاری سے بے ایمانی ہوئی۔''

''میں نے اسے بتا دیا ہے۔''

''کیا......!'' میں چونکی۔

''یہی کہ میں کسی اور سے شادی کرنا چاہتا تھا اور اب بھی وہی میرے دل میں بسی ہے۔''

''مائی گاڈ!'' میں نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ خاصی دیر اسی کیفیت میں رہنے کے بعد میں نے کہا۔ ''وہ تو بہت شاکڈ ہوئی ہو گی۔''

''ظاہر ہے...... ہوئی۔''

''پھر......؟''

''اب وہ مجھ سے زیادہ وقت امی، ابا کے ساتھ گزارتی ہے...... ان کی ضرورتوں کا خیال رکھتی ہے...... انہی کے ساتھ ہنستی بولتی ہے۔''

''اور آپ کے ساتھ؟'' میں ایک ان کہے شاک میں تھی۔

''بڑا میکانیکی سا رشتہ ہے میرا اور اس کا...... وہ ایک اچھی بیوی کی طرح میری تمام ضرورتیں پوری کرتی ہے...... اپنے اور میرے گھر والوں پر یہ ظاہر کرتی ہے جیسے وہ میرے ساتھ بہت خوش ہے لیکن جب ہم دونوں باقی لوگوں سے علیحدہ ہوتے ہیں تو وہ روبوٹ بن جاتی ہے۔ مشینی عورت...... جذبات سے عاری...... محبت کی حدت سے خالی۔''

میں چپ چاپ سن رہی تھی۔ حارث کی بیوی کا دکھ مجھے اپنا دکھ لگ رہا تھا۔

''ظلم ہے یہ ایک عورت پر......'' حارث کے خاموش ہونے پر میں نے کہا۔

''اس ظلم کی اصل ذمے دار تم ہو عائلہ......''

''میں......!''

''ہاں...... تم۔''

''میرا کیا قصور...... ظلم آپ کر رہے ہیں اس پر......''

''میں ظالم ہوتا تو اسے کچھ بتائے بغیر اس کے جذبات سے کھیلتا رہتا۔ میں نے ایمانداری سے اسے سب کچھ بتا دیا...... اور اس کا فائدہ یہ ہے شاید کہ...... وہ اگر مجھ سے محبت نہیں کرتی تو بے ایمان بھی نہیں سمجھتی ہو گی۔'' حارث نے کہا۔

''کون جانے کہ وہ کیا سمجھتی ہوگی۔'' میں نے دھیمی آواز میں کہا۔

''ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔'' حارث نے تائید کی پھر میرے الفاظ دُہرائے۔

''کون جانے کہ وہ کیا سمجھتی ہوگی۔''

☆☆☆

بہت سے مردوں کی طرح جو اپنی عورتوں سے بے روح سا رشتہ رکھتے ہوئے بھی اولاد پیدا کر لیتے ہیں حارث بھی ایک بیٹے کے باپ بن گئے۔

میرا خیال تھا اب ان کا بیٹا ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کروا کے میری طرف سے ان کا دھیان بٹا دے گا مگر حیرت انگیز کہ مجھ سے متعلق ان کی جذباتی کیفیت وہی رہی۔ میں جتنا ان سے دور ہونا چاہتی وہ اتنی ہی شدت سے میری طرف کھنچے چلے آتے۔ میں نے انہیں اپنے سے دور کرنے کا ہر نسخہ آزمایا مگر شفا نہ پائی لگا... مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی کے مصداق ان کی جذباتیت بڑھتی چلی گئی۔

بڑے بھائی کے بعد میرے منجھلے بھائی اور چھوٹی بہن کی بھی شادی ہوگئی۔ میرے لیے بھی خاندان ہی ایک رشتے کی امید بندھ گئی۔ امی کے ایک کزن کی اہلیہ جو میری ہی ہم عمر تھیں، کینسر میں مبتلا ہو کر چل بسی تھیں۔ دو بچے تھے، ان کے لیے گھر میں ایک عورت کی ضرورت تھی۔ میں نے سنا کہ اس آسامی کے لیے مجھے مناسب ترین امیدوار سمجھا جا رہا تھا۔ تاہم مجھے اس قصے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ مجھے حارث سے محبت تھی اور یہ احساس کہ جس شخص سے مجھے محبت تھی وہ بھی مجھے دیوانہ وار چاہتا تھا سکون سے زندگی گزارنے کو کافی تھا۔

شاید کسی کو میری یہ بات عجیب لگے مگر میں نے زندگی میں بہت اور بے شمار تو نہیں کچھ لوگ ایسے دیکھے یا ان کے بارے میں سنا اور پڑھا ہے جنہوں نے محبت کو وصال سے مشروط نہیں رکھا۔ یونیورسٹی کے زمانے میں اپنے ایک سینئر مرد پروفیسر کے بارے میں بھی ہم نے سنا تھا کہ وہ اپنی جوانی میں کسی خاتون پر فدا ہوئے تھے اور ایسے کہ اس کی کسی اور سے شادی ہو جانے کے بعد انہوں نے اس وقت تک تو شادی نہیں کی تھی جب وہ ہمیں پڑھایا کرتے تھے اور ان دنوں ان کی عمر ساٹھ سال کے لگ بھگ تھی۔

ایک معروف سیاسی شخصیت کا قصہ بھی کچھ اسی طرح تھا۔ پڑھنے میں آیا تھا کہ ان کا اپنی ہی برادری کی ایک لڑکی سے عشق تھا۔ جو لڑکی کے اور ان کے بڑوں کی باہمی ناچاقی کے باعث وصال کی منزل سے ہمکنار ہونے میں ناکام رہا تھا۔ دونوں اپنی، اپنی جگہ مجرد زندگی گزارتے رہے اور عشق کی آگ ان کے سینوں میں سلگتی رہی۔ تا آنکہ دونوں جوان سے بوڑھے ہوگئے اور بالآخر راہیِ عدم ہوئے۔

اپنی اور حارث کی محبت کو بھی میں اسی قبیل کی محبت سمجھتی تھی......وصال کی چاہ سے مبرا......

اپنے کزن کے لیے امی نے مجھ سے خود بات کی۔ کہتے ہیں کہ بڑی بیٹی اپنی ماں کی سہیلی ہوتی ہے۔ میں بھی امی کی سہیلی ہی تھی۔ تاہم تھوڑی سی بے ایمان......اور وہ اس لیے کہ امی سے میں نے اپنی اور حارث کی محبت کا قصہ کبھی شیئر نہیں کیا تھا۔ شاید اسی لیے امی نے اپنے کزن کے بارے میں مجھ سے بے تکلف ہو کر بات کی۔ میں نے صاف منع کر دیا۔ امی نے وجہ پوچھی تو میں نے کہا۔

''میں اپنی زندگی سے خوش ہوں۔''

''مگر ہم تو خوش نہیں ہیں ناں......'' امی نے کہا۔

''کیوں......؟''

''نوکری کب تک ساتھ دے گی تمہارا......''

''ساٹھ سال تک تو پکی پھر پنشن......'' میں نے خوش دلی سے کہا۔

''تمہارا اپنا گھر ہونا ضروری ہے، ہاسٹل میں آخر کب تک پڑی رہوگی۔''

''جب تک نوکری چل رہی ہے۔''

''اس کے بعد......؟''

''یہ گھر ہے ناں......واپس آجاؤں گی۔''

''ہم مرکھپ چکے ہوں گے اور تمہارے بھائیوں کی اپنی زندگی ہوگی۔''

''آپ فکر نہیں کریں...... میں ان پر بوجھ نہیں بنوں گی۔''

''بات بوجھ بننے کی نہیں...... آئندہ کی مشکلات اور مسائل کو سمجھنے کی ہے، جوانی گزر جاتی ہے مگر بڑھاپے میں انسان کو ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر خوشی غمی، دکھ سکھ، گرم سرد میں ساتھ دے سکے...... اپنے ابو کی اور میری زندگی ہی کو دیکھو...... تمہارے دو بھائیوں کی شادیاں ہوچکیں، نائلہ بھی اپنے سسرال چلی گئی...... تم ہم سے دور رہتی ہو...... چھوٹا اڑا، اڑا پھرتا ہے...... میں اور تمہارے ابو ہی ایک دوسرے کا دکھ سکھ بٹاتے ہیں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں...... دونوں میں سے کوئی اِدھر اُدھر ہوجائے تو ہم ایک دوسرے کو پکارتے پھرتے ہیں۔''

''لیلیٰ مجنوں جو ہوئے۔'' میں نے مذاقاً کہا۔

''آدم حوا کہو...... دونوں ایک دوسرے کے مونس و رفیق......'' امی کہنے کو گھر بیٹھی سادہ سی عورت تھیں مگر ان کی دانش کا جواب نہ تھا۔

''میں آپ کے آگے نہیں بول سکتی امی......''

''بس تو چپ کرکے ہاں کردو تاکہ تمہارے لیے ہماری فکر کم ہو...... ہر وقت تمہاری طرف دھیان لگا رہتا ہے۔''

''کیسے یقین دلاؤں آپ کو کہ میں بہت خوش ہوں اپنی زندگی سے۔''

''ہمیں بھی خوش کردو ناں...... سعیداللہ اچھا آدمی ہے...... پہلی بیوی اس کے گن گاتی تھی...... تمہیں بھی خوش رکھے گا۔''

''اور اگر میں انہیں خوش نہ رکھ سکی؟''

''کیوں......؟'' امی چونکیں...... ''کیوں نہیں رکھ سکو گی خوش۔''

''دو بچے ہیں اور وہ بھی اس عمر کے جب بندہ دوسرے کی نہیں سنتا، اپنی منواتا ہے...... سوتیلی ماں مفت میں بدنام ہوتی ہے۔''

''اللہ چاہے گا ایسا نہیں ہوگا...... مجھے اپنی بیٹی پر پورا بھروسا ہے۔ اسے لینے سے زیادہ دینا آتا ہے...... کیا مجھے پتا نہیں کہ تم نے ریڈیو والے رشتے سے کیوں انکار کیا تھا۔''

میں نے ہڑبڑا کر امی کو دیکھا...... میرے کچھ کہنے سے بیشتر ہی وہ بولیں۔

''اس لیے تاکہ خاندان میں تمہارے باپ کی نظر نیچی نہ ہو۔''

اوہ ماں......!

تجھے لاکھوں سلام ماں......

تو، تو میرے دل کے اندر تک اتری ہوئی تھی۔

☆☆☆

حارث سے میں اپنے دل کی ہر بات بلا کھٹکے کہہ سکتی تھی۔ سو میں نے امی کے کزن والا قصہ بھی ان سے شیئر کیا۔ وہ بھپر گئے۔ ''تم نے اگر اس شخص کے لیے ہاں کی ناں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔''

''آپ سے برا کوئی ہے بھی نہیں......'' میں نے مذاقاً کہا۔

''مذاق نہیں کررہا ہوں میں۔''

''میں بھی مذاق نہیں کررہی ہوں۔'' میں لائٹ موڈ میں تھی۔

''تم نے اگر مجھ سے شادی نہیں کی تو اب کسی سے بھی نہیں کروگی۔''

''واہ...... اچھی دھونس ہے...... آپ کی تو شادی ہوچکی آپ کو کیا...... میری مرضی جس سے چاہوں کروں۔''

''کرکے دیکھو......''

''کیا کریں گے؟''

''یہ تمہیں وقت بتائے گا۔''

''وقت کے بجائے حارث صاحب کیوں نہیں بتادیتے۔''

''دیکھو عائلہ...... تمہارے بغیر ادھوری زندگی جی رہا

ہوں...... تمہیں اپنانا میری زندگی کی اب بھی سب سے بڑی خواہش ہے۔'' وہ یک لخت جذباتی ہو کر بولے۔

''میں اکثر اپنے آپ کو اس احساسِ جرم سے دوچار پاتی ہوں کہ آپ سے اب بھی ملنا جلنا برقرار رکھ کر میں اس عورت کی مجرم ہوں جو آپ کی بیوی اور آپ کے بیٹے کی ماں ہے۔''

''وہ سمجھوتا کر چکی ہے۔''

''آپ بھی کیوں نہیں کر لیتے۔''

''نہیں کر سکتا۔''

''کوشش تو کی ہوتی۔''

''جس کوشش کا نتیجہ ناکام ہونے کا یقین ہو اس میں پڑنے سے فائدہ......''

''ایسے کب تک چلے گا۔''

''جب تک تم میری نہیں ہو جاتیں۔''

''حارث پلیز......'' میں نے انہیں ٹوکا...... ''آپ کے منہ سے اب ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں...... ایک بچے کے باپ ہیں آپ۔''

''آئی لو یو عائلہ...... آئی نیڈ یو۔''

''مجھ سے واقعی غلطی ہوئی ہے۔''

''کیسی غلطی......؟'' انہوں نے چونک کر مجھے دیکھا۔

''مجھے آپ کی شادی کے بعد آپ سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہیے تھا۔''

''پاگل ہو جاتا...... مر جاتا میں۔''

''سب کہنے کی باتیں ہیں...... کوئی کسی کے لیے پاگل ہوتا ہے نہ مرتا ہے...... برسوں زندگی کے رشتے میں بندھے رہنے والے میاں، بیوی اچانک رشتہ توڑ کر ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن جاتے ہیں اور دونوں میں سے کوئی پاگل ہوتا ہے نہ مرتا ہے۔''

''جو محبت کرتے ہیں وہ پاگل بھی ہو جاتے ہیں، مر بھی جاتے ہیں...... اخباروں میں آئے دن پڑھتے تو ہیں ہم...... محبت میں ناکامی پر خودکشی...... محبوبہ کو مار کر اپنا بھی خاتمہ کر لیا۔''

''اسے محبت نہیں جنون کہتے ہیں۔''

''محبت اور ہے کیا...... جنون ہی تو ہے...... محبت کرنے والے کے لیے دنیا کے اربوں کھربوں انسانوں میں سے کوئی ایک اتنا اہم ہو جاتا ہے کہ اس کی خاطر وہ ساری دنیا کو آگ لگانے کے درپے ہو جاتا ہے۔''

''ایک بات بتائیں؟''

''بولو......''

''آپ اور میں ایک دوسرے سے ملنا ترک نہیں کر سکتے؟'' وہ مجھے کچھ عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگے۔

''ہاں...... کر سکتے ہیں۔''

''میرے خیال میں ہم دونوں کے حق میں یہی بہتر ہوگا...... آپ بھی اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ آرام سے رہ سکیں گے...... میں بھی پُرسکون رہ سکوں گی...... آپ سے ملنے اور آپ کی باتیں سننے کے بعد میں بھی اپ سیٹ رہتی ہوں۔''

''تمہاری خواہش پوری ہو سکتی ہے۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولے لیکن اس کے بعد انہوں نے جو فقرہ ادا کیا مجھے جارحانہ نگاہوں سے گھورتے ہوئے۔ ''میرے مرنے کے بعد......''

☆☆☆

گھر والوں کا امی کے کزن کے لیے اصرار بڑھتا ہی چلا گیا۔ امی نے ابو، بھائی، بھابی اور میری چھوٹی بہن نائلہ کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور ان میں سے ہر ایک دامے، درمے، سخنے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش میں لگا رہتا کہ روئے زمین پر امی کے کزن سعید اللہ میرے لیے نہایت بے بہا انتخاب تھے۔ سعید اللہ کی شرافت، مروت اور ٹھنڈے مزاج کے گُن گائے جاتے اور میرے پیارے مجھے یہ یقین دلانے کی کوشش کرتے نہ تھکتے کہ سعید اللہ سے شادی کر کے میں اس دنیا کی خوش قسمت ترین عورت قرار پا جاؤں گی۔

سعید اللہ...... سعید اللہ...... سعید اللہ......

میں زچ ہو گئی۔

''کوئی مجھ سے شادی کی بات نہ کرے ورنہ میں چھٹی پر گھر آنا بھی چھوڑ دوں گی......'' میں نے ایک

روز نہایت غصے سے کہا۔
''ایسے کب تک رہیں گی باجی...... اکیلے تو زندگی نہیں گزرتی ناں......'' نائلہ نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔
''دیکھو تم مجھ سے چھوٹی ہو چھوٹی ہی رہو بڑی بننے کی کوشش مت کرو۔'' میں نے اسے آنکھیں دکھائیں۔
''امی، ابو آپ کے بارے میں فکرمند رہتے ہیں۔''
''ان سے کہہ دو نہ رہیں فکر مند...... بچی نہیں ہوں میں...... اپنا اچھا برا سب سمجھتی ہوں۔''
''سوچ لیں...... رشتے بار، بار نہیں ملتے۔ اور وہ بھی جب خاندان کے اندر ہی رشتے کرنے کی ریت ہو۔''
''تمہارا مطلب ہے سعید اللہ کی بیوی میرے مقدر سے مر گئیں......'' میں نے نائلہ کو گھورتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔
وہ سٹپٹا گئی اور اپنے رخساروں کو پیٹتے ہوئے خفت سے بولی۔
''توبہ، توبہ باجی کیسی باتیں کرتی ہیں آپ...... میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔''
''جب گھر آتی ہوں یہی ایک قصہ انڈیلا جاتا ہے میرے کانوں میں جیسے سعید اللہ کے علاوہ دوسرے موضوع ہی ختم ہو گئے ہیں دنیا سے۔'' میں نے ناگواری سے کہا اور دھمکی دی۔ ''گھر آنا ہی چھوڑ دوں گی میں۔''
''میری توبہ......'' نائلہ نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ ''اب میری زبان سے تو آپ یہ نام نہیں سنیں گی۔ ہاں البتہ یہ ضرور کہوں گی کہ ان سے نہ سہی کسی سے بھی شادی ضرور کر لیں آپ۔''
نائلہ میری چھوٹی بہن تھی۔ بچوں کی طرح عزیز تھی وہ مجھے......اسے شرمندہ اور عذر خواہ دیکھ کر میں نے اپنا موڈ تبدیل کر لیا اور اس کی بات پر مسکراتے ہوئے کہا۔
''کیوں شادی کر کے لڈو ملتے ہیں کیا؟''
''بور کے......'' وہ مسکرائی۔

ایسا بھی ہوتا ہے

دفتری کام ایسے ہی ہوتے ہیں کہ ایک بزرگ پنشن لینے گئے تو انہیں کہا گیا۔ ''بڑے میاں میڈیکل سرٹیفکیٹ لاؤ کہ آپ زندہ ہیں۔'' وہ رواں ماہ کا سرٹیفکیٹ لے آئے تو کہا گیا۔ ''گزشتہ ماہ کی پنشن لینے کے لیے ان مہینوں کا سرٹیفکیٹ لانا پڑے گا تاکہ پتا چل سکے، ان مہینوں میں بھی آپ زندہ تھے۔''

☆☆☆

ایک خاتون نے دوسری خاتون سے کہا۔ ''مجھے اینٹکس سے بڑی دلچسپی ہو گئی ہے۔'' تو دوسری نے کہا۔ ''مجھے پتا ہے۔'' پہلی بولی۔ ''تمہیں کیسے پتا ہے؟'' تو وہ بولی۔ ''میں تمہارے خاوند سے مل چکی ہوں۔''

مرسلہ: ماہ نور خان، بہارہ کہو

''کہا کے خدانخواستہ پچھتا تو نہیں رہیں؟'' میری مسکراہٹ گہری پڑ گئی۔
''آپ نہ کہا کے کیوں پچھتانا چاہتی ہیں۔'' اس کے ترکی بہ ترکی جواب نے مجھے احساس دلایا کہ شادی کے بعد میں اسے کسی چھوٹے بچے کی طرح ٹریٹ نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆

بم ہی تھا جو میری سماعت کے سوتوں پر پھٹا تھا۔
''میں نے اسے چھوڑ دیا ہے...... طلاق دے دی ہے اسے۔'' حارث نے مجھے بتایا۔
مجھے یوں لگا جیسے پوری قوت سے چھوڑے گئے اسپرنگ کی طرح میرا وجود زمین سے اچھل کر چھت سے جا لگا تھا...... میں نے اپنے وجود کو پرخچوں میں اڑتے ہوئے محسوس کیا۔
''کیوں......؟'' میں نے ہکا بکا ہو کر حارث سے سوال کیا۔
''روز مرنے اور روز جینے کی مشق سے ایک طرف ہو جانا ہی بہتر تھا۔'' انہوں نے کہا۔
احساسِ جرم مجھ پر گرز برسا رہا تھا۔ اس عورت

کی بربادی کی ذمے دار میں تھی۔
''یہ آپ نے کیا کیا.....'' میں سچ مچ دکھ میں تھی۔
''بس کردیا..... میں نے اسے بھی نجات دلادی ہے خود بھی کنارے لگ گیا ہوں..... بہت مشکل تھا اس کے لیے بھی اور میرے لیے بھی..... اس احساس کے ساتھ یکجا رہنا کہ میں اس کا ہو کر بھی اس کا نہیں کسی اور کا تھا..... تنہائی میں ہم دونوں ایک دوسرے کے مجرم بنے رہتے تھے۔''
''پھر بھی گزر تو رہی تھی۔'' میں نے مردہ سی آواز میں کہا۔
''گزر اب بھی جائے گی..... بلکہ شاید بہتر..... جس عورت کے جملہ حقوق آپ کے نام ہوں اور آپ تنہائی میں اس کی طرف دیکھتے بھی ڈریں..... اس سے بڑی اذیت کیا ہوسکتی تھی میرے لیے..... میں نے اسے آزاد کردیا۔''
''آزاد کردیا یا برباد کردیا.....'' میں نے غصے سے کہا۔
''برباد تو میں ہوا ہوں..... اس کے پاس تو بیٹا ہے اس کے سہارے جی لے گی..... میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔''
''ہونا بھی نہیں چاہیے۔'' میں صدمے، غم اور غصے کی کیفیت میں تھی۔
''میں کسی خوش فہمی کے ساتھ نہیں آیا ہوں تمہارے پاس..... جانتا تھا تمہارا ردِعمل غیر متوقع ہوگا۔''
''پھر کیوں کیا ایسا.....؟'' میں نے حارث پر آنکھیں نکالیں۔
''برزخ سے نکلنے کے لیے.....''
''اس کے بعد کی خبر، فکر ہے۔''
''فکر ہے نہیں..... خبر یہ ہے کہ گھر والوں نے اسے رکھ لیا ہے مجھ سے قطع تعلق کرلیا ہے۔''
''کیا مطلب.....؟'' میں نے ابرو چڑھا کر حارث کو دیکھا۔
''گھر والے کہتے ہیں وہ کہیں نہیں جائے گی، تم اپنا بندوبست کرلو۔''
''یعنی؟''
''تمہاری محبت میں حارث صاحب سڑک پر آ گئے ہیں۔'' میں نے حارث کو دیکھا۔
عجیب منظر تھا۔ نہ احساسِ زیاں کی کوئی پرچھائیں تھی نہ ملال کا کوئی شائبہ..... محبت اتنی خود غرض تو نہیں ہوتی۔
آخر میں نے بھی تو ابو کے وقار اور سرخروئی کے لیے اپنے دل پر صلیب رکھی تھی کہ نہیں مجھے حارث پر شدید غصہ آرہا تھا۔

☆☆☆

حارث کے گھر والوں نے سچ مچ ان سے قطع تعلق کرلیا۔ وہ گھر سے اپنا ضروری اسباب اٹھالائے تھے اور ایک ہاسٹل میں بودوباش اختیار کرلی تھی۔
''تیرے عشق نچایا۔'' انہوں نے مذاقاً کہا۔
''ہمیں نہ نچالیا.....'' میں نے انہیں تیکھی نگاہوں سے دیکھا۔
''ہر کوئی تمہاری طرح مضبوط تھوڑی ہوتا ہے۔''
''ہوتا کوئی بھی نہیں بننا پڑتا ہے۔''
گھر چھوڑنے کے بعد میں نے ان میں ایک واضح تبدیلی محسوس کی۔ میرے معاملے میں ان کی بے قراری میں ٹھہراؤ سا آ گیا تھا۔ جیسے خود میری طرح انہوں نے بھی یہ سوچ لیا تھا کہ بس اب یونہی گزرنے میں عافیت تھی۔
زندگی میں کبھی، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے بلکہ کبھی، کبھی کیا..... اکثر.....! جب انسان خلافِ خواہش معاملات سے بھی چپ چاپ سمجھوتا کرلیتا ہے۔
حارث اور میں دوستوں کی طرح ایک دوسرے سے ملتے..... ایک دوسرے کو اپنی، اپنی سناتے پھر اپنے، اپنے کنجِ عافیت کی راہ لیتے۔
ہاسٹل میں رہنا میرا تو خیر اپنا انتخاب تھا اور

عورت ہونے کے ناتے میں اپنی روزمرہ ضروریات کے سلسلے میں خود کفیل تھی مگر حارث کے ساتھ ایسا نہیں تھا۔ ہاسٹل میں رہائش ان کے خود پیدا کردہ حالات کا نتیجہ تھی۔ اپنے جو ذاتی کام وہ خود کرنے کے عادی نہ تھے اب انہیں وہ بھی کرنے پڑ رہے تھے۔ چنانچہ ان سے ملاقات ہونے پر مجھے ان سے اس نوعیت کی باتیں سننے کو ملتیں۔

''آج واشنگ مشین لگائی تھی۔ سارے کپڑے دھو ڈالے۔''

''آج استری کرتا رہا۔''

''موزوں کے اتنے جوڑے تھے میرے پاس ایک، ایک کر کے کم ہوتے جا رہے ہیں۔''

''آج میں نے اپنے لیے خود بھنڈی کاٹی، خود پکائی۔''

''تندوری نان کھا، کھا کر منہ کا ذائقہ ہی خراب ہو گیا تھا۔ آج میں نے بازار سے آٹا خرید کر خود آٹا گوندھا خود روٹی پکائی۔''

''رات جیسا بخار مجھے زندگی میں کبھی نہیں چڑھا...... سارے جسم میں شدید درد تھا اور بار، بار پیاس لگ رہی تھی۔ پورا جگ بھر پانی پی گیا پھر ہمت ہی نہیں ہوئی۔ اٹھ کر کچن سے پانی لے آتا۔''

''کل بارش ہوئی تو امی کے ہاتھ کے پکوڑے یاد آتے رہے۔''

''وہ ٹی شرٹ جو تم نے مجھے گفٹ دی تھی، مجھے لگتا ہے ہاسٹل کے کسی دوست کو پسند آ گئی۔ کمرا تو کھلا رہتا ہی ہے میں اِدھر اُدھر گیا تو کوئی لے اڑا۔''

مجھے حارث سے ہمدردی محسوس ہوتی۔ ان کے حالات کا کسی قدر ذمے دار خود کو سمجھتی۔ بسا بسایا گھر انہوں نے محض میری وجہ سے ہی تو اجاڑا تھا۔ نہ مجھ سے ان کی جذباتی وابستگی ہوتی نہ وہ اپنی بیوی کو بلاقصور طلاق دے کر اپنا گھر اجاڑتے اور بے گھر ہوتے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنی اس غلطی کا کفارہ وہ کیونکر ادا کر پائیں گے اور میں اس احساسِ جرم سے کہ ان کے گھر بگڑنے کی کسی قدر ذمے داری مجھ پر بھی تھی کیونکر نکل پاؤں گی...... واقفانِ حال جو کہ نہیں تھے اگر ہوتے تو شاید ہم دونوں کو اس بحران سے نکلنے کی ایک ہی راہ بجھاتے مگر اس راہ کا اختیار کرنا مجھے دنیا کی نظروں سے ظالم اور مطعون قرار ٹھہراتا۔ حارث کا گھر بگڑنے کی تمام تر ذمے داری میں ہی قرار دی جاتی جبکہ خدا جانتا تھا کہ حارث کی شادی کے بعد میں نے انہی کی خواہش پر ان سے اپنے دوستانہ تعلقات تو برقرار رکھے تھے مگر انہیں ان کی بیوی کے خلاف اکسانے یا گھر توڑنے کی ترغیب دینے کی کوشش کبھی نہیں کی تھی۔ محبت، وصال کے بغیر بھی تو زندہ رہ سکتی ہے اور میں نے یہی راہ اپنائی تھی اب یہ قسمت کی ستم ظریفی کہ میرے اس ایثار کے باوجود حارث اپنا گھر بگاڑ بیٹھے تھے اس میں میرا کتنا دوش تھا یہ حارث جانتے تھے یا میں اور ہم دونوں سے بھی بہتر اوپر والا۔

☆☆☆

حارث کو اپنا گھر چھوڑے پانچ، چھ ماہ ہو چکے تھے۔ اور اب وہ پھر مجھ سے شادی کے لیے اصرار کر رہے تھے۔ میں اس بار ابو کی نہیں اپنی عزت کے خیال سے گریزاں تھی۔ غیر تو غیر شاید میرے اپنے گھر والے بھی ماضی اور حال کی کڑیاں ملا کر یہی سمجھتے کہ حارث کا گھر میری وجہ سے ٹوٹا تھا۔ میں اس بدنامی کا ٹیکا اپنے ماتھے پر نہیں لگوانا چاہتی تھی۔

ایک روز حارث کی زبانی ایک چونکا دینے والی خبر ملی۔ ان کی مطلقہ کا زمانۂ عدت اپنے ہی گھر میں گزروانے کے بعد دونوں گھرانوں کی باہمی رضامندی سے حارث کی مطلقہ کا عقدِ ثانی ان کے چھوٹے بھائی آصف سے کروا دیا گیا تھا۔

''آپ کو کس نے بتایا؟'' میں نے حارث سے پوچھا۔

''بہت ہیں بتانے والے...... سنا ہے امی، ابو نے کہا ہمارا پوتا کسی اور کے دروازے پر جا کر نہیں پڑے گا...... ہم اسے اپنے ہی گھر میں رکھیں گے۔'' حارث نے بتایا۔

''یعنی وارث......؟'' میں نے کہا۔
''ظاہر ہے...... فی الحال تو وہی ان کا اکلوتا پوتا ہے۔''
حارث کے بیٹے کا نام اس کے دادا اور دادی نے بہت پیار سے وارث رکھا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ حارث کے گھر والوں نے پوتے ہی نہیں اس کی ماں کو بھی در بدر ہونے سے بچا لیا تھا۔
''اپنی سہیلی کی دوبارہ خانہ آبادی کے بعد تو مجھ سے تمہارا گلہ دور ہو جانا چاہیے۔''
''سہیلی۔''
''ہاں...... وہ تمہاری سہیلی ہی تو ہے جو تم اسے ڈیوورس دینے پر مجھ پر اتنا گرجی برسی تھیں۔''
''سہیلی......'' میں طنزیہ مسکرائی۔ ''اس کے سامنے کوئی کہہ بھی نہ دے، مجھے تو وہ اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتی ہوگی...... منہ بھر بھر کر کوستی ہوگی مجھے۔''
''اب نہیں کوسے گی بلکہ جھولیاں بھر بھر دعائیں دے گی تمہیں...... آصف بہت اعلیٰ لڑکا ہے...... میرا اور اس کا تو کوئی مقابلہ ہی نہیں۔''
''کس اعتبار سے؟''
''ہر اعتبار سے...... صورت شکل میں مجھ سے اچھا ہے...... چھ فٹ کا گبرو جوان، تعلیمی لحاظ سے بھی مجھ سے بہتر...... انجینئرنگ کی ہے اس نے...... بہت خوش مزاج اور زندگی کو زندہ دلی سے گزارنے والا انسان ہے وہ...... سیماب کی اور اس کی دوستی بھی بہت تھی۔ مجھ سے زیادہ وہ اسی سے بے تکلف تھی۔''
''آپ نے اس بیچاری کو خود سے بے تکلف ہونے کا موقع ہی کب دیا۔''
''سچ کہتی ہو...... ایسا ہی تھا...... بہر حال اب وہ خوش رہے گی۔'' حارث بولے۔
''سنا ہے عورت اپنے پہلے شوہر کو کبھی نہیں بھولتی۔''
''سنی سنائی ہر بات حقیقت نہیں ہوتی...... مجھ جیسے شوہر کو جس نے کبھی اسے رخ دے کر بات نہیں کی...... نہایت بے مروتی سے اسے یہ بتا دیا کہ اس کی محبت تو کوئی اور لڑکی تھی...... جس نے اس کے ساتھ جتنا بھی وقت گزارہ جذبات سے عاری رہ کر...... ایسے آدمی کو وہ کب یاد رکھنا پسند کرے گی...... اس پر تو وہ دو حرف بھیجے گی اور آصف جیسا شوہر پا کر شکرانے کے نوافل پڑھے گی۔''
''بات تو سچ ہے۔''
''مگر بات ہے رسوائی کی۔'' حارث نے شگفتگی سے پروین شاکر کے مصرعہ سے گرہ لگائی۔
''اس میں کیا شک ہے۔''
''لو وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ بے ننگ و نام ہے۔''
''کیا بات ہے آج بہت شاعری سوجھ رہی ہے۔''
''خوش ہوں......'' وہ مسکرائے۔
''بری بات......!''
''کیوں......؟ بری کیا بات؟''
''ذرا تصور کریں کہ اس عورت نے اپنے دیور کو جسے آپ کے رشتے سے وہ بھی اپنے چھوٹے بھائی کا درجہ دیتی رہی ہوگی کس دل سے شوہر کی جگہ دی ہوگی۔''
''زندگی میں اس سے بڑی باتیں ہو جاتی ہیں۔''
''ہاں...... آپ مردوں کے لیے تو یہ شاید چھوٹی ہی بات ہو...... کسی عورت سے پوچھیں کہ طلاق اس کے لیے کتنا بڑا سانحہ ہوتی ہے اور...... طلاق کے بعد دوسری شادی...... اور وہ بھی سابقہ شوہر کے چھوٹے بھائی سے۔''
''میرے خلاف مقدمے میں تم سارا وقت اسی کی وکیل بنی رہی ہو۔'' حارث مسکرائے۔
''عورت ہوں اس لیے اس کا درد سمجھ سکتی ہوں۔''
''کچھ نظر کرم اس غریب پر بھی ہو جائے...... اب تو آپ کی سہیلی کی خانہ آبادی ہو گئی...... مجھ بیچارے کو بھی ہاسٹل سے رہائی دلوائیں۔''
''ہاسٹل تو اب آپ کے مقدر میں لکھا جا چکا۔''
''رحم سرکار......'' انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے کرتے ہوئے کہا۔
میں ہنس دی۔
''عائلہ پلیز مجھ پر رحم کرو......'' وہ نہایت سنجیدہ

ہو کر بولے۔

''کیا رحم کروں؟''

''میرے پاس اب ایک ہی راستہ بچا ہے۔''

''وہ کیا......؟''

''تم اس کی اتنی وکالت، اس سے اتنی ہمدردی کر گئیں......کبھی اس انداز سے میرے بارے میں بھی سوچا......عورت تو گھر کی چار دیواری میں بیٹھ جاتی ہے۔رو بھی لیتی ہے خود کو مظلوم ظاہر کر کے دوسروں کی ہمدردیاں بھی سمیٹ لیتی ہے۔مرد کو گھر کی چار دیواری بھی پناہ نہیں دیتی۔اسے باہر نکلنا اور دنیا کو فیس کرنا ہوتا ہے وہ رو بھی نہیں سکتا۔مظلوم بھی ہو تو ظالم سمجھا جاتا ہے۔'' انہوں نے توقف کیا پھر بولے۔''تمہیں کیا پتا میں کیا کچھ سہہ رہا ہوں......گھر والوں کی قطع تعلقی اور گھر چھوڑنے سے زیادہ تکلیف دہ گھر سے باہر لوگوں کی چبھتی نگاہیں اور طنزیہ جملے انسان کو اندر تک مار دیتے ہیں......سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ اپنی زندگی سے زیادہ دوسروں کی زندگی میں دلچسپی کیوں رکھتے ہیں۔''

میں نے دیکھا حارث کی آنکھوں میں سرخی اتر آئی تھی۔

''بہت الجھ گیا ہوں...... بہت بکھر گیا ہوں عائلہ......پرخچے اڑ گئے ہیں میری ذات کے......ایسا تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا......اچھی بھلی گزر رہی تھی شادی سے پہلے زندگی......کوئی الجھن......کوئی عذاب نہیں تھا......گھر میں بھی سکون تھا......گھر سے باہر بھی عزت......اب تو سکون رہا نہ عزت......کبھی، کبھی تو جی چاہتا ہے یہاں سے کہیں دور چلا جاؤں۔''

میرے دل پر جیسے دھمو کا سا لگا۔

''کیا میں رہ پاؤں گی ان کے بغیر......؟'' میں نے اپنے دل سے پوچھا۔دل اس بچے کی طرح منہ بسورنے لگا جسے اپنا سب سے پیارا کھلونا چھن جانے کا خوف ہو جائے۔

مجھے احساس ہوا کہ وہ تو میری حیات کا جزو لازم بن چکے تھے۔بالخصوص ان کا گھر ٹوٹنے کے بعد تو کوئی دن ایسا نہ تھا جب وہ مجھ سے نہ ملے ہوں اور اپنے دل کی بات مجھ سے نہ کی ہو۔اس میل جول میں کسی قسم کی اخلاقی آلودگی کی دور، دور تک پرچھائیں نہ تھی۔ہم انسانوں کے ہجوم میں بھی ایک دوسرے سے ملتے تھے اور تخلیے میں بھی جب ہم دونوں کے سوا کوئی تیسرا ذی روح نہ تھا......وہ ہمیشہ حدود و قیود میں رہے تھے۔میں آنکھ بند کر کے کہہ سکتی تھی کہ وہ ایک اچھے انسان تھے۔

''کہاں جائیں گے......؟'' میں نے ان سے پوچھا۔

''کہیں بھی...... ملک خدا تنگ نیست......'' وہ پختہ لہجے میں بولے۔''کسی اور اسٹیشن پر ٹرانسفر کروالوں گا......ملک سے باہر جانے کے آپشن پر بھی غور کر رہا ہوں۔''

''نہ آپ ٹرانسفر کروائیں گے نہ ملک سے باہر جائیں گے......'' میری آواز نہ جانے کیوں بھرّا گئی۔......''اور اگر باہر جائیں گے تو آپ اکیلے نہیں......میں بھی ساتھ جاؤں گی۔'' میں نے گویا فیصلہ سنایا۔وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔

میں نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپا اور پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی۔

''عائلہ...... عائلہ......کیا ہوا......کیا ہوا؟'' وہ میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بے تابی سے تھپکتے ہوئے مجھے دلاسہ دینے کی کوشش کرنے لگے۔

میں نے انہیں کیا بتاتی کیا ہوا تھا۔

☆☆☆

زندگی میں پہلی بار میں امی سے براہ راست بات کرنے سے قاصر ہوئی مجھے اپنی بہن نائلہ کا سہارا لینا پڑا۔

''آپ کتنی بے وقوف ہیں باجی......'' نائلہ نے مجھے بڑوں کی طرح ڈانٹا......''ابو تو انہیں رشتہ دینے کو تیار ہو گئے تھے، آپ ہی نے منع کیا تھا۔''

''ہاں......میں نے ہی منع کیا تھا۔''

''کیوں بھلا......؟'' میں وجہ بتانے کا جواز

کھو چکی تھی۔

''بس......ایسے ہی......'' میں نے کہا۔

''بس...... ایسے ہی۔'' نائلہ نے قدرے ناگواری سے میرے الفاظ دُہرائے۔ پھر کہا۔ ''میں امی سے آج ہی بات کروں گی۔'' نائلہ نے امی سے اور امی نے ابو سے کی...... ابو نے امی کے ذریعہ مجھے حارث کے لیے پیغام دیا۔

''اس سے کہو میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔'' میں نے ابو کا پیغام حارث کو پہنچایا۔

''سر آنکھوں کے بل جاؤں گا میں......'' حارث بولے۔

''نہیں...... وہ نہ آئے...... میں خود ملنے کے لیے آؤں گا اس سے۔'' ابو کا پیغام آیا۔

ابو، حارث سے ملے، دونوں نے ایک دوسرے کو اپنی، اپنی مشکل سے آگاہ کیا۔ حارث نے اپنے گھر والوں کو اس معاملے میں شریک کرنے سے معذوری ظاہر کی۔ ابو کو خاندان والوں پر اپنا بھرم رکھتے ہوئے خاندان سے باہر بیٹی کی شادی کرنے کی ہمت کرنا تھی۔ طے پایا کہ حارث کے چند قریبی دوست ان سے رشتے داری کا سوانگ بھریں گے۔

حارث کی اور میری محبت بالآخر ایک خوشگوار انجام سے ہمکنار ہو کر ہمیں ایک دوسرے کی رفاقت میں منسلک کر گئی۔

مگر اس کہانی کا انجام یہ نہیں تھا۔

حارث سے میری شادی کے بعد ان کے گھر والوں سے دوبارہ ان کے تعلقات کی بحالی میرا فوری مشن تھا۔ میری خاطر ہی تو انہوں نے اپنے قریب ترین رشتوں سے محرومی کی اذیت مول لی تھی۔ مانا کہ سیماب سے ان کا رشتہ ٹوٹ چکا تھا مگر والدین اور بھائی سے تو ان کا رشتہ کبھی نہیں ٹوٹنے والا تھا۔ حارث سے شادی کے بعد ان اٹوٹ رشتوں سے ان کا دوبارہ جڑنا میرے نزدیک نہایت اہم تھا جسے اپنی کم فہمی کے باعث میں چند ہی دنوں کی بات سمجھ رہی تھی۔ پتا چلا کہ جس بات کو میں آسان سمجھ رہی تھی وہ اتنی آسان نہیں تھی۔

بند دروازے پر مسلسل سات سال تک میری دستک بھی حارث کے قریبی رشتوں کو نہیں بر ما سکی......

قدرت کے فیصلے بھی عجیب ہوتے ہیں، سیماب اور آصف کے ہاں اولاد نہیں ہوئی۔ مجھے اور حارث کو اللہ نے ایک بیٹی سے نوازا جس کا نام حارث نے منزہ رکھا۔

حارث کے گھر کا بند دروازہ میرے اور حارث کے لیے نہیں منزہ کے لیے نہایت کم عمری میں اس کے ایک مہلک مرض میں مبتلا ہونے پر اس بند دروازے کے باہر میری آہ وزاری سے کھلا۔ نہ جانے کیوں میرا دل کہتا تھا کہ مجھے سیماب کی آہ لگی تھی۔ دروازہ کھولنے والی بھی سیماب ہی تھی۔ میں نے موت سے لڑتی منزہ کو سیماب کے قدموں میں ڈال دیا اور ہاتھ جوڑ کر گڑگڑائی۔

''مجھے معاف کردو اور اس کے لیے دعا کرو......'' حارث کی امی نے منزہ کو سیماب کے قدموں سے اٹھا کر اپنی آغوش میں لے لیا۔

بند دروازہ بالآخر کھل گیا تھا...... منزہ کے لیے......اور میرے لیے بھی...... حارث کے لیے بند دروازہ کھلنے میں کچھ دیر ہوئی...... والد کے انتقال پر جب وہ طویل عرصے بعد اپنے گھر آئے تو ان کی والدہ ان کے سینے سے لگ کر بچوں کی طرح روتی رہیں۔

زخم کتنا ہی گہرا ہو بالآخر بھر ہی جاتا ہے۔

سیماب اور آصف خوشگوار ازدواجی زندگی گزار رہے ہیں مگر حارث جب بھی اپنے گھر جاتے ہیں میں اگر ان کے ہمراہ ہوں تو میری نظریں تمام وقت سیماب کی نگاہوں کے تعاقب میں رہتی ہیں، اپنے لیے حارث کی محبت پر مجھے کیسا ہی زعم، کتنی ہی اترا ہٹ سہی سیماب کے سامنے میں خود کو بونی محسوس کرنے لگتی ہوں، حارث کی بیاضِ دل پر نہ بھی بیاضِ زندگی کے صفحۂ اول پر تو آج بھی سیماب کا نام ہی لکھا ہے جسے حارث سے اس کا رشتہ ٹوٹنے کے بعد بھی میں نہیں مٹا سکتی اور یہ نارسائی مجھے ''دوسرے درجے کی شہری'' ہونے کے ایسے کرب ناک احساس سے دوچار کر دیتی ہے جس کا مداوا ممکن ہی نہیں۔



کڑوا گھونٹ

سیما بنت عاصم

گلی سے آج پھر چیخم پکار اٹھی تھی۔ اس بار شہناز، خالہ زبیدہ سے بھڑ گئی تھی۔ اور خالہ زبیدہ ٹھہریں ایک بدزبان، آفت کی پرکالہ...... وہ کون سی کم تھیں...... سوغضب کا معرکہ چھڑ گیا تھا۔ ہوا تو کچھ بھی نہیں تھا۔ دونوں کے گھر برابر، برابر تھے۔ گھڑی بھر پہلے ہی کی تو بات تھی، خالہ زبیدہ گلی میں کرسی ڈالے، اپنی باری پر پانی کے پائپ کا پہرہ دے رہی تھیں۔ پانی چل رہا تھا، خالہ زبیدہ گھڑی بھر کو کسی کام

سے اپنے گھر کے اندر گئیں تو شہناز باہر پھیری والے سے کسی چیز کا بھاؤ پوچھ رہی تھی۔ کچھ لینا ہو یا نہ ہو باہر نکل کر وہ دام ضرور پوچھتی تھی تا کہ پانی کے پائپ پر بھی نظر ڈال سکے۔ اور داؤ چلے تو ہاتھ دکھا جائے۔

اب بھی اس نے یہی کیا تھا۔ اِدھر خالہ زبیدہ نظر سے گم ہوئیں اور شہناز نے موقع غنیمت پا کر کھٹ سے ان کا پائپ کھینچ، اپنا لگا دیا تھا اور اب مصر تھی کہ ان کے تین گھنٹے پورے ہو گئے ہیں اب اس کی باری ہے، شہناز جیسے لوگوں کو یہ تو نظر آتا تھا کہ پائپ کتنے گھنٹے سے لگا ہے یہ نہیں دکھتا تھا کہ بجلی کتنی بار آئی گئی ہے۔ اب لاکھ سر پٹخو، شہناز نے کہاں پروں پر پانی پڑنے دینا تھا۔ اسے سمجھانا پتھر سے سر پھوڑنے کے برابر تھا۔ سامنے والا کتنی ہی تک کی بات کر لے، وہ اپنی ہی ہانکتی رہتی۔ خالہ زبیدہ کے تلوؤں سے لگی تو سر پر بجھی...... شہناز کے لیے وہ رکیک باتیں کہ سننے والے کانوں کو ہاتھ لگا جاتے۔

شہناز، چوہدری کے تین منزلہ گھر کی سب سے نچلی منزل کی کرایہ دار تھی۔ چوہدری جیسے لوگ گلی کے کرتا دھرتا یوں کہلاتے کہ چار پیسے رکھتے تھے۔ پانی کے معاملے میں سب کا ساجھا تھا۔ مگر کمی بیشی اسی کی جیب سے پوری ہوتی تھی۔ پانی کی موٹر چوہدری کے گھر میں ہی نصب تھی۔ اور گلی بھر کی مشترکہ بورنگ کا مرکزی پوائنٹ اور بجلی کا بورڈ بھی اسی کے گھر کی بیرونی دیوار پر تھا۔ اور کس کی مجال تھی جو اس کے پائپ کو ہٹا سکے۔ ایک بار اس کا پائپ لگ جاتا پھر گھنٹوں نہ ہٹتا۔ علاقے میں چوہدری کے کئی گھر تھے۔ جو کرائے پر چلتے تھے۔ اسی پائپ کے ذریعے دور، دور تک اس کے دیگر گھروں کو پانی جاتا تھا مگر یہ تب کی بات تھی جب پانی، بجلی کی رفتار سے دھنا دھن چلتا تھا۔

اب جب سے شہناز آئی تھی اور کچھ بجلی کی آنکھ مچولی بھی زیادہ تھی تو پانی کا مسئلہ شدت اختیار کر گیا تھا۔ یہ بھی شہناز ہی کی کارستانی تھی کہ وہ گلی کے لوگوں کے خلاف چوہدری کے کان بھرتی رہتی۔ کچھ عرصے سے چوہدری اپنے گھروں کا پانی بھرنے کا سارا چارج شہناز کے ہاتھوں میں دے کر خود غیر جانبداری اور خاموش پالیسی پر عمل پیرا تھا۔ اب پانی کے معاملے پر گلی والے اِک دوسرے کے سر پھوڑیں یا کچھ کریں وہ سب اس کی بلا سے......

چوہدری کی اسی روش سے شہناز گلی بھر کی چوہدرانی بنی سب پر حکم چلاتی، دھاندلیاں مچاتی پھرتی۔ اور زیادہ سے زیادہ اپنا پانی بھرنے کے لیے سب سے اڑتی پھرتی۔ خیر، اس میں تو کوئی شک ہی نہیں تھا...... دنیا اگر کہتی تو درست ہی کہتی تھی کہ شہناز چوہدری کی منہ چڑھی تھی ورنہ کرایہ دار اتنا سر چڑھ کر کہاں بولتا ہے۔ چوہدری کی بیوی گھر کی درمیانی منزل سے کبھی کبھار جھانک ضرور لیتی مگر بولتی وہ کچھ نہیں تھی۔

آج شہناز اور خالہ زبیدہ کے درمیان پھر معرکہ ہوا تھا۔ آخری بار فیصلہ یہی ہوا تھا کہ پانی کے معاملے میں فریقین کے درمیان اگر فساد ہوا تو پانی کی حصے داری سے دونوں کا بائیکاٹ...... مگر یہاں تو معاملہ چوہدری کے اپنے گھر کا تھا۔ نہ بھی ہوتا تو فیصلے ہوتے ہی رہتے تھے۔ فیصلوں پر عمل کون کرتا تھا۔ نہ، نہ کرتے بھی کوئی نہ کوئی شہناز کو منہ پر کھری، کھری سنا ہی دیتا تھا۔

اب بھی خالہ زبیدہ اور شہناز کی تو، تو، میں، میں نے زور پکڑا تو جہاں گلی کی دیگر عورتوں نے چٹخارے لیے وہاں نکڑ کی دکان سے باہر نکل کر اسلم نے بھی جھانکا۔ اِدھر آپا بی کی اکلوتی لختِ جگر زرقا بھی سن گن لینے گلی میں کھلتی کھڑکی سے آ لگی۔ آپا جی نماز کو جا رہی تھیں۔ اگر نیت باندھ لیتیں تو زرقا نے پھر کھڑکی میں ہی کھڑے رہنا تھا۔ آپا بی کو بیٹی کی لشکارے مارتی خوب صورتی سے بڑھ کر اس کی کم سنی سہاتی تھی۔ جہاں وہ نظروں سے سرکتی۔ آپا بی کا دل وہیں پڑ جاتا۔ زرقا کی کھی کھی کو آپا بی کی گھوری پر بریکیں لگی تھیں۔ وہ کھڑکی سے ہٹ گئی۔

مگر خالہ زبیدہ کا پائپ پھر بھی نہ لگ سکا تھا۔ شہناز سے کوئی جیت سکتا تھا بھلا......

شہناز کی اسی روش کے سبب چوہدری ہاتھ جھاڑ کر ایک کنارے ہوگیا تھا۔ اس کے گھر کی تینوں منزلوں کو بیٹھے بٹھائے پانی مل رہا تھا۔ اسے اور کیا درکار تھا......

''یہ سارا محلہ ہی بیچ اور بے غیرتوں کا ہے۔''

چوہدری نے علاقے والوں پر ٹوپی رکھ کر علاقے کے ہر کام سے ہاتھ اٹھالیا تھا۔ مگر یہ بھول گیا تھا کہ وہ خود بھی تو اسی محلے کا مکین ہے۔ گو کہ اندرونی معاملہ کچھ اور ہی تھا۔ اصل میں اس علاقے کے لوگ تھے بھی اڑیل...... گانٹھ کے پورے...... گلی کے کسی بھی کام کے لیے چندہ ہوتا، اکثر ٹال جاتے کہ کام کروالو پھر دے دیں گے۔ بعد ازاں ان کے آگے پیچھے پھرو...... تو آنکھیں پھیر لیتے کہ ہم نے کب کہا تھا کہ ہمارا گٹر صاف کرواؤ یا تار لگواؤ ہم خود لگوالیتے اور یہ تو اندھے کو بھی نظر آتا تھا۔ کہنے والی بات ہی نہیں تھی کہ کھمبے لگے تار کی، گٹر صاف ہوا یا پانی کی موٹر کی مرمت...... کام ہوا تو سب کا ہی ہوجائے گا۔ کوئی پیسے دے نہ دے۔ مارا وہ جاتا جو کھڑے ہو کر کام کرواتا۔ جیب اس کی ڈھیلی پڑتی۔ جبھی چوہدری جیسے لوگ یونہی اکڑتے پھرتے ہیں۔

غرضیکہ پانی کے معاملے میں یہ جھگڑے، فساد اور تماشے آئے روز چلتے تھے کوئی دن نہ جاتا کہ گلی میں چیخ پکار و تکرار نہ ہو۔

ہائے، ہائے کیا وقت تھا جب بورنگ کے تیز چلتے پانی سے گھنٹے آدھے گھنٹے میں ٹنکیاں بھر جاتی تھیں۔ جس کا جب اور جتنا دل چاہتا، پانی بھر لیتا تھا۔ دس گھروں کی یہ مشترکہ...... بورنگ آج سے نہیں بلکہ کئی سالوں سے تھی۔ جس سے سب ہی فائدہ اٹھاتے تھے۔ پانی بجلی کی رفتار سے چڑھتا تھا۔

مگر اب کنویں کا پانی زمین میں منوں نیچے اتر گیا تھا۔ موٹر اپنی ساری طاقت لگاتی تب پانی گھڑی بھر کو آتا پھر ہچکی لے کر واپس لوٹ جاتا۔ پھر پندرہ منٹ بعد گھڑی بھر کو لوٹتا، زیادہ ہوا تو دو چار منٹ چلتا اور پھر گم...... پانی کی موٹر سارا، سارا دن چلتی اور بالشت بھر پانی ٹنکیوں میں چڑھتا...... پانی کی اسی سست رفتاری کے سبب موٹر کے ساتھ ٹائمر ایڈجسٹ کردیا گیا تھا تاکہ جن لمحات میں پانی گم ہو موٹر سانس لے سکے۔

لائنوں کے میٹھے پانی کا تو سدا سے رونا تھا۔ آیا' آیا، نہ آیا نہ آیا...... پانی کے بلوں کو کون پوچھتا تھا۔ لوگ توڑ مروڑ کر پھینک دیتے تھے۔ سنا تھا بورنگ کے کھارے پانی کی بھی قلت دیکھ کر میٹھے پانی کی لائنیں بھی پلیٹیں اتار کے بلاک کردی گئی تھیں تاکہ لوگ ترسیں تو بلوں کی ادائیگی ہو۔ جتنے منہ، اتنی باتیں۔ میٹھے پانی کے لیے مظاہرے ہو رہے تھے۔ لوگ گاڑیاں بھر، بھر کے متعلقہ محکموں میں جاتے مگر سنتا کون بس وعدے، آسرے۔

بورنگ کے کھارے پانی کے بہت سے نقصانات ہیں۔ بال خراب ہوتے ہیں، کائیاں جمتی ہیں تو لائنیں بند ہوجاتی ہیں۔ کپڑوں کا میل نہیں کٹتا، کھانا ڈھنگ سے نہیں پکتا۔ بالٹیاں، ٹب ڈونگے بدرنگے...... مگر مجبوری سی مجبوری تھی۔ لائن کا میٹھا پانی کب آیا، کب گیا...... کیا پتا چلتا تھا۔ لوگ میٹھا پانی دور، دور سے ڈھو کر لاتے، خرید کر پیتے یا پھر اسی کھارے پر گزارہ تھا۔ لائٹ جاتی تو چلتی موٹروں کا سلسلہ رکتا...... پانی لائنوں میں جمع ہوتا تب کچھ اسکوٹر اور کچھ سائیکل کے پہیوں سے موٹر چلا کر تھوڑا بہت پانی پینے، کھانا پکانے یا زیادہ سے زیادہ نہانے کے لیے جمع کرلیتے۔ پرچون فروش اسلم جیسے کھاتے پیتے لوگ جنریٹر چلا کر لائن کا سارا پانی کھینچ لیتے بقیہ منہ تاکتے رہ جاتے۔ سارا پیسے کا کھیل تھا۔ جنریٹر کوئی سستا پڑتا ہے۔ کئی بار میٹھے پانی کی نئی لائنیں دی گئیں۔ اسلم اور چوہدری جیسے لوگوں نے کئی، کئی ہزار بھرے مگر...... وہی رفتار بے ڈھنگی......

اولاً جب پانی کی تنگی پڑی، محلے کے لوگ پانی کے لیے باری، باری اسلم کے دروازے تک بھی گئے مگر اس نے

سہولت سے انکار کر دیا۔

''میں ایک کو دوں گا تو مجھے سب کو دینا پڑے گا۔ سب ہی میرے محلے دار ہیں، میرے دروازے پر شور مچ جائے گا، تماشے ہوں گے۔''

وہ محلے کے لوگوں سے میل جول کم ہی رکھتا تھا۔ انہیں خود سے کم تر سمجھتا۔ وہ پیسے والا آدمی تھا۔ اس نے اپنی ذاتی بورنگ کروائی ہوئی تھی۔ پانی کم پڑتا تو ٹینکر ڈلوالیتا۔ پینے کے لیے منرل واٹر کی بڑی، بڑی بوتلیں اس کے گھر آتی تھیں۔ علاقے بھر میں سب سے اونچا اور وسیع گھر اسی کا تھا۔ کونے کا مکان تھا، تین منزلہ مکان کی دو منزلوں میں کرایہ دار بستے تھے۔ تیسری منزل پر وہ خود رہائش پزیر تھا۔ اسی مکان میں گلی سے باہر روڈ کی طرف اس کی دکانیں کھلتی تھیں۔ ایک پرچون کی دکان وہ خود چلاتا تھا۔ گھر میں بیوی، بیٹیوں کو پردے میں رکھتا مگر اس کے گھر کی عورتوں کو کن سوئیاں لینے کی عادت تھی۔ کھڑکی دروازوں کی ریخوں سے یہاں وہاں تاکتی رہتیں۔ محلے بھر کی خبر رکھتیں۔ اسلم کھانا کھانے گھر آتا تو ساری رپورٹیں اس کی بیوی اس کے کانوں میں اتار دیتی۔

☆☆☆

بہر حال بورنگ کے پانی کی اسی قلت کے سبب باریاں لگ گئیں۔ ہر گھر کے لیے تین گھنٹے وقف تھے۔ دس گھروں میں سے ایک روز ایک لائن کے پانچ گھر پانی بھریں گے۔ اگلے روز سامنے والی لائن کی باری ہوگی۔ صبح پانچ بجے سے اگلی صبح پانچ بجے تک ایک لائن کی باری چلتی۔ پھر دوسری لائن کا نمبر آجاتا۔

پھر بات گھوم پھر کر وہیں آجاتی ہے کہ اصولوں پر چلتا کون تھا۔ لوگ پانی زیادہ سے زیادہ بھرنے کے لیے جھوٹ بولتے یا مکر جاتے۔ دھاندلیاں کرتے، سر پھوڑتے...... پانی چیز ہی ایسی ہے جو گلی میں اپنا پائپ لگاتا، پہرے داری لازمی تھی۔ جب تک اگلا چڑھائی نہ کرتا پچھلا اپنا پائپ ہٹانے پر راضی نہ ہوتا۔ ہر کوئی یہ چاہتا کہ اس کا پائپ نہ ہٹے۔ مانو ساجھے کی ہنڈیا چوراہے پر ہی پھوٹتی ہے۔

''ابے! تیرا پائپ ابھی تک لگا ہے؟''

''وقت پورا ہوگا تو نکلے گا ناں!''

''ابے او چڑی مار کی اولاد...... میں تو خود تین گھنٹے سے گلی میں بیٹھا اپنی باری کا انتظار کر رہا ہوں۔''

''میری ٹنکی بھرے گی تو پائپ ہٹے گا ناں......''

''ابے ٹنکی تو چار دن میں نہیں بھرے گی۔''

''بس تو پھر پائپ بھی چار دن نہیں ہٹے گا۔''

وغیرہ، وغیرہ......

سنا ہے کہ آخری جنگِ عظیم پانی پر ہی ہوگی۔ پانی پر فساد قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ اور اب قیامت سے کم بھی کیا تھا۔ لوگ ایک دوسرے کے سر پھوڑ رہے تھے، مار رہے تھے اور پٹ رہے تھے۔ مانو آج کے دور میں خون سستا اور پانی مہنگا ہو گیا۔ کوئی دن نہ جاتا کہ گلی میں باری کے لیے لڑائی نہیں ہوتی۔

گلی کی عورتیں چوہدری کی وجہ سے شہناز سے خار کھاتی تھیں۔ سو اس پر وار کرنے سے بھی نہ چوکتیں۔ رہا چوہدری تو لوگ اس کے بارے میں بھی طرح، طرح کی باتیں کرتے، کوئی کہتا اس نے چھپ چھپا کے دوسری شادی کر رکھی ہے، کوئی کہتا اس کی کئی بیویاں اور بچے ہیں، یہ دنیا ہے اور دنیا کب کسی کو بخشتی ہے۔ دنیا کے لیے تو کوئی سونے کا بھی بن جائے تو بھی اسے برا کہنے کو کوئی کھڑا ہو ہی جائے گا۔

☆☆☆

چوہدری کے بعد قاسو تھا، جس کا پائپ ہٹانے کی جرأت کسی میں نہ تھی۔ چوہدری کے دائیں ہاتھ پر آپا بی تھیں۔ بائیں ہاتھ پر خالہ زبیدہ' اس کے بعد قاسو کا نمبر لگتا تھا۔ کبھی وہ جان بوجھ کر اپنی باری چھوڑ دیتا کہ پانی رات میں بھرے گا اور کبھی اپنی باری شہناز کو دے دیتا۔ شہناز کئی، کئی گھنٹے پانی بھرتی مگر بعد میں قاسو خود بھی دھڑلے سے پانی بھرتا۔ وقت تمام ہو جاتا، آخر والے مارے جاتے اگر کوئی اس آخر والے کے لیے بول پڑتا تو وہ اور اینٹھ جاتا۔

”آخر والوں کا میں نے ٹھیکا تھوڑی لے رکھا ہے۔“ گلی کے عزت دار لوگ اس کے منہ لگنے سے بچتے۔ وہ چھوٹتے ساتھ گالی بکنا یا یا تھ چھوڑتا تھا اگرچہ اوقات دو ٹکے کی نہ تھی۔ بجلی کے کھمبے سے تار گرتا۔ گلی کے گٹر صاف کروانے ہوتے یا گلی کی صفائی کوڑا کرکٹ اٹھوایا جاتا...... وہ چندے کے معاملے پر ٹال جاتا۔

”کام کروالو، میں بعد میں دے دوں گا۔“

اور کام نکل جانے کے بعد دیتی تھی اس کی جوتی۔

اصل بات یہ تھی کہ وہ نکما تھا۔ اور اس کا کیا، کیا جائے کہ نکما انسان بے غیرت بھی ہوتا ہے سو وہ بھی تھا۔

پانی کے معاملے میں شہناز سے اس کی غضب کی گٹھ جوڑ چلتی تھی۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ چوہدری کی چشم پوشی اور قاسو کی کمک نے شہناز کو سر چڑھایا تھا۔ گویا آگ لینے آئی اور گھر والی بن بیٹھی۔ پانی کے معاملے میں سیاہ سفید کی مالک تھی۔ کوئی کچھ کہتا۔ وہ منہ کو آجاتی۔ الٹ پڑتی اور اپنی ہی چلاتی، کبھی گھر، گھر گھس کر آگ لگاتی پھرتی۔ ”فلاں کا پائپ پورے چار گھنٹے لگا ہے، اب تم بھی چار گھنٹے ہی لگانا۔“

آخری باری اگر قاسو کی طرف پڑتی، شہناز بلبلاتی ہی رہتی۔

”ہائے ہائے بجلی کتنی بار گئی، آئی بیچارے قاسو کا پانی گھنٹا بھر بھی نہ چلا۔“

اب اس نامراد سے کوئی یہ پوچھے کہ تیرے کلیجے میں قاسو کا کیا درد...... تو اپنے کام سے کام رکھ...... مگر نہ جی کس میں جرأت تھی کہ اسے ایک لفظ بھی کہتا۔

شہناز کے رنگ ڈھنگ اور کرم کرتوت تو یہی بتاتے تھے کہ چوہدری کسی دن اپنی گھر والی کو باہر کر کے شہناز کو اپنے تین منزلہ گھر کی رانی بنا دے گا۔ لوگ کہتے چوہدری نے کرایے کے عوض شہناز کو پانی بھرنے کا ٹھیکا پکڑا رکھا ہے خیر، اب کہنے والوں کی زبان کون پکڑ سکا ہے۔ کہنے والے تو یہ بھی کہتے کہ چوہدری کے گھر کی اوپری منزل کا ایک دروازہ نیچے بھی کھلتا ہے۔

چوہدری چاروں طرف سے میدان صاف پا کر نیچے اتر جاتا ہے مگر یہ ساری پیٹھ پیچھے کی باتیں تھیں...... چوہدری کے منہ پر کس کی مجال تھی کہ منہ کھولتا؟ اسلم کی بیوی یہ ساری باتیں اسلم کے کانوں میں اتارتی جیسے اسلم تو جانتا ہی نہ ہو۔

☆☆☆

پانی کے معاملے میں ساجھا آپا بی کا بھی تھا۔ اور آپا پر چودھری کا اصل روپ خوب روشن تھا۔ بھاری بھرکم جسم پر کھڑکھڑاتا کلف دار شلوار قمیص۔ اس پر واسکٹ، گورے چٹے چہرے پر فرنچ کٹ داڑھی کہنے کو پانچ وقت ٹوپی لگا کر مسجد سدھارتا تھا مگر نفس کے معاملے میں شیطان تھا اور یہ بات آپا بی خوب جانتی تھیں۔

آپا بی جگت آپا بی تھیں۔

اِک وقت تھا جب اُن کے آنگن میں بھی خوشیاں کھیلتی تھیں۔ مگر قسمت میں شادی میں تاخیر اور بیوگی میں عجلت درج تھی۔ مانو سکھ تو انہیں بس چھو کر گزرا تھا۔ اس کے بعد چٹیل صحراؤں جیسی بے آب و گیاہ زندگی۔

وہ لاکھوں میں ایک تھیں۔ شوہر بہشتی انہیں ہاتھ کا چھالا بنائے رکھتے تھے۔ مگر قسمت میں پہلی اولاد کا منہ تک دیکھنا درج نہیں تھا۔ پیشے کے لحاظ سے پلمبر تھے۔ اچھے بھلے روٹی کھانے گھر کو آئے تھے، آپا بی نے روٹی پکانے تک کے وقفے میں بجلی کا بل جمع کرنے کو پکڑا دیا۔ یہ چار ہاتھ پرے چھ گلیاں چھوڑ کر اس پار تو بینک پڑتا تھا۔ وہ بھلے چنگے سائیکل چلاتے بل جمع کرنے سدھارے تھے۔ مگر لوٹے تو لہولہان تھے۔

کسی ٹرک نے انہیں کچل کر رکھ دیا تھا۔ گھڑی بھر میں آپا بی کی دنیا اندھیر ہو گئی تھی۔ تنہائی... یہاں سے وہاں تک گھپ اندھیرا۔ آپا بی امید سے تھیں۔ بیچارے سرکاری ملازم تو تھے نہیں کہ کچھ ملتا۔ اِک ٹوٹی پھوٹی مکان کی چھت تھی۔ فلموں کے رسیا تھے۔ اس لیے نام پہلے ہی تجویز کر رکھا تھا۔ بیٹی ہوئی تو زرقا اور بیٹا ہوا تو سلطان۔

آپا بی کی اِک بوڑھی تائی تھیں۔ جو بچے کی پیدائش تک ان کے گھر آ ٹھہری تھیں۔ آپا بی اپنے میکے

میں سب سے بڑی تھیں۔ سو سب کی آپا بی تھیں۔ بوڑھی تائی نے ان کے گھر ڈیرا ڈالا تو ان کے منہ پر بھی یہی نام چڑھا ہوا تھا۔ سو وہ جگت آپا بی بن گئیں۔ اس وقت یہ محلہ ہی تھا۔ جس نے بڑھ کر انہیں سہارا دیا تھا۔ ورنہ ان کا اپنا تھا ہی کون؟ جو نام نہاد رشتے دار عدت پر سفید دوپٹا سر پر ڈال کر گئے تھے، انہوں نے مڑ کر دیکھا تک نہیں تھا۔ خالہ زبیدہ رات بے رات وقت پڑنے کے اندیشے سے ان کے گھر سوتی تھیں۔ پڑوس کی رضیہ کے میاں مرحوم آڑے وقت کے لیے اپنا رکشا تیار رکھتے۔ وہ موبائل فون کا دور تو تھا نہیں کہ یہاں سے وہاں تک کھٹا کھٹ رابطے کیے اور لیجیے جناب، یہاں کی خبریں وہاں، وہاں کے بندے یہاں۔

زرقا کی پیدائش پر خوشی کم سوگ زیادہ منایا گیا تھا۔ لوگ ہمدردی کی آڑ میں اُن کے زخم چھیڑ جاتے......

''لڑکا ہوتا تو کچھ سہارا ہی بنتا۔'' بہتوں نے اگلی شادی کے لیے زور ڈالا...... کئی ایک نے اِدھر اُدھر کے رشتے پکڑ کر دکھائے مگر آپا بی نے اپنی بیوگی کی سفید چادر پر چھینٹ آنے دی، نہ اپنے لیے کوئی سہارا تلاشا...... اللہ کا سہارا بڑا سہارا ہے۔ زرقا نہ ہوتی تو سوچتی بھی بھلی لگتیں۔ قسمت سے باپ کا سایہ چھن گیا۔ وہ ماں سے بھی محروم کر دیتیں۔ ان کے نزدیک یہ ساجھے داری کا معاملہ تھا۔ اللہ بچائے، ساجھے داری کے عذاب سے...... لوگ سمجھاتے، آگے زندگی پڑی ہے مگر وہ سوچتیں، بھلا کسی کو کیا پتا...... آگے کتنی زندگی پڑی ہے۔

اور وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ ایک در بند کرتا ہے تو ستر در کھولتا ہے۔ ایسا ہی آپا بی کے ساتھ ہوا تھا۔ زرقا کے ابا مرحوم کے بعد کون تھا جو اُن کی خبر گیری کرتا...... اماں تو ان کے بچپن میں ہی چل بسی تھیں۔ رشتے دار اول تو تھے نہیں...... جو تھے، وہ منہ پھیر گئے تھے۔ میکے میں بھاوجوں کا راج تھا۔ صد شکر کہ گھر کی چھت اپنی تھی ورنہ اپنوں کی اس بے مہری کے سبب در، در کی ٹھوکریں کھاتی پھرتیں۔ ان ہی دنوں ان کے ابا بہشتی کا مکان بکا اور بٹوارا ہوا جو حق آپا بی کا بنتا تھا ان کو بھی مل گیا۔ مانو ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ انہوں نے پہلی فرصت میں کچھ پیسہ لگا کر مکان کے دو حصے کیے تھے اور آدھا حصہ کرائے پر اٹھا دیا۔ دو وقت کی روٹی کا آسرا بنا۔ کچھ وہ سلائی کڑھائی کا کام پکڑ لیتیں، آنگن بھر بچے سپارہ پڑھنے آنے لگے۔ کچھ بچیاں سلائی کڑھائی سیکھنے آتیں تو گھر کے کام کاج کر جاتیں۔ کسی کی شادی ہوئی تو جوڑا مل گیا...... کہیں سے نیاز فاتحہ کا آیا تو کچھ ڈھنگ کا کھانے کو مل گیا۔

آپا بی رزق کو دروازے سے نہ لوٹاتی تھیں۔ بھیجنے والے کی نیت کچھ بھی ہو۔ ایک بلی پال لی ایک طوطا لے کر اسے بولنا سکھا دیا۔ لو جی، مٹ گئی تنہائی!

آپا بی چھوٹے بچوں کے ہڈی جوڑ بٹھانا خوب جانتی تھیں۔ کسی کے چک آ جاتی تو پیر لگا دیتیں۔ غرض کسی نہ کسی بہانے آنا جانا لگا ہی رہتا تھا۔ آپا بی ہر کسی کے دکھ درد میں شریک رہتیں، سب سے اخلاق سے پیش آتیں مگر غیبت کوئی، چغل خوری کو ناپسند کرتیں۔ کسی کا عیب معلوم بھی پڑ جاتا تو ڈھک لیتیں، سنجیدگی متانت، سوبر ین گویا وقت سے پہلے خود پر بڑھاپا لا دلیا تھا طور طریقہ، سلیقہ، جمع جوڑ ان پر ختم تھا۔ تھوڑے کو بہت جانتیں...... ان کی زندگی غربت مگر خودداری میں گزری تھی۔ وہ آپا بی تھیں اور آپا بی ہی رہیں۔

ابھی کل کی سی بات لگتی ہے، جب وہ اسی محلے میں بیاہ کر آئی تھیں۔ کبھی جو کوئی بھولے بھٹکے، انہیں بھابی کہہ ہی دیتا، انہیں بڑا اچھا لگتا تھا۔ زرقا نے زبان اٹھائی تو پہلی بار انہیں، ماں کہا۔ انہیں یہ لفظ بڑا اچھوتا۔ اور اپنا سا لگا تھا۔ مانو اندر تک سیراب ہوتی چلی گئیں۔ ان کے دل میں یہ نام اترتا چلا گیا تھا۔ پھر انہوں نے دھموکے جڑ، جڑ کے اس سے اماں ہی کہلوایا تھا۔

آس پاس کے لوگوں میں اپنا پن (یا خدا ترسی) گھر کرائے پر اٹھایا تو دوسراہٹ بھی نصیب ہوئی ان کی زندگی کی گاڑی گھسٹ گھسٹ کر سہی چلنے لگی چار پیسے بھی آ جاتے...... آپا بی کا گھر ''برکتی گھر'' کہلاتا تھا جانے کیا

کمال تھا...... جو کرایے پر آتا کچھ ہی عرصے میں کسی نہ کسی طرح اپنے گھر کا مالک بن کر نکلتا۔ لہٰذا کوئی کرایہ دار زیادہ عرصے نہ ٹکا مگر آپا بی کا حسنِ اخلاق ایسا تھا کہ اب بھی بیشتر کرایہ دار، رشتے داروں سے بڑھ کر ملتے، آپا بی کے ساتھ گزرا وقت یاد کرتے تو آہیں بھرتے۔

زرقا کے جوان ہوتے ہی آپا بی کو چار کیا آٹھ آنکھیں لگ گئیں۔ ایک وہ وقت تھا جب زرقا نے ان کے آنگن میں آنکھ کھولی تھی اور اب یہ وقت نظر کے سامنے تھا کہ وہ پورے قد سے ان کے سامنے کھڑی تھی۔ اگرچہ اٹھارہ سال گزر چکے تھے مگر لگتا تھا کہ کل کی سی بات ہو......

آپا کی دنیا جیسے اس میں سمٹ آئی تھی مگر اس کی عقل! الاماں، ہر وقت الٹی سیدھی فرمائشیں کر، کر کے ان کی جان ضیق کیے رکھتی۔ آپا بی جس کام سے منع کرتیں، وہی کرتی، گھر کے کام کے نام سے سوتی بن جاتی۔ اچھے بھلے کپڑوں میں چرکے لگا آتی۔ پیر مروڑ، مروڑ کے چپلیں توڑ لاتی اور پھر ان کی جان کھاتی۔ آپا بی غصہ کرتیں تو اول جلول کپڑے پہن کر پھرتی۔ انہیں مانتے ہی بن پڑتی۔ آپا بی کی جان زرقا میں اٹکی رہتی تھی مگر اِدھر ان کی نگاہ چوکی وہ اِدھر اُدھر جھانکیاں مارتی پھرتی یا گلی میں کھلتی کھڑکی سے جا لگتی۔ آپا بی نے اسی لیے کھڑکی میں میخیں ٹھکوا دی تھیں مگر...... ہائے ری مجبوری......!

وہ قلانچیں بھرتی چھت پر جا پہنچتی...... گلی میں جا نکلتی......اور پھر کوئی نہ کوئی کارنامہ ہی سامنے آتا۔

''اماں! آج خالہ زبیدہ آپ سے لڑنے آئیں گی۔''

''ہائیں، کیوں بھلا ...... وہ مجھ سے لڑنے آئیں گی؟''

''میں نے ان کے پوتے کو چھانپڑ مار دیا۔''

''کم بخت، کیوں مارا تو نے...... اب اگر وہ آئیں گی تو میں تجھے سامنے کر دوں گی۔''

''وہ گلی میں بیٹھا مٹی کھا رہا تھا، مجھے غصہ آیا، میں نے مار دیا۔'' اور وہی ہوا، خالہ زبیدہ ان سے لڑنے آن پہنچیں۔ وہ بیچاری معذرت، صفائیاں ہی دیتی رہ گئیں۔ ان ہی کے سامنے زرقا کی کمر پر کس، کس کر دھموکے جڑے مگر اس کی ڈھی، ڈھی، ڈھی ہی بند نہ ہوتی تھی۔

اس کی ایسی ہی حماقتوں پر آپا بی دن میں کئی، کئی بار اپنے سر کو پیٹتیں۔ جانے وہ کب بڑی ہوگی۔ آپا بی نے اس سے سر پھوڑ لیا کہ وہ کچھ گھر داری، سلائی، بنائی ہی سیکھ لے اب ان کی سلائی بنائی کا کام تو خاک ہوا کہ آنکھوں سے کم دکھتا تھا۔ مگر نہ جی...... ان تلوں میں تیل ہی نہیں تھا۔ اسے تو بس بے پروائیاں، اٹکھیلیاں آتی تھیں...... یا الٹی سیدھی باتوں سے ان کے کان کھاتی۔

ان کے گھر میں اب تک ان کے جہیز کا سامان چل رہا تھا۔ گھر کی ہر چیز اپنے منہ سے تاریخ پیدائش بتاتی تھی۔ کبھی جو بھولے بھٹکے کوئی چیز آ ہی جاتی، برسوں چلتی۔ اماں ہر چیز سینت سنبھال کے رکھتیں اور برتتیں...... سڑی گرمی میں بھی دودھ، سالن بار، بار گرم کر کے بچا لیتیں۔ وہ عیاشی کے خلاف تھیں۔ اے سی، ٹی وی، کیبل ضرورت نہیں یہ سب عیاشی ہے جو انسان کو ناکارہ کر دیتی ہے۔ اماں کہتیں ان کے ابا بہشتی کہتے تھے کہ دورِ جدید کی سہولیات نے انسان کو ناکارہ کر دیا ہے ورنہ اس سے پہلے بھی آخر لوگ زندگی گزارتے ہی تھے۔ وہ دیکھتی کہ ان ہی کے پڑوسی اسلم اور چوہدری جیسے لوگوں کی زندگی میں سکھ ہی سکھ تھے۔ یہ سارے دلدر، آزار پیسے کی کمی کی بدولت تھے۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ کہیں سے بہت سارے پیسے آ جائیں۔ یہ سارے دلدر، آزار دور ہوں۔ وہ اسلم کی بیوی کی طرح ٹیکسی میں آئے جائے، ٹھنڈے ٹھار کمروں میں سوئے، جب چاہے ناشتے میں حلوا پوری منگوا کر کھا سکے۔ پیر پسار کے ٹی وی کیبل دیکھے...... اسے ٹی وی کا بڑا چاؤ تھا۔ یہ اور بات کہ اس کے بگڑنے کے خدشے سے آپا بی کوئی چاؤ پورا نہ ہونے دیتی تھیں۔ کہیں سے کچھ آ جاتا تو ڈھنگ کا کھانے کو مل جاتا تھا۔ ورنہ دن گن، گن کر گزارو، چاکلیٹ کھاتے ہوئے کتنے دن ہو گئے تھے۔ مہنگی بھی تو اتنی ہو گئی تھی۔ چھوٹی، چھوٹی خواہشوں کے

لیے اٹھارہ تاریخ کا انتظار... کبھی کبھی وہ سوچتی کاش وہ اماں کا بیٹا ہوتی۔ تو کما، کما کے اماں کے قدموں میں ڈھیر لگا دیتی۔ محلے بھر میں اماں کی اسلم اور چودھری کی طرح دھاک ہوتی۔ وہ بھی گلی میں کھڑی ہو کر تن کر بات کر سکتیں۔ پھر وہ اس خیال پر بھی توبہ تلہ کرتی..... ممکن ہے وہ بیٹا ہوتی تو دوسرے بیٹوں جیسی ہوتی۔ سنا تھا، سامنے والی اختری کے بیٹے نے ماں کو گھر سے نکال دیا اور پڑوس کی رضیہ خالہ بھی تو ہر وقت بہو، بیٹوں کو روتی ہی نظر آتی تھیں۔

''کیا سارے بیٹے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ بالکل بے حس، بیویوں کے مطیع.....؟ مگر کما کے دینے کے لیے بیٹا ہونا ضروری تو نہیں..... بیٹیاں بھی تو گھروں کو چلاتی ہیں، چار حروف پڑھ جائیں تو ٹیچر، ڈاکٹر، انجینئر بینکر یا وکیل بن جاتی ہیں۔'' مگر اماں نے اسے زیادہ پڑھنے بھی تو نہیں دیا تھا۔ آٹھویں سے ہی اٹھا لیا۔ اس کے خیال میں وہ کچھ پڑھ جاتی تو بینک کی افسر لگ جاتی۔ ان کے گھر پیسے کی ریل پیل ہوتی اور ساری سہولیات، شاید گلی میں سب سے اونچا گھر اسی کا ہوتا..... وہ تمام علاقے کے لوگوں کے لیے فی سبیل اللہ بورنگ کھدوا دیتی..... یا کم از کم اپنے لیے اِک جنریٹر تو خرید ہی لیتی۔ ہاں، گھر سے باہر ایک نل ضرور لگوا دیتی یا پھر برما..... جس کا جب اور جتنا دل چاہے پانی بھر لے اور شہناز پر کیسا جوتا پڑتا جو سمجھتی ہے چودھری کی ساری دولت کی وہ مالک ہے۔ مگر اسے پھر اماں پر ترس آتا۔ پانی کی تنگی کے سبب جن کی زندگی اجیرن تھی۔ دس پانچ ہزار کی بات ہوتی تو کاہے کو تیرے میرے کا منہ تکتیں۔ یہاں وہاں منتیں، خوشامدیں کرتی پھرتیں۔

''پانی زندگی کے لیے اتنا ضروری کیوں ہے اماں؟'' کبھی، کبھی وہ معصومیت سے پوچھ بیٹھتی۔

''پانی اللہ کی دین، قدرت کا عطیہ ہے..... حتیٰ کہ وسیلۂ بخشش ونجات یونہی تو نہیں لوگ مرحومین کے نام پر کنویں کھدواتے اور سبیلیں بنواتے ہیں۔''

''مگر یہاں تو لوگ چار پیسے خرچ کر کے پانی کے ٹھیکے دار ہی بن گئے ہیں۔''

''پانی کا کوئی مالک نہیں..... اگر کوئی اس کا مالک بنتا ہے تو ذرا پانی کی روانی بحال کر کے تو دکھائے۔''

مگر اماں کا گاڑھا فلسفہ اسے کبھی سمجھ نہیں آتا تھا۔ اسے لگتا کہ اماں نے اپنی غلطیوں سے اِک مشکل زندگی گزاری ہے۔ وہ ایسی گئی گزری بھی نہ تھیں کہ ابا کے بعد انہیں دوسرا بر نہ جڑتا۔ اس کے لیے ہی سوچ لیتیں۔ لاکھوں میں ایک تھیں۔ چاہتیں تو ایک اچھی زندگی گزار سکتی تھیں۔

☆☆☆

پانی کی زیادہ تنگی پڑی..... پہلے پہل تو لوگ بوریا بستر باندھ کے یہاں وہاں رہنے چل دیے۔ آپا بی کا آگے پیچھے کون تھا جس کے گھر وہ رہنے جا پڑتیں۔ اسکول کی چھٹیوں تک تو یہ بھی چلا..... مگر یہ ایک دو روز کی بات نہیں تھی..... پانی کی قلت کو خیر سے دو ماہ ہونے کو آئے تھے۔ جن کے گھر جوان سپوت تھے، یہاں وہاں سے پانی ڈھولاتے۔ آپا بی کا مرا جیتا کون تھا۔ اکثر وہ تیمم سے نماز پڑھتیں۔ زرقا مہینہ، پندرہ دن میں کپڑوں کا ڈھیر لے کر اِک سہیلی کے گھر جاتی تو نہا بھی لیتی۔ آپا بی اس کے ساتھ، ساتھ لگی رہتیں۔ انہیں بیٹی کی اٹھتی جوانی سہاتی تھی۔ جگہ، جگہ اسے بچاتی پھرتیں۔ کہا جاتا ہے کہ زمانہ خراب ہے، ان کے نزدیک یہ منطق ہی سرے سے غلط تھی۔ نفس کے معاملے میں تو زمانہ کبھی اچھا نہیں رہا۔ انہوں نے زمانے کے سرد و گرم سہتے اِک عمر گزاری تھی۔ ان سے بڑھ کر کون جانتا تھا کہ نفس کے معاملے میں آج کا انسان اتنا حیوان ہے کہ رشتوں کا تقدس تک مٹ گیا ہے۔ قبر میں اترے مردے تک نہ بخشے گئے اس کا مکھن ملائی جیسا رنگ وروپ کئیوں کی رال ٹپکاتا تھا۔ وہ زرقا کی چیل کے مانند چوکسی کرتیں۔ اس کی خواب دیکھنے کی عمر تھی اور خواب بھٹکا بھی تو دیتے ہیں۔ دنیا چودھری جیسے لوگوں سے بھری پڑی ہے جو دوسروں کی مجبوریوں کو کیش کرتے ہیں، آپا بی جانتی تھیں اسے اپنے پیسے کا

غرور تھا۔ چوہدری نے کئی بار آپا بی پر جال پھینکنے کی کوشش کی تھی مگر وہ تھیں کہ ہاتھ ہی نہیں آتیں۔ شاید اسی لیے کہ وہ آپا بی تھیں۔ شہناز نہ تھی۔ چوہدری کو ہمیشہ الٹا جوتا پڑا۔ آپا بی نے اِک عمر گزاری تھی۔ یونہی تو نہیں محلہ انہیں عزت سے ہاتھ اٹھا کر سلام کرتا تھا۔ ایسی ہوتیں تو کاہے کو تنگی، ترشی کاٹتیں...مصیبتیں پیٹتیں۔

چوہدری کو ان کا پڑوس بسائے جمعہ، جمعہ آٹھ دن ہوئے تھے۔ پہلے پہل اس نے آپا بی پر پڑوس کا بڑا حق جتایا۔

”گھر کی دیوار ملی ہوئی ہے۔ کوئی خدمت ہو تو ضرور بتائیں۔“ اِک دوبار آپا بی نے کسی مد میں بات کر لی ان کا کام تو چل گیا مگر چوہدری کو یہ جاننے میں دیر نہ لگی کہ آپا بی سفید پوش ہیں...... پھر کیا تھا چوہدری جیسے لوگ ہی تو دوسروں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر اپنا الو سیدھا کرنے کو کوشاں رہتے ہیں۔ آپا بی بہت کم عرصے میں جان گئیں کہ چوہدری کی ان عنایات کے عقب میں کیا اغراض پوشیدہ ہیں، انہوں نے سختی سے چوہدری کو دھتکار دیا تھا۔ پھر کیا تھا چوہدری نے تو مانو پھر اُن سے بیر ہی باندھ لیا تھا۔ ہر معاملے میں آپا بی کے گھر کی جڑ کاٹنے کو کوشاں رہتا تھا۔ اور کیا قیامت تھی کہ گلی کے کرتا دھرتاؤں میں اس کا نام تھا۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس......وہ بورنگ کے پانی پر اپنی حاکمیت تصور کرتا تھا کبھی جو کسی مد میں چندہ اکٹھا کرنا پڑ جاتا۔ وہ فخر و غرور سے اکڑتا، سینہ پھلاتا، سب سے پہلے آپا بی کے دروازے تک آتا اور ذرا جو آپا بی کوئی وقتی مجبوری بتاتیں تو بے عزت کرنے تک پر اتر آتا۔

”آپ کی جیب سے تو کبھی پیسہ نکلتا ہی نہیں ہے۔“

اسے کون بتاتا کہ وقت اچھے اچھوں کو پچھاڑ دیتا ہے۔ مگر شاید اس نے برا وقت کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔ اتنا احسان تو کبھی خیراتی کنواں کھدوانے والے نے بھی نہیں جتایا تھا۔ اس کی اس روش کے سبب ہی تو آپا بی دعا گو رہتیں کہ رب کریم ایسے لوگوں کی محتاجی سے بچائے۔

پانی کی اسی قلت کے سبب آپا بی نے اپنی جمع جوڑ کو ہوا دکھا کر گلی کے سامنے روڈ سے گزرتی اسپیشل لائن

میں کنکشن ملوایا تھا۔ یہ لائن سامنے سے گزر کر آگے وی آئی پی ایریا کو جاتی تھی۔ ان کا گھر آغاز سے چوتھا پڑتا تھا۔ کام اصل سے زیادہ پر ہی بیٹھا مگر کچھ تو آسرا بنتا...... وہ گلی میں اسٹول ڈال کر خود کام کی نگرانی کر رہی تھیں کہ کونسلر کے دفتر کے کچھ سر کردہ لوگ ان کے سر پر آن سوار ہوئے۔

''کس کی اجازت سے گڑھا کھود کر لائن میں کنکشن ملایا جا رہا ہے؟''

آپا سمجھ گئیں کہ یہ آگ کس دشمن نے لگائی ہوگی انہوں نے گھر سے لا کر پکا سرکاری اجازت نامہ دکھایا تو وہ نو دو گیارہ...... مگر یہ کچھ ہی عرصے کی بات رہی۔ وہ بھی وی آئی پی لائن تھی۔ پانی کی اس قلت میں لوگوں نے ہزاروں لگا کر کنکشن ملوا لیے تھے۔ نتیجتاً پانی تنگ پڑتے، پڑتے آخر کار ختم ہو گیا۔

ریاض پلمبر کا گھر سامنے والی لائن میں کونے سے تیسرا پڑتا تھا۔ جانے کون سی میٹھے پانی کی لائن میں کنکشن ملا کر اس نے گلی میں بر ما ٹھونک دیا تھا۔ مگر لائن میں پانی ہوتا تب ناں...... ہر کوئی آتے جاتے بر ما چلاتا اور بے سُرے راگ سن کر آگے بڑھ جاتا۔ لوگ میٹھے پانی کا ذائقہ تک بھول گئے تھے۔ اسی کھارے پر گزارہ تھا جو حلق سے نہ اتر کے دیتا تھا۔ برف کے ڈپو آنا فاناً خالی ہو جاتے تو گولا گنڈا اور ناریل پانی والوں کی چاندی ہو جاتی۔ کھارے پانی سے آپا بی کا بلڈ پریشر ہائی، معدہ خراب رہنے لگا اور رہی زرقا تو اس کے بیچاری کو گزارہ کرنا کون سکھاتا۔ کھارا پانی اس کے منہ کو لگتا ہی نہیں تھا۔ اِک بار تو وہ بلبلا اٹھی۔ پیاس سے حلق میں کانٹے پڑ گئے۔ آپا بی کو بے تاب ہو کر کئی محلے پرے جانا پڑا جہاں ان کی ایک شاگرد بیاہی تھی۔ وہ آپا بی کو سر آنکھوں پر بٹھاتی تھی مگر پانی وہاں بھی نہیں تھا۔ اس نے آپا بی کو بڑا سارا برف کا ڈلا تھما دیا تھا۔ زرقا نے پنکھے کے نیچے رکھ کر برف کے ڈلے سے پانی نچوڑا۔ گھنٹا بھر میں قطرہ، قطرہ پگھل کے گلے میں بھرا...... مگر ٹھنڈے ٹھار پانی سے اندر تراوٹ اترتی چلی گئی تھی۔

اب پتا چلا لوگ سمندر میں پیاسے کیوں مرتے ہیں۔

اور بورنگ کے کھارے پانی کا تو پوچھنا ہی کیا......

لوگ چلتے پانی کے مزے بھول کر ڈول، ڈرم سے ڈونگے نکالنے کے عادی ہو چلے تھے جو تھوڑا بہت پانی چڑھتا تھا، اس سے بھر لیتے۔ پھر وہی کام آتا رہتا۔

آپا بی کی قسمت کہ ساری خرابیاں اور خباثت ہی کی لائن میں تھی چوہدری، قاسو اور شہناز جیسے لوگ...... ان کی باری لگتی تو اِک آفت سی مچ جاتی۔ سب سے پہلے قاسو تھا۔ رات بھر وہ چرس کے سٹے لگا کے سوتا تو صبح پانچ بجے کیسے جاگتا۔ شہناز دھڑلے سے اس کی باری پر صبح پانچ بجے جاگ کر پائپ لگا لیتی۔ وقت سے لیکن زیادہ پانی بھرتی، آپا بی کا نمبر آنے تک دن چڑھ جاتا۔ قاسو دھڑلے سے کسی کا بھی پائپ کھینچ کر اپنا لگا لیتا۔ اور موٹر کے بکس میں تالا ڈال دیتا۔

''مجھ سے پہلے کوئی پانی نہیں بھرے گا۔''

بورڈ کے تالے کی چابی اب شہناز کے ہاتھ میں تھی۔ جو وہ قاسو کے سوا کسی کو نہ پکڑاتی تھی اور قاسو تو تھا ہی گلی کا غنڈا۔ کبھی جو کوئی شہناز کو شرم دلانے بیٹھ ہی گیا تو وہ صاف دامن بچا گئی۔

''قاسو بھائی مجھ سے بڑے ہیں، انہوں نے چابی مانگی میں نے دے دی۔''

گلی کی عورتیں انگشت بدنداں...... قاسو کو قد اٹھائے ہوئے جمعہ، جمعہ آٹھ دن ہوئے تھے۔ چند سال پیچھے کی تو بات تھی، وہ گلی میں کنچے کھیلتا پھرتا تھا۔ اور یہ ٹھہری پکی عمر کی پختہ عورت۔ کئی بچوں کی اماں، کیسی چوزی بن رہی تھی۔ صاف جان چھڑانے کے بہانے تھے۔ اور شاید انہی دھاندلیوں، ناانصافیوں کا عذاب تھا مگر کون سمجھتا ہے۔ انسان غلطی پر ہو تب بھی خود کو قصوروار کہاں مانتا ہے۔ آپا بی سے اگلا نمبر چوہدری کا پڑتا تھا۔ چوہدری کے گھر سے بھی شہناز پانی بھرتی تھی۔ قاسو کی باری پر شہناز پانی بھر لیتی۔ باری الٹی پڑتی تو قاسو کا نمبر پہلے لگتا...... گویا آگے کنواں پیچھے کھائی، کس میں جرأت تھی کہ قاسو یا شہناز سے اڑتا۔

آپا بی گھڑی بھر بھی زیادہ پانی بھرنے کو گناہ سمجھتیں۔مگر وہاں تین گھنٹے ہی پورے نہ ہوتے تھے۔ لائٹ بار، بار ڈاج دے جاتی تھی۔اتنی دیر موٹر چلی، اتنی دیر لائٹ گم رہی۔ زرقا اندر بیٹھی کاپی پر حساب کتاب ہی لگاتی رہ جاتی۔کل ملا کے دو گھنٹے بھی نہ بنے اور لیجیے جناب، اس سے اگلا پائپ کھینچ لیتا۔لو جی چھٹی ہوئی......! اللہ، اللہ خیر صلا...... آپا بی کے گھر کون سا گبرو جوان تھا جو مقابلے پر اتر آتا۔بس اِک اندھیر مچی تھی۔خوفِ خدا تو جیسے مٹ ہی گیا تھا اور آپا بی جیسے لوگ پس رہے تھے۔ بات ان دونوں ماں، بیٹی کی ہوتی تب بھی خیر تھی۔وہ دونوں کسی نہ کسی طرح گزارہ کر ہی لیتیں مگر پانی نہ ہوتا تو کرایے داروں کا ڈنڈا سر پر بجتا تھا۔

وہ کہتے کسی بھی طرح بس ہمیں پانی دو۔پانی چیز ہی ایسی ہے۔اس کے بغیر گزارہ ہی نہیں ہے مگر آپا بی ایسا جگر کہاں سے لاتیں۔ مالکِ مکان کرایے داروں سے چوری چھپے جھٹ الگ پانی کی ٹنکیاں بھر لیتے کنکشن میں والو لگا کر زیادہ پانی اپنی طرف کر لیتے مگر آپا بی یوں پانی روکنے کو کرایے داروں کی حق تلفی سمجھتیں۔ نتیجتاً انہیں رتی بھر پانی میسر آتا۔ وہ بھی سہج، سہج کر برتتیں۔آپا بی استعمال شدہ پانی بھی دوسرے مصرف کے لیے رکھتیں وضو کے بچے پانی سے گملوں کو سیراب کرتیں۔ برتنوں کے صاف دھوون سے فرش جالیاں دھوتیں۔کپڑے نتھارتیں تو پانی واش روم کی بالٹی ٹب میں بھرتیں۔

زرقا کے بال لمبے گھنیرے تھے۔ڈھیروں ڈھیر پانی اٹھتا۔آپا بی اس کا سر دھلاتیں تو میلی قمیص نیچے پھیلا لیتیں۔شیمپو کے ڈھلتے پانی سے جھٹا جھٹ میلی قمیص رگڑتی جاتیں۔ مانو پانی عطر کے بھاؤ پر آ گیا تھا۔ سنا تھا تھر کے علاقے میں لوگ گڑھوں میں پانی جمع کر کے جنہیں ٹوبے کہا جاتا ہے استعمال کرتے ہیں۔ وہی حال تھا۔

یہ نقشہ علاقے کے ہر گھر کا تھا۔ برتنوں کا انبار، کپڑوں کا ڈھیر...... معلوم نہیں کیا، کیا ٹنکیاں بھی بھرتیں مگر اُن کی جو پانی کے معاملے میں دھاندلیاں کرتے جھوٹ بولتے یا سر پھاڑتے۔اور نظر بچا کے پانی کی چوری کرتے۔ قاسو جیسا فسادی آدمی پائپ لگاتا تو گلی بھر میں دندناتا پھرتا۔

’’میرے پائپ پر کسی نے ٹیڑھی نظر بھی ڈالی تو اچھا نہ ہوگا۔‘‘

اور اچھا ہو بھی کیا رہا تھا۔پانی کی تنگی سے لوگ بلبلاتے پھر رہے تھے...... گرمی کی شدت، لوڈ شیڈنگ کا عذاب...... پانی کی قلت...... اللہ کی پناہ! ایسے میں اگر آپا بی کہیں دور سے پانی ڈھو کر لاتی دکھائی پڑتیں تو علاقے کے گبرو جوانوں کے لیے ڈوب مرنے کا مقام تھا۔مگر وقت ہی ایسا تھا کہ کوئی کسی کا نہ تھا۔سب کو اپنی، اپنی پڑی تھی۔ مانو قیامت کا عذاب تھا۔خیر، یہ محلّہ ایسا برا بھی نہیں تھا۔آپا بی نے یہاں اِک وقت گزارہ تھا۔ لوگ اچھے برے وقت میں اِک دوسرے کے دکھ سکھ میں کام آ ہی جاتے تھے۔اِک وہ بھی وقت تھا جب لوگ اپنی باری اِک دوسرے کو دے ہی دیتے تھے۔ اور کبھی جو بھولے بھٹکے لائنوں میں میٹھا پانی آتا، لوگ دروازے بجا، بجا کر اِک دوسرے کو خبر دیتے۔ایک ہلچل سی مچ جاتی۔کبھی، کبھی مسجد میں اعلان بھی ہو جاتا مگر اب تو لگتا تھا کہ کافر ہی بن بیٹھے ہیں۔ ہر کسی کو بس اپنا بھرنا، بھرنے کی پڑی تھی۔ کئی بار تو ایسا ہوا کہ لائٹ گئی تو آئی ہی نہیں...... سب کی باریاں نکل گئیں۔ اگلا دن منہ چڑاتا نکل آیا۔اب بیٹھے رہو ہاتھ پر ہاتھ دھر کے...... سامنے والوں کی باری آ گئی۔ جو گھڑی بھر کو بھی کسی کا ڈول، ڈبا بھرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ کسی نے دبے لفظوں میں کہہ ہی دیا کہ گھنٹا بھر پانی سب باری، باری دوسری لائن والوں کو بھی دے دیں تو اگلا پچھلے سے ہی اکھڑ گیا۔

’’کیوں بھئی! آج ہماری باری لگی تو، تو نے گھنٹے، گھنٹے کا اصول ایجاد کر لیا؟ بھول گیا پچھلی بار دو دن لائٹ گئی تو تمہاری لائن میں سے کسی نے ہمارے

ڈول، ڈرم گیلن تک نہ بھرے تھے؟''
غرض کہ اِک لوٹ مار مچی تھی۔
یہ پانی ہے جس کے قطرے، قطرے پر اگر اجر و ثواب ہے تو ضائع کرنے پر... عذاب بھی ہے مگر اتنی گہرائی میں جا کر کون سوچتا ہے شاید اسی لیے کہتے ہیں کہ یزید ہر دور میں زندہ رہتا ہے۔
آپا بی ہر نماز کے بعد خصوصی دعا کرتیں۔
''یارب دھرتی کو سیراب کر دے۔ تیری زمین پر فساد برپا ہے، بے شک تو فساد کو ناپسند کرتا ہے۔''
مگر شہر سے بارانِ رحمت بھی جیسے روٹھ گئی تھی۔
زرقا ہر رات پانی کے بڑے برتن چھت پر رکھ کر آتی۔ مبادا ابرِ رحمت برسے اور کچھ پانی میسر آجائے مگر نہ جی......
باریاں لگنے پر آپا بی نے سب سے پہلے گلی میں کھلتی کھڑکی کی میخیں نکلوا کر کھڑکی کھلوائی تھی۔ اب اگر باری رات میں پڑتی تو انہیں اسٹول رکھ کر گلی میں نہ بیٹھنا پڑتا تھا مگر ہائے ری قسمت...... آپا بی نہ بھی چاہتیں تو پانی کے لیے کسی نہ کسی کا منہ دیکھنا پڑ ہی جاتا تھا۔
ایک بار اُن کا پائپ لگتے ہی بجلی چلی گئی۔ معلوم ہوا کہ کھمبے سے تار گرا ہے، دن کا وقت تھا۔ تار لگا تا کون......؟ مگر پھر شام بھی ڈھل گئی، تار نہ لگا۔ آپا بی گلی میں بیٹھی پنکھا جھلتی تھک گئیں تو گھر میں جا گھسیں مگر دل و دماغ پانی میں اٹکے تھے۔ اب چوہدری تو ایسے معاملات سے ہاتھ جھاڑ کنارے ہو گیا تھا۔ تیرے میرے کے آسرے میں علاقہ رات گئے تک اندھیرے میں ڈوبا رہا۔ مگر اس قاسو کو اللہ ہدایت دے۔ رات ایک بجے اس نے آپا بی کا پائپ کھینچ کر اپنا لگایا اور اپنی باری پر بندر کی طرح اچھل کر کھمبے کا تار لگا بھی دیا۔
''میری باری کا وقت آگیا ہے۔ اب کسی نے میرا پائپ ہٹایا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' اس نے ہانک لگائی۔
اس بدبخت سے کون پوچھتا کہ جب کسی کا پانی بھرا ہی نہیں تو تیری باری کیسے آگئی۔ اور یہ کہ اگر تار تجھے ہی لگانا تھا تو، تو نے پہلے کیوں نہیں لگایا مگر اس نے اپنا پانی بھر لیا تھا۔ اب دنیا جائے جہنم میں...... اگلی باری چوہدری کی تھی...... اب گھنٹا ایک ہی بچا تھا۔ وقت پڑنے پر گدھے کو بھی باپ بنانا پڑتا ہے آپا بی کو سفید دوپٹے کی بکل لگا کر چوہدری کے دروازے تک جانا ہی پڑا۔ قاسو وہیں چوہدری کے پاس کھڑا تھا۔
آپا بی نے آہستہ سے چوہدری سے عرضِ مدعا کی۔
''آپ ہی فیصلہ کیجیے یہ تو آدمی ہے، رات بھر گلی میں بیٹھ کر پانی بھر سکتا ہے گھنٹا بھر کو ہی پانی دلوا دیجیے۔''
آپا بی نے منت سماجت کی انتہا کر دی مگر چوہدری آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ وہ یوں بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے والا آدمی تھا۔ قاسو، چوہدری کی دکھتی رگ سے واقف تھا۔ یہ بھی کہ چوہدری کے گھر کی اوپر منزل کا دروازہ نچلی منزل میں کب کھلتا ہے۔
چوہدری طوطے کی طرح آنکھیں پھیر کے نماز پڑھنے چلا گیا تھا۔ آپا بی بے نیل و مرام لوٹیں۔ اس سفا کی وھاندلی پر جتنا رویا جائے کم تھا۔ یہ چوہدری تھا جو آج ہاتھ جھاڑ کنارے ہو گیا تھا تو علاقہ اندھیرے میں ڈوبا رہا۔ وہ پانچ وقت ٹوپی لگا کر مسجد سدھارتا تھا۔ پانی کے معاملے میں بھی موٹر کی ریپئرنگ اور بجلی کا بل اپنی جیب سے بھرتا۔ اس پر بھی اگر کوئی چوہدری کو برا کہتا ہے تو کہنے والے پر خدا کی مار......
یہ ساری ناانصافیاں، دھاندلیاں پانی کے قطرے کی خاطر تھیں۔ جس پر زندگی کا دار و مدار ہے۔ کیا شان ہے پروردگار کی...... جس سے زندگی ہے، وہی زندگی ہے۔ بات چھوٹی ہے مگر گہری ہے۔
شاید یہ گالم گلوچ...... مار دھاڑ...... دھاندلی و ناانصافی کی نوبت کبھی نہیں آتی اگر جو پانی اپنی ازلی رفتار سے چلتا رہتا۔ اِک وقت تھا بورنگ کے تیز رفتار پانی سے دھنا دھن ٹنکیاں گھنٹے آدھے گھنٹے میں بھر جاتی تھیں۔ پھر بجلی کے بکس میں تالا پڑا منہ چڑاتا رہتا۔ اب تو آدھی رات کو بھی گلی میں جھانکی مارو تو پائپ کی

پہرے داری کے لیے اِکا دُکا کوئی بیٹھا ہی نظر آتا۔ نیلے، پیلے، ہرے گلابی، کسی کی کسی سے پانی پر ٹھن جاتی تو لوگ انتقاماً پائپوں میں سوراخ کر دیتے۔ پیسے چلا دیتے یا موقع پا کر غائب کر دیتے۔

ایک بار آپا بی کا پائپ بھی کام میں آ گیا۔

جانے کس موئے نے پائپ پر پیسے چلا دیے۔ خدا جانے قصداً یا غلطی سے اور نیا پائپ کوئی سستا پڑتا ہے؟ پانی بکھرا، نقصان الگ اور لوگوں کی چیخ و پکار الگ...... یہاں وہاں سے فوارے ابل پڑے تھے اِک شور سا مچ گیا۔ آپا بی نے خود جھاڑو لے کر گھر، گھر کے سامنے سے بکھرا پانی سمیٹا تھا۔ اب وقت تو پورا کرنا تھا۔ پائپ خرید کر لانے میں تو باری ہی نکل جاتی تھی۔

آپا بی کو یہاں وہاں کے کئی گھروں میں جا کر منہ پھوڑنا پڑا۔ مگر ہر جگہ سے صاف کورا جواب......

''سارے گھر سے جو مرضی لے جائیں مگر پانی کا پائپ نہیں دے سکتے۔ سوئی برابر بھی چھید ہو گیا تو ہزار دو ہزار کا پائپ پڑا رہ جائے گا۔''

آپا بی سے بڑھ کر کون جانتا تھا... آٹے دال کا بھاؤ...... مگر انسانیت تو لگتا تھا کہ دنیا سے اٹھ ہی گئی ہے۔ ہر ایک کوئی نہ کوئی مجبوری بتا دیتا۔ اب کس کی باری اور کاہے کی باری...... لیجیے جناب چھٹی ہوئی۔ پائپ خرید کر لانے تک قاسو نے اپنا پائپ گھسیڑ لیا تھا۔ نیا پائپ دو ہزار سے اوپر کا تھا۔ مگر پانی پھر بھی نہ نصیب ہو سکا۔ اور ہر باری پر کسی نہ کسی بہانے یونہی ترسنا پڑتا تھا۔ اگر مزے تھے تو قاسو یا شہناز جیسے لوگوں کے جو رج کے پانی بھرتے۔ قطرے، قطرے سے دریا بن جاتا ہے۔ مانو اگلے وقت کے لیے فرصت ہی فرصت تھی۔ مگر اس معاملے میں ان کا حریص پن، الامان الحفیظ...... اب بھی قاسو نے موقع غنیمت جان کر اپنا پائپ لگا دیا تھا۔ باری رات کی تھی۔ پوری ہوئی تو قاسو کا اپنا نمبر آ گیا۔ وہ دیر تک سانپ بنا پہرہ دیتا۔ گلی کی چہل پہل ماند پڑ گئی تو اس نے چپکے سے شہناز کی کھڑکی بجائی۔ کھڑکی کھلی اس نے سرگوشی کی۔

''میں تمہارا پائپ لگا رہا ہوں۔''

کھڑکی بند ہوئی دروازہ وا ہو گیا تھا۔ آج شہناز کا میاں اعجاز نائٹ ڈیوٹی پر تھا۔ سنگ اٹھانے والے خود پاک باز ہوئے۔ قاسو غڑاپ سے اندر گھس گیا تھا۔

آپا بی نے کسی مد میں گلی میں کھلتی کھڑکی سے باہر جھانکا تھا اور یہ منظر دیکھ کر توبہ تلا کرتے ہوئے پٹ بند کر دیا۔

کبھی، کبھی اِک غیر اہم اور معمولی چیز بھی انسان کو پستیوں میں اتار دیتی ہے اور کبھی انسان ہی اپنی پستی کو بہانوں کی نذر کر دیتا ہے۔

☆☆☆

پھر سننے میں آیا کہ دور کہیں میٹھے پانی کی لائنیں بچھائی جا رہی ہیں۔ علاقے والوں کو کنکشن ارزاں نرخوں پر فراہم کیے جائیں گے۔ مگر کام جس رفتار سے چل رہا تھا۔ لگتا تھا اس علاقے تک پہنچتے سالوں، صدیوں انتظار کرنا پڑے گا۔

کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک

آپا بی کو تیز بخار نے آ لیا تھا۔ مرتا کیا نہ کرتا...... پائپ کی پہرے داری کے لیے زرقا کو کرسی ڈال کر گلی میں بیٹھنا پڑا۔ مانو گلی بھر کے لونڈے لپاڑوں کی لاٹری کھل گئی۔ سب یہاں وہاں آنے بہانے سے منڈلانے لگے۔ سب سے پہلے قاسو سامنے سے گنگناتا گزرا......

ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں

زرقا کی کھی کھی اسٹارٹ ہوئی تو شہناز کلس کر باہر نکلی۔ بلاوجہ اپنے بچے کو دھن کر رکھ دیا۔ مگر سب کی گویا دلی مراد بر آئی تھی۔ تین گھنٹے عذاب بن گئے۔ باری سیدھی چلتی تو آپا بی کے گھر کا نمبر چوتھا پڑتا۔ جس میں رات ہو جاتی۔ الٹی چلتی تو دوسرا...... جو آٹھ بجے کے بعد لگتا تھا۔ ان حالات میں باری دن کی لگی تب بھی خیر رہی...... مگر رات میں پڑی تو اِک اور عذاب تھا۔

اسے اب کھڑکی میں کھڑے ہو کر پہرہ دینا تھا۔ اور گلی سے کھڑکی کا بندہ بھلا کیا بگاڑ لیتا۔ زرقا ساری رات کھڑکی سے لگی کھڑی رہی۔ ادھر بجلی نے آنکھ

جھپکی۔ اِدھر وہ ذرا کی ذرا جو اِک گھڑی بھر کو دم لینے لیٹی تو آنکھ لگ گئی اور واردات ہوگئی۔

صبح خالی ٹنکی منہ چڑا رہی تھی۔ زرقا ہق دق...... آپا بی نے اپنا سر پیٹ لیا۔ گن، گن کر باری آنے تک کا وقت گزارہ تھا۔ گھر میں قطرہ پانی نہیں تھا۔ رات ذرا پانی چڑھا۔ واش روم کے نل سے قطرہ، قطرہ پانی ٹپکنے لگا تھا۔ اس نے بالٹی نیچے لگا دی تھی جواب خالی پڑی منہ چڑا رہی تھی۔ پرانی بالٹی تھی۔ جانے کہاں سے پانی نکل گیا تھا۔ اسے افسوس ہوا۔ بالٹی بھر پانی ضائع ہوا۔ اسے پتا ہوتا تو نہالیتی۔ اسے نہائے بغیر چین نہ پڑتا تھا۔ مانو جسم میں کانٹے سے اُگ آتے، نیند بھی اڑ جاتی۔ گرمی زیادہ ستاتی تو وہ اماں سے نظر بچا کر ڈونگا بھر پانی میں کپڑے بھگو کر پہن لیتی۔ پانی کے زیاں پر اماں شور مچاتی تھیں۔ جہاں پینے کے لیے پانی کی بوتل نصیب نہ تھی۔ وہاں نہانے کا کیا سوال......

”رات باری لگی تو پانی کیوں نہ بھرا؟ ہمیں پانی چاہیے۔“ اگلی صبح کرایے دار دندناتے ہوئے چڑھ آئے۔

آپا بی نے جو سچ تھا اگل دیا۔ مگر سنتا کون تھا۔

”ہمیں نہیں پتا، اب پرسوں تک ہم سوکھے بیٹھے رہیں؟ ابھی ہمارا حساب کرو یا سارے ڈول ڈرم بھرو۔“

وہ جان کو آگئے نئے کرایے دار تھے۔ سمجھے کہ آپا بی آنا کانی کر رہی ہیں۔ آپا بی نے کسی نہ کسی طرح ڈول ڈرم بھروانے کا وعدہ کیا تو ذرا نرم پڑے۔

”آپ نے کیوں گلی والوں کو اتنی ڈھیل دے رکھی ہے۔ لوگوں کے چھ، چھ گھنٹے پائپ لگے رہتے ہیں۔ آپ کے تین گھنٹے بھی مشکل سے پورے ہوئے ہیں۔“

اب آپا بی کیا بتاتیں کہ گلی بھر نے مل کر جیسے ان کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ یوں جیسے وہ چاہتے ہی نہیں ہوں کہ آپا بی پانی بھریں۔ سب مل کر ماں، بیٹی کی شرافت کا فائدہ اٹھاتے یا انتقام لیتے، چوہدری بھی ان ہی میں سے تھا۔

آج سامنے والوں کی باری تھی۔ زرقا خود تھوڑے بہت پانی کا سوال۔ لے کر گھر، گھر گئی مگر یہیں آ کر بات بھاری پڑ جاتی تھی۔ البتہ شجاع خالو سے ذرا اچھی سلام دعا تھی۔ وہ کچھ خیال بھی کرتے تھے مگران کی بیوی نے زرقا کی شکل دیکھتے ہی سوال جانچ لیا۔

”اسی کچھ نئیں کر سکدے۔“ (ہم کچھ نہیں کر سکتے)

وہ مزے سے کپڑے دھو رہی تھیں۔ زرقا کو رشک آیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو زور زبردستی سے اپنی منوالیتے تھے۔ شجاع خالو چار کڑیل جوان بیٹوں کے باپ تھے۔ گلی میں ذرا سی چوں بھی اٹھتی تو سارے باہر نکل آتے۔ وہ نامراد ہو کر لوٹنے کو تھی شجاع خالو آڑے آگئے۔

”ابھی کسی سے کہہ سن کر تیرے ڈول ڈرم بھروا دیتا ہوں۔ رات میں میری باری لگے تو گھنٹا پانی تو لے لینا۔“

اسے اور کیا درکار تھا، وہ مطمئن ہو کر پلٹ آئی۔ کرایے داروں کے گیلن، ڈرم سب بھروا کے رات تک کے لیے تسلی دے دی۔ مگر ٹھان لی تھی۔ آج کچھ بھی ہو کمر سیدھی کرنے کو بھی نہیں لیٹنا ہے۔ شجاع خالو کی باری رات دو بجے لگی۔ جب گلی میں چہل پہل بھی تھی۔ انہوں نے فی الوقت خاموشی کا اشارہ دے دیا۔ زرقا نے منڈیا ہلا دی۔ مگر بار، بار کھڑکی سے گلی میں جھانکتی رہی۔ شجاع خالو کا پانی چل رہا تھا۔ کل تین گھنٹے تھے۔ وہ گلی میں قاسو کے ساتھ بیٹھے۔ آج قاسو کی باری نہ تھی۔ وہ بھی جلد اٹھ گیا حتیٰ کہ گلی خالی ہوگئی۔ شجاع خالو بھی اپنے گھر میں جا گھسے۔ زرقا نے میدان صاف پا کر ان کا دروازہ بجایا تو وہ اوپری منزل سے جھانکے تھے۔ اس نے اشارے سے پوچھا۔ انہوں نے بھی اشارے سے کچھ دیر تسلی کا کہہ دیا۔ وہ پلٹ آئی مگر اب گھنٹے سے کچھ ہی وقت اوپر باقی تھا اس کے پیروں میں بلیاں سی بندھی تھیں۔ ایک بار پھر دروازے سے باہر آئی۔ شجاع خالو چھت سے نیچے اتر آئے تھے۔ اب گلی میں کھڑے تھے۔ اب ایک ہی گھنٹا بچا تھا۔ اسے پھر

قدم بڑھانے پڑے۔ چوروں کی طرح اِدھر اُدھر دیکھا تو انہوں نے ہانک لگائی۔

''اوہ نہ، تو پریشان نہ ہو، کوئی نہیں دیکھ رہا۔''

شجاع خالو کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ وہ سر تا پا لرز گئی۔ شجاع خالو اس کے باپ کے برابر تھے مگر گھر سے باہر رشتے نہیں چلتے۔ آپا بی اس سے کہتیں کہ اگر کوئی بیٹی کہہ کر تیرے سر پر ہاتھ بھی دھر دے تو اسے باپ نہ سمجھ لینا۔ ذرا جو موقع لگا اور مرد کی نظر میں میل آیا۔ عورت چیز ہی ایسی ہے...... اور عورت بھی زرقا جیسی...... جہاں چلتی وہاں چاندنی بکھرتی چلی جاتی۔

اسے شجاع خالو سے خوف آیا۔ وہ الٹے پیروں بھاگ آئی۔

اس نے ساری رات کالی کر دی تھی۔ شجاع خالو نے گھڑی، گھڑی کا آسرا دے کر رات بھر اسے الجھائے رکھا تھا اور جب فجر ہو گئی تو زرقا کی اپنی لائن کی باری آ گئی۔ جس کا پہلا نمبر قاسو اور دوسرا چوہدری کا پڑتا تھا۔ اب کوئی امید ہی فضول تھی۔ وہ اپنے استعمال کے لیے خالہ زبیدہ کے گھر سے بالٹی بھر لائی تھی۔

اسی روز چوہدری دروازے پر چلا آیا۔

''پڑوس کی لڑکی گلی میں بیٹھے، ڈوب مرنے کا مقام ہے۔''

اس بے غیرت سے کوئی یہ پوچھے کہ یہ شرم وحیا اس وقت کہاں جاتی ہے جب آپا بی یا ان جیسی دوسری بزرگ عورتیں یا مرد یہاں وہاں سے پانی ڈھو کر لاتے دکھائی پڑتے ہیں۔ مگر وہ زرقا تھی، یونہی تو نہیں آپا بی اس کی نادانی سے ڈرتی تھیں۔ قاسو نے آج پھر اپنی باری رات میں رکھی تھی۔ چوہدری کی باری آپا بی سے پہلے پڑتی تھی آپا بی، زرقا سے کہتیں کہ کبھی کسی مرد کو اپنی ضرورت نہ بتاؤ۔ نہ اس کے سامنے ڈھیلی پڑو مگر ضرورت بتائے بغیر پوری ہو کیسے سکتی تھی۔ سو اس نے اماں کی بیماری کا بتا کر چوہدری کی باری سے گھنٹا پانی مانگ لیا۔ ان کی باری تو رات سے پہلے آنے والی

مجھ سے ملیے



السلام علیکم پاکیزہ بہنو ہم شہلا نواز فرام لاہور...... میں پاکیزہ کی پرانی تبصرہ نگار و ایوارڈ یافتہ ہوں بلاعنوان میں اور بزم پاکیزہ میں بھی انعام حاصل کیے۔ بی اے کیا ہے۔ پچھلے سال عمرے کی سعادت حاصل ہوئی اور اب دل ہے کہ رات دن تڑپتا ہے کہ اللہ اپنے گھر جلد بلا لے۔ مجھے اللہ سے عشق ہے اور اللہ پر یقین بھی بہت ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ جلد از جلد اپنے گھر پھر مجھے بلائے گا اور جب تک زندگی ہے بار، بار بلائے گا۔ میں غیر شادی شدہ ہوں مگر اس تصویر میں دلہن کا روپ اس لیے دھارا ہے کیونکہ کزن کا ٹیسٹ تھا برائیڈل بنانے کا...... دعا کریں اصل زندگی میں بھی جلد دلہن بنوں (الٰہی آمین) مجھے موسم بہار کا اور رنگ سفید پسند ہے۔ بچے بہت پسند ہیں اور بارش بھی، میں بہت دوستانہ طبیعت کی ہوں جذباتی بہت ہوں۔ پاکیزہ اور انجم آنٹی سے محبت ہے اور پاکیزہ بہنوں سے بھی بہنوں کو بس ایک ہی نصیحت کروں گی کہ پانچ وقت نماز اور تلاوتِ قرآن کو اپنا شعار بنالیں اور ہاں جس کسی کا بھی دل چاہے مجھے کتاب گفٹ کر سکتی ہے جو صاحب کتاب ہو اور بدلے میں ڈھیروں دعائیں ملیں گی۔

از: شہلا نواز، لاہور

نہیں تھی۔

’’تو ساری باری لے لے، میں نے کل ہی ٹینکر ڈلوایا ہے۔‘‘ چوہدری کی نگاہوں میں ستایا پن اُمڈ آیا۔ زرقا کو بھلا اور کیا درکار تھا۔ اس نے چند مسائل اور گنوا دیے۔

’’تو ساری فکریں چھوڑ، بس اپنا خیال کر تیری خوب صورت آنکھوں میں حلقے پڑ رہے ہیں۔‘‘

چوہدری کے جملے نے سیدھا زرقا کے دل پر اٹیک کیا۔ وہ خوب صورت تھی۔ یہ وہ جانتی تھی مگر کسی مرد نے پہلی بار کہا تھا۔ وہ مسکرادی۔ پانی وہیں ڈھلتا ہے جہاں گڑھا ہو۔ چوہدری کا مزاج بھی ڈھلاؤ کے رخ پر بہنے لگا۔

’’بارش کا موسم سوکھا گزر گیا تو سوچتا ہوں ذاتی بورنگ کھدواؤں گا۔ آدھا حصہ تیرا..... جتنا مرضی پانی بھرنا۔‘‘

اس کا دل زور، زور سے دھڑکنے لگا۔ دھنا دھن پانی کا تصور ہی وجود میں سرشاری دوڑا گیا۔ مانو دلی مراد بر آئی۔ فٹ سے چوہدری کے لیے رائے بدل گئی۔

’’اچھا بھلا تو ہے کم از کم اس قاسو سے تو ہزار درجے بہتر ہے، کسی کی آئی اسے آئے۔ کرنٹ لگ کر مرے، اللہ کرے، ہر وقت ہمارے گھر کے سامنے بیٹھا بے سُرے راگ الاپتا رہتا ہے یا کاغذ کی گولیاں بنا بنا کے یہاں وہاں اچھالتا رہتا ہے۔‘‘ اس کی اوقات ہی کیا تھی جو وہ اسے منہ لگاتی اور یہ چوہدری اس نے خود سنا تھا آپا بی سے باتوں، باتوں میں کئی بار ان کے مسائل سمیٹنے کی پیشکش کر چکا تھا۔ آپا بی جانے کیوں اس سے بچتی تھیں۔

’’اور ایک جنریٹر بھی.....‘‘ وہ ٹھنکی۔

چوہدری کو افسوس ہونے لگا۔ ناحق آپا بی کے چکر میں اپنا وقت کھوتا گیا۔ کاش کبھی آپا بی کی بغل پر بھی نظر ڈالی ہوتی۔ آم کے آم گٹھلیوں کے دام.....

’’ارے میری رانی. تو حکم کر..... میں دس جنریٹر تیرے سر سے وار کر پھینک دوں۔ بس دو چار دن میں تیرے گھر کے سامنے بورنگ کروادوں گا۔ ایک جنریٹر تیرے گھر رکھوادوں گا۔‘‘

’’اچھا..... مگر ایک نل یا برما گلی میں بھی ہوگا۔ سب کے لیے۔‘‘

’’جیسے تیرا حکم..... میرا سب کچھ تیرا ہی تو ہے۔ بس تو جو میں کہتا ہوں کرتی جا.....‘‘

معاملہ کچھ دو اور کچھ لو پر آر کا تھا سو خاموشی سے سمجھوتا ہو گیا۔ شاید ایسے ہی میں ضرورت، شرافت کو پچھاڑ دیتی ہے۔

آج چوہدری نے خود گلی میں پہرے دے کر اپنی باری پر اس کا پانی بھرا تھا۔ اسی دھاندلی و حاکمیت کے ساتھ جیسے اپنے گھر کا بھرا کرتا تھا۔ جانے کتنے ان گنت گھنٹے.....

چوہدری کے سامنے کس کی چلتی.....

☆☆☆

اگلے روز چوہدری پھر اس کے سر پر سوار تھا۔

’’میری راتوں کی نیندیں اڑی ہوئی ہیں، ہر وقت تیری صورت آنکھوں میں پھرتی رہتی ہے۔‘‘

زرقا منہ چھپا کے ہنسی..... چوروں کی طرح گلی میں اِدھر اُدھر دیکھا۔ چاروں طرف سناٹا.....

’’بس کچھ کرو یار.....‘‘

’’کیا کروں؟‘‘ وہ الجھی۔

’’مجھے اپنے گھر بلا لو..... ساتھ مل کر بیٹھتے ہیں، باتیں کریں گے۔ میں تیرے لیے آئس کریم لاؤں گا، تجھے اچھی لگتی ہے ناں.....‘‘

’’آئس کریم.....‘‘ زرقا کے منہ میں پانی بھر آیا۔ ’’مم..... مگر کوئی دیکھ نہ لے۔‘‘

’’پگلی! میں رات چھت سے کود کر آؤں گا تو کسی کو کیا پتا چلے گا۔ تو بس دیوار سے سیڑھی لگا دینا۔‘‘

’’اماں.....‘‘ اس نے کہنا چاہا۔ ’’اماں نیند کی کچی ہیں۔‘‘

’’اماں کو رات دودھ میں نیند کی گولی گھول کے دے دینا۔ دودھ میں لا دیا کروں گا۔‘‘

’’ہائے اللہ.....!‘‘ وہ دہل اٹھی۔ ’’کہیں اماں

سوتی کی سوتی نہ رہ جائیں۔''

''سچ، میں تو اپنی گھر والی کے ساتھ یہی کرتا ہوں جب زیادہ ہلڑ مچاتی ہے تو میں ایک چٹکی......'' اس نے آنکھ دبائی۔

''نہ، نہ...... مجھے ڈر لگتا ہے رات میں......''

''چل پھر میں تجھے موبائل لے دوں گا...... اماں سو جائیں تو مجھے بیل دے دینا۔ اگلے ہی پل چھت سے کود کر تیرا غلام حاضر......''

''دنیا کیا کہے گی؟ ایسی باتیں چھپتی ہیں بھلا۔''

''کہنے دے جو کہتی ہے، دنیا کسی کو چھوڑتی ہے کیا! دنیا کی فکر پالو تو دل برباد ہو جاتا ہے سمجھی۔''

چوہدری کی باتیں اس کے دل کو لگتی تھیں۔ اثبات میں سر ہلایا۔

''اچھا تو پھر کل......''

''نہ، کل بہت دور ہے۔'' وہ کرلایا تو اسے اچھا لگا۔ ''میں آج ہی آؤں گا۔ تیرے لیے چاکلیٹ بھی لاؤں گا۔'' وہیں کھڑے، کھڑے سارا معاملہ طے ہو گیا۔

''تو لال جوڑا پہننا...... سچ تجھ پر بہت سجتا ہے، اس دن تو گلی میں قلفی خرید رہی تھی تو میں نے دیکھا تھا۔''

زرقا کے اندر اتھل پتھل سی مچ رہی تھی...... وہ مسکرا دی تو اس کے گال پر پڑا ڈمپل بھی کھلکھلانے لگا۔ کبھی کبھی اِک معمولی سا جز حاصلِ زیست بن جاتا ہے۔ اور کبھی ایک چھوٹی سی خرابی، کمی یا محرومی اِک بڑے جرم کا باعث بن جاتی ہے۔

پھر یہ اسی رات کی بات تھی آپا بی کی چھت پر اِک سایہ کودا تھا۔ اسلم کی بیوی نے عادتاً ہی کھڑکی سے جھانکا اور پھر توبہ تلا کرتے ہوئے کھڑکی کا پٹ بند کر دیا۔

☆☆☆

جانے کتنے موسم بیتے، کتنی راتیں آئیں، گئیں...... سنا کہ میٹھے پانی کی بچھائی لائینیں ان کے علاقے تک آ پہنچیں، علاقے والے خیر سے سیر ہونے لگے ہیں، شاید دھواں دھار بارشیں بھی برسی تھیں۔ زمین کا پانی اوپر آ گیا یا نئی کھدائی کروائی گئی۔ آپا بی کو پتا ہی نہیں چل سکا۔ جنریٹر چلتا تو ان کے گھر لائنوں کا پانی دھنا دھن چلتا...... چوہدری نے ان کے گھر کے سامنے نئی بورنگ بھی کھدوا دی تھی۔

مگر اب اتنا پانی برتتا کون......؟

آپا بی تو بستر سے جا لگی تھیں۔ چوہدری کی بیوی نے آ کر انہیں خوب رگیدا تھا۔ ان کی پشتیں تک کھنگال ڈالی تھیں۔ آپا بی کی زندگی بھر کی کمائی عزت و نیک نامی کو ادھیڑ کر رکھ دیا تھا۔ آپا بی اور زرقا کے بارے میں وہ، وہ رکیک باتیں کہ زمین و آسمان ایک ہو جائیں اسی رات آپا بی کو تیز بخار چڑھا تھا۔ جس کے نتیجے میں وہ آج بستر پر تھیں۔

زرقا چوہدری کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔

مانو آپا بی کی دنیا ہی اندھیر ہو گئی تھی۔ شاید وہ کبھی اٹھ ہی نہیں پاتیں۔ اگر جو نئی کرایے دار رابعہ انہیں نہ سنبھالتی۔ رابعہ نے ان کی خدمت و تیمارداری میں دن رات ایک کر دیے تھے، گھر کے کام دھندے بھی نمٹاتی، چڑیا کی طرح انہیں چوگا بھی کھلاتی اور کرایہ بھی پابندی سے ادا کرتی تھی۔

مگر آپا بی کی نظر۔ بس تو بس دروازے سے جا لگی تھیں۔

اور یہ رابعہ ہی تھی جس کی ایما پر آپا بی کے گھر کا پانی سو روپیہ گھنٹا پر چلتا۔ کبھی جو کوئی گلی سے آ کر پانی کے لیے سوال کرتا۔ وہ سو روپیہ گھنٹا پر جنریٹر یا پانی کی موٹر چلاتی تھی اور پیسے آپا بی کے گلک میں ڈال دیتی۔ پانی کی تنگی میں سو روپیہ زیادہ نہیں تھا ہر کوئی ہنسی خوشی پکڑا دیتا۔ جنریٹر ہو یا موٹر خرچہ مانگتی ہے۔ کئی سو روپوں سے آپا بی کا گلک بھرتا چلا جا رہا تھا مگر ان کی نظریں دروازے پر ٹکی رہی تھیں۔ انہیں امید تھی کہ زرقا لوٹ کر ضرور آئے گی۔ صبح کا بھولا شام کو لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔

وہ ماں تھی ناں تو ایسا ہی سوچ سکتی تھیں۔

منی ناول

ہم کو محبت بدنام کیا

سیما رضا ردا

نواں حصہ

****



لوگوں کی زندگی میں آج کی کتنی اہمیت ہے کہ وہ ہر بار کل کا وعدہ کرتے ہیں۔

کل..... جو کبھی نہیں آتی۔

کل، جب سورج بھی نکلتا ہے۔

کل، جب مزدور کام پر بھی جاتا ہے۔

کل، جب عورت محنت بھی کرتی ہے۔

کل، جب دل بھی ٹوٹتا ہے۔

میں برسوں سے بیٹھی بس یہ سوچ رہی ہوں کہ

DOWNLOADED FROM PAKSOCIETY.COM



آخر وہ کون سی کل ہے...... جو آ کر بھی نہیں آتی۔ دو دن پہلے جو سفا کانہ خون ہوا تھا...... جو قتل ہوا تھا۔ وہ ہو گیا تھا۔ سرخ کپڑوں میں ملبوس لڑکی جو کل دلہن تھی...... آج ہوش وخرد سے بے نیاز ہو کر اسپتال کے روم میں اجنبی ذہن لیے جاگتی اور بند آنکھوں سے سب کو دیکھ رہی تھی۔ فاطر کا وجود خاک میں مل گیا تھا۔ اسے تشمیرہ سے معافی مانگنے کی مہلت بھی نہ ملی تھی...... اس کے ارمان بھی مٹی ہو گئے تھے۔ اتنی کم عمری میں شیطانی کاموں کی سزا اسے بہت بری طرح مل گئی تھی۔

تائی جی کو اپنی کامیابی کا پھل اس طرح ملے گا ان کے وہم وگمان میں نہ تھا۔ وہ تشمیرہ کو پھر کوسنے دے رہی تھیں کہ ان کے بھائی کی نشانی کو وہ منحوس کھا گئی...... وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ اپنے بھائی کی دلجوئی کے لیے گاؤں جا چکی تھیں۔

''تشمیرہ......'' اس نے خالی، خالی نظروں سے آواز کی سمت دیکھا۔

''پہچانا مجھے بیٹا؟'' اس نے بہت غور سے دیکھ کر ذہن پر زور دے کر پہچاننے کی کوشش کی پھر ناکامی کی صورت میں سرنفی میں ہلا دیا۔

''میں تمہارا تایا ہوں۔'' وہ کہہ کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگے جہاں اب بھی اجنبیت چھائی تھی۔ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر انہیں دکھ ہو رہا تھا اور اس کے بچپن سے لے کر یادداشت جانے سے پہلے تک کی سب باتیں انہیں یاد آ رہی تھیں۔ اس کے بچپن کی معصوم شرارت ان کی آنکھوں کے سامنے ٹھہر گئی تھی۔ بارش میں اس کا گڑیا کو نہلانا پھر اس کو گرم کپڑے پہنانا شاید یہ اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

''تایا جی ہم تو اپنے گھروں میں رہتے ہیں، بارش ہو یا پھر سردی، گرمی سے بچنے کے لیے پرندے کہاں جاتے ہیں انہیں سردی نہیں لگتی یا پھر یہ ڈھیٹ ہیں؟'' بچپن میں تشمیرہ کے پوچھے گئے سوال نے انہیں اب بھی مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

☆☆☆

''بیٹا اللہ نے انہیں خاص مٹی سے بنایا ہے اس لیے ان پر سردی گرمی یا بارش، اثر نہیں کرتی۔'' ان کی اپنی کہی بات ان کے ذہن میں گونجی تھی۔ دل بہت زیادہ بوجھل ہو گیا تھا تشمیرہ کی حالت دیکھ کر وہ ایسی تو نہیں تھی۔ اس پر تو تمام تر موسموں کے ساتھ احساسات کے رنگ بھی اترتے تھے اور اب وہ ہر احساس سے عاری تھی صرف ایک حادثے نے اس کی یہ حالت کر دی تھی جو دنیا جہان کی خبر رکھتی تھی اب اپنے ہی حال سے بے خبر تھی۔

''ڈاکٹر صاحب یہ......'' ڈاکٹر تشمیرہ کو چیک کرنے کے بعد دوائیں لکھ رہا تھا تب تایا جی نے بڑی بے صبری سے پوچھا۔ اور ڈاکٹر نفی میں سر ہلانے لگا۔

''ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، ہفتوں، مہینوں یا پھر سالوں لگ سکتے ہیں ان کے ٹھیک ہونے میں...... اگر یہ ٹھیک ہو بھی گئیں تب بھی زندگی کے بہت سے واقعات ان کے ذہن کے پردے سے مٹ چکے ہیں، ان کو بہت سی باتیں یاد کروانے پر بھی یاد نہیں آئیں گی بس آپ آتے رہیں تو زیادہ اچھا ہے۔''

''اور اسے چھٹی کب دیں گے؟''

''ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' وہ کہہ کر رکا نہیں روم سے نکل گیا تھا اور تایا جی تشمیرہ کو دیکھنے لگے جس کی آنکھوں میں اب نیند اتر رہی تھی۔ تایا جی نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چوم لی اس وقت انہیں اس پر بے تحاشا پیار آیا تھا۔

''مجھے معاف کر دینا بیٹا......'' اس کے نیند میں جاتے ہی تایا جی اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر بولے۔

''میں نہ چاہتے ہوئے بھی تمہارے ساتھ غلط کر گیا، بہت کوشش کی کہ تمہیں سب حقیقت سے آگاہ کر دوں مگر تمہاری آنکھوں میں جو محبت کی چمک تھی اس نے مجھے تمہیں کچھ بھی بتانے سے باز رکھا اور شاید میں بھی یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا تھا کہ محبت بہت کچھ کر سکتی ہے یہ تو پھر ایک بگڑا ہوا انسان ہے جسے تم اپنے

سچے جذبے سے سدھار لوگی مگر میں غلط تھا۔ وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا یہ تو کبھی نہ سوچا تھا۔'' وہ کہہ کر رونے لگے تھے ان کا دل چاہ رہا تھا کہ تشمیرہ آنکھیں کھول کرانہیں دیکھے ان سے سوال کرے کہ......

''تایا جی آپ نے میرے ساتھ کیوں کیا ایسا...... اگر میں آپ کی بیٹی نہیں تھی تو کیا ہوا لیکن خون کا رشتہ تو تھا، آپ اسی رشتے کا پاس رکھ کر میرے ساتھ بہتری کرتے مگر نہیں آپ نے ایک بوجھ کے مانند مجھے سر سے اتار پھینکا، کیوں تایا جی کیوں؟'' مگر وہ یہ سب کہنے سے تو کیا کچھ سوچنے سے بھی قاصر تھی اور شاید اسی میں اس کی بہتری تھی ورنہ اس نے جتنی شدت سے دکھ کو محسوس کیا تھا اس میں اگر یہ حالت نہ ہوتی تو شاید وہ مرجاتی مگر وہ زندہ تھی اور زندگی کے مفہوم سے انجان بس سانس لے رہی تھی۔

تایا جی صرف اس سے ہی نہیں اپنے مرحوم بھائی سے بھی شرمندہ تھے، اس لڑکی کی پرورش تو وہ بہت اچھے طریقے سے کررہے تھے اور اس بات میں کہیں شک کی گنجائش بھی نہیں تھی کہ انہوں نے تشمیرہ بانو کو ہمیشہ اپنی ہی بیٹی مانا مگر زندگی کا سب سے اہم فیصلہ ہی ان سے غلط ہوگیا تھا جس کی وجہ سے اب تشمیرہ یہاں اسپتال میں پڑی بلائنڈ زندگی گزار رہی تھی۔

''یا اللہ میں کیا کروں، کہاں جاؤں، کس سے مدد مانگوں پروردگار تو ہی میرا سہارا تو اسے ٹھیک کردے۔'' تایا جی بے آواز رونے کے ساتھ، ساتھ دعائیں بھی مانگے رہے تھے۔ ''میں اس کے ساتھ تیرا بھی گناہ گار ہوں سب کچھ میرے اختیار میں تھا پھر بھی میں نے تیری مخلوق پر ظلم کیا۔ مجھے معاف کردے۔ تو رحیم ہے، رحم کر مجھ پر اور میری معصوم بچی پر۔'' تشمیرہ نے ایک دم سے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا تھا۔ تایا جی ساکت ہمہ تن گوش ہوگئے، ان کو لگا جیسے وہ کچھ کہے گی یا پھر ہنسنا شروع کردے گی اور بولے گی کہ میں تو مذاق کررہی تھی، مجھے کچھ نہیں ہوا، میں ٹھیک ہوں مگر وہ خاموش تھی اور آنکھوں میں اجنبیت لیے ساکت تھی۔

تایا جی کا سر مایوسی سے جھک گیا اور وہ بوجھل قدموں سے چلتے ہوئے پہلے روم سے پھر اسپتال سے ہی نکل گئے تھے۔

☆☆☆

فاطر کی موت کے دو ہفتے بعد

نہ تجھ کو مات ہوئی ہے نہ مجھ کو مات ہوئی
سواب کے دونوں ہی چالیں بدل کے دیکھتے ہیں

ائرپورٹ کے استقبالیہ لاؤنج میں بلو اور ریڈ کلر کے کمبی نیشن میں اسکرٹ بلاؤز پہنے وہ جرمنی سے آنے والی فلائٹ کا انتظار کررہی تھی۔

زوار شاہ کے دیرینہ دوست محب اللہ میونخ سے اسلام آباد آرہے تھے۔ روزی ان کے استقبال کے لیے مسکراہٹ کو اپنا ہتھیار بنا کر ہر پل ڈسپلے بورڈ پہ نظر ڈالتی...... کہ اب کتنی دیر ہے...... تب ہی اناؤنسمنٹ کی گونجتی آواز نے نوید دی کہ فلائٹ آچکی ہے تو اسے کچھ سکون ملا...... آدھا گھنٹا تو کسٹم کلیرنس میں ہوگا سو وہ قدم، قدم چلتی کافی شاپ کی طرف گئی۔ بے چینی اور اضطراب کی وہ کیفیت جو گزشتہ دنوں اس کے وجود میں بس گئی تھی، اس کا دور تک شائبہ نہیں تھا...... کمال کی جادوگر لڑکی تھی۔ اس نے فاطر کو اپنی زندگی سے یوں نکال پھینکا جیسے کوئی موذی کیڑا چڑھتا ہوا گردن تک آگیا ہو......اور ذرا سی چبھن کے احساس سے ہاتھ سے پکڑ کر پیر تلے بے دردی سے مسل دیا جائے وہ مرچکا تھا۔ اس کا چیپٹر کلوز ہوچکا تھا۔ کافی کا خالی مگ اس نے ڈسٹ بن میں ڈالا اور گردن اٹھا کر دیکھا تھا۔ ائرپورٹ کے یخ زدہ ماحول کی گہما گہمی میں افراتفری کا سماں تھا۔ آمدورفت کا سلسلہ شروع ہوچکا تھا۔ مہمان کے نام کا ڈسپلے کارڈ اٹھائے تھوڑا سا آگے بڑھ آئی...... تب ہی سامنے سے آتے ہوئے سفاری سوٹ میں ملبوس ایک آدمی قریب سے گزرتا چلا گیا۔ موبائل فون ہاتھ میں لیے وہ کوئی نمبر ملا رہا تھا۔ دو قدم آگے جا کر وہ رکا پھر پلٹا واپس روزی کی طرف آیا......

''آپ؟ یہ کس کی شباہت ہے اس کے چہرے میں۔
''آپ محب اللہ صاحب!'' روزی نے چمکتی آنکھوں کے ساتھ اسے مخاطب کیا.....اور مسکرادی۔
''یس' ہاں.....'' محب اللہ نے فوراً کہا.....اور وہ اس چہرے میں ایک اور چہرہ ڈھونڈنے لگا۔
''آئیں باہر گاڑی آپ کی منتظر ہے.....'' وہ بے حد شائستگی سے کہہ کر انہیں لے کر جدید آراستہ راستوں سے گزرتی ہوئی سیاہ رنگ کی مرسڈیز کی طرف مڑ گئی۔
''آپ یہاں؟'' محب اللہ نے پچھلی نشست پر اپنے برابر بیٹھی روزی کو مخاطب کیا۔
''جی میں روزی کا ردار ہوں.....زوار شاہ کی دستِ راست۔'' وہ اس قدر اعتماد سے بولی کہ محب اللہ متاثر ہوگئے..... ''اور پامسٹری میرا محبوب مشغلہ ہے.....body language میں اسپیشلسٹ ہوں..... مائنڈ سائنسز سے بہت کچھ سیکھا۔''
''واؤ.....پھر آپ کو کامیابی کی سیڑھی چڑھنے سے کون روک سکتا ہے۔'' وہ مسکرائے۔''ویری شارپ.....'' وہ دل ہی دل میں بولے۔ باتیں ہوتی رہیں..... راستے آگے بڑھتے رہے..... اسلام آباد ہمیشہ کی طرح خوب صورت تھا، چہرے بدل گئے تھے.....وقت کی چالیں بھی..... زوار ہاؤس کے آگے گاڑی جب رکی تو وہ چونک گئے، جانے کتنے برسوں کا سفر طے کرلیا تھا۔ روزی نے مسکراتے ہوئے انہیں اترنے کی دعوت دی تو وہ اس کا چہرہ دیکھ کر پھر کچھ سوچنے لگے.....اور پھر اپنی سوچ کو جھٹک کر نیچے اتر آئے۔
ردا بیگم، زوار شاہ، اعزاز شاہ، فیضان شاہ اس کے استقبال کو آگے بڑھے تھے۔
''ویلکم ٹو اسلام آباد.....''
وہ اب گرمجوشی سے مل رہے تھے اور روزی..... انسٹاگرام پر ایک نئے شکار کی تلاش میں نکل گئی۔ جون کا جھلسا دینے والا دن مگر یہاں ماحول میں ایک خوشی..... سب مطمئن تھے۔

☆☆☆

صبح کا سورج اپنی آب و تاب کے ساتھ چمکا تھا مگر دوسرے ہی لمحے کالے بادلوں نے اسے اپنے پیچھے چھپالیا تھا اور ساتھ ہی ٹھنڈی ہوا کے ساتھ پھوار بھی پڑنے لگی تھی جس سے موسم مزید خوشگوار ہوگیا تھا۔ عروج کو زینب خالہ نے زبردستی چھت پر سے کپڑے اتارنے کے لیے بھیجا تھا۔ نادر تو پچھلے نہ جانے کتنے دنوں سے ہی غائب تھا۔ زینب خالہ بیٹے کے گھر میں رہنے سے تو فکر مند ضرور ہوتیں مگر مسلسل باہر رہنے پر انہیں کبھی اعتراض نہیں ہوا تھا اور اب بھی شہر کے حالات خراب ہونے کے باوجود وہ بیٹے کی طرف سے پُرسکون تھیں ہاں البتہ انہیں عروج کی فکر کچھ زیادہ ہی تھی اس لیے وہ جلدی سے اسے اپنے گھر کا کرنا چاہتی تھیں، اس وقت بھی موسم کے تیور دیکھ کر انہوں نے جان بوجھ کر عروج کو چھت پر بھیجا تھا کیونکہ وہ کچن میں کام کرتے کچن کی کھڑکی سے برابر کی چھت پر کھڑے خوبرو نوجوان کو دیکھ چکی تھیں جو موسم سے لطف اندوز ہونے کے لیے چھت پر پتنگ اڑا رہا تھا۔ وہ اپنی تجربے کاری کو اپنی بیٹی پر آزمانا چاہتی تھیں۔
''عروج بالکل باؤلی ہے۔'' وہ بڑبڑائیں۔
''یہ لیں.....امی میں لے آئی سارے کپڑے۔'' عروج نے کپڑوں کا ڈھیر برآمدے میں رکھے چھوٹے سے تخت پر تقریباً پھینکا تھا۔ زینب نے بڑبڑا کر اسے دیکھا ان کی توقع کے مطابق کچھ بھی تو ویسا نہیں ہوا تھا جیسا انہوں نے سوچا تھا اس لیے کپڑوں کے ڈھیر کو سرسری دیکھتے ہوئے قدرے اونچی آواز میں بولیں۔
''ارے میری بچی..... اس میں تیرے ابا کی شیروانی تو ہے ہی نہیں۔''
''ارے امی.....ابا کی کون سی شیروانی.....؟'' عروج ناسمجھی کے انداز میں بولی۔
''وہی جو انہوں نے تیرے خالو پھوپا کی تیسری شادی پر سلوائی تھی۔'' انہوں نے جانے کون سا رشتہ گھڑا اور آنکھ دبا کر اشارہ کیا تو وہ سر پر ہاتھ مار کر ان کا

اشارہ سمجھ کر فوراً بولی۔

''لگتا ہے گر گئی ہے، میں ابھی لے کر آئی۔'' وہ بڑبڑا کر اوپر بھاگی تھی جبکہ خالہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ کر ٹھہر گئی تھی لیکن وہ یہ دیکھنے سے قاصر تھیں کہ وہ لڑکا بظاہر تو انجان بنا ہوا تھا مگر ان کی ساری باتیں سن کر اندر ہی اندر ان کی معصومیت پر ہنس رہا تھا، دوسرے ہی لمحے وہ چھت پر کھڑی شیروانی ڈھونڈ رہی تھی اور گاہے بہ گاہے اسے بھی دیکھ رہی تھی جو بظاہر پتنگ اڑانے میں بے حد مصروف تھا بالآخر رہا نہیں گیا تو وہ خود ہی مخاطب کر کے پوچھنے لگی۔

''سنیں..... آپ نے میرے ابا کی شیروانی تو نہیں دیکھی؟''

''کون سی..... وہ سرخ رنگ کی جس پر سلور کڑھائی ہوئی ہے۔'' وہ ہونٹوں میں مسکراہٹ دبا کر معصومیت سے پوچھنے لگا تو عروج نے زور، زور سے سر کو اثبات میں ہلایا تھا۔

''ہاں، ہاں وہی آپ نے دیکھی ہے؟''

''جی.....''

''کہاں.....؟'' عروج نے بے صبری سے پوچھا تو وہ گہری مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''صبح وہ پہن کر ہی آپ کے گھر سے نکلے تھے۔'' عروج یاد آنے پر سر پر ہاتھ رکھ کر مسکراتی ہوئی ایک ادا سے پلٹی تو وہ گلا کھنکھار کر بولا۔

''آہم..... ویسے آپ نے اپنا نام نہیں بتایا۔'' وہ پتنگ اڑاتے ہوئے کن انکھیوں سے اسے مسلسل گھور رہا تھا۔ ہلکے فیروزی رنگ کے سوٹ پر پیلا دوپٹا لیے وہ دل کو بھا رہی تھی۔

''عروج اور آپ.....''

''مجھے طفیل کہتے ہیں۔'' اس نے پتنگ اپنی چھت پر اتاری تو وہ چلتی ہوئی اس مشترکہ دیوار کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

''ہم لوگ کچھ عرصے پہلے ہی یہاں آئے ہیں۔''

''جانتا ہوں کیونکہ ریبال سے میری بہت اچھی دوستی تھی۔'' عروج نظریں چرا گئی اسے لگا جیسے طفیل ساری حقیقت سے آشنا ہو مگر وہ صرف اسے پھانسنے کے لیے باتیں بنا رہا تھا۔

''آپ ریبال کی کیا لگتی ہیں؟''

''میں..... وہ..... مجھے امی بلا رہی ہیں۔'' اس سے کوئی بات نہیں بنی تو امی کا بہانہ کر کے جانے لگی۔

''عروج.....'' یک دم اس نے پکارا وہ ایک دم رک کر اسے دیکھنے لگی مگر انداز میں وہی جلد بازی شامل تھی۔

''پھر کب آؤ گی؟''

''شام میں.....'' وہ کہہ کر تیزی سے سیڑھیاں اتر گئی تھی جبکہ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہونے کے ساتھ آنکھوں میں ایک عجیب چمک اتر آئی تھی۔

☆☆☆

''انسان کا ماضی سے رشتہ سر کے درد کی طرح ہوتا ہے..... کیوں زوار شاہ.....؟'' محب اللہ نے ہنستے ہوئے سبز رنگ کی فائل کو بند کرتے ہوئے آگے ان کی طرف بڑھایا۔ زوار شاہ سگار کے دھوئیں کو ہاتھ سے ہٹاتے ہوئے ان کی بات پر چونک گئے۔

''کیا مطلب.....؟'' فائل کو ایک طرف رکھتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

''سر بھی نہ دکھے اس کا دل جس نے دکھایا ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''تمہیں کچھ یاد نہیں آیا.....'' محب اللہ نے حیرت اور تاسف سے پوچھا۔

''یار تمہارا دماغ ہم سب یاروں سے تیز ہے..... فوٹو جینک میموری ہے تمہاری۔''

''کیا ہو گیا ہے میرے دوست..... فوٹو جینک تو چہرے ہوتے ہیں.....؟'' محب اللہ نے دیکھا زوار شاہ نے کہتے ہوئے مضطرب ہو کر سگار کو ایش ٹرے میں مسل دیا..... ایش ٹرے راکھ کا ڈھیر بنی ہوئی تھی..... جدید طرز کی ایش ٹرے میں سگریٹ کے

ٹکڑے تھے اور راکھ میں دبی ان یادوں کی چنگاریاں وہ بھی چیخوں کی صورت جو انہوں نے کمالِ ضبط کے ساتھ روک لی تھیں۔

''محبت جب دل دکھا ہو تو کسی یاد کو سر پر سوار نہیں کرنا چاہیے۔'' زوار شاہ نے خود کو نارمل کرتے ہوئے بظاہر مسکرا کر کہا۔ ''پھر سر کے درد کا کیا سوال......؟''

''اچھا...... یقین نہیں آتا۔ سمندروں سے زیادہ گہرے ہو تم اور تم اپنی گہرائی کا رشتہ تنہائی سے جوڑ چکے ہو تو پھر...'' وہ کچھ دیر کو رکے اور افسردگی سے بولے...... ''سلور جوبلی دوستی بھی اب بیکار ہے...... 25 سال میں ہر چیز پرائی ہو چکی ہے...... ناں......؟'' وہ تائیدی نظروں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

''کریدتے ہو جواب راکھ جستجو کیا ہے

''چلو لنچ ٹائم ہو رہا ہے...... سب ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔'' زوار شاہ نے محب اللہ کو زبردستی کمرے سے نکالتے ہوئے ڈائننگ ہال کی طرف اشارہ کیا۔ محب اللہ بھی مصلحتاً چپ ہو کر خوشگوار موڈ کے ساتھ ان کے ساتھ قدم ملاتے ہوئے باہر آ گئے۔ جہاں فیضان شاہ، اعزاز شاہ اور مسز زوار ان کی منتظر تھیں۔

''اُف آپ دونوں نے تو بیگمات کو مات کر دیا...... محب بھائی آپ بھی۔'' انہوں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''ہاں بھئی ہم بھی۔'' وہ مخصوص ہنسی ہنستے ہوئے کرسی کھینچ کر اعزاز شاہ کے دائیں طرف بیٹھ گئے۔

''انکل ایک طویل عرصے بعد آپ آئے ہیں پاکستان۔'' فیضان نے سوپ کا پیالا ان کی طرف بڑھایا۔

''نہیں یاد آتا تو رہتا ہوں...... تم لوگ اب شعور کی منزلوں میں ہو اسی لیے زیادہ احساس ہو رہا ہے۔ آٹھ سال پہلے کی بات ہے جب زوار نے میرے سامنے تمہیں گاڑی کی چابی نہیں دی تھی۔ اور اعزاز نے جب تمہارا فیور کیا تو زوار صاحب بالکل خاموش ہو گئے تھے۔ کیوں زوار یاد ہے ناں؟''

وہ ان کی یادوں کو آواز دینے لگے تھے۔

''ہاں، ہاں یاد ہے، اس یاد کو بھلا میں کیسے بھول سکتا ہوں۔'' وہ اعزاز کو محبت سے دیکھتے ہوئے بولے۔ ''یہ ہر بات میں ضدی تھا مگر اس روز اس نے میرے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے رو کر کہا تھا بابا پلیز آپ اس کو چابی دے دیں، میں اپنے بھائی کو روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ تب میں صحیح ہوتے ہوئے بھی غلط ہو گیا تھا۔ اور چابی نہ چاہتے ہوئے بھی فیضان کو پکڑا دی تھی۔''

''سوری بابا...... آپ کی نئی گاڑی کو میں نے بہت چوٹ پہنچائی تھی سوری......'' فیضان وہ منظر یاد کر کے پھر شرمندہ ہونے لگا۔

''لیکن یار کچھ بھی ہو...... اعزاز کا نیا روپ سامنے آیا تھا...... عجیب محبت اور ہمدردی کی مٹی سے گندھا یہ بیٹا تمہارا بڑا منفرد ہے۔'' وہ پسندیدگی اور متاثر کن سوچ کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔

''سنو واقعی یہ تمہارا بیٹا ہے؟''

''واٹ......؟'' زوار شاہ کے ہاتھ سے لبوں تک بڑھتا پانی کا گلاس چھنا کے سے ٹیبل پر گرا تھا۔ اور ڈائننگ ٹیبل پر پانی ڈشوں اور پلیٹوں میں سالن اور چاول کے ساتھ بڑھ گیا تھا۔

اعزاز شاہ نے گلاس کے ٹکڑوں کو دیکھا اور اچنبھے سے محب انکل کو دیکھا......

''بھائی صاحب کیسی باتیں کر رہے ہیں، اعزاز میرا بیٹا ہے...... میں نے اسے جنم دیا ہے۔ ہاں میرا قصور یہ ہے کہ میں اسے وقت نہ دے سکی...... کچھ زیادہ عرصہ ہمارا ساتھ نہیں رہا۔'' ردا بیگم اشکبار ہو گئیں۔

''کچھ عرصہ؟'' اعزاز اور زوار شاہ کے منہ سے ایک ساتھ جملے ادا ہوئے...... ایک لمحے کو دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا...... تب ماحول کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے محب اللہ نے کہا۔

''اوہ کم آن یار...... ارے میں تو بس یونہی مذاق کر رہا تھا۔'' وہ ہنستے ہوئے بولے۔

''تمہارا بیٹا یہاں کے ماحول میں پلا بڑھا نہیں ہے۔اس کی پرورش برطانوی ماحول میں ہوئی ہے۔ تہذیبی تضاد کے باوجود بعض بچے بلکہ ہم ہر مسئلے کو اپنے آبائی وطن کی قدروں کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں...... اس لیے ہمارے رشتوں میں کھچاؤ اور ذہنوں میں تناؤ برپا رہتا ہے۔'' زوار اسے شکایتی نظروں سے گھور رہے تھے۔

''پتا نہیں میں بھی کیا، کیا بک رہا ہوں...... مگر اعزاز خوب صورت دل کا مالک ہے...... ایسے لوگ محبت کرنا بھی جانتے ہیں اور محبت کا مفہوم بھی سمجھتے ہیں۔ گھر کو آباد رکھتے ہیں...... اور مگر...... خیر۔'' وہ بہت کچھ کہتے، کہتے رک گئے...... پھر گویا ہوئے۔

''مگر میں اپنی بات کو یوں کلاسیفائڈ کروں گا کہ کلاسیفکیشن کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ اگر متضاد خصوصیات رکھنے والی اشیا کو اکٹھا کر دیا جائے تو وہ اکثر ایک دوسرے کے لیے زہر کا کام دیتی ہیں۔'' کھانا بہت لذیذ تھا۔ مگر کھانے کے دوران گفتگو کے اس موضوع نے ہر شے کی کشش ختم کر دی تھی۔ محبّ اللہ اخلاقی جرأت کے ساتھ بہت کچھ کہہ گئے تھے۔ سب کی سمجھ میں آ گیا تھا۔

کس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے، مفاد پرستی نے باغ کے سب سے خوب صورت پیڑ شاہ بلوط کو بڑی خوب صورتی سے کاٹ کر جذبوں کو نوچ کر جو شکل بنائی تھی۔ وہ وقت کے ساتھ، ساتھ زخمی پھول بن گئی تھی۔

سب چپ چاپ کھانا زہر مار کر ڈائننگ ہال سے باہر جا چکے تھے۔ اعزاز نے بہت خاموشی سے کھانا ختم کیا...... اور متانت سے قدم اٹھاتے ہوئے کمرے کی طرف بڑھ گئے...... دونوں وہیں بیٹھے تھے۔

سلوکِ ناروا کا اس لیے شکوہ نہیں کرتا
میں بھی تو کسی بات کی پروا نہیں کرتا

''یار تم بھی حد کرتے ہو......'' زوار شاہ نے اپنا غصہ دبا کر احتجاجی انداز میں کہا۔

''میں نے کچھ نہیں کہا...... صرف جھلک دکھائی ہے، تم مجھے جانتے نہیں ہو کیا؟'' محبّ اللہ نے ڈھٹائی سے کہا...... ''اچھا چلو...... کھانا کھاؤ اور پھر فوراً تیار ہو جاؤ...... مجھے بہت کام ہیں ابھی۔'' وہ آنکھ دبا کر مسکرائے اور زوار شاہ بے بسی کی تصویر بنے انہیں دیکھتے رہے۔ جس نے انہیں بے بس کر دیا تھا۔ سب کے سامنے...... باہر جون کی گرمی اور دھوپ کی شدت کی لپیٹیں اندر ٹھنڈے ماحول کو بھی گرما رہی تھیں...... آگے ابھی اور کیا ہونے والا ہے۔ محبّ اللہ کا اس بار کافی دنوں تک رکنے کا ارادہ تھا......

''شیطان صفت آدمی اب کیا گل کھلائے گا......''

☆☆☆

''جو محبتیں ہمیں توڑ کر اللہ سے جوڑتی ہیں...... انہیں ہرگز کوسنا نہیں چاہیے۔ ان کے حق میں دعائیں کرنی چاہیے کہ انہوں نے آپ کو کمزور، بے فیض سہاروں سے محروم کر کے آپ کو اکیلا چھوڑا، آپ کو توڑا تاکہ آپ ٹوٹے ہوئے وجود سے جھکیں تو سامنے صرف اللہ دکھائی دے...... وہ اللہ جو تب بھی وہاں موجود تھا، جب ہم سرابوں میں تھے...... وہ تب بھی تھا جب ہم بت سجائے دلوں میں آسمان میں اڑتے تھے اور وہ اب بھی وہاں موجود ہے۔ جب ہم ٹوٹے پروں سے زمین پر گر کر چکنا چور ہو گئے ہیں...... ہم تھام کیوں نہیں لیتے اس مضبوط سہارے کو...... آخر یہ ٹوٹنا بکھرنا اور کب تک......؟ مگر نہیں...... ہم ذرا سے سنبھلتے ہیں تو اٹھ کر پھر سے نت نئے چہروں کو دیکھتے ہیں...... آرزوئیں کرتے ہیں...... ہم دشت میں خود ریت پھانکتے پھرتے ہیں...... ورنہ ہم دیس نکالے نہیں ہیں...... ہم آج بھی چاہیں تو اپنے راستے ہدایت والوں کی طرف موڑ دیں اور یقین جانیں رب کی مقرر کردہ حدود میں ہی سکون ہے۔''

وہ پھر آج سی ڈی پلیئر پہ اسلامی تقریر سن رہی تھی...... اسے ہر مقرر میں ریبال کی آواز سنائی دیتی۔ وہ دیوانوں کی طرح سنتی اور اپنی اصلاح کرتی......

''کیا ریبال کے اللہ نے میرے لیے وہ راستہ

چنا ہے جس میں میرے لیے ہدایت ہے؟'' وہ خود کلام ہوئی۔

''ہاں کیونکہ وہ تمہارا بھی رب ہے...... اسے تم سے پیار ہے، وہ اپنے پیارے بندوں کو یوں بے آسرا نہیں چھوڑتا...... وہ تمہیں توڑ کر مضبوط کرنا چاہتا ہے، تم سے کوئی کام، اہم کام لیا جائے گا۔'' اسے اپنے اندر سے آتی یہ آواز حیران کر گئی۔

''تو کیا میں ممی، پاپا کی محبت سے دستبردار ہو رہی ہوں؟ میں نے تو ہمیشہ انہیں برا بھلا کہا...... کبھی انہیں اچھے لفظوں میں یاد نہیں کیا...... کیا ان کی کمی کو محسوس کرنا پیار ہے؟''

''یقیناً!'' اس کے ذہن نے فوراً گرین سگنل کا نشان دیا۔

''بالکل......'' وہ جوش میں آ کر بیڈ سے اٹھ گئی۔

''اگر میرے ممی، پاپا میرے ساتھ ہوتے تو ریبال نہ ملتا اتنے سارے سوال میرے اندر پیدا نہ ہوتے۔ میں بیمار تھی، کمزور تھی، لاچار تھی مگر اب بالکل ٹھیک ہوں، بالکل ٹھیک......'' وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ خوب صورت قد و قامت، سرخی مائل بال اور آنکھوں میں اداسی کی لہریں مچل رہی تھیں۔

''اگر ریبال مجھے نہ ملتا...... زندگی اس کے بغیر کتنی بے معنی ہے ناں......!''

کھڑکی سے باہر صبح کی روشنی کا پتا چل رہا تھا۔ ہوا کے جھونکے بہار کھڑے قدیم درختوں کی شاخوں کو زندگی دے رہے تھے۔ پرندے بیدار ہو رہے تھے۔ ابابیل کی چہکتی آواز اطراف میں سفر کر رہی تھی۔ ابابیل خوشی اور امید کے ساتھ گویا اسی آواز کے نخلستان کا گلاب تھی۔

دیوار گیر گھڑی کے گھنٹے نے پانچ بجے کا الارم دیا تو جیسے وہ اپنی جگہ ساکت کھڑی ہو کر گھڑی کو دیکھے گئی۔ اس نے نیچے نئی تاریخ کا منظر طلوع ہو گیا تھا۔

20 جون...... وہ یک دم خوشی سے مسکرا دی اور کچھ سوچ کر نئے خواب بنتے ہوئے الماری کی طرف بڑھ گئی۔ پٹ کھولے نچلی دراز سے اپنی تصویر کا فریم نکالا، اس کے بچپن کے دنوں کی یادگار تصویر ممی، پاپا کے ساتھ۔ باپ کرسچن اور ماں ہندو مگر اس وقت جیتی کے والدین صرف اولاد کی خوشیوں کو فریم کر رہے تھے۔ خوشیاں تصور کے کینوس پر منتقل تھیں۔ وہ حسین لمحے اب نہیں رہے۔ دو تہذیبوں کا ٹکراؤ ایک دوسرے کو ختم کر گیا۔

''اس میں بھلا میرا کیا قصور؟'' وہ پھر اداس ہونے لگی تھی کہ فجر کی اذان کی آواز بلند ہوئی تو جانے کس احساس نے اسے لمحوں میں ہلکا پھلکا کر دیا۔ وہ نماز کی تیاری کرنے لگی اور آج کے اہم دن کی منصوبہ بندی بھی جو اس کا دن تھا...... وہ وضو کر کے نماز کے لیے کھڑی ہو گئی۔ سجدے میں جاتے ہی اسے لگا کہ اس کا وجود آہستہ، آہستہ کسی بوجھ سے آزاد ہو رہا ہے۔ وہ جتنا جھکتی گئی اتنی ہی بلند ہو گئی تھی۔ سجدہ طویل ہو گیا تھا۔ اسے کچھ ہوش نہیں تھا پورے کمرے میں اس کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔ وہ اللہ کے تعلق پر ہمیشہ شاکی رہی اسے اپنے اور دوسرے مذاہب کے خداؤں کی دنیا کبھی سمجھ نہیں آئی تھی۔ ہمیشہ بحث کرتی رہی، ریبال نے قرآن کی مختلف آیات کے ذریعے سمجھایا تھا کہ اللہ ایک ہے اور صرف وہی ہمارا رب ہے، وہ اسی ایک رب کے حضور سجدہ ریز تھی بہت ساری دعائیں مانگ لیں۔ اپنی کوتاہیوں کا گلہ کیا۔ اپنے والدین کو جتنا برا بھلا کہا تھا ان کی ہدایت کے لیے دعا کرتی رہی۔ اپنے لیے دعا کرتے ہوئے ریبال کا چہرہ سامنے آ گیا تو وہ صرف دل میں مخاطب ہوئی۔

''اے ریبال کے پروردگار تو جانتا ہے اس نے مجھے رستہ دکھایا ہے۔ وہ نیک اور شریف ہے...... میں نے بہت گناہ کیے...... میں اس کے قابل نہیں ہوں لیکن...... لیکن...... اگر میں ہدایت کے راستے پر چلوں تو تیرا وعدہ ہے تو اپنے بندوں کو انعام سے نوازے گا۔ حالانکہ میں بہت گناہ گار ہوں...... بہت گناہ گار...... مگر میں تجھ سے اپنے لیے تیری بخشش

کا سوال کرتی ہوں ۔ مجھے انعام چاہیے ہاں انعام ......میرا وعدہ ہے کہ میں اب نہیں بھٹکوں گی اے خدائے عزوجل تو نے میرا بھٹکا ہوا دل بدلا ہے تو میرے درد کو امان دے ۔میرے درد کا درماں دے۔ میرا انعام مجھے چاہیے۔'' وہ روتی رہی، اللہ سے ہمکلام رہی اور اسے مناتی رہی، اس کا ایمان فروزاں ہو رہا تھا کہ اسے بہت کچھ ملنے والا ہے۔ وہ رب کائنات سے مانگتے، مانگتے سجدے میں چلی گئی۔اور نیند اس پر مہربان ہوگئی اور کہیں کسی کی نیند میں خلل پڑ رہا تھا اور صبح کی روشنی ہر ایک کے لیے مہربان نہ تھی۔

☆☆☆

یہ تو طے ہے کہ زندگی کے اس سفر میں ہر چیز کا دایاں اور بایاں پنکھ ہے۔محبت کے پنکھ کے لیے غصہ ہے اور قسمت کے پنکھ کے لیے شفا اور معافی کے بھی تو پنکھ ہوتے ہیں مگر دونوں پروں میں اگر تناسب ہوگا تب ہی وہ ہوا کے سامنے ٹھہر سکیں گے۔

ریبال کی آنکھ اسی وقت کھلی تھی جب ہیمبرگ کا سورج طلوع ہو کر اپنی کرنوں سے روشنی بکھیر رہا تھا۔ وہ نمازِ فجر پڑھ کر دوبارہ سو گیا تھا مگر اس کو ایک بے چینی اور پریشانی نے آن گھیرا تھا۔ تشمیرہ کی پریشان اور غم زدہ صورت اس کے حواسوں پر سوار ہوگئی تھی۔ اسے جانے کیوں لگ رہا تھا کہ وہ کسی مصیبت میں ہے۔ عجیب صورتِ حال تھی۔ وہ اس کے موبائل پر کتنے میسج کر چکا تھا۔ میسج کا ریپلائی نہیں آیا تھا۔کال کرنے کی کوشش کی مگر موبائل بند تھا۔ امی کو بھی کئی دفعہ فون کیا اور تشمیرہ کے لیے فکرمندی کا اظہار کیا مگر امی کے بقول وہ جب اس کے گھر گئیں گھر بند ملا اور ان واہموں نے اسے اور پریشان کر دیا تھا کہ خدانخواستہ اسے کچھ......؟

''نہیں، نہیں اسے کچھ نہیں ہوگا......'' وہ اسی پریشانی اور فکر کی کیفیت میں الجھا، الجھا بستر سے اٹھ کھڑا ہوا اور اسی لمحے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ بغیر دیکھے اس نے ریسیو کر کے ہیلو کہا۔ دوسری طرف جینی تھی اور پھر اماں کی کال بھی آ رہی تھی۔

☆☆☆

ریبال سے فون پر بات ہوئی تو جیسے مہرالنسا بیگم کو ڈھیروں سکون مل گیا۔

''اللہ میرے بچے کو نظرِ بد سے بچائے۔'' وہ دعا کرنے لگیں اور لفظ نظرِ بد سے جیسے ماضی کے اوراق پلٹنے لگے اور زیب النسا کی شادی کی یاد دستک دینے لگی۔

اماں مطمئن ہو کر لڑکے والوں کو رخصت کر کے مہرالنسا سے بات کر رہی تھیں۔

''دیکھو لوگ تو مناسب ہیں اور اچھے نظر آ رہے ہیں، لڑکا بھی ٹھیک ہے جیسے ہی وہ لوگ فائنل جواب دیں گے میں فوراً شادی کی تاریخ طے کر دوں گی۔''

''اماں آپ فکر کیوں کرتی ہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہماری زیب اتنی پیاری ہے کہ کوئی اس کے لیے انکار نہیں کر سکتا۔''

''ارے بیٹا زبان بھی پیاری ہوتی تو کیا بات تھی۔'' اماں نے آہ بھری......

''ویسے زیب خلافِ معمول چپ تھی لڑکے والوں کے سامنے بھی زیادہ نہیں بولی۔'' اماں کو تشویش ہوئی۔

''اماں آپ بھی ناں......!'' وہ اماں کی بات پہ ہنسی۔''اب آپ کو اس کے چپ رہنے پر اعتراض ہو رہا ہے۔......اب اس کو سمجھ آ گیا ہوگا کہ آپ کیا چاہتی تھیں......ظاہر ہے اب فکر چھوڑیں۔ اچھا، اچھا سوچیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ اماں سے پیار سے بولی تو اماں اسے دیکھ کر آسودہ ہوگئیں۔

''کتنی پیاری بیٹی ہے یہ میری......میرے دکھ، درد کو سمجھتی ہے اور ایک وہ بے حس زیب النسا ہے......'' وہ آگے نہ سوچ سکیں۔

''آئیں گرم، گرم چائے پیتے ہیں۔'' وہ چائے لانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اور یہ عقدہ کھل ہی گیا کہ زیب اتنی خاموش کیوں

تھی۔ کیونکہ رشتہ اسی کی مرضی سے آیا تھا۔ وہ لڑکا دبئی میں کوئی نوکری کرتا تھا۔ زیب کی کسی سہیلی کے ہاں اس سے اس کی ملاقات ہوئی تو اس لڑکے (شمشیر) کی ظاہری صورت اور چمک دمک نے اسے بہت متاثر کیا تھا۔ وہ دو بہن بھائی تھے۔ گھر والے شمشیر کے اشاروں پہ چلتے تھے یوں جلد رشتہ آ گیا کیونکہ زیب النسا اور شمشیر کی ملاقاتوں کا دورانیہ بھی لمبا ہو گیا تھا۔

زیب کو اپنے خوابوں پر یقین تھا کہ وہ دبئی پلٹ ہے۔ وقت کے ساتھ، ساتھ دن اور اچھے ہو جائیں گے مگر نصیب اور وقت کا کیا پتا......؟ اماں کی تشویش بے جا نہ تھی...... وہ تو اماں نے بس اتنا کہا۔

''مجھے شمشیر کے کاروبار کار کی سمجھ نہیں آ رہی کہ وہ دبئی میں کیا کرتا ہے؟''

لڑکے والوں کی طرف سے جب فائنل فون آیا تو اماں نے لڑکے کے روزگار کا ذکر چھیڑا......

آج اتوار تھا صبح سے سارے کام نبٹا کر اب دوپہر کے کھانے کے لیے تینوں ماں، بیٹی بیٹھی تھیں اماں نے یخنی پلاؤ بنایا تھا۔ جب وہ رائتے کا ڈونگا اپنی طرف کر رہی تھیں تب ہی زیب بھڑک کر بولی۔

''آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے سب پتا کر لیا ہے سب ٹھیک ہے۔''

اماں کے ہاتھ سے ڈونگا گرتے، گرتے بچا...... اور کچھ ایسی ہی کیفیت مہر النسا کی بھی تھی۔

''تمہیں کیسے پتا وہ تو انجان لوگ تھے؟'' اماں بولیں۔

''کوئی انجان ونجان نہیں...... وہ شہناز کے رشتے دار ہیں۔ آپ زیادہ مسائل نہ پیدا کریں بس ان کو جواب دے دیں کہ ہم راضی ہیں، میں نے سب معلوم کر لیا ہے۔'' وہ انتہائی بدتمیزی سے مخاطب تھی۔

''زیب النسا...... اماں سے تمیز سے بات کیا کرو، وہ ہماری ماں ہیں ان سے زیادہ کس کو تمہاری فکر ہو گی۔'' وہ اپنے غصے کو برداشت کرتے ہوئے بہت تحمل سے کہہ رہی تھی...... ''تم یہ بات اماں کو پہلے بتا سکتی تھیں۔ اماں کو اعتماد میں لے لیتیں......'' وہ کھانا چھوڑ کر اس سے کہہ رہی تھی۔

''اس گھر میں کوئی میرا ہمدرد نہیں ہے، ایک ابا ہی تھے۔'' یہ کہہ کر زیب بلک، بلک کر روتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی۔

عجیب صورت حال ہو گئی تھی...... کھانا، کھانا، خون ہو گیا تھا۔ اماں الگ افسردہ تھیں، مسلسل ان کے آنسو گر رہے تھے۔

''اماں میری بات سنیں آپ پریشان نہ ہوں، دکھی نہ ہوں، وہ جب کہہ رہی ہے کہ اس نے معلوم کر لیا ہے تو آپ اللہ پر بھروسا کر کے بس تاریخ طے کر لیں۔'' وہ ان کے ہاتھوں کو تھامتے ہوئے بولی۔

''بیٹا میں اس کی دشمن تھوڑی ہوں، میں نے اسے جنم دیا ہے، ماں ہوں اس کی۔ بس لڑکے کی طرف سے یہ فکر تھی کہ وہ دبئی میں کیا کام کرتا ہے، کیا میں غلط ہوں؟ بتاؤ تم......؟'' وہ رونے لگیں تو اس نے اماں کو گلے لگا لیا۔

''آپ فکر نہ کریں سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اور اماں بچوں کی طرح اس کے کندھے سے لگ گئیں۔

وہ چھوٹی ہو کر بھی اماں کے دکھوں کو سمجھتی تھی اور زیب کو صرف اپنے آپ سے مطلب تھا وہ ان دونوں سے دور کھڑی مگر مچھ کے آنسو صاف کرتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ اور آنے والا وقت جانے کس پر مسکرانے والا تھا۔

یہ زیب کی شادی کی تاریخ رکھنے کے ایک ہفتے بعد کی بات تھی۔ جب وہ مسلسل اپنے کاموں کو تیزی سے نمٹا رہی تھی...... اس نے چھٹی کی درخواست دے دی تھی۔ جسے دو دن کے بعد بھی منظوری نہ ملی تھی اور وہ مسلسل پریشان تھی۔ آخر وہ اتنی محنت سے کام کرتی ہے، اماں بیچاری اکیلے کیسے ہو گا سب کچھ۔

کچھ سوچ کر اس نے زوار شاہ سے خود بات کرنے کا فیصلہ کیا...... وہ دستک دے کر ان کے آفس میں چلی آئی۔ مانوس کلون کی خوشبو کمرے کے اندر چھائی ہوئی تھی۔ وہ ٹیلی فون پہ کسی سے بات

کرر ہے تھے۔ ان کا رخ اس کی طرف نہیں تھا۔ وہ کچھ دیر منتظر رہی...... جب وہ خدا حافظ کا کہہ چکے تو اس نے مخاطب کیا۔

''سر......!'' وہ اس کی آواز پر فوراً چونکے اور کرسی سیدھی کی۔

''جی مہر النسا کہیے؟'' وہ شائستگی سے کہتے ہوئے اسے بیٹھنے کا اشارہ کررہے تھے۔

''سر میں نے آپ سے ایک ہفتے کی چھٹی مانگی ہے۔ درخواست آپ کو دو دن پہلے دی تھی...... مگر آپ نے ابھی تک منظور نہیں کی...... سر میں بہت پریشان ہوں' میری بہن کی شادی ہے اسی ہفتے۔'' اور زوار شاہ نے اس کی بات مکمل نہ ہونے دی۔

''آخر آپ نے اپنی بہن کی شادی کو اتنا بڑا مسئلہ کیوں بنایا ہوا ہے مس مہر النسا۔'' وہ سرد لہجے میں بولے۔

''کیا مطلب سر......؟ وہ میری بہن ہے، میری امی بالکل اکیلی ہیں...... ظاہر ہے مجھے سب کرنا ہے...... میں اپنے گھر کی واحد کفیل ہوں۔'' وہ اٹک، اٹک کر بولی۔

''اگر آپ چھٹی نہیں دے رہے تو میں نوکری سے استعفیٰ دے دیتی ہوں کہیں نہ کہیں دوبارہ نوکری مل جائے گی۔'' وہ گیلی، گیلی آنکھوں کے ساتھ کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''افوہ مہر النسا' آپ سے بات کرنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔'' وہ یک دم اس کے لہجے سے خوفزدہ ہوگئے۔ اصل میں وہ ایک ہفتہ نہیں آئے گی یہ سوچ کر وہ چھٹی دینے میں تامل برت رہے تھے۔

''اوکے یہ لیں...... میں نے اس پر approved لکھ دیا ہے۔'' وہ کاغذ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔ ''اور ہاں اگر آپ کو ادارے کی طرف سے کچھ رقم چاہیے تو آپ نصیب صاحب سے کہہ کر لے سکتی ہیں۔''

''شکریہ سر......'' وہ اس کے عجیب و غریب رویے کو سمجھنے سے قاصر تھی وہ نکلنے لگی تو وہ بولے۔

''آپ بلائیں نہ بلائیں میں شادی میں ضرور آؤں گا۔''

''جی......؟'' وہ حیرت زدہ ہو کر پلٹی۔

''جی......!'' جواباً وہ اس کی پھٹی' پھٹی آنکھوں کو دیکھ کر مسکرائے۔

''جائیں اور اپنے کام مس نورین کو ہینڈ اوور کر جائیں۔'' وہ ان کی باتوں پہ غور کرتی کمرے سے

نکل آئی۔

''عجیب آدمی ہے گھڑی میں ولی گھڑی میں بھوت۔'' وہ بڑبڑ کرتی سوچتی رہی کہ خیر چھٹی تو مل گئی تھی۔ ایک ہفتہ سکون سے گزرے گا۔

دن اتنی تیزی سے گزرے کہ پتا ہی نہیں چل سکا اور زیب کی رخصتی سے دو دن پہلے جب سیاہ رنگ کی کرولا اس کے گھر کے سامنے رکی تو اندر ڈھولک کی تھاپ پہ شادی بیاہ کے گیت گائے جا رہے تھے۔ زوار شاہ نے گیٹ کی سائڈ پر لگی ڈور بیل بجائی تو کچن سے نکلتی مہر النسا پیلے اور زرد رنگ کے امتزاج میں خوب صورت چنزی کا لباس پہنے مہندی کے تھال کو تھامے ہوئے دروازے کی طرف آئی۔ خوب صورت سیاہ گھنے بالوں میں بیلے کی کلیاں پروئی ہوئی تھیں۔ ایک ہاتھ میں تھالی کو پکڑتے ہوئے اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے... بہ مشکل دروازہ کھولا تو مہندی کی تھالی ڈگمگا گئی۔

''آپ...... یہاں ...... مگر کیوں ......؟'' وہ اسے دیکھ کر ہکا بکا تھی وہ حیران پریشان ہو کر پوچھنے لگی۔ ہلکے ہلکے میک اپ میں وہ عام دنوں کے برعکس خوب صورت اور جاذب نظر لگ رہی تھی۔ وہ کچھ لمحے اسے دیکھے گئے۔

''میں نے کہا تھا کہ آؤں گا۔ کہاں ہیں آپ کی امی......؟'' زوار شاہ نے سنبھل کر کہا۔

''وہ...... وہ تو اندر ہیں مگر آج تو مہندی ہے۔ آپ پھر کسی دن آجایئے گا۔'' وہ پریشان ہو کر بولی۔

''واٹ...... !میں تمہارا مہمان ہوں۔'' زوار شاہ کو اس کی ذہنی صحت پر شک ہوا۔ ''امی کے پاس لے کر چلو...... ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' وہ سختی سے بولے۔

''آئیں چلیں۔'' وہ ایک دم خوفزدہ ہو کر بولی۔ وہ قدم، قدم پر اس کے ساتھ چلتے اندر آگئے۔ ان کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ تھی اور وہ کوفت کے عالم میں تھی۔

سلیقے سے سجا صاف ستھرا گھر اور ہلکی پھلکی چہل پہل اندر کسی کمرے سے شور کی آواز آرہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے سادہ سے ڈرائنگ روم میں آگئے۔ ڈرائنگ روم سادگی سے آراستہ تھا۔ صوفوں کے ساتھ رکھی میز پہ ڈیکوریشن پیس اور پھولوں کے گلدان اچھے لگ رہے تھے۔

''آپ بیٹھیں، میں امی کو لے کر آتی ہوں۔'' وہ بیٹھ گئے اور یونہی اطراف میں دیکھنے لگے اور اِدھر وہ گھبرا، گھبرا کر امی سے کہہ رہی تھی۔

''امی میرے سر آئے ہیں۔ میں نے انوائٹ نہیں کیا وہ پھر بھی آپ سے ملنے آئے ہیں۔'' وہ ڈرتے، ڈرتے وضاحت کر رہی تھی۔

''ایسا کیا ہے بھئی جو ایک دم چلے آئے۔'' امی اس سے زیادہ پریشان ہو گئی تھیں۔ ''چلو چلتی ہوں میں۔'' انہوں نے کہتے ہوئے دوپٹا سر پر جمایا۔

وہ اندر داخل ہوئیں تو زوار شاہ ان کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔ دراز قد، ہینڈسم زوار شاہ لائٹ براؤن ڈریس پینٹ کے ساتھ ڈارک براؤن شرٹ میں ان کی شخصیت بہت نمایاں لگ رہی تھی۔

''السلام علیکم......'' وہ احتراماً امی کے آگے جھکے۔ وہ انہیں دیکھ کر تھوڑا جھجکیں سلام کا جواب دیا اور پھر انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''امی یہ ہیں میرے باس۔'' وہ بتانے لگی تو وہ فوراً کہہ اٹھے۔

''آپ میرے لیے ایک گلاس سادہ پانی لائیں گی۔ اپنا تعارف میں خود کروا دوں گا مس مہر النسا بلیز!'' زوار شاہ نے شائستگی سے کہا تو وہ فوراً جانے کو مڑی پر کچن تک جاتے، جاتے وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔

''ایک تو شادی کا گھر ہے اوپر سے یہ صاحب آگئے...... اب پتا نہیں کیا باتیں ہو رہی ہوں گی امی سے......'' وہ فریج سے پانی کی بوتل نکال رہی تھی تب ہی بے دھیانی میں اندر رکھی چیزیں دھڑا دھڑ اس کے کپڑوں پر گرنا شروع ہو گئیں۔

"اوہ خدایا.....!" مٹھائی کی ٹرے پورے کپڑے خراب کر گئی..... سارے گلاب جامن، رس گلے اس کے کپڑوں سے ہوتے ہوئے فرش پر پڑے ہوئے تھے۔ وہ پریشانی سے رودی۔

"اب کیا کروں.....؟ کس سے کہوں کم از کم پانی تو پلادے کوئی سر کو۔"

"مہرو یہ کیا ہوا؟" زیب کسی کام سے اس طرف آئی تھی وہ پانی نکال رہی تھی۔ "ہائے تمہارے سارے کپڑے خراب ہوگئے....."

"او ہو صحیح ہو جائے گا تم پلیز ڈرائنگ روم میں یہ پانی بھجوادو کسی سے..... میں یہ سمیٹ کر آتی ہوں۔" وہ جھنجلا کر بولی۔

"اچھا!" وہ جانے کیا سوچ کر خاموش ہوگئی مگر اسے کھد بد شروع ہوگئی تھی..... وہ پانی لے کر پہلے کسی کو تلاش کرتی رہی۔ پھر اپنی طبیعت اور تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر خود ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔ "دیکھوں تو آخر کون آیا ہے۔"

ڈرائنگ روم کا پردہ لہرا رہا تھا۔ اماں سامنے والے صوفے پر بیٹھی تھیں..... اور زوار شاہ کی پشت اس کی طرف تھی۔ اماں بڑے آرام سے گفتگو کر رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا کہ کوئی بہت قریبی جاننے والا ہے۔ مہمان کو دیکھنے کی جستجو جڑ پکڑ رہی تھی۔

"تم ابھی تک یہاں کھڑی ہو کیا پانی اندر بھجوایا؟ ارے تمہارے ہاتھ میں پانی کی بوتل ہے، اللہ زیب بہت بری ہو تم۔" وہ بہت غصے سے بولی۔ جلدی، جلدی وہ کپڑے تبدیل کر کے آ بھی گئی تھی۔ تب ہی زوار شاہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ امی بھی بات کرتے ہوئے باہر آئیں۔

"بیٹا کھانا کھا کر چلے جاتے۔ بس لگنے ہی والا ہے۔" امی نے اصرار کیا۔

"ارے نہیں آنٹی ضرور کھاؤں گا پر اس وقت نہیں..... ہاں وعدہ ہے۔"

"مہرو پانی لے کر ابھی تک نہیں آئی۔ حد ہوگئی۔"

"کوئی بات نہیں، پانی کی پیاس نہیں تھی۔ بس آپ سے ملنا تھا ضروری بات کرنی تھی۔"

"بہت شکریہ بیٹا، بس مہرو سے بات کرلوں پھر تمہیں فون کروں گی۔"

"جی بالکل....." وہ لمبے، لمبے قدم اٹھاتے باہر نکلے تو مہرو سامنے کھڑی تھی۔ لباس تبدیل ہو چکا تھا۔ اور ساتھ سر پہ پیلا دوپٹا اوڑھے لڑکی جو پانی کی ٹرے اٹھائے ہوئے تھی۔ اس کا مسکرا کر شکریہ ادا کیا۔

"آپ کا شکریہ کہ مس مہرو نے پانی کا گلاس بھجوانے کے لیے آپ کو زحمت دی۔ آپ کو شادی بہت مبارک ہو۔" اور سر جھکائے کھڑی مہرو پہ گہری نظر ڈالتا وہ گیٹ سے باہر جا چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی تو مہرو کو ہوش آیا۔

"تمہیں منع کیا تھا تم مت جاؤ پانی کسی اور سے بھیج دو۔" وہ زیب پہ خفا ہوئی، اسے افسوس ہو رہا تھا کہ سر نے پانی بھی نہیں پیا اور ایسے ہی چلے گئے۔

"کیا سوچتے ہوں گے وہ ہمارے بارے میں....." وہ شرمندہ ہو رہی تھی۔

"ارے بیٹا، وہ پانی کا تو اس نے ایسے ہی کہہ دیا تھا پریشان نہ ہو تم۔" اماں مسکراتے ہوئے آگے بڑھیں۔ اسے یاد آیا اماں کہا کرتی ہیں کہ پانی مانگنے والے کو فوراً پانی دو پر ابھی یہ کیا کہہ رہی ہیں۔

"یہ کیا بات ہوئی اماں کوئی پانی مانگے اور پانی نہ پیے!"

"ویسے تھا کتنا ہینڈسم آدمی۔" زیب نے دونوں

ہم کو عبث بدنام کیا

ماں کا غرور

محمد موسیٰ کی پیدائش پر ہنزہ کے احساسات ایک ماں کے قلم سے

محمد موسیٰ ہنزہ کی آنکھوں کا نور
ہنزہ کے دل کا سرور
ہنزہ ہے آج بے حد مسرور
الٰہی تیری عطا پر ہم ہیں تیرے انتہائی مشکور

از: صبا آصف، گلشن حدید، کراچی

کی بات کا اثر لیے بغیر کہا۔

''تم اندر جاؤ، دو دن بعد تمہاری شادی ہے کیوں اندر سے نکل کر باہر آ گئیں۔ شرم و حیا ختم ہوگئی ہے۔'' اماں نے اسے گھور کر دیکھا۔

''ہونہہ؟'' وہ منہ بناتی ہوئی آگے بڑھنے لگی کہ اماں کے ساتھ چلتی مہرو نے پوچھا۔

''اماں وہ آپ سے کیوں ملنے آئے تھے؟''

''تمہارے لیے.....'' اماں اسی اطمینان سے بولی۔

''میرے لیے..... مگر کیوں؟'' وہ پریشان ہوگئی مگر آگے بڑھتی زیب کے اپنے خدشوں کو زبان مل گئی، وہ لمحہ بھر کو رکی۔

''وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے، اسی لیے مجھ سے بات کرنے آیا تھا۔ مجھے اس کی شرافت نے بہت متاثر کیا ہے۔''

''مجھ سے شادی.....؟ زوار شاہ نے آپ سے یہ کہا..... لیکن انہوں نے مجھ سے تو کبھی کچھ نہیں کہا اماں.....!''

''یہی تو اس کی شرافت ہے بیٹا اور میں بالکل راضی ہوں، بالکل چوں چرا نہیں..... میں رات کو دو نفل پڑھ کر دعا مانگوں گی اور تمہارے لیے ہاں کر دوں گی۔'' اماں حتمی لہجے میں کہہ کر اندر چلی گئیں۔ ڈھولک کی تھاپ تیز ہو رہی تھی..... مہرو اس اچانک موڑ پر جیسے اپنی قوتِ گویائی کھو چکی تھی۔ نہ بول پا رہی تھی نہ سوچ پا رہی تھی..... اور اس سے آگے کھڑی زیب کا وجود حسد کے شعلوں میں دہک رہا تھا.....

''اتنا ہینڈسم آدمی اور اتنا امیر کبیر مہرو کے نصیب میں کیونکر ہو سکتا ہے؟ بچپن سے اب تک تو ہر اچھی چیز میرا مقدر رہی ہے، مہرو کیسے جیت سکتی ہے.....''

زیب کی نظرِ بد اس کا تعاقب کر رہی تھی..... نظرِ بد جو آدمی کو پہاڑ سے گرا دیتی ہے۔ اور اسی لمحے ایک دم کسی چیز کے گرنے کی آواز آئی تو مہر النسا کا ماضی ان کی آنکھوں سے ایک دم غائب ہوگیا..... وہ ریبال کی تصویر پر نظر جمائے کتنا طویل سفر طے کر آئی تھیں..... اور ابھی کتنا باقی تھا۔ دور مسجد سے اذانوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں..... اور اب حال کا سفر شروع ہوگیا تھا۔

''وہ آئی
اور اس نے مسکرا کر
میری بڑھتی عمر کے
سارے پرانے، جانے انجانے برس
پہلے ہواؤں میں اڑائے
اور پھر.....
میری زبان کے سارے لفظوں کو کھلی کھڑکی سے یوں پھینکا
کہ برسوں کی تنہائی
آج بھی مرے کمرے کی
ہم سفر ہے کہ.....

اور مہر النسا کے گھر سے ابھرتا سورج زوار ہاؤس میں اپنی شعاعیں بکھیر رہا تھا۔ زوار کے بیڈ روم میں تاریکی کو چیرتی ننھی ننھی شعاعیں چور روزنوں سے اندر داخل ہو رہی تھیں۔

وہ مسلسل کروٹیں بدل رہے تھے۔ ان کی پوری رات بے قراری میں گزری تھی۔ ماضی کی ہار ان کے دماغ کو جھنجوڑ رہی تھی.....

زوار شاہ کے لاشعور میں یہ کہیں رقم ہوگیا تھا کہ انہوں نے غلط فیصلہ کیا ہے۔ انہیں سچ اور جھوٹ کو پرکھنا چاہیے تھا..... مگر جب غیرت، غصہ، دماغ پہ حاوی ہو تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا..... انہوں نے بند مٹھی کو نہیں دیکھا اور ہاتھ کھول کر فیصلہ ثبت کر دیا۔

''میاں جی ایک بار تو میری بات سن لیں.....'' یہ معصوم آواز آج بھی گونجتی تو وہ سر پکڑ لیتے.....

''کیا میں نے ظلم کیا ہے؟'' انہوں نے اپنے ضمیر سے پوچھا۔ وہ مزید سوال کرتے..... اسی دم دروازہ ناک ہوا اور فیضان شاہ اندر داخل ہوا تو وہ زبردستی مسکرا کر اسے دیکھنے لگے۔

(باقی آئندہ)



ہلکے دُکھ

فرحین اظفر

دکھ اور غم سارے کے سارے ہی بھاری نہیں ہوتے۔ ان کی بھی الگ، الگ قسمیں ہوتی ہیں باوجود اس کے کہ ان کو برداشت کرنے سہنے والا دل ایک ہی ہوتا ہے۔ جیسے ریشم کے سرسراتے کپڑے کی قسمیں ہوتی ہیں۔ الگ، الگ جدا، جدا مہین سے مہین، قیمتی سے قیمتی لیکن ان کے دھاگے تھوکنے والا کیڑا ایک ہی ہوتا ہے۔ ریشم کا کیڑا بالکل ویسے ہی......

''کیا تھا اگر آج ارسل آفس سے آدھی چھٹی

لے کر مجھے چھوڑ آتے۔'' اس نے بھی گھر سے قدم نکالتے وقت ایک مزید ہلکا سا غم دل کو لگایا۔

چلچلاتی دھوپ میں بہتے پسینے کو بیزاری بھری نزاکت سے صاف کرتے ہوئے اس نے کوئی پچیسویں بار اپنے غارت موڈ، واہیات موسم، پریشان زندگی اور بدتمیز اولاد جیسے ہر مسئلے کا ذمے دار، مشرقی عورتوں کی طرح شوہر کو ٹھہرا کر بھڑاس کا روزن تلاشا۔

سامنے سے ویگن آرہی تھی لیکن مطلوبہ وین نہیں تھی اسے سرے سے ویگن مطلوب ہی نہیں تھی۔ اس کی متلاشی نگاہیں، تیز دھوپ میں گھور، گھور کر یہاں وہاں چنگچی یا کوئی رکشا تلاش کررہی تھیں۔ جب ویگن کو قریب آتے دیکھ کر ہمیشہ کی طرح مشائم نے چھلانگ لگا کر اس کے سامنے آنے کی کوشش کی۔ جس کو اریبہ نے بروقت مٹھی میں دبوچی کلائی کو جھٹکا دے کر پیچھے کیا۔

''اب اگر بس کو دیکھ کر ایسے اچھلا ناں......! تو دھکا دے دوں گی۔ اسی کے آگے۔'' سر جھکا کر اس نے مشائم کے کانوں میں منہ دے کر حلق سے کسی ڈائن کی مشابہہ آواز نکالی۔ اور مشائم عرف مشو واقعی میں سہم سا گیا۔

ابھی وہ اس کی اس خطرناک حرکت کا مکمل سدِباب کرنا چاہتی تھی لیکن بات ادھوری رہ گئی۔ روڈ کے دوسری طرف سے موڑ کاٹ کر ایک خالی رکشا چلا آرہا تھا۔

اس نے دکھتے ہوئے کندھے پر ڈالا ہوا بیگ مزید جمایا...... جس سے درد کم ہونے کے بجائے اور زیادہ ہی ہوا لیکن وہ نظر انداز کرتی ہوئی مشو کی کلائی پکڑے آگے کی طرف بڑھ گئی۔

''ایں...... اتنا زیادہ کرایہ......''

رکشے والے نے کرایہ کیا بتایا...... مانو باقاعدہ ڈیمانڈ ہی کرڈالی۔ ابھی اس کی حیرت کے بعد کرایہ کم کرنے کی بحث شروع بھی نہیں ہوئی تھی کہ رکشا والا خود ہی شروع ہوگیا۔

''سی این جی بند ہے باجی، اتنے میں تو خالی پٹرول ہی آئے گا۔ وہاں تک کہ تو تین سو روپے بنتے ہیں، میں نے تو صرف ڈھائی سو بولے ہیں۔''

''اچھا، اچھا بابا...... ٹھیک ہے چلو، چلو......''

غیر مردوں سے منہ ماری یوں بھی اسے پسند نہیں تھی۔ اس کی نفیس طبیعت اس طرح کی ایک، ایک روپے کے لیے بحث پر بالکل راضی نہ ہوتی تھی...... لیکن کیا کرتی مجبوری سی مجبوری تھی کوئی...... اور سوئی چاروں طرف گھوم کر آ ٹھہری ایک بار پھر ارسل کی...... بے رخی پر......

''یہ مرد بھی ناں بس......''

اس نے ایک دکھ کا درد دل میں اٹھتے ہوئے محسوس کرکے، دوسری سائڈ سے باہر نکلنے کی کوشش کرتے مشو کو ایک تھپڑ رسید کرڈالا...... صرف یہی نہیں بلکہ اسے بغل میں دبوچ کر بازو پر ایک چٹکی بھی کاٹ لی۔

مشو اس کی اس ہاتھ پائی کے لیے تیار نہیں تھا، بلند آواز میں اس نے اپنا بھونپو کھولا...... ایک تو گاڑیوں کا شور، بے سروپا کان پھاڑ دینے والے ہارن، ٹریفک کی دھکم پیل اور ادھر مشو کا رونا......

ایک سگنل پر رکشا رکا تو اس نے جلدی سے بیگ میں سے بسکٹ کا پیکٹ نکال کر اسے پکڑا دیا...... وہ چپ ہوگیا۔ اور رکشے کی پٹر، پٹر ر...... میں اس کی سوچوں کا تسلسل وہیں سے جڑا جہاں سے ٹوٹا تھا۔

''کتنی بے بس ہیں ہم معصوم عورتیں...... کتنا بھی یہ ہمارا دل جلائیں اتنا بھی نہیں بول سکتیں کہ بس اللہ بچائے ان مردوں سے بھی اور...... اور ان کی ماؤں سے بھی۔'' یکبارگی سارا شور شرابا، مصروف سڑکوں کی پُرشور زندگی، رکشے کی نوکیلی آواز اور اس کا اپنا وجود سب کچھ جیسے...... کسی تلخ کلامی کی اندھیری قبر میں اتر گیا۔ اور صرف وہی آواز زندہ رہ گئی جو بے حد تلخی سے اس سے ہم کلام تھی۔

''ہم نے بھی گزارے ہیں سسرال میں پورے پچیس سال...... (سراسر جھوٹ بلکہ مبالغہ آرائی کی انتہا) لیکن ہماری یہ حالت نہیں تھی کہ اِدھر چھینک آئی اُدھر بھاگے اماں کی گود کی گرمی لینے......''

وہ خاموشی سے سنتی تھی، یہ اس کی عادت تھی نہ

فطرت...... یہ صرف وہ مجبوری تھی، جس نے اس کے لبوں پر بھاری تالے ڈال رکھے تھے...... ماحول بنائے رکھنے کی مجبوری......

کبھی، کبھی کتنی معمولی سی باتیں کیسے، کیسے نہیں انسان کو آزماتیں...... یہ باتیں بھی بے حد معمولی تھیں۔ آتے جاتے، چلتے پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے یوں سماعتوں میں انڈیل دی جاتیں۔ جیسے کوئی خوشوں سے لدی ہوئی شاخ میں سے آتے جاتے انگور اچک کر ٹونگ لے۔

''ہاں بھئی پندرہ دن ہوگئے پورے، آج تو چاہے آندھی آئے یا طوفان آج تو سواری مائیکے کی طرف ضرور نکلے گی۔'' برتن دھوتے اس کے ہاتھ سست پڑ جاتے۔

زندگی میں اور مصیبتیں کم نہیں ہوتیں اور میکے کی ہڑک اور لگی جاتی ہے۔ پھر سسرال والوں کی جلی کٹی باتیں، اس ہڑک کو، ماں کی ممتا اور اس کی نرم آغوش کی گرمی کے حصول کی خواہش کو بھی کوئی گناہ یا آزمائش سا بنا دیتی ہے۔

ہر بار وہ ایک گہری سانس لے کر خود کو کمپوز کرتی اور اپنی ساس جنہیں وہ ارسل کی دیکھا دیکھی امی بلانے لگی تھی کی ہر کڑوی گولی صحت بخش غذا کی طرح اندر اتار لیتی۔

ایسی کتنی ہی کڑواہٹ بھری سانسیں اس کے وجود کے پنجرے میں بے بسی سے اتر کر اس کی روح کو نیلا کرتی جا رہی تھیں۔ لیکن اس کے گندمی چہرے پر یہ نیلاہٹ ایک ذرا سی زردی تک نہ مل سکی تھی۔

وہ بشاش رہتی تھی، رہنا چاہتی تھی اور ایسا ہی بشاش گھر کے ماحول کو رکھنا چاہتی تھی۔ ایک حد تک اس مقصد میں کامیاب بھی تھی لیکن آخر کب تک...... کبھی، کبھی جب گھٹن حد سے سوا ہو جاتی تب کوئی ایک جملہ یا کوئی ادھوری سی معنی خیز بات اس کے لبوں سے نہایت دھیرے سے نکل کر امی کی سماعتوں تک کا سفر کرتی...... اس کے بعد...... اس کے بعد اس کی بدبختی

اس کے پیچھے پورے تین دن کا سفر کرتی اور اس کے دل میں ڈھیر لگتے ہلکے پھلکے غموں میں ایک اور غم کا اضافہ ہوجاتا...... اس دن بھی یہی ہوا تھا۔ اتوار میں دو دن باقی تھے، جب امی نے آندھی طوفان والی بات کی۔ تب بے حد برداشت کے باوجود اس کے منہ سے نکل گیا۔

''چلو خیر ہے، میرا نمبر تو پھر بھی پندرہ دن بعد آتا ہے ناں......'' یہ کتنی ادھوری اور کتنی مکمل بات تھی......

اس کا اندازہ اسے تھا۔ اور یہ کتنی سادہ اور کتنی معنی خیز بات تھی۔ اس کا اندازہ اسے تب ہوا جب اس نے غوثیہ کا چہرہ متغیر ہوتے دیکھا۔

غوثیہ چھوٹی نند تھی۔ جو ہر جمعے کو اپنے مائیکے رکنے آتی اور ہفتے کی شب اس کا شوہر جب اسے لے جانے کے لیے آتا تو اس کے اہتمام کے کھانے پکانے کے چکر میں اریبہ کی اپنی کمر ٹوٹ جاتی۔

غوثیہ اور اس کا شوہر عاقب خود تو خوش باش گھر لوٹتے مگر اس کا ویک اینڈ نابود ہوجاتا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا اس بات سے......کیا کہنا چاہتی ہو کھل کے کہو ناں......ارے اپنے باپ کے گھر آتی ہے غوثیہ اگر تمہیں کوئی تکلیف ہے تو تم دفع ہوجاؤ۔'' وہ ایسی ہی تھیں...... جب جلال چڑھتا تو یوں ہوجاتیں جیسے زندگی بھر دوبارہ اس کی شکل نہیں دیکھیں گی اور ایک وہ خود تھی......

تین دن فقط...... تین دن کی خواری کے بعد اس کی مٹی پلید کی گھڑی آجاتی...... پہلے دن وہ دل میں مصمم ارادہ کرتی۔

''اب ان کی شکل بھی نہیں دیکھوں گی، آنے دو ارسل کو۔''

ارسل رات کو اتنی دیر سے آتا کہ اس کا غصہ دماغ تک چڑھ کے تھک ہار کے اتر کر سو بھی جاتا......اور ہتھیلیوں پر مکے مارتی، مارتی وہ خود بھی ڈھیلی ہوجاتی۔

دوسرے دن، دانتوں میں لب کے کنارے دبائے اجنبیوں کی طرح چھوٹی سی رسوئی میں ساس اور نند (جس کا میکے میں معرکہ آرائی کے بعد بھی واپسی کا کوئی پروگرام کبھی مقررہ وقت سے پہلے نہ بنتا تھا) کے دائیں، بائیں آگے، پیچھے سے ہو کر ہٹ کر بچ کر کھانا پکانے اور دوسرے کام کرنے میں نکلتا اور یہی دوسرا دن، وہ دن ہوتا جب اس سے ناراضی کی صورت میں امی اس کے بنائے کھانوں کے بجائے پتلی دال اپنے ہاتھوں سے بنا کر روٹی ملتیں اور رقت آمیز انداز میں جانے کیا، کیا بولتے ہوئے کھاتی جاتیں......وہ چور نظروں سے دیکھتی رہتی۔

دوسرے دن کی دوپہر، رات اور پھر تیسرے دن کی صبح ناشتے میں بھی...... وہی دال......اور بس...... اس کا دل پسیج جاتا۔

الجھی لٹوں کو کانوں کے پیچھے اڑستی، انگلیاں چٹخاتی، تھوک نگلتی وہ پہنچ جاتی موقع پا کر ان کے کمرے میں۔ پھر کلائمکس ہوجاتا...... معافی، تلافی، نخرے، بہانے، آنسو، ہچکیاں، معذرت......

وہ خود ہی نہیں اس کا دل بھی رو پڑتا...... یہ کلائمکس کسی ڈرامے کا کلائمکس نہیں تھا۔ جو آیا گزر گیا اور دوسرا سین شروع......

یہ اختتام تو امی جان کا من پسند سین تھا۔ جسے ری ٹیک کرواتے، کرواتے نہ وہ تھکتی تھیں نہ اریبہ انہیں مایوس ہونے دیتی تھی۔ کڑی سے کڑی ناراضی میں بھی تیسرے دن اریبہ موم کی بنی بتی کی طرح پگھل کر بہہ نکلتی اور اس کے وجود سے اٹھتی خفت اور عزتِ نفس کی سلگتی چتا پر امی کی انا اپنے ہاتھ سینکتی قہقہے لگاتی۔ اور چاروں اور ناچ، ناچ کر جشن مناتی۔

مشکل یہ نہیں ہوتی کہ لوگ ہماری کمزوریوں سے واقف ہوتے ہیں اور وقت اور موقع پر ان کو نشانہ بنا کر ہم سے کھیلتے ہیں۔ اصل مشکل یہ ہوتی ہے کہ اپنی کمزوریوں سے ہم خود واقف ہو کر بھی انہیں ہم دور نہیں کر سکتے اور ایک دل...... ایک حساس دل بھی انسان کے لیے ایک دھڑکتی ہوئی مشکل ہی تو ہے۔

اس کی بھی یہی کمزوری ٹھہری۔

ہمیشہ والے واقعات پورے تسلسل اور ترتیب

سے دُہرائے گئے۔ امی نے اس بار مشائم پر اپنی دادی والی مخصوص محبت نچھاور کرتے ہوئے اسے اپنے پاس روکنے کی بات کر کے ایک نیا پٹاخا چھوڑ دیا۔ اریبہ کم و بیش دو فٹ تو اچھل ہی گئی۔

''تین سال کا بچہ...... میں نہیں چھوڑ کر جاسکتی۔'' کچھ معاملات میں اسٹریٹ فارورڈ ہونا ہی پڑتا ہے۔ اور پھر اس کا نتیجہ بھی اچھے سے بھگتنا پڑتا ہے...... اس نے بھی بھگتا۔ نتیجتاً جب وہ گھر سے نکلی تو امی ناراض تھیں لیکن وہ خود اصل بات سے ناواقف تھی۔

وہ ناراض ضرور تھیں لیکن اس سے زیادہ حیران تھیں۔

بیٹے کی شادی کے بعد ساڑھے چار، پانچ سالوں میں یہ پہلی بار ہوا تھا کہ ان کی بہو تیسرے دن انہیں منانے کے بجائے یونہی چھوڑ کر میکے نکل پڑی تھی۔

ان کا دل بلاوجہ ہی ہول کر رہ گیا۔ حالانکہ گھر سے نکلتے وقت اریبہ نے مخصوص لگاوٹ بھرے انداز میں سلام بھی کیا تھا لیکن وہ اپنی پریشانی میں ہی اس قدر غلطاں تھیں کہ جواب نہ دے سکیں۔

ریشم سے ملائم دکھ نے سرسراتے ہوئے اس کے اعصاب کو اپنی پھسلواں چھاؤں تلے ڈھانپ دیا۔

اس نے گہری سانس بھر کر اردگرد نگاہ دوڑائی۔

رکشا اس کی امی کے علاقے میں داخل ہو چکا تھا۔ جانے پہچانے بچپن کے گلیاں، موڑ، چوراہے، دکانیں بھی اس کی بجھتی ہوئی طبیعت کو شاد نہ کر سکے۔

گود میں سر گھسیڑے مشو بے خبر پڑا تھا۔ اس کی کھلی انگلیوں سے ادھ کھایا بسکٹ نکل کر پیروں میں جا پڑا تھا۔

اس نے بسکٹ اٹھایا، چوما اور ریپر میں رکھ لیا۔ گھر کے گملوں کی مٹی میں ڈالنے کے لیے کہ اس طرح رزق بے حرمتی سے بچ جاتا تھا اور خود سوئے ہوئے مشائم کے گال تھپتھپانے لگی۔

☆☆☆

امی کا گھر بھی بس تب تک شادمانی کا مسکن تھا جب تک اس کی کزن پلس دوست ثمرہ نے اس کی بھاوج کا روپ نہیں دھارا تھا۔

کم از کم اس نئے رشتے میں ڈھلنے کے بعد ثمرہ کے اندر اس سسرالی رشتے کی وجہ سے راتوں رات پنپ جانے والا تیکھا پن، اسے کسی جادوگرنی کے روپ جیسا ہی لگتا تھا۔ اصل روپ...... جو جادوگرنی کسی شہزادی کو پٹا کر مقصد حاصل کر لینے کے بعد دھارتی ہے۔

ثمرہ جو اس کی خالہ زاد بہن تھی...... نہ جھگڑالو تھی نہ بدمزاج...... نہ پہلے تھی نہ شادی کے بعد...... ہاں مگر اب اس کے مزاج میں جو تیکھا پن تھی، کبھی جھلکتا تھا وہ اریبہ کو کبھی الجھن اور کبھی ہلکے سے دکھ سے دو چار کر جاتا تھا۔

''میں کتنی بے ضرر نند ہوں، نہ میں نے کبھی اس پر طنز کیا نہ کوئی اور بات، نہ فضول کی توقعات وابستہ کیں اور یہ...... پتا نہیں کیوں مجھ سے خار کھانے لگی ہے۔'' اس وقت بھی اسے بنے ٹھنے سیڑھیاں اترتے دیکھ کر لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے اریبہ دھک سے رہ گئی۔

ثمرہ یقیناً اپنے میکے جا رہی تھی۔

''اوہ تم! اریبہ......'' اسے آتے دیکھ کر جیسے اریبہ اسی طرح وہ خود بھی اریبہ کو دیکھ کر لمحے بھر کو ٹھٹکی ہوئی پھر سنبھل گئی۔

اس میں اور اریبہ کی حیثیت میں بہت فرق تھا۔ اس گھر میں اب اس کی ماں کا نہیں ثمرہ کا راج چلتا تھا...... اور یہی راجدھانی کی ملکاؤں والی مخصوص سی بے نیازی اس وقت بھی اس کے چہرے پر در آئی۔

''آؤ بیٹھو، رک کیوں گئیں۔''

اریبہ نے دیکھا...... اس کے چہرے پر خیر مقدمی مسکراہٹ کے بجائے کسی کچہری کی سماعت جیسی سنجیدگی تھی اور وہ منصف بنی بس فیصلہ سنانے ہی والی تھی۔

اریبہ نے اپنے اعصاب شل ہوتے محسوس کیے۔

''اف! کس قدر گرمی ہے آج......''

اس نے چادر سر سے اتارتے ہوئے یونہی ....

رمضان اور خواتین .... تحریر تابندہ شاہد

رمضان المبارک..... عبادات کا مہینہ ہے۔ روزہ واحد عبادت ہے کہ جس کا اجر پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ ہماری اس تحریر کا مقصد رمضان المبارک کی خیر و برکت کا ذکر کرنا نہیں بلکہ اس کی خیر و برکت سے بھر پور فائدہ اٹھانے کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن و سنت کے ذریعے ہمیں اپنے حقوق اور فرائض سے آگاہ کر دیا ہے۔ ایک کا حق دوسرے کا فرض ہے۔ اللہ نے چاہا تو کبھی اس پر الگ سے بات ہوگی۔ فرض کی ادائیگی کے بعد جو نفل، یعنی اپنی خوشی سے فرض سے زائد ادا کرے وہ قابل ستائش اور باعث اجر ہے لیکن اس کا درجہ بہر حال فرض سے کم ہے۔ گویا ہم فرض کو چھوڑ کر نفل ادا نہیں کر سکتے کہ فرض چھوڑنے کا گناہ کہیں زیادہ ہے۔ اس تمہید کا مقصد خواتین کو یہ باور کروانا ہے کہ رمضان المبارک کی برکتوں سے بہترین فائدہ اٹھانے کے لئے وہ فرض اور نفل کے درمیان فرق جان لیں تا کہ لاعلمی میں وہ اپنا اجر نہ کھو بیٹھیں۔ پہلے فرائض کی بات کرتے ہیں۔ ایک عورت پر رمضان المبارک میں تین بنیادی فرض عائد ہوتے ہیں: پہلا فرض نمازیں، دوسرا روزہ اور تیسرا گھریلو امور۔ روزے اور فرض نمازوں میں کوتاہی کی کوئی گنجائش نہیں۔ باقی رہا تیسرا فرض یعنی گھریلو امور..... تو یہیں فرض اور نفل میں توازن خراب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کو کئی حیثیتوں سے نوازا ہے۔ ہم اس وقت عورت بحیثیت بیوی اور ماں لیں گے باقی کردار خود بخود زیر بحث آجائیں گے۔ عورت کے گھریلو فرائض کا محور شوہر ہوتا ہے۔ اس کے لباس، خوراک سے لے کر گھر کے سکون تک، تمام ذمہ داری خاتون خانہ کی ہے۔ حتیٰ کہ اس کی عبادات کی تیاری میں مدد اور مسجد بھجوانے کی سہولت دینا بھی فرض کا درجہ رکھتا ہے نیز اس کی جسمانی و روحانی ضروریات کو سمجھنا اور پورا کرنا بھی۔ اس کے بعد اولاد اور اس کی تربیت اہم ترین ہے۔ اولاد کی عمر کے لحاظ سے ماں کی ذمہ داری بدلتی جاتی ہے۔ لیکن دو ذمے داریاں قائم رہتی ہیں یعنی دنیاوی اور دینی تعلیم و تربیت۔ اس کے بعد گھر والوں کے لیے سحری اور افطاری کا بندوبست کرنا اہم ترین فرض ہے۔ سحری میں ایسا انتظام کہ دن بھر کے روزے کی مشقت برداشت ہو سکے اور افطاری میں ایسا انتظام کہ دن بھر کی نقاہت دور کر کے تازہ دم بھی کرے اور بقیہ نمازوں اور نوافل کو باسانی ادا کرنے کے قابل بنائے۔ باقی رہے نوافل..... تو وہ فرائض سے کہیں زیادہ ہیں۔ نماز کے بعد

بے تکا تبصرہ کیا۔ ثمرہ نے جواب دینے کے بجائے کچن میں مصروف عظمت کو آواز دی۔

''باجی کے لیے پانی لاؤ.....'' پھر اس کی طرف مڑ کر بولی۔

''کتنی بار کہا ہے اریبہ..... آنے سے پہلے ایک فون تو کر دیا کرو..... اب دیکھو ہم جانے کے لیے نکل رہے ہیں اور تم آگئی ہو۔''

وہ ابھی تک صوفے کی بیک تھامے اس کے پیچھے ہی کھڑی تھی اریبہ پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

اور یہ گھڑوں کا پانی بھی ناں.....! حقیقتاً جتنا ٹھنڈا میٹھا اور تازگی بخش ہوتا ہے، محاوروں میں اتنا ہی تلخ، گرم اور پژمردگی پیدا کرنے والا۔

''ہاں بس وہ، فون میں بیلنس ہی نہیں تھا۔''

''چچ..... امی نہیں ہیں گھر پر..... بازار گئی ہیں جانے کب تک آئیں گی۔''

''کوئی بات نہیں تم جاؤ..... میں تو بس امی کے پاس ایک کام سے آئی تھی۔ چلی جاؤں گی ابھی جلدی ہی۔''

''اب تمہیں یہاں اکیلا چھوڑ کر کیسے چلی جاؤں..... تم تو رات تک رکو گی، امی پتا نہیں کب آئیں گی۔ واپسی میں اگر وہ بھی میری طرف آگئیں تو تم اکیلی.....''

''میں ذرا دیر سوؤں گی اور امی اگر نہیں آئیں یا تمہاری طرف گئیں تو بتا دینا فون پر..... میں گھر چلی جاؤں گی۔'' اب کی بار اس کے لہجے میں قطعیت ہی نہیں ایک نامحسوس سی جھنجلاہٹ بھی تھی۔

وہ جانتی تھی کہ اس کے ''اکیلے پن'' کا ثمرہ کو کیوں اتنا غم کھا رہا تھا۔

اسے اصل میں اریبہ کی نہیں، مشائم کی فکر تھی کہ ان کی غیر موجودگی میں وہ نہیں گھر کی چیزوں میں گھس کر کوئی نقصان نہ کر دے۔

بات مکمل کر کے اس نے صوفے پر لڑھکے ہوئے مشو کو اٹھا کر کندھے سے لگایا اور امی کے کمرے کی

تلاوتِ قرآن نفل ہے، اذکار و وظائف ...... عورت خوش نصیب ہے کہ اذکار و وظائف کے لئے اس کے پاس وافر وقت موجود ہے۔ وہ تمام گھریلو امور جن کے دوران ہم خاموش رہتے ہیں، مثلاً کھانا پکانا، برتن دھونا، صفائی کرنا وغیرہ ان اوقات میں ہم بہترین اذکار کر سکتے ہیں، دورہ قرآن، تراویح، نفل نماز، صدقہ خیرات، کسی کی مدد کرنا، کسی کو کچھ سکھا دینا، اچھی بات کرنا، اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ دینا، مسکرانا، کسی کو نصیحت کرنا، کسی کے زخموں پر مرہم رکھنا.. غرضیکہ نوافل کی ایک طویل فہرست ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان نوافل کی اہمیت رمضان المبارک میں اس لئے بڑھ جاتی ہے کہ اس مہینے میں نفل کا درجہ فرض کے برابر اور فرض کا اجر ستر گنا بڑھ جاتا ہے۔ اسی لئے لوگ اپنی فرض زکوٰۃ رمضان میں نکالتے ہیں اور اسے زکوٰۃ کا مہینہ بھی کہہ دیتے ہیں۔

رمضان المبارک سے بہترین فائدہ اٹھانے کی تجاویز

۱۔ اپنے ذہن میں تمام دن کے کاموں کا نقشہ بنائیں صرف افطار اور سحر کے بہترین انتظام پر غور و فکر نہ ہو۔

۲۔ اپنے شوہر اور بچوں کو ان کاموں میں خوش اسلوبی سے شامل کریں جیسے دسترخوان لگانا، اٹھانا اور اپنے کام کسی حد تک خود کرنا وغیرہ۔

۳۔ رات کی نیند ضرور لیں خواہ دو سے تین گھنٹے ہی کیوں نہ ہو۔ اگر آپ کے حالات اجازت نہیں دیتے تو تراویح گھر پر ہی پڑھ لیں۔

۴۔ صرف ایک وقت دسترخوان لگائیں۔ اپنے گھر والوں کی تربیت کریں کہ افطاری اور کھانا اکٹھا چن دیا ہے، ہر کوئی اپنی طبیعت کے مطابق لے لے۔ البتہ روزہ کھولتے وقت تمام افراد مع خاتون خانہ دسترخوان پر ضرور موجود ہوں۔ سب دعا کریں۔

۵۔ قرآن مجید کتنے ختم کیے؟ نہیں.... اللہ تعالیٰ نے دیکھنا ہے کتنا قرآن مجید سمجھا ہے۔ تعداد پر زور دینے کے بجائے اہم سورتیں ترجمہ و تفسیر کے ساتھ پڑھیں۔

۶۔ کتنے نوافل پڑھے؟ نہیں... بلکہ روزمرہ کے امور شریعت کے مطابق کیسے انجام دیے۔

۷۔ اپنا معمول ایسا رکھیں کہ آخری عشرے کی عبادت کے لیے طاقت بحال رہے۔

۸۔ اپنے فرائض اور نوافل کو پہچانیے اور ستر گنا اجر لینے کے لئے خود کو اس کا اہل ثابت کریں۔

طرف بڑھنے لگی تھی کہ رک گئی۔

''ارے نہیں...... میں کہہ دوں گی امی کو فون پر کہ بازار سے سیدھی گھر آجائیں۔ تم آئی ہو اتنی دور سے خوار ہو کر اور......'' شاید اس نے دروازے کے باہر رکشے والے کی جھلک دیکھ لی تھی۔ ''امی سے ملے بغیر چلی جاؤ یہ بھی تو اچھا نہیں لگتا ناں......''

الفاظ کے برعکس اس کے چہرے پر کوئی خاص خلوص بھرا مہربان تاثر نہیں تھا۔ وہ یوں بول رہی تھی جیسے بس اک روبوٹ۔

اسی دم باہر سے ہارن کی آواز آئی۔

''اچھا تمہارے بھائی بلا رہے ہیں، میں چلتی ہوں اور سنو...... پلیز مشو کا خیال رکھنا، چیزیں نہ توڑے نہ خراب کرے...... بچہ ہے ناں......''

وہ سر ہلاتی اندر بڑھ گئی۔ یہ دیکھے بغیر کہ اس آخری بات پر ثمرہ ذرا سا مسکرائی بھی تھی۔

☆☆☆

جب اریبہ گھر سے نکلی تھی انہیں کسی پل چین قرار نہیں تھا۔

''اس کی اتنی ہمت...... میری ناراضی کی کوئی پروا ہی نہیں۔ کل نندوں کی آمد پر باتیں بنائی جا رہی تھیں اور آج خود مٹکتی ہوئی چل پڑیں میکے...... آلینے دو آج ذرا وہ خبر لوں گی کہ نانی یاد آجائے گی۔''

کہنے کو اریبہ ان کی بہو تھی لیکن شروع دن سے آج تک اسے اپنا مطیع و فرمانبردار رکھنے کے لیے انہوں نے پیار محبت کے بجائے سختی اور بے مروتی سے ہی کام لیا تھا۔ کسی حد تک وہ اس میں کامیاب بھی تھیں۔ اریبہ نے ہمیشہ ان کے ہر حکم پر سر جھکایا تھا۔

اور نہ صرف آئے گئے کے سامنے بلکہ تنہائی میں بھی ہمیشہ انہیں عزت دی تھی۔ عزت سے مخاطب کیا تھا۔ احترام سے رکھا تھا پر آج...... آج جانے کیوں جبکہ وہ اپنے کمرے میں اس کی آمد کی منتظر تھیں تو وہ بجائے آکر ان سے بات کرنے کے اپنے میکے چلی گئی تھی۔

☆☆☆

کانوں میں ایک سخت اور کرخت سی آواز گونجی تھی۔ شاید کسی نے بہت جھلا کر بیل پر انگلی رکھی تو اٹھانا بھول گیا تھا۔

وہ ہڑبڑا کر جاگی۔ کمرے کا پنکھا اور اے سی فل اسپیڈ سے چل رہا تھا۔ لیکن تب بھی اس کا جسم پسینے میں شرابور تھا۔ جانے کیوں...... بیل کی آواز لمحے بھر کو بند ہو کر دوبارہ گونجی۔

''اوہ...... کہیں امی تو نہیں آگئیں...... یہ عظمت کہاں رہ گئی۔'' تیزی سے بیڈ سے اٹھتے ہی اسے زور کا چکر آیا۔ وہ لمحے بھر کو لڑکھڑا سی گئی۔ پھر خود کو سنبھال کر باہر نکلی تو یاد آیا کہ وہ امی کے بجائے اوپری پورشن میں موجود گیسٹ روم میں سو گئی تھی...... کیونکہ امی کے کمرے کا اے سی خراب تھا۔

سب سے اوپری سیڑھی پر رک کر اس نے اپنے حواس درست کیے۔ اس دم زوردار بیل کی کرخت آواز دوبارہ گونجی...... اس نے ہڑبڑا کر قدم بڑھائے اور بے دھیانی میں پڑنے والا پیر غلط انداز سے پھسل گیا۔

اسے رکنے، سنبھلنے کا موقع ملا...... نہ ہی کسی سے کچھ کہنے کا...... اور آخری سیڑھی کے قریب اوندھے سیدھے پڑے بے حس و حرکت وجود کے پاس خون کا تالاب سا بننے لگا۔

بدحواسی سے دروازہ کھولنے کے لیے آتی ہوئی عظمت کے حلق سے چیخیں نکل گئیں۔

☆☆☆

''آج جب میں آرہی تھی ناں تو اسی وقت اریبہ آئی تھی پر......'' وہ بجھے، بجھے لہجے میں اپنی ماں سے بات کر رہی تھی۔

''تو......؟'' ماں نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

''تو کچھ نہیں بس، میں نے اس سے کہہ دیا کہ مشائم کا خیال رکھنا چیزوں میں نہ گھسے...... اور فون کر کے آتیں تو اچھا تھا۔''

''حالانکہ وہ اس کے باپ کا گھر ہے۔ جب جی چاہے آئے۔'' ماں نے کہا۔

''ہم...... م...... م۔'' اس نے سر ہلایا۔

''کیا ہوا افسوس ہو رہا ہے بول کر؟''

''ہاں، کہہ سکتے ہیں، مجھے اسے اس طرح نہیں کہنا چاہیے تھا۔ وہ بیچاری تو خود اپنی سسرال کی وجہ سے ٹینشن میں رہتی ہے اور میں نے بھی۔''

''اگر اتنا ہی گلٹ ہے تو معافی مانگ لو۔'' انہوں نے مسکرا کر بیٹی کے اترے ہوئے منہ کو دیکھا۔

''معافی...... اوں ہوں...... بہت مشکل ہے...... مگر میں اسے منالوں گی...... اگلے ہفتے دعوت کر دوں گی۔ خود انوائٹ کروں گی۔ اگر اسے کچھ برا بھی لگا ہوگا تو بھلا دے گی۔ بہت صاف دل کی ہے وہ، یہی اس کی خاصیت ہے کبھی کسی بات کو مسئلہ نہیں بناتی ہے۔'' ثمرہ اب مسکرا رہی تھی۔ کھل کر اپنی نند کی تعریفیں کر رہی تھی۔

''میں اسے منالوں گی۔ وہ مان جائے گی، ابھی جلدی گھر چلی جاؤں گی تاکہ سامنے ہی دعوت دے دوں۔ آخر کو میں اس کی اکلوتی بھابی ہوں۔'' وہ خود سے ہی کہہ رہی تھی۔

☆☆☆

''آئی ایم سوری...... ان کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔'' محلے کے ڈاکٹر نے اس کے بے سدھ وجود پر چادر ڈال دی۔

امی دیوانوں کی طرح بین کرنے لگیں۔ آن کی آن میں عورتوں کا جمگھٹا لگ گیا۔ عظمت کی حالت الگ دگرگوں ہوگئی۔

''جیتی جاگتی باجی، چلتی پھرتی موت کے منہ میں چلی گئیں۔ ائی ایسے کیسے......'' وہ ٹکر ٹکر سب کا منہ دیکھے گئی۔

☆☆☆

''آلینے دو آج ذرا ایسی خبر لوں گی کہ یاد کرے گی۔ نانی یاد نہ دلا دی تو میرا نام بھی راحت نہیں۔'' چند ایک لوگوں کے لیے وہ واقعی نام کی بھی راحت نہیں تھیں۔

انہوں نے مصمم ارادہ باندھا...... آج تین دن ہوگئے...... اریبہ نے ان کی خفگی کو ہمیشہ کی طرح سر

آنکھوں پر رکھنے کے بجائے بے پروائی سے اڑا دیا تھا۔
''آ لینے دو آج ذرا..... آ لینے دو.....''
اور پھر وہ آ ہی گئی۔
جیسے گئی تھی تھکی ماندی پژمردہ..... تھکن سے اٹی ہوئی..... اپنے پیروں پر چل کر ویسے نہیں.....
دھلی دھلائی پاکیزہ وجود سفید کپڑے میں سرتا پا لپٹی ہوئی۔
صبح کو گئی تھی۔ شام تک آنے کا کہہ کر اور اپنی بات کی پکی نکلی..... شام کو واپس بھی آ گئی..... لیکن..... جیسے گئی تھی..... اکیلی تن تنہا صرف بیٹے کی کلائی دبوچے..... ویسے نہیں..... وہ بہت سوں کو اپنے ساتھ لائی تھی۔ ان کی سمدھن، اس کا بھائی، بھاوج..... ان کا اپنا بیٹا، اس کا خاوند اور ان کی اپنی بیٹیاں..... اس کی نندیں..... جن کی آمد پر اس کی جان اکثر عذاب میں آئی رہتی تھی۔
اسے آنا ہی تھا کہ اس کا گھر تو یہی تھا جہاں اسے اپنے پن کا مان ملنے میں ابھی کئی معافیوں، تلافیوں کا فاصلہ رہتا تھا۔ وہ اسی گھر لوٹ آئی تھی لیکن.....
جیسے گئی تھی اپنے پیروں پر چل کر ویسے نہیں.....
وہ چار کندھوں پر رکھ کر لائی گئی تھی کیونکہ وہ خود سے چلنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ بلکہ وہ تو اب کسی بھی قابل نہیں رہی تھی..... سوائے تدفین کے..... اس کی آمد کا بے چینی سے انتظار کرتی راحت بیگم کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ بالکل ویسے ہی جیسے ثمرہ کا دل پھٹ جانے کی حد تک بے قرار ہو گیا تھا۔ جب اسے یہ خبر ملی تھی۔
اسے بھی انتظار تھا اریبہ سے ملنے کا..... اسے بھی ایک ہلکا سا دکھ لاحق تھا کہ اس نے اس کے ساتھ بدسلوکی کی۔ وہ مداوا کر دے گی۔
اسی طرح راحت بیگم کو بھی انتظار تھا اس سے ملنے کا..... انہیں بھی یہی دکھ کھائے جا رہا تھا کہ ہمیشہ ان کے سامنے ہاتھ جوڑنے والی آج صبح لفٹ کرائے بغیر چلی کیوں گئی تھی۔ وہ اس بات پر اس کے وہ لتے لیں گی کہ وہ ان کے سامنے ناک رگڑنے پر مجبور ہو جائے گی۔
ان دونوں کے انتظار، انتظارِ لاحاصل بن گئے تھے۔ سب ارادے دھرے رہ گئے تھے۔
دونوں اپنا، اپنا غم بھلا کر بس حیران پریشان سکتے کی سی کیفیت میں اس کے خاموش وجود کو دیکھتی تھیں کیونکہ وہ نہیں جانتی تھیں۔ دکھ اور غم سارے ہی بھاری نہیں ہوتے۔ یہ وزن اور حجم میں ہلکے بھی ہوتے ہیں۔ معمولی بھی ہوتے ہیں، یہ انسان ہی ہے جو ہلکے پھلکے غموں کو دل میں جمع کر کر کے پہاڑ بنا لیتا ہے۔ جو صرف بدگمانی کی ریت اور بغض کے کنکروں پر مشتمل ہوتے ہیں۔
اور وہ دونوں ہی یہ نہیں جانتی تھیں۔
ہاں کبھی، کبھی ہلکے دکھ بھی بڑے وزنی ہو جاتے ہیں۔

امرت

شیریں حیدر

قسط 6

تخلیقِ کائنات سے لے کر اب تک . . . کئی ادوار بدلے مگر عورت کی کہانی ہر دور میں لگ بھگ وہی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رشتوں کی ڈور میں باندھا تو اس کا مقصد یہ تھا کہ ہم اپنی تخلیق کے مقصد کو اور بھی خوب صورت بنائیں مگر اس کے پیدا کردہ دل میں جذبے بھی اسی کے پیدا کردہ تھے۔ محبت، نفرت، رشک، حسد، رنج، غصہ اور خوشی . . . اب ہم پر منحصر ہوتا ہے کہ ہم کس جذبے کو خود پر حاوی کر لیتے ہیں، یہ ہماری خصلت بن جاتا ہے اور ہماری کل شخصیت کا خلاصہ . . . یہی ہمارے کردار کی تعمیر کرتا ہے اور ہم اسی کا تاثر دوسروں پر عمر بھر کے لیے چھوڑتے ہیں۔ ہماری عادات صرف ہم پر ہی نہیں بلکہ دوسروں کی زندگیوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔ کسی کی زندگی کا سفر کس طرح سہل یا کٹھن ہوتا ہے اس کا انحصار ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اُن کی زندگی کے اہم کردار ہوتے ہیں اور جن کا ہونا یا نہ ہونا اہمیت رکھتا ہے۔ پیدائش سے لے کر اپنی موت تک رشتوں کی ڈور سے بندھے ہوئے کردار زندگی کو ہنس کر گزارتے ہیں یا رو کر، مشقت سے سانس لیتے ہیں یا خوشیوں کے ہنڈولوں میں جھولتے ہوئے اس کا سارا دارومدار ان سے وابستہ رشتوں پر ہوتا ہے۔ وقت بدل جاتے ہیں مگر کہانی وہی رہتی ہے اور اپنی باری سے اس میں مختلف کردار شامل ہوتے رہتے ہیں۔

زندگی کے انہی پیچ و خم اور نشیب و فراز سے نبرد آزما ہوتی ایک چشم کشا تحریر . . . . . .





چاند کو گل کریں تو ہم جانیں

میرے دونوں کندھوں میں شدید درد اٹھا تھا...... ایک پل میں کئی سوخیالوں نے میرے دماغ پر غلبہ پالیا، شاید مجھے دل کا دورہ پڑا تھا؟ دماغ کی کوئی نس پھٹنے والی تھی یا فالج کا حملہ ہوا تھا۔ درد دونوں کندھوں پر بالکل برابر اور ایک ہی مقام پر تھا۔ کہیں ایسا بھی نہیں ہوا کہ میں گری ہوں اور مجھے چوٹ لگی ہو، ایسا ہوتا تو مجھے یاد ہوتا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے مجھے تیز دھار خنجر سے زخمی کیا ہو۔

میں نے درد کی اٹھتی ہوئی ٹیسوں کے باوجود دائیں ہاتھ سے بائیں کندھے پر درد کے مقام کو چھوا...... ہاتھ کو کچھ چپ چپا سا لگ گیا تھا۔ اندھیرا تھا، میں کوئی روشنی کرنے کا سوچنے لگی مگر کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں تھی کہاں...... اپنے ہاتھ کو میں نے ناک کے قریب کر کے سونگھا، عجیب سا احساس اور مختلف سی بو تھی۔ ''خون؟'' میں نے سوچا۔ مجھے کس طرح علم ہوا تھا کہ یہ خون کی بو تھی؟ میں نے حیرت سے خود سے سوال کیا۔

یک دم دونوں کندھوں کی طرف سے کوئی سیال سی چیز میری کمر پر رینگنے لگی، میں نقاہت محسوس کرنے لگی تھی...... ''کوئی میری مدد کرے۔'' میں چیخی۔

''ہوش میں آؤ پیاری!'' مجھے اپنے ساتھ لگا کر اس نے تھپتھپایا۔ ''تم ٹھیک تو ہوناں کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ لیا کیا؟'' اس نے پیار سے پوچھا۔

''بہت خوفناک......'' میں نے اپنا سر اس کے کندھے سے لگا دیا۔ ''شکر ہے کہ وہ ایک خواب تھا۔'' میرے دل کی دھڑکنیں آہستہ، آہستہ اعتدال پر آنے لگیں مگر مجھے محسوس ہوا کہ میرے کندھے واقعی دکھ رہے تھے۔

''کیا دیکھا تم نے؟'' اس نے جاننا چاہا کہ میرے خوف کی شروعات کس انتہا سے ہوتی تھی۔

''مجھے ایسے خواب فوراً بھول جاتے ہیں......'' میں نے عذر تراشا حالانکہ ایسے خواب مجھے کبھی نہیں بھولتے تھے اور میں ہمیشہ مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کا پیش خیمہ سمجھ کر ان سے خوفزدہ رہتی تھی۔

''سو جاؤ میری جان...... دوبارہ سونے کی کوشش کرو۔'' اس نے مجھے اپنے ساتھ لگا کر کہا۔

''نہیں میں اب جاگ چکی ہوں...... دوبارہ سونا نہیں چاہتی۔'' میں نے خود کو سمیٹ کر اس وقت اپنے آپ کو اس کی ان چاہی گرفت سے آزاد کیا۔ اس کے رنگ ڈھنگ اور ان کی تبدیلیاں...... پل میں تولہ اور پل میں ماشہ، سب کچھ ایسا تھا کہ مہینوں اس کے ساتھ گزار کر بھی میں ان سے مانوس نہ ہو پائی تھی۔

''کاش میں نے دماغ کے بجائے دل کی بات سنی ہوتی......'' میں سوچ کر رہ گئی، آنکھوں میں اتر آنے والے آنسو چھپانے کو غسل خانے جانے سے بہتر کوئی بہانہ نہ تھا۔

☆☆☆

''مجھے یقین نہیں آتا کہ تم اس حد تک کسی اور کی مرضی کی پابند یا خوفزدہ ہو سکتی ہو۔'' سارہ میری بات سن کر چڑ گئی تھی۔

''تمہیں یقین آ بھی کس طرح سکتا ہے پیاری......'' میں نے گہری سانس لی۔ ''کیونکہ تم وہ زندگی نہیں جی رہی ہو جو کہ میں جی رہی ہوں۔''

''ویسے تو اس قدر ماڈرن ہیں تمہاری ''سو کالڈ مما!'' اس نے طنز سے کہا۔ ''اور تمہیں اپنی سانس بھی آزادی سے لینے کی اجازت نہیں، کیا باقی لوگوں اور اپنی بیٹیوں پر بھی اسی طرح پابندیاں ہیں ان کی؟''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' میں نے اس کے طنز پر مسکرا کر کہا۔ ''ہمارے ہاں عورتوں نے دو، دو معیار رکھے ہوتے ہیں، ایک اپنی بیٹیوں کے لیے اور ایک دوسروں کی بیٹیوں کے لیے...... وہ بیٹیاں جو ان کے گھر آنے سے قبل کسی کی اتنی ہی پیاری بیٹیاں ہوتی ہیں مگر ان کے ہاں آکر دوسرے درجے کے شہریوں کی طرح بستی ہیں۔''

''تم نے آخر اس رشتے کے لیے ہامی کیوں بھری تھی؟'' سارہ نے حیرت سے پوچھا۔ ''تم اتنی پڑھی لکھی اور اپنے والدین کی اتنی پیاری اور نازوں پلی بیٹی، کیوں تم نے ایسی جگہ شادی کر لی جہاں تم ''مس فٹ'' ہو اور تمہارا ذہن بھی اس ماحول سے میچ نہیں کھاتا۔''

''اب اس ٹسٹ کا کیا کریں سارہ؟'' میں نے فوراً بات بدلی، میرے پاس اس کے اس سوال کا جواب تھا بھی بھلا کیا......

''کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ تم سیمپل مجھے لا دو اور میں اسے باہر کسی لیبارٹری سے چیک کروا دوں تاکہ شک کی کوئی گنجائش نہ رہے؟'' اس نے ایک حل بتایا۔

''ہاں، یہ کوشش کر سکتی ہوں۔'' میری آنکھیں چمکیں۔ ''یہ نسبتاً آسان ہوگا......''

''ہاں مگر یاد رہے...... صبح کا پہلا نمونہ!''

''او کے باس!'' میں نے ہنس کر کہا۔ سارہ کو تو شک تھا مگر مجھے تو کوئی شبہ نہ تھا، بغیر کسی ٹسٹ کے میرا دل کہتا تھا کہ ایسا ہی ہے جو میں سوچ رہی تھی مگر میں خاموش کیوں تھی، کسی کو بتا کیوں نہیں رہی تھی۔ کیا میں خود چاہ رہی تھی کہ ایسا ہو جائے...... اگر مما کو علم ہوا تو ان کا ردِعمل کیا ہوگا؟ میرے پاس خود سے اٹھنے والے اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔

''ارے ہاں، تم بتا رہی تھیں کہ تمہارے بیگ سے کٹ نکالتے ہوئے تمہاری ٹیبلٹ سنک پر رہ گئیں......'' سارہ کو اچانک کچھ یاد آیا، اسے بتاتے، بتاتے بات کا موضوع بدل گیا تھا۔ ''تو پھر اس نے کیا کہا؟''

''اس نے کیا کہا؟ ہاں پہلے تو مجھے اس نے مشکوک نظروں سے دیکھا اور پھر پوچھا کہ کیا میں باقاعدگی سے وہ گولیاں کھا رہی تھی اور یہ کہ اس کے حساب سے تو گولیاں تب تک ختم ہو چکی ہوتیں؟''

''اوہ!'' سارہ نے حیرت سے کہا۔ ''پھر تم نے کیا کہا؟''

''میں نے اسے بتایا کہ رمضان کے مہینے......'' میں نے جواب پورا دیا ہی نہ تھا۔

''رکو......'' سارہ نے میری بات کاٹی۔ ''کہیں تم واقعی وہ گولیاں ابھی تک کھا تو نہیں رہی ہو؟''

''کھا تو رہی ہوں...!''

''دماغ چل گیا ہے تمہارا؟'' وہ چیخی۔ ''فوراً وہ گولیاں کھانا بند کرو...... کہیں تم خود ہی تو وہ گولیاں نہیں جاری رکھے ہوئے ہو اس شک کے باوجود؟''

''اصل میں......'' میں نے ہچکچا کر کہا۔ ''تب میں وہ گولیاں نہیں کھا رہی تھی کیونکہ ان سے میرا دل بہت متلاتا تھا۔ میں نے بہت دنوں سے انہیں کھانا چھوڑ دیا تھا لیکن جب اسے شک ہوا تو اس کے بعد سے میں ہر رات باقاعدگی سے اس کے سامنے کھانے لگی......''

''اگر تم وہ گولیاں نہیں کھا رہی تھیں تو پھر مزید ٹسٹ کروانے کی ضرورت ہی نہیں میرے خیال میں، کوئی شک نہیں رہا مجھے۔'' سارہ نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ ''اب تم خود ہی بھگتو اپنی مما اور اس کے مزاج کے موسم!''

☆☆☆

سب کی اولادیں جوان تھیں، یکے بعد دیگرے شادیوں اور منگنیوں کا دور شروع ہو گیا تھا، ہمارے تعلیمی دور کے بعد مختلف اداروں میں ہماری انٹرن شپ بھی اختتام پذیر ہو گئی تھی اور ہم واپس گھر لوٹ آئی تھیں۔ مجھ پر امو کا اصرار اب اس بات پر بڑھتا جا رہا تھا کیونکہ تمنا کا رشتہ طے ہونے کے بعد اس کی منگنی بھی ہو گئی تھی اور وہ مجھ سے چند گھنٹے سہی مگر تھی تو چھوٹی۔ اب میرے لیے بھی انہیں کوئی فیصلہ جلد کرنا تھا، کبھی کوئی اور کبھی کوئی رشتہ مجھے بتایا جا رہا ہوتا تھا۔ میں عجیب سی مشکل میں پھنس گئی تھی، میرے پاس ہر رشتے کو ٹھکرانے کا کوئی جواز نہ تھا مگر دل کے اندر کی بات امو سے کس طرح کہتی؟ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ کوئی ایسا وقت آئے گا کہ اگر میں انہیں کامل کے بارے میں نہ

بتا سکی تو اُن کے کہنے میں آ کر کسی رشتے کے لیے ہاں کرنے پر مجبور ہو جاؤں گی۔

کاش میں کسی طرح کامل سے رابطہ کر سکتی اور اسے اس صورتِ حال سے آگاہ کرتی۔ ایک واحد ہستی تمنا تھی، جس سے میں اپنے مسائل شیئر کر سکتی تھی مگر جانتی تھی کہ وہ بھی اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے تو خود بارہا کہا کہ وہ امو سے اس بابت بات کرتی ہے مگر میں نے اسے روکا، جس بات کو میں خود سے تنہائی میں کہتے ہوئے بھی کئی بار سوچتی تھی کہ میرے دل کا راز آشکار نہ کر دے اسے میں کس طرح عام ہونے دیتی۔

شہر بانو پھپو نے اپنے بیٹے سرمد کے لیے میرے رشتے کا سوال کر رکھا تھا، امو تو اس کی حمایت میں تھیں کیونکہ ان کا پھپو کے ساتھ بہت پیار تھا، دونوں بچپن کی سہیلیاں تھیں، مجھ سے امو نے بات کی تو میں خاموش رہی، کس برتے پر کچھ کہتی۔ ابو نے سنا تو انہوں نے فوراً انکار کر دینے کو کہا، ان کے خیال میں اس خاندان سے ہمارے اس قدر اختلافات رہے تھے کہ چاہے اب حالات جتنے بھی نارمل ڈگر پر آ گئے تھے ان پر ماضی کی ناچاقیوں کے سائے اب بھی موجود تھے...... کئی بار حالات اس نہج تک گئے تھے کہ جہاں خاندان ٹوٹ جاتے ہیں، اسی لیے وہ سمجھتے تھے کہ ان دو گھرانوں کے مابین کسی نئے رشتے کی بنیاد کی گنجائش نہ تھی۔

''شہر بانو آپ کی بہن ہے...... اپنی بھتیجی کا اس سے زیادہ خیال اور کون رکھے گا، جو بھی حالات رہے ہوں آخر کو حلیمہ پھپو کے ہاں بھی تو پہلے شہر بانو اور پھر......'' امو کچھ کہتے، کہتے خاموش ہو گئی تھیں، میں لاؤنج میں بے چینی سے بیٹھی ان کی گفتگو سن رہی تھی جو بغیر کسی کوشش کے ان کے کمرے سے باہر تک آ رہی تھی، میں لاؤنج میں تخت پر نیم دراز تھی۔

''وہ وقت اور تھے عائشہ...... اور اب جتنا گل پڑھ لکھ گئی ہے اس کا کوئی جوڑ نہیں بنتا سرمد کے ساتھ، وہ شہر میں رہ کر پڑھ کر آئی ہے، اس کے لیے ہمیں کوئی شہر کا رشتہ ہی دیکھنا چاہیے۔ یوں بھی دو بچوں کے رشتے میں نے ایک بہن کو دیے ہیں...... اور بھی خاندان ہے اور پھر سرمد ایک سادہ سا زمیندار ہے اور یوں بھی وہ عمر میں گل سے دس بارہ سال بڑا ہے۔''

''آپ بھی تو مجھ سے اتنے ہی بڑے ہیں...... اپنوں میں ایسی چیزیں نہیں دیکھی جاتیں، بچوں کی خوشیوں کا دارومدار پڑھائی لکھائی پر نہیں ہوتا اور اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ آپ نے بیٹی کو پڑھا کر پھر ہر رشتے میں اسی طرح نقص نکالنے ہیں تو میں اسے بی اے سے آگے پڑھانے ہی نہ بھیجتی......'' غالباً امو کو سرمد کا رشتہ بہت پسند آیا تھا۔

''اچھا ابھی تو تم اس کو ٹالو...... دیکھتے ہیں، میرے ذہن میں ایک رشتہ ہے جو کہ ابا جان کی خواہش تھی اور انہوں نے میرے ساتھ اس بارے میں بات بھی کی تھی، وقت ملا تو میں اُن سے بات کروں گا۔''

''کن سے؟'' امو جان کے سوال میں حیرت تھی۔

''ہیں کوئی...... وقت آنے پر بتاؤں گا۔''

''آپ بیٹی کے باپ ہو کر اپنی بیٹی کے رشتے کے لیے بات کریں گے؟'' امو کی حیرت اور بھی سوا تھی۔

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا...... اپنوں میں ایسی کیا تکلف کی باتیں؟!'' ابو نے کہا۔

''کون اپنے...... کس کی بات کر رہے ہیں؟'' امو نے حیرت سے پوچھا۔

''ابھی کچھ نہیں بتا سکتا عائشہ...... کچھ دن انتظار کر لو، وقت آئے گا تو تمہیں بھی بتا دوں گا۔'' ابو نے کہا تو میرے دل کی دھڑکنیں اتھل پتھل ہونے لگیں، ابو کیا سوچے بیٹھے تھے۔

''بہتر ہوتا کہ آپ اپنی بیٹی سے بھی پوچھ لیتے۔'' امو نے کہا۔

''مجھے جو کرنا ہے وہ میں اپنے طریقے سے کروں گا، پہلے میں خود چیک کر لوں، اس کے بعد بیٹی کی رائے لے کر ہی بات آگے بڑھے گی۔'' ابو کے کہنے پر مجھے تسلی ہوئی۔

''اگر اسے وہ رشتہ پسند نہ ہوا جہاں ابا جان کی خواہش تھی تو؟'' امو نے وہ سوال کیا جو میرے دل میں مچل رہا تھا۔

''میں اپنی بیٹی کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کروں گا اور میرے فیصلے کو اس کی تائید حاصل ہوگی تو ہی اس کی شادی ہوگی عائشہ......'' ان کے کہنے سے ڈھیروں اطمینان میرے دل میں اتر گیا تھا۔ ''اور مجھے اپنی بیٹی پر پورا اعتماد ہے کہ اسے میرے فیصلے سے کوئی اختلاف نہ ہوگا۔'' انہوں نے مزید کہا۔ ''میری بیٹی چاہے شہر سے پڑھ کر آ گئی ہے مگر اس کے اندر حیا اور تابعداری ہے......'' میرے دل کی کئی دھڑکنیں مس ہوئیں...... کامل بھی تو ابو جان کی بہن کا بیٹا تھا، اگر انہیں اپنی بہنوں میں سے کسی کے گھر رشتہ نہیں کرنا تھا تو اور پھر خاندان میں ایسا کون تھا جس کے لیے وہ سوچے بیٹھے تھے؟ ایک ایسا سوال جس کا جواب آنے والے وقت کی گود میں تھا۔

☆☆☆

لاہور ہمیں تقریباً ایک ہفتہ رکنا تھا، اسی حساب سے تیاری کر کے آئے تھے، مہر پھپو کی طرف قیام کرنا تھا۔ اپنے گھر کے علاوہ کہیں وہ بے تکلفی محسوس نہ ہوتی تھی کیونکہ ہم کبھی کسی رشتے دار کے ہاں رکنے کو گئے ہی نہ تھے۔ پڑھائی کے سلسلے میں بھی لاہور رہے مگر ہاسٹل میں اور اس دوران میثاق اور فاطمہ کے لاکھ اصرار کے باوجود بھی ان کے ہاں کبھی رات کو نہیں رکے۔ امو کی ہمیشہ سے یہی عادت تھی اور انہوں نے ہمیں یہی سبق عملی طور پر سکھایا کہ اپنے بچوں کو ہمیشہ اپنے ساتھ ہی لے کر جانا چاہیے چاہے جہاں بھی جانا ہو اور انہیں ساتھ ہی لے کر لوٹو چاہے جتنی بھی مجبوری ہو۔ اسی لیے ہم جہاں جاتے اپنے والدین کے ساتھ ہی جاتے اور انہی کے ساتھ لوٹ آتے، یوں کہیں ٹھہرنے کا ہمارا بالکل پہلا تجربہ تھا......

مجھے تو ایسی عادت تھی اپنی چیزوں کے استعمال کی کہ کہیں جا کر مجھے کئی چیزوں کی کمی محسوس ہوتی، اسی لیے میرا ایک ہفتے کا سامان یوں تھا گویا مجھے مہینوں وہاں رہنا تھا۔ اپنے تولیے سے لے کر جوتے صاف کرنے کا کپڑا تک میں نے اپنے ساتھ رکھا تھا...... تمنا کی عادتیں خراب تھیں، وہ تو جوتے صاف ہی نہیں کرتی تھی، اگر کرنا پڑ جاتے تو اسی قمیص سے کر لیتی جو اس نے اتار کر دوسری قمیص پہننا ہوتی تھی۔ مجھے اس کی ایسی عادات سے بہت چڑ تھی مگر ساتھ رہ کر بھی میں اس کی کچھ بری عادتیں چھڑا نہ سکی تھی۔ اس کے علاوہ فرصت میں پڑھنے کے لیے کتابیں اور میگزین رکھے اور فرصت...... جو شاید وہاں میسر بھی نہ آتی۔

مجھے اور تمنا کو اوپری منزل پر انہوں نے ایک کمرا دیا تھا، میثاق اور فاطمہ کے کمرے بھی اسی منزل پر تھے، مہمانوں کے لیے مخصوص کمرا نیچے تھا مگر فاطمہ کا اصرار تھا کہ ہم بھی اوپر قیام کریں تاکہ ان سے قریب ہوں، ہمارا سامان اس نے ملازموں کے ہاتھ اوپر ہی بھجوا دیا تھا...... اوپر ہی ایک اور کمرا بھی خالی تھا اس لیے پھپو کو اعتراض نہ ہوا۔ وہ خود اوپر گئیں، اس بند کمرے کو کھلوا کر ملازموں سے کہا کہ اس کمرے کی فوری صفائی کریں حالانکہ وہ کمرا بظاہر ایسا گندا نہیں تھا مگر زیر استعمال نہ ہونے کے باعث انہیں اس کی صفائی کروانے کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ جب ہم رات کا کھانا کھا کر اوپر گئے تو ہمارا سامان اس کمرے میں پہنچ چکا تھا۔ کمرا صاف ستھرا، تازہ ہوا کے ساتھ ائیر فریشنر کی خوشبو سے معطر تھا۔ بستروں پر صاف چادریں تھیں، باتھ روم میں استعمال کی ہر چیز ان چھوئی رکھی تھی، صاف ستھرے سفید تولیے بھی موجود تھے۔

باتھ روم کے ساتھ ملحقہ ڈریسنگ روم میں ایک میز پر ہمارا سامان سیٹ رکھا تھا۔ میں نے اپنے بیگ میں سے کپڑے نکال کر الماری کے اندر لٹکا دیے...... کتابیں نکال کر اپنے بیڈ کی سائیڈ پر رکھ دیں اور اسی طرح اپنے استعمال کا باقی سامان غسل خانے اور ڈریسنگ روم میں سیٹ کیا۔ اسی اثنا میں کمرے میں سے فاطمہ اور میثاق کی آوازیں سنائی دیں تو میں باہر نکلی۔

''ٹھیک ہو ناں تم لوگ...... آرام سے؟'' فاطمہ نے پوچھا۔

''بہت زیادہ آرام سے پیاری، سچ میں پھپھو نے کمرے کو ضرورت کی ہر چیز سے آراستہ کر رکھا ہے۔'' میں نے دل سے کہا۔

''اب کیا ارادہ ہے تم دونوں کا؟'' میثاق نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''دیکھو..... اب کیا ارادہ بنتا ہے۔ اصولاً تو ہمیں اپنی تعلیم کا فائدہ اٹھانا چاہیے مگر اس بات پر منحصر ہے کہ گھر والے کیا سوچتے ہیں۔'' میں نے رسان سے کہا تو میثاق کا بلند قہقہہ سنائی دیا، وہ ہنس، ہنس کر دُہرا ہو رہا تھا۔

''کیا ہوا ہے تمہیں..... پاگل کیوں ہو رہے ہو؟'' فاطمہ نے حیرت سے پوچھا۔

''یار میں نے اس سے ابھی کا پروگرام پوچھا ہے اور یہ مجھے اپنے مستقبل کے ارادے بتا رہی ہے۔'' میثاق کہہ کر پھر ہنسنے لگا تو میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ رینگ گئی۔

''اچھا.....'' فاطمہ نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اس میں ایسی ہنسنے والی کوئی بات نہیں..... تم نے لفظ پروگرام نہیں بولا، ارادہ کہا تھا۔''

''ابھی کا کیا پروگرام؟'' میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے سوال کیا۔

''میرا مطلب ہے کہ تم دونوں کو سونا ہے یا کچھ کیا جائے؟'' میثاق نے بھی اپنی ہنسی کو بریک لگائے۔ اسے بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ ذرا سی غلط فہمی کی وجہ سے اس کی نان اسٹاپ ہنسی مجھے شرمندہ کر رہی تھی۔

''اور کیا کرنا ہے؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''بہت کچھ ہو سکتا ہے..... آئس کریم کھانے جا سکتے ہیں، کافی پینے جا سکتے ہیں، کوئی فلم دیکھی جا سکتی ہے سینما میں یا گھر پر..... لوڈو یا کیرم کی بازی لگائی جا سکتی ہے۔ مگر سب سے اہم سوال یہ ہے کہ تم لوگوں کو نیند تو نہیں آ رہی؟'' میثاق نے کچھ کرنے کی طویل وضاحت کی۔

''گھر پر ہی کافی پی جا سکتی ہے۔'' میں نے آسان حل پیش کیا۔

''گھر پر کافی کا کیا مزہ آئے گا؟'' فاطمہ نے کہا۔

''اس وقت تو بالکل باہر جانے کو دل نہیں کر رہا۔'' میں نے جمائی لی۔ ''تھکاوٹ بھی ہے اور پھر پیٹ بھر کر کھانا بھی کھا چکے ہیں۔''

''یہ تو ہے ہی بہت بورنگ.....'' تمنا نے میری جمائی سے چڑ کر کہا۔ ''سرِ شام سو جاتی ہے، صرف دن کو قیلولہ کر لے تو رات کو دیر تک جاگ سکتی ہے۔''

''چلو پھر آج تم لوگ آرام کرو اور کل سے کسی کا کوئی بہانہ نہیں چلے گا..... بس ہم ہوں گے اور بہت مزہ کریں گے۔'' فاطمہ نے مسکرا کر کہا، وہ بہت کم برا مناتی تھی۔

''چلو باہر نہ سہی، گھر پر تو لوڈو کھیل سکتے ہیں اور کافی پی سکتے ہیں ناں!'' میثاق نے اصرار کیا۔

''سچ میں میثاق، آج تو مشکل ہے کل سہی۔'' میں نے سستی دکھائی۔

''تمہیں بھی نیند آ رہی ہے؟'' اس نے تمنا سے سوال کیا۔

''نہیں، کوئی ایسی خاص نہیں.....'' اس نے بشاشت سے کہا۔

''چلو پھر ہم تینوں لاؤنج میں بیٹھ کر کافی پیتے ہیں۔'' اس نے تمنا اور فاطمہ سے کہا تو میں ٹپٹانے کے سوا کچھ بھی نہ کہہ سکی، اب اپنی نیند کی بات بھی تو رکھنا تھی۔ ''کم از کم تم تو بور نہ کرو۔''

''اس وقت سو جاؤ سب لوگ، کل سے ہمیں مارکیٹوں میں بھی جانا ہے.....'' میں نے کوشش کی کہ تمنا میری بات کو سمجھ جائے۔

''ارے ساری مارکیٹیں بارہ بجے کے بعد کھلتی ہیں، ہم جاگ جائیں گے صبح، صبح۔'' وہ تینوں اٹھے۔ ''تم سو جاؤ، ہم بھی کافی پی کر سو جائیں گے......'' فاطمہ نے کہا اور وہ تینوں نیچے چلے گئے۔ میں سونے کی کوشش کرنے لگی، فاصلے کے باعث مجھے نیچے سے کوئی آواز نہ سنائی دے رہی تھی۔ لگ بھگ چالیس منٹ کے بعد سیڑھیوں سے کسی کے اوپر آنے کی آواز سنائی دی، میں سوتی بن گئی، یقیناً تمنا ہوگی، میں نے سوچا مگر قدموں کی آواز سیڑھیوں کے بعد کسی اور کمرے کی طرف جانے لگی۔ میثاق اپنے کمرے میں گیا ہوگا، چلو اب تمنا بھی جلد آ جائے گی، اس کے انتظار میں جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔

☆☆☆

میں شاور لے کر نکلی تو تمنا اس وقت تک سو رہی تھی، میں نے اسے آواز دی، وہ کسمسائی اور کروٹ بدل کر پھر سو گئی، مجھے اس پر غصہ آیا۔

''اٹھ جاؤ تمنا ورنہ میں پانی کی بالٹی لا کر تم پر پھینکوں گی۔'' میں نے اسے دھمکی دی۔

''اٹھتی ہوں بابا......'' اس نے آنکھیں موندے، موندے کہا۔ ''دس منٹ اور سونے دو پلیز!''

''دس منٹ میں تمہارے کون سے خواب پورے ہونے والے ہیں۔'' میں نے اس کے اوپر سے چادر کھینچی، اس نے تھوڑی دیر تک مزاحمت کی پھر کوئی چارہ نہ پا کر اٹھ گئی۔

''کہا تھا ناں کہ وقت پر سو جاؤ......'' میں نے غصے سے کہا۔ ''کس وقت واپس آئیں تم کمرے میں؟''

''ہوں...... پتا ہی نہیں چلا باتوں میں یار!'' اس نے اپنے بال سمیٹتے ہوئے غسل خانے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ ''صبح کے تین بجے واپس آئی تھی میں کمرے میں۔''

''کیا......'' میں چیخی تھی۔ ''صبح کے تین بجے تک تم کون سی باتیں کرتی رہیں فاطمہ کے ساتھ؟''

''ہوں......'' وہ جاتے، جاتے رکی، مڑ کر مجھے دیکھا، کچھ کہتے کہتے رکی، ہونٹوں کے گوشے کو دانتوں سے دبایا، مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے۔ ''کوئی خاص نہیں......'' کہہ کر وہ غائب ہوگئی۔ میں نے بستر کی شکنیں نکالیں، تکیوں کو درست کر کے رکھا۔ کمرے میں چیزوں کو بھی ترتیب سے رکھا اور اپنے پرس میں رکھی رقم اور کارڈز وغیرہ چیک کیے، اپنے سامان کو حسب عادت لاک کیا۔

''میں نیچے جا رہی ہوں تمنا......'' میں نے غسل خانے کا دروازہ کھٹکھٹا کر کہا۔ ''پھپھو سوچ رہی ہوں گی کہ ہم ابھی تک سو رہے ہیں۔'' میں نیچے آئی تو ناشتے کی میز پر ہمارا ہی انتظار ہو رہا تھا۔

''آپ شروع کریں ناشتا پھپھو!'' میں نے ذرا شرمندگی سے کہا۔ ''میں سمجھ رہی تھی کہ سب لوگ سو رہے ہوں گے۔''

''کوئی بات نہیں بیٹا......'' پھپھو نے شفقت سے کہا۔ ''تمنا آ جائے بس تو شروع کرتے ہیں۔'' تھوڑی دیر میں ہی تمنا شاور کے بعد کمر پر گیلے بالوں کو پھیلائے ہوئے بھاگتی ہوئی آئی۔

''سوسوری......'' کرسی پر بیٹھتے ہوئے وہ گویا ہوئی۔ ''میری وجہ سے آپ سب لوگوں کو انتظار کرنا پڑا......''

''کوئی بات نہیں بیٹا......'' پھپھو نے کہا۔ ''فاطمہ بتا رہی تھی کہ تم لوگ رات کو دیر تک جاگتے رہے ہو۔''

''کتنے بجے سوئے تم اور تمنا؟'' فاطمہ نے میثاق سے پوچھا تو میرے سر میں کچھ سرسرانے لگا۔

''تین، ساڑھے تین بج گئے ہوں گے۔'' میثاق نے بے پروائی سے کہا تو میری نظر پھپھو کے چہرے پر پڑی جہاں کوئی تفکر تھا نہ خفگی اور میں کسی فکر مند ماں کی طرح اندر ہی اندر گھل رہی تھی۔ سوچ رہی تھی کہ اموجان کو علم ہوگا تو وہ کیا سوچیں گی؟ مجھے انہوں نے خاص طور پر تاکید کی تھی کہ وہ گھر تمنا کا سسرالی گھر بھی ہے اور ہمارے خاندان میں یوں تو پرانے رواجوں کے مطابق لڑکیاں اپنی شادی سے قبل اپنی سسرال میں نہیں جاتیں مگر جہاں سب کچھ تبدیل

ہو رہا ہے وہاں اس طرح کے رسوم و رواج کو بھی جاری رکھنا ممکن نہیں رہا مگر مجھے اس پر کڑی نظر رکھنا تھی اور میں پہلی رات ہی یوں غافل ہوئی کہ تمنا اور میثاق رات بھر تنہا رہے تھے......

☆☆☆

تین گھنٹے میں ہم نے بہ مشکل دو دکانیں دیکھی تھیں، فاطمہ کو کچھ پسند ہی نہیں آرہا تھا۔ ہم دونوں کے ساتھ فاطمہ اور پھپھو تھیں، گاڑی ڈرائیور چلا رہا تھا، میثاق اپنے کام پر تھا اور پھوپا ان دنوں کراچی کسی کام کے سلسلے میں گئے ہوئے تھے۔

''فاطمہ بیٹا، جہاں پر جو کچھ پسند آتا ہے اسے لیتی جاؤ......'' پھپھو نے اسے سمجھایا۔ ''وہ گلابی سوٹ تمہیں پسند آرہا تھا تو لے لیتیں۔''

''پتا نہیں مما...... ابھی میں دیکھ رہی ہوں، اگر مجھے کوئی اور گلابی سوٹ پسند آ گیا تو؟''

''اس طرح تو ہم سوچتے ہی رہ جائیں گے بیٹا، اگر تم گلابی سوٹ لے لیتیں تو پھر کسی اور دکان میں تم گلابی سوٹ نہ دیکھتیں۔ اگر دو گلابی سوٹ پسند آجائیں تو دو گلابی سوٹ لے لو مگر یوں گھما، گھما کر تو ان دونوں بیچاریوں کو بھی تھکا دو گی تم......'' پھپھو نے اسے سرزنش کی۔

''کوئی بات نہیں پھپھو......'' میں نے پیار سے کہا۔ ''اس کا حق ہے، اسے اپنا وقت لینے دیں، جو کچھ اسے پسند آئے گا وہ لے لے گی۔ اسے پہلے دن تسلی سے دیکھنے دیں، ہمارے پاس وقت ہے، کوئی جلدی نہیں ہے۔'' میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ ہماری وجہ سے دباؤ محسوس کرے۔ پہلے ہی مجھے لگ رہا تھا کہ ایک دو سوٹوں کی قیمت پوچھ کر وہ شش و پنج میں پڑ گئی تھی۔ ''اور جو کچھ تمہیں پسند آئے فاطمہ، اس کی قیمت کی بھی فکر نہ کرنا۔''

''یہی تو ایک بری عادت ہے اس لڑکی میں... کچھ پسند آ بھی جائے گا تو اس کی قیمت سن کر تذبذب میں پڑ جائے گی۔ کپڑوں پر زیادہ رقم صرف کرنے کو یہ فضول خرچی سمجھتی ہے۔''

پھپھو نے بتایا تو مجھے دل میں خوشی بھی محسوس ہوئی اور اچھا لگا کہ ہماری بھابی اس قدر سمجھدار ہے۔

''عام معمول میں چاہے تم جو بھی کرتی ہو فاطمہ مگر اپنی شادی کے کپڑوں کی خریداری میں تم زیادہ کنجوسی نہ دکھاؤ......'' میں نے اسے کہا۔ امو جان نے کہا تھا کہ اس کے لباس اچھے اور قیمتی ہونے چاہئیں کہ ان کی بہو کے لباس ان کے گھر کے مکینوں کی خوشیوں کے عکاس ہوں گے اور انہی سے لوگوں کو اندازہ ہوگا کہ ہم نے کتنے چاؤ سے بری بنائی ہے۔

''جتنے پیسے کپڑوں پر خرچ کرنے ہیں اس سے بہتر ہے کہ بندہ کوئی جیولری لے لے، کم از کم اس کی کوئی قدر و قیمت تو ہوتی ہے ناں۔'' فاطمہ نے کہا۔

''زیورات تو امو جان نے بہت بنا رکھے ہیں فاطمہ، تم اپنی خریداری کرو، جوتوں اور کپڑوں کی، دل کھول کر اور بے فکر ہو کر۔'' میں نے اسے خلوص سے کہا۔

ہم نے مارکیٹ میں ہی ایک چھوٹے سے ریستوران میں لنچ کیا اور اسی دوران پھپھو نے ڈرائیور کو بھی رقم دی کہ وہ کچھ کھا پی لے۔ شام ہونے کو آئی تو ہم گھر لوٹے، شام تک فاطمہ نے دو سوٹ خریدے تھے جن میں سے پہلا میرے ہی اصرار پر وہ گلابی سوٹ تھا جو وہ پہلی دکان پر اس لیے چھوڑ کر آ گئی تھی کہ اس کے خیال میں وہ بہت مہنگا تھا۔ میں نے پھپھو سے کہہ کر اسے زبردستی وہ سوٹ دلوایا۔

رات کے کھانے کے بعد پھر میثاق نے کل کا وعدہ یاد دلایا، اب مجھے تمنا کو اکیلے نہیں چھوڑنا تھا اس لیے میں نے ہامی بھر لی کہ کافی پینے چلیں گے مگر شرط یہ رکھی کہ اس کے بعد گھر واپس آ کر سو جائیں گے۔ میری شرط کو انہوں

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماء ے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

نے مان لیا اور ہم پھپھو کے سونے کے بعد کافی پینے کا کہہ کر گھر سے نکلے۔

☆☆☆

''ارے...... یہ بڑے بڑے لوگ ہمارے غریب شہر میں کب آئے؟'' وہ عین میرے سامنے کھڑا پوچھ رہا تھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوگئیں۔ فاطمہ اپنے فون پر مصروف تھی، تمنا اور میثاق کافی لینے گئے تھے۔

''ہم کل آئے تھے...... فاطمہ کی شادی کی شاپنگ کروانا تھی تو اموجان نے مجھے اور تمنا کو بھیجا۔'' میں نے عام سے لہجے میں کہا، مبادا کہ فاطمہ کو کوئی بات کھٹک جائے۔ ''آپ سنائیں سب ٹھیک ہیں، پھپو، تحریم؟''

''سب ٹھیک ہیں مگر یہ تم لوگوں کی ناانصافی ہے کہ ہمارے ہی شہر میں ہو اور ہمیں علم ہی نہیں۔'' اس نے شکوہ کیا۔ ''شہر کی ہواؤں نے تو ہمیں اطلاع نہیں دینا تھی ناں تمہارے آنے کی۔''

''بتایا ہے ناں کہ کل ہی آئے ہیں۔''

''کل اور آج کے بیچ چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں امرت!'' وہ میرے اس قدر قریب بیٹھ گیا کہ میرا دل پسلیوں سے باہر آنے کو ہو گیا۔

''کامل...... سامنے بیٹھ جائیں پلیز، وہ لوگ آتے ہی ہوں گے۔'' فاطمہ اشارہ کر کے گئی تھی کہ وہ واش روم جا رہی تھی اور تمنا اور میثاق آرڈر کر کے کافی وصول کرنے کے لیے قطار میں کھڑے تھے۔ میں نے فاصلے سے دیکھا، وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے، ان کا دھیان بھی ہماری طرف نہ تھا۔

''اتنا ڈرتی کیوں ہو امرت دوسروں سے؟'' وہ اٹھ کر سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسی اثنا میں میثاق نے اسے دیکھ لیا، تمنا کو قطار میں چھوڑ کر وہ آیا اور اس سے تپاک سے ملا۔

''کافی پئیں گے کامل بھائی؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں یار، میں اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ ہوں، چلتا ہوں۔'' اس نے جواز پیش کیا۔ ''تم لو کافی اپنی، تھینک یو!'' میثاق چلا گیا۔

''چلتا ہوں امرت...... اپنے گھر پر انتظار کروں گا تم لوگوں کا، مجھے تم سے بہت اہم بات کرنی ہے۔''

''کون سی اہم بات؟ ابھی کر لو پلیز......'' میں نے اسے روکا۔ ''اس طرح مجھے الجھن ہوتی رہے گی، میں سو بھی نہیں پاؤں گی۔''

''یہی تو میں چاہتا ہوں، اگر میں نہیں سو سکتا تمہارے بارے میں سوچ سوچ کر تو تم کیوں سوؤ؟'' وہ ہنس کر کہہ کر چل دیا، اپنی خوشبو وہیں چھوڑ کر...... کافی کی تیز خوشبو بھی اس خوشبو پر حاوی نہ ہو سکی۔ میں کن انکھیوں سے اسے دیکھتی رہی جو اپنے دوستوں کے گروپ میں خوش گپیاں کر رہا تھا۔ ان دوستوں میں لڑکے بھی تھے اور لڑکیاں بھی، سب نئے چہرے تھے، کسی کو میں نے اس سے قبل نہیں دیکھا تھا۔ میرے اندر کچھ چٹخا، شاید اس کے کولیگ ہوں گے، میں نے خود کو تسلی دی۔ ''کیا میں ان لڑکیوں سے حسد محسوس کر رہی تھی؟'' میں نے خود سے سوال کیا۔

☆☆☆

''بیٹا...... گل کا فون ہے، تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔'' پھپو نے مجھے فون دیا۔

''السلام علیکم گل پھپو...... کیسی ہیں آپ؟''

''میں ٹھیک ہوں میری جان، تم سناؤ؟'' وہی پیار بھری آواز۔

''دعا ہے آپ کی پھپو!'' میں نے بشاشت سے کہا۔

''مجھے تم دونوں سے شکوہ کرنا تھا، کامل نے بتایا کہ تم لوگ دو دن سے لاہور آئے ہوئے ہو؟''

''وہ اصل میں پھپو، فاطمہ کی شادی کی خریداری کے لیے......'' میں نے کہا۔ ''سارا دن تو مارکیٹ میں گزر جاتا ہے، دو دن میں بھی لگتا ہے کہ کچھ بھی نہیں لے سکے۔''

''شادی کی خریداری تو اسی طرح ہوتی ہے بیٹا!'' انہوں نے رسان سے کہا۔ میں چشم تصور سے ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''یہ سب کام تو چلتے رہیں گے، میں نے مہربانو سے کہا ہے، آج رات کا کھانا تم لوگ ہمارے ساتھ کھاؤ گے۔''

''اس کی کیا ضرورت ہے پھپو؟'' میں نے ہچکچا کر کہا، میں نہیں چاہتی تھی کہ اس وقت میری اور کامل کی پسندیدگی کسی پر عیاں ہو۔ ''یہاں اور وہاں میں فرق ہی کیا ہے۔''

''اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ آج رات کا کھانا یہاں اور ہاں جتنے دن تم لوگ مہربانو کے گھر ٹھہرو گی، اتنے ہی دن میرے گھر پر بھی ٹھہرنا ہوگا بلکہ آج تم لوگ اپنا سامان ساتھ لے کر آنا۔''

''ارے نہیں پھپو، پھر آئیں گے آپ کے گھر ٹھہرنے کے لیے......'' میں نے فوراً کہا۔

''کیا بات ہے امرت؟'' انہوں نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیا عائشہ بھابی نے تمہیں میرے پاس رکنے سے منع کر کے بھیجا ہے؟''

''ارے نہیں پھپو، ایسی کوئی بات نہیں، امو جان بھلا کیوں منع کریں گی۔''

''میں ان سے پھر بھی بات کر کے اجازت لے لوں گی اور تم لوگ اپنا سامان ساتھ لے کر آنا۔'' انہوں نے حتمی انداز میں کہا۔

''آج نہیں پھپو، کم از کم فاطمہ کی خریداری مکمل کروالیں......''

''خریداری مکمل ہوگی تو تم واپس چل دو گی۔'' انہوں نے کہا۔

''آپ کے پاس رکے بنا نہیں جائیں گے، وعدہ رہا آپ سے۔'' میں نے فون بند کیا۔ امو جان سے مجھے خود ہی بات کرنا تھی، گل پھپو بات کرتیں تو امو جان سمجھتیں کہ میں نے ان سے کہا ہے۔ کمرے میں جا کر اپنے فون سے امو جان سے اس بارے میں بات کی تو انہوں نے کہا کہ ان کے خیال میں اس میں کوئی حرج نہ تھا، ایک کے بجائے ہمیں دو تین دن ان کے ہاں رکنا چاہیے۔ وہ بھی مہر پھپو جیسی پھپو تھیں اور اچھا ہے کہ تمنا اپنی سسرال کے بجائے ان کے ہاں رکے۔ ''لو جی، کر لو گل۔'' میں نے فون بند کر کے سوچا۔ ''امو جان کو تمنا کی سسرال کی فکر تو ہے مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ میری سسرال بن جائے گی کبھی نہ کبھی!'' سوچ کر میں مسکرا دی۔

''کس بات پر اکیلے، اکیلے مسکرایا جا رہا ہے؟'' تمنا اسی وقت وارد ہوئی تھی۔

''امو جان کا حکم ہے کہ ہم دو تین دن گل پھپو کی طرف بھی رکیں۔'' میں نے بتایا۔

''اسی لیے دل میں لڈو پھوٹ رہے ہیں!'' وہ ہنسی۔

''ہاں تم نے کافی لڈو کھا لیے، اب کچھ لڈو میرے دل کے لیے بھی۔'' میں بے ساختہ ہنسی۔

☆☆☆

''یہ تم نے بیگ کیوں ساتھ اٹھا رکھا ہے؟'' پھپو گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر میثاق کے ساتھ بیٹھی تھیں، میں اور تمنا نکلیں تو اسی وقت فاطمہ بھی آ گئی۔ میں نے میثاق کو ڈکی کھولنے کو کہا اور بیگ رکھ کر اندر آ بیٹھی جہاں تمنا اور فاطمہ پہلے سے بیٹھی تھیں۔

''وہ پھپو اصرار کر رہی تھیں کہ ہم اُن کی طرف بھی رکیں۔'' تمنا نے انہیں بتایا۔ ''امرت نے امو جان سے بات کی تو انہوں نے کہا کہ ان کا اصرار بجا ہے......'' ایک تو اسے بے مقصد تفاصیل بتانے کا شوق......

''تم لوگوں کو یہاں پر کوئی تکلیف ہے کیا؟'' انہوں نے مصنوعی ناراضی سے پوچھا۔

''کیسی بات کر رہی ہیں پھپو، اپنے گھر سے زیادہ آرام سے ہیں ہم۔''

''میرے تو بچے بھی تم لوگوں کے ساتھ ایک، ایک لمحے سے لطف اندوز ہو رہے ہیں، اسی بہانے میثاق اور تمنا کو ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع مل رہا ہے......''

''کچھ زیادہ ہی موقع مل رہا ہے۔'' میں بڑبڑائی، تمنا نے مجھے کہنی ماری، میں نے پلٹ کر اسے گھورا۔

''دو دن میں آ جائیں گے پھپو اور پھر دن میں خریداری تو ہم سب اکٹھے ہی کیا کریں گے ناں!'' میں نے انہیں جیسے تسلی دی۔

''چلو بیٹا، جیسے تم لوگوں کی خوشی......'' پھپو نے ہتھیار ڈالے۔ ''گل بانو نے بھی بہت سال اپنوں کے بغیر گزارے ہیں، اپنوں کے ساتھ وقت گزارنے کا اسے بھی پورا حق ہے۔''

''مما...... میں بھی وہاں رک رہی ہوں، ان دونوں کے ساتھ، تحریم نے بہت اصرار کیا ہے۔'' فاطمہ نے انکشاف کیا تو میثاق چڑ گیا۔

''میرا کیا قصور ہے؟''

''تمہاری جاب ہی تمہارا قصور ہے برادر!'' اس نے ہنس کر کہا۔ ''تم آ جانا اتوار کو صبح، اس روز مارکیٹ تو بند ہوتی ہے، دن وہاں اکٹھے گزاریں گے اور شام کو واپس آ جائیں گے۔''

''کیا؟'' وہ چیخا۔ ''تم لوگ اتوار تک رکو گی وہاں...... یہ زیادتی ہے مما آپ نے اسے اتنے دن رکنے کی اجازت کیوں دی ہے؟''

''اس نے مجھ سے اجازت لی کب ہے بیٹا؟'' پھپو نے مصنوعی غصے سے کہا۔ ''تمہارے سامنے یہ مجھے ابھی اطلاع دے رہی ہے......''

''مما پلیز...... رک جاؤں میں؟'' فاطمہ نے پھپو کے گلے میں بانہیں ڈال کر التجا کی۔

''رک جاؤ میری جان!'' انہوں نے اس کا سر تھپکا۔ ''زندگی کے ہر لمحے سے لطف اٹھاؤ۔''

☆☆☆

''تمہیں دیکھتی ہوں تو مجھے اپنا عکس دکھائی دیتا ہے۔ جیسے میں کوئی آئینہ دیکھ رہی ہوں مگر تم بلاشبہ مجھ سے بڑھ کر حسین اور اسٹائلش ہو پیاری......'' میرا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لیے ہوئے وہ کہہ رہی تھیں۔ میں اپنی عادت کے باعث جلدی جاگ گئی تھی مگر کسلمندی سے بستر پر پڑی رہی پھر تھک کر اٹھ گئی۔ باقی تینوں کو جگانے کی کافی کوشش کی مگر ان کے گھوڑے گدھے سب بک چکے تھے، منہ ہاتھ دھو کر بال سنوارے، چائے کی طلب ہو رہی تھی، تھکاوٹ سی محسوس ہو رہی تھی۔ رات ہم چاروں ایک ہی کمرے میں تھیں، مجھے اور فاطمہ کو بیڈ پر جگہ ملی تھی اور تمنا اور تحریم اسی کمرے میں صوفہ کم بیڈ پر...... سونا کیا تھا، رات بھر ان کی گپیں ہی چلتی رہیں، میں تو جانے کس وقت سو گئی تھی...... صبح اٹھی تو کمرے میں چائے کے کپ بھی نظر آئے، اس کا مطلب ہے کہ میرے سونے کے بعد انہوں نے چائے بھی بنا کر پی تھی۔

میں ہاتھ منہ دھو کر نیچے آئی تو پھپو لاؤنج میں تنہا بیٹھی تھیں، میں ان کے قریب ہی بیٹھ گئی تو انہوں نے میرا سر سہلاتے ہوئے اپنی گود میں رکھ لیا، مجھے قدرے سکون کا احساس ہوا۔

''بڑی لاڈیاں ہو رہی ہیں مما......'' وہ نک سک سے تیار وارد ہوا۔ ''کچھ ہمارے لیے بھی بچا کر رکھیں۔''

''اچھا!'' پھپو ہنسیں۔ ''تمہیں کم ملتا ہے کیا؟''

''کم از کم، اس سے کم......'' اس نے شرارت سے کہا۔

''اچھا بتاؤ کامل...... تمہیں یہ میرے جیسی لگتی ہے ناں؟'' وہ اسی بہانے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال

کر غور سے مجھے دیکھنے لگا، میں گڑ بڑا گئی۔
''ہوں، پوری تو نہیں مما میری مما جیسا حسین کوئی نہیں ہو سکتا مگر ہاں کچھ شباہت ضرور ہے، جب میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا تو مجھے بھی یہی محسوس ہوا کہ میں نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے مگر میں سمجھا کہ شاید خوابوں وغیرہ میں۔'' وہ ہنسا۔
''تم بہت شرارتی ہو کامل...... دیکھو تو بچی کیسے بلش کر رہی ہے۔''
''میں آپ جیسی خوب صورت تو واقعی نہیں ہوں پھپو!'' میں نے اپنا اعتماد بحال کیا۔
''مما...... بتائیں ناں ذرا میرے سوال کا جواب؟'' اس نے اچانک کہا۔
''کس سوال کا جواب بیٹا؟'' انہوں نے حیرت سے پوچھا۔
''آپ نے میرا نام بدر کامل کیوں رکھا؟'' اس نے مسکرا کر سوال کیا۔
''کیونکہ مجھے یہ نام اچھا لگتا تھا اور تم اتنے خوب صورت تھے کہ اس کے علاوہ کوئی اور تمہارا نام ہو ہی نہیں سکتا تھا۔'' انہوں نے سادگی اور محبت سے بھرے لہجے میں کہا۔
''جو آپ کو اس کا نام رکھنے کا موقع ملتا تو آپ اس کا کیا نام رکھتیں مما؟'' اس نے میری طرف اشارہ کر کے غیر متوقع سوال کیا۔
''کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں۔'' ان کی بڑی، بڑی آنکھیں حیرت سے مزید کھل گئیں۔
''میرا مطلب ہے کوئی بدر کامل کی طرح کا زنانہ نام کیا ہوتا یا شاید اسے بھی آپ بدر کامل ہی کہتیں!'' میں اس کے یوں کہنے پر بلش کر گئی۔ ''آپ کو یاد ہے مما، میں نے آپ سے کہا تھا کہ میری یونیورسٹی میں ایک لڑکی ہے...... جسے آپ دیکھتیں تو مجھے بدر کامل کہنا چھوڑ دیتیں۔''
''ہاں کہا تھا تم نے ایک دو بار، یاد ہے مجھے مگر یہ بھی یاد ہے کہ جب بھی میں نے تمہیں اس سے ملوانے کو کہا تو تم ٹال جاتے تھے......'' پھپو نے مسکرا کر کہا۔ ''آج کہاں سے وہ پھر یاد آ گئی تمہیں؟''
''تو پھر ملیں ناں مما......'' اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر پھپو کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ ''یہی ہے وہ لڑکی جس کے بارے میں میں نے آپ کو بتایا تھا، میں پہلی نظر میں ہی اس کی محبت کا شکار ہو گیا تھا مگر اس کی کڑی شرطیں...... کہ میں اس سے یونیورسٹی کے حوالے سے ملاقات کر سکتا تھا نہ اس کے گھر تک جا سکتا تھا، نہ اس سے فون اور ای میل پر رابطہ کر سکتا تھا تو پھر مما...... جب میں مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب چکا تھا تو میں اس کے گھر اس حوالے سے پہنچا کہ جو میں خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا اور وہ اس حوالے سے کہ جسے کوئی اس کے گھر سے جھٹلا نہیں سکتا تھا...... امید ہے کہ اب ہمارے راستے میں کوئی پتھر ہوں گے نہ کانٹے...... آپ ہمارے راستے کے سارے کانٹے چن لیں گی ناں مما...... سارے پتھر ہٹا سکیں گی ناں؟'' میرے کہنے کے باوجود اس نے یونیورسٹی کا حوالہ دے ہی دیا تھا۔ میں شرمسار اور پھپو گنگ بیٹھی تھیں، میرا ہاتھ ان کے ہاتھ میں تھا اور میرا ہاتھ اور ان کا سارا وجود لرز رہا تھا۔

☆☆☆

''اچھا کیسا رہا آپ لوگوں کا آج کا خریداری کا دورہ؟'' گھر میں داخل ہوتے ہی سلام دعا کے بعد اس نے سوال کیا۔ ملازمہ کافی کی ٹرے اس کے سامنے رکھ کر گئی تھی، اس نے کافی کا کپ اٹھا کر ایک چسکی لی۔ ''آگے کیا کرنا ہے شام کو؟''
''شام تو ہو چکی کامل بھائی......'' تحریم نے ہنس کر کہا۔ ''اب تو رات کے کھانے کا ہی کوئی پروگرام بن سکتا ہے، ویسے تو یہ دونوں اس قدر تھکی ہوئی ہیں کہ انہوں نے کہیں بھی نہیں جانا۔'' اس نے میرے اور تمنا کے بارے میں کہا۔ ''ویسے بھی باہر کا کھانا یہ شوق سے کھاتی بھی نہیں، فرمائش کر کے آج دال اور سبزی پکوائی ہے۔''

''چلو کھانا نہ سہی، یوں ہی گھما پھرا لاتے ہیں ان کو...... اپنا شہر دکھاتے ہیں۔''

''اسی شہر میں دو سال رہ کر گئی ہیں بھائی دونوں......'' فاطمہ نے مداخلت کی۔

''پھر بھی اکیلے گھومنے اور کسی ''اپنے'' کے ساتھ گھومنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔'' اس نے لفظ اپنے پر زور دے کر دلیل دی۔

''اچھا......!'' تحریم نے لمبی سی اچھا کی۔

''جی!'' تمنا نے ٹکڑا لگایا۔ پھپھو بھی اس کا مفہوم سمجھتی تھیں مگر فاطمہ ہونقوں کی طرح لاعلمی سے دیکھ رہی تھی۔ اسے اس گفتگو کا کوئی لفظ پلے نہ پڑا تھا، وہ یوں بھی سادہ مزاج تھی اور باتوں کی گہرائی کو نہ سمجھتی تھی، اسے شک تک نہ ہوا تھا کہ اس وقت جو گفتگو ہو رہی تھی اس کا کوئی ربط کامل اور میرے درمیان کسی تعلق سے ہو سکتا تھا۔

''اچھا یوں کرو کہ تم نہا دھو کر فریش ہو جاؤ پھر کوئی پروگرام بنا لو، بے شک کھانے کے بعد کہیں چلے جانا، کوئی فلم وغیرہ دیکھ لو۔'' پھپھو نے مشورہ دیا۔

''مما...... تین گھنٹے کون فضول میں سینما میں ضائع کرے۔'' اس نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ ''چلیں، میں شاور لیتا ہوں اور اسی دوران سوچتا ہوں کچھ...... تم لڑکیاں بھی اپنے دماغ لڑاؤ حالانکہ وہ حجم میں کم ہیں مگر کبھی کبھار چھوٹے ذہن میں بھی کوئی بڑی بات آ جاتی ہے۔'' ہم سب کو چڑا کر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

اس کے جانے کے بعد ہم سب میں اس بات پر بحث ہونے لگی کہ کیا، کیا جائے...... میں تو اپنی ازلی محتاط طبیعت کے باعث چاہتی تھی کہ گھر پر ہی رہا جائے مگر باقی سب ووٹ میری مخالفت میں تھے، مفت میں ٹریٹ مل رہی تھی تو کیوں نہ لی جاتی۔

''ہاں بھئی لڑکیو...... کیا طے ہوا ہے؟'' تھوڑی دیر کے بعد وہ تر و تازہ اور مسحور کن خوشبو میں بسا ہوا باہر نکلا،

میں نے بہ مشکل اپنی نظروں کو اس کا طواف کرنے سے روکا۔ ''تم بتاؤ تحریم؟''

''کہیں بھی چلیں، کامل بھائی بندی حاضر ہے۔'' اس نے کہا تو سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''یہ تو بڑی اچھی تجویز ہے۔'' اس کے لہجے میں طنز تھا۔

''میرا تو مووی پر جانے کو دل چاہ رہا ہے.....'' تحریم نے معصومیت سے کہا۔

''آئس کریم کھانے بھی جاسکتے ہیں۔'' تمنا نے تجویز پیش کی۔ ''کال کر کے میثاق کو بھی وہیں آنے کا کہہ دیں گے۔''

''یوں کرو کہ تم دونوں آئس کریم کھانے چلے جاؤ، تم اور میثاق!'' تحریم نے چڑ کر کہا تو سب کی ہنسی نکل گئی۔

''تجویز بری نہیں ہے.....'' اس نے فوراً کہا۔ ''میں میثاق سے کہتی ہوں کہ مجھے لے کر چلا جائے، باقی تم لوگ دیکھ لو جو بھی پروگرام بنانا ہے۔'' کہہ کر وہ اپنے فون پر کچھ ٹائپ کرنے ہی والی تھی کہ فاطمہ نے اٹھ کر اس سے فون چھین لیا۔

''باز آؤ تم!'' اس نے چیخ کر کہا، ہم سب کو ہنسی آرہی تھی۔

''تم کیا کہتی ہو امرت؟'' اس نے مجھ سے پوچھا تو میں سٹپٹا گئی۔

''میں تو گھر پر زیادہ خوش رہتی ہوں۔'' میں نے کہا۔

''چلیں کامل بھائی اسے گھر پر چھوڑ کر ہم باقی لوگ چلتے ہیں۔'' تمنا نے مذاقاً کہا۔

''میں پھپو کے ساتھ گھر پر رہوں گی۔'' میں نے مصمم لہجے میں کہا۔

''تم ساری زندگی شوق سے اس گھر میں پھپو کے ساتھ رہنا.....'' کامل نے ذومعنی لہجے میں کہا۔ ''فی الحال تو باہر جانے کی بات ہورہی ہے۔''

''ویسے بھی خالہ کو ساتھ ہی لے کر جائیں گے، وہ گھر پر اکیلی کیا کریں گے، خالو بھی نہیں ہیں یہاں۔'' فاطمہ نے کہا تو پھپو نے صاف انکار کردیا۔

''چلیں پھر اگر کوئی فیصلہ نہیں ہو پارہا تو فلم دیکھ لیتے ہیں۔ حالانکہ مجھے اس کا کوئی شوق نہیں مگر چونکہ یہ جلد ہی اپنے میاں کو پیاری ہوجانے والی کزن کی خواہش ہے تو اسے پورا کردیتے ہیں۔'' کامل نے ہنس کر کہا۔

''نہیں پھر آئس کریم ہی کھالیتے ہیں۔'' میں نے فوراً کہا، مجھے کامل کے ساتھ فلم پر جاتے ہوئے عجیب سا لگ رہا تھا، بے شک ہم چار لڑکیاں ہوتیں۔

''چلیں فلم اور آئس کریم پر ووٹنگ کرالیتے ہیں۔'' کامل نے کہا۔

''کھانا گھر پر کھاؤ اور پھر اس کے بعد آئس کریم کھانے چلے جانا!'' ووٹنگ کے بجائے پھپو نے فیصلہ سنایا۔ ''پہلے کہیں جاؤ گے تو تم لوگ پیٹ بھر کر آجاؤ گے اور خانساماں باربی کیو کی تیاری کررہا ہے۔''

''زبردست پروگرام مما!'' کامل نے کہا۔ ''اسی خوشی میں آئس کریم کھانے آپ ہمارے ساتھ چلیں گی۔''

☆☆☆

ہفتے کی رات کو میثاق بھی آگیا تھا اور پھر گھر میں وہ ہنگامہ مچا تھا کہ الاماں...... اس نے بتایا کہ مہر پھپو نے اسے تمنا کو ساتھ لانے کو بھیجا تھا کہ انہیں اپنے درزی کو اس کا ناپ دلوانا تھا سو وہ فاطمہ اور تمنا کو ساتھ لے گیا کہ درزی کو ناپ دلوا کر واپس آجائیں گے، تحریم کے سر میں درد تھا اس لیے وہ اپنے کمرے میں آرام کررہی تھی۔ میں، کامل اور پھپو ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے تھے۔

''باہر لان میں چلیں امرت؟'' کامل نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

''چلیں پھپو؟'' میں نے پھپو کی طرف دیکھا۔

''مجھے تم سے کوئی بات کرنی ہے۔'' اس نے کہا تو میں چونکی۔

''یہیں کرلیں بات!'' میں نے کہا۔ ''ایسی کون سی بات ہے؟''

''امرت تم مجھ سے خوفزدہ ہو یا پھر نظر انداز کر رہی ہو؟'' اس نے پوچھا تو میں حیرت سے گنگ ہوگئی۔

''کیوں مما! آپ کو نہیں ایسا محسوس ہوتا؟''

''پاگل ہو گئے ہو کیا کامل؟ کیا وہ تم سے سب کے سامنے اقرار و پیمان شروع کر دے؟'' انہوں نے اسے سرزنش کی۔ ''اِدھر آؤ، اِدھر بیٹھو اس کے پاس اور جو بات کرنا ہے یہیں کرلو، میں ویسے بھی اوپر جا رہی ہوں تحریم کو دیکھنے، اس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔'' وہ اٹھ گئیں۔ ''اصل میں بیٹا میرے بچوں کی پرورش جس ماحول میں ہوئی ہے وہاں ایسی باتوں کو معمول سمجھا جاتا ہے......'' انہوں نے میرے سر پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر کہا تو میری آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی اترنے لگی۔

''سوری امرت......'' وہ میرے پاس بیٹھ گیا۔ ''میں غصے میں آ گیا تھا، تم مجھے سب کے سامنے جان بوجھ کر نظر انداز کر رہی تھیں، ہم ایک ہی گھر میں ہیں اور مجھے تم سے بات کرنے کا موقع تک نہیں مل پا رہا......ایک وہ میثاق کو دیکھو، کس طرح آزادی سے تمنا سے گپ شپ لگاتا ہے۔''

''میثاق، تمنا کا منگیتر ہے کامل!'' میں نے غصہ دبا کر رسان سے کہا۔

''یہی تو میں چاہتا ہوں، یہی چاہتا ہوں کہ میرے اور تمہارے تعلق کو کسی رشتے میں بدل دیا جائے تاکہ مجھے یوں ترس، ترس کر تمہاری طرف نہ تکنا پڑے......'' اس کے کہنے پر میری ہنسی چھوٹ گئی۔

''چلو لان میں چلتے ہیں۔'' میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا کرنا ہے اب لان میں؟'' اس نے ادا دکھائی۔

''کچھ رومانوی باتیں جو تمہارے اندر پل رہی ہیں، انہیں اگل دو تاکہ تمہارا غبار ہلکا ہو جائے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''ہاں سارا غبار میرے اندر ہی تو ہے، تمہیں تو کوئی فکر ہے نہ پریشانی......''

''فکر اور پریشانی سے کچھ ہونے والا نہیں ہے کامل......'' ہم لان میں جا کے بیٹھ گئے۔ ''اب تک کی ساری منزلیں اللہ نے ہی سہل کی ہیں، آگے بھی وہی آسانیاں اور اسباب پیدا کرے گا۔ پھپھو جانتی ہیں تو وہ کچھ نہ کچھ کریں گی، تم غصہ کرو گے تو کیا ہوگا۔''

''غصہ نہیں جانِ کامل!'' اس نے میرا ہاتھ چھوا۔ ''میں تمہاری بے پروائی سے چڑ گیا تھا۔''

''میں صرف محتاط ہوں کامل، کسی کی انگلی بھی میری طرف......'' میں رکی۔ ''بلکہ ہماری طرف اٹھے، مجھے گوارا نہیں......وقت آنے پر سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''چلو تم ایک اور جھوٹی تسلی دے دو مجھے......'' اس نے مسکرا کر کہا۔ ''مما کا ارادہ ہے کہ کبیر بھائی کی شادی پر جب گاؤں آئیں گی تو تمہارے ابو اور امو سے بات کریں گی، تب تک پاپا بھی واپس آ چکے ہوں گے۔'' اس کی یہ بات مجھے اس وقت بلش کرنے اور رات آئندہ کے لیے سہانے سپنوں میں بسر کروانے کے لیے کافی تھی۔

لاہور سے واپس لوٹے تو نہ صرف وہاں گزارے ہوئے وقت کی سہانی یادوں سے دامن بھرا ہوا تھا بلکہ امیدوں کے دیئے بھی جلا کر ہاتھوں میں تھام لیے تھے......لمحہ، لمحہ گن کر اس وقت کا انتظار کر رہی تھی کہ کبیر بھائی کی شادی کب ہوگی۔

☆☆☆

شامیر کو فوج میں جانے کا شوق چرایا تھا اور ہم سب کے ملے جلے تاثرات تھے......ابو جان کے ساتھ دونوں بھائیوں کا ہونا بھی لازمی لگتا تھا تو یہ بھی سوچ کر اچھا لگتا تھا کہ اگر اس کا انتخاب ہو جاتا تو وہ ہمارے خاندان کا پہلا فوجی ہوتا، چشمِ تصور اسے فوجی وردی میں دیکھتی تو دل جھوم جاتا۔ امو کے دل کی کیفیت کسی سے چھپی نہ تھی۔ انہیں

اس کے فوج میں جانے پر صرف یہ اعتراض تھا کہ وہ گھر سے دور چلا جاتا اور پابندی والی نوکری ہوتی ہے تو مہینوں اس کی شکل دیکھنے کو ترس جاتیں۔

ایک نیا موضوعِ گفتگو خاندان میں سب کو مل گیا تھا، ہم نوجوان نسل کے لوگ جہاں اسے حوصلہ دے رہے تھے اور اسے ''فوجاں نیں تے موجاں نیں!'' قسم کے فقرے پاس کرتے' وہیں ہمارے بڑے اپنا حوصلہ چھوڑے بیٹھے تھے۔ شامیر کبھی امو جان کے پاس بیٹھتا اور انہیں سمجھاتا کہ اسے فوج میں جانے کا کس قدر شوق تھا تو کبھی ابو جان سے کہتا کہ اس کی منزل زمینداری نہیں ہے، اسے فوج میں جانے کا کریز ہے...... وہ ہم سب سے بھی کہتا کہ امو جان سے اس کی سفارش کریں۔

''اسے درخواست دینے دو عائشہ......'' ابو جان نے امو سے کہا۔ ''کیا پتا وہ سلیکٹ ہی نہ ہو، تم نہ دعا کرنا اس کی سلیکشن کے لیے تو......''

''ہاں جیسے میں دعا نہیں کروں گی تو وہ سلیکٹ نہیں ہوگا۔'' انہوں نے مایوسی سے کہا۔

''ماں کی دعا میں بڑی طاقت ہے......''

''اس کے حق میں جو کروں گی وہ تو دعا ہوگی اور جو آپ کہہ رہے ہیں وہ تو بددعا ہوگی۔ کون سی ماں اپنی اولاد کی ناکامی کی دعا کرتی ہے...... چاہے اس کی کامیابی میں ماں کا ہی نقصان ہوتا ہو۔''

''ارے بھلی مانس، پہلے فیصلہ کرلو کہ کیا چاہتی ہو تم، نہ اس کی ناکامی چاہتی ہو نہ اس کی کامیابی سے خوش ہو گی؟'' ابو جان ہنسے۔ ''اور اس کی کامیابی میں بھلا کون سا نقصان ہے تمہارا؟''

''آپ اسے منع کردیں، وہ درخواست ہی نہ دے۔''

''عائشہ، فوج میں انتخاب ہونے تک بہت سے مراحل ہوتے ہیں، مشکل امتحانات، ذہنی آزمائش کے ٹسٹ، جسمانی مشقت، انٹرویو اور میڈیکل وغیرہ، وہ کسی نہ کسی مرحلے پر شاید......''

''آپ کو کیوں شک ہے کہ وہ اس کا اہل نہیں یا وہ کسی ٹسٹ میں ناکام ہو جائے گا؟'' امو جان نے چتون چڑھا کر پوچھا۔

''بھئی اس لیے کہہ رہا ہوں کہ وہ سادہ سا دیہاتی بیک گراؤنڈ رکھنے والا لڑکا ہے......'' ابو جان دل ہی دل میں مسکرائے۔

''شہر میں پڑھا ہے، قد اور صورت والا ہے...... اور فوج کو کیا چاہیے؟'' امو جان نے چتون چڑھا کر نکتہ اٹھایا۔

''کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھنا اور چیز ہے اور فوج میں کمیشن حاصل کرنے کے لوازم اور......''

''آپ کو اس کی قابلیت پر شک ہوگا، مجھے تو کوئی شک نہیں۔'' امو کے لہجے میں فخر تھا۔

''بھئی ہمارے خاندان میں اس سے قبل فوج میں کوئی گیا ہی نہیں......'' ابو جان نے اپنے موقف کا دفاع کیا۔ ''اس لیے کہہ رہا تھا کہ اگر کوئی پہلے سے فوج میں ہو تو بچوں کو راہنمائی مل جاتی ہے۔''

''چلیں ہٹیں، آپ کے پاس تو بے بنیاد سا نکتہ ہے، کیا دنیا میں ہر خاندان میں سے ایک نہ ایک آدمی فوج میں ضرور رہا ہوتا ہے تو اس خاندان میں کوئی فوج میں کمیشن لے سکتا ہے؟'' انہوں نے بحث کی۔ ''کسی نہ کسی کو تو پہلا قطرہ بننا ہوتا ہے ناں!'' انہوں نے دلیل دی، جو نہ صرف یہ کہ شامیر کے حق میں جاتی تھی بلکہ ہم سب نے اس پر بھرپور تالیاں بجائیں! ابو جان نے معنی خیز انداز میں شامیر کو دیکھا۔ انہیں معلوم تھا کہ امو جان کو کس طرح طیش دلا کر شامیر کے فوج میں جانے کی راہ ہموار کی جاسکتی تھی۔

عمر کے لحاظ سے شامیر اس حد پر تھا کہ صرف ایک ہی بار درخواست دے سکتا تھا اور اگر اس بار میں کسی وجہ سے اس کا انتخاب نہ ہوسکتا تو وہ دوسری دفعہ کوشش نہیں کرسکتا تھا۔

اجازت کا مرحلہ تو طے ہوا مگر ابھی کئی اور مرحلے طے ہونا باقی تھے، وہ اپنی تیاریوں میں جت گیا۔

☆☆☆

کمرے میں ملگجا سا اندھیرا تھا، بغیر کوئی بلب جلائے میں اپنے پلنگ پر اوندھی پڑی تھی، کتابیں جانے کہاں پڑی تھیں، میرا دماغ سوچنے کی قوت کھو چکا تھا، میں اپنے پاؤں ہوا میں جھلا رہی تھی، جب میں بہت ٹینشن میں ہوتی تب اس طرح کرتی تھی۔ اس سے پہلے میں چل، چل کر سوچتی رہی تھی مگر کوئی حل نہیں سوجھ رہا تھا، تمنا نے جو بھی حل دیے تھے وہ مجھے ناقابلِ عمل لگے تھے۔ اس نے مجھے جتلا دیا تھا کہ اب خاموشی کا مطلب خود کو مشکل میں ڈالنا ہو سکتا تھا...... امو جان نے مجھ سے سرمد کے بارے میں رائے مانگی تھی۔

ان کی رائے اس کے بارے میں مثبت تھی اور ان کا اپنا ووٹ اس کے حق میں جبکہ میں جانتی تھی کہ ابو جان کو اس پر اعتراض ہے، شاید وہ میری رائے کی روشنی میں فیصلہ کرنا چاہتے تھے۔ میں کس طرح انکار کروں، کیا کہوں امو جان سے، ان کی محبت کا تقاضا اور توقع تو یہی تھی کہ میں اس کے بارے میں انہیں پورا اختیار دے دوں مگر...... زندگی تو میری تھی، مجھے ہی بتانا تھی! میری خاموشی سے ہی امو نے اخذ کیا کہ مجھے اس رشتے پر اعتراض تھا۔ چند دن گزرے اور امو جان پھر میرے سامنے سوال لیے کھڑی تھیں مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس سے بات کروں، کس سے احتجاج کروں، کسے اپنا نقطۂ نظر سمجھانے کی کوشش کروں۔ ایسا کڑا امتحان آ پڑا تھا، میں جو ایسی صورتِ حال میں کہا کرتی تھی کہ یہ ظلم ہے، دادی جان سے بحث کرتی کہ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، ویسا نہیں...... اس وقت خود ایسی صورتِ حال کا سامنا کر رہی تھی۔ میں جان گئی تھی کہ ماں باپ کی محبت کس انداز سے اولاد سے قربانی مانگتی ہے کہ ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہوتا، مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ ہاجرہ...... عباس...... اقبال اور کمال ماضی میں قربانیاں دینے والے لوگ تھے، ہمارے آبا و اجداد کی نسل سے اور اب اس نسل میں، میں قربانی کا پہلا بکرا بننے جا رہی تھی، تاریخ کیسے خود کو دہراتی ہے اس کا اندازہ مجھے ہونے جا رہا تھا۔

مجھے گلے میں پھندا سا پڑتا ہوا محسوس ہو رہا تھا، کیا کروں؟ ابو جان کے مان بھرے انداز سے سوال کرنے کے جواب میں نافرمانی کرنے کی ہمت تھی نہ ان کے سامنے زبان کھول کر انکار کرنے کی۔ جو بات ابو جان سوچ بیٹھے تھے، وہ ان کی یک طرفہ خواہش اور دادا جان کے ارمان کے سوا کچھ نہ تھا۔ دل تھا کہ اس بات کو مانتا ہی نہ تھا۔ کس سے مشورہ کروں، کوئی ایسا ہمدم تھا نہ دمساز!

''ابو جان...... کس آزمائش کی بھٹی میں ڈال دیا ہے آپ نے مجھے! میں کس طرح اس دل میں کسی اور کو جگہ دے سکتی ہوں جہاں کوئی اور براجمان ہے پہلے سے......''

☆☆☆

سمندر کا جھاگیں اڑاتا پانی ہم سب کو اپنی لپیٹ میں لینے کو مچل رہا تھا۔ ہم کنارے، کنارے بھاگ رہے تھے اور ہر کوئی دوسرے کو محتاط رہنے کو کہہ رہا تھا کہ کہیں زیادہ گہرائی کی طرف نہ چلے جائیں، میں کامل کا تعاقب کر رہی تھی اور وہ تیزی سے میری نظر کے سامنے سے غائب ہوتا جا رہا تھا۔ تمنا، فاطمہ، کبیر بھائی، شامیر بھی تھے...... حسنہ بھی مجھے نظر آئی تھی اور اس کے ساتھ زین بھی۔ جانے کس طرح میں کامل کا تعاقب کرتے، کرتے زیادہ گہرے پانی کی طرف چل دی تھی کہ ایک بلند لہر نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا......

میں نے چیخ کر سب کو متوجہ کرنے کی کوشش کی تو میری چیخیں حلق میں ہی گھٹ کر رہ گئیں۔ پانی مجھے مزید گہرائی کی طرف لے کر جا رہا تھا اور میری آنکھوں میں نمکین پانی بھر جانے کے باعث کوئی چہرہ واضح نظر بھی نہیں آ رہا تھا...... پھر مجھے لگا کہ کسی نے مجھے تھام لیا تھا اور اپنی طرف پوری قوت سے کھینچ رہا تھا۔ اس کے بعد مجھے ہوش نہ رہا پھر خود کو

ایک سفید بستر پر پایا، کوئی مہربان چہرہ مجھ پر جھکا ہوا تھا...... جمال چاچو!

''اتنی گہرائی کی طرف کیوں چلی گئی تھیں تم بیٹا؟'' ان کا گرم اور شفیق ہاتھ میرے ماتھے پر ٹکا۔'' کیا جان بوجھ کر تم نے ایسا کیا...... حادثہ تھا یہ یا پھر تم نے خودکشی کی کوشش کی؟'' وہ سوال کر رہے تھے اور میں کوئی جواب نہ دے پا رہی تھی مگر ذہن میں سوچ آئی کہ میں خودکشی کی کوشش کیوں کروں گی، ایسا کیا ہو گیا تھا کہ انہوں نے ایسا سوچا تھا۔

میں نے سر کو گھما کر انہیں انکار میں جواب دینے کی کوشش کی کیونکہ میری آواز نہ نکل رہی تھی۔

''ایسا کیوں کیا تم نے جان؟'' گل پھپو کی شفیق آواز۔

''کیونکہ میں کامل کے بغیر زندہ نہیں رہنا چاہتی پھپو!'' میں نے دل کڑا کر کے سب کے سامنے کہہ دیا تھا، مجھے ابو جان کا چہرہ غصے سے لال ہوتا ہوا نظر آیا۔ عین ممکن ہوتا کہ وہ مجھے تھپڑ مار دیتے مگر میری آنکھ کھل گئی...... یقیناً یہ سب میں خواب میں ہی کہہ سکتی تھی۔

☆☆☆

کبیر بھائی کی شادی پر میرے اندر غم کا موسم اترا ہوا تھا، اگرچہ میری ساری امیدیں اس سے وابستہ تھیں کہ جب گل پھپو آئیں گی تو سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ ان کی طرف سے میرا رشتہ مانگنے کی دیر ہے کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ تو جانتی تک نہ تھیں کہ ابو جان کیا سوچے بیٹھے تھے...... میں سراپا دعا بن گئی تھی اور دل پتے کی طرح لرزتا تھا۔

ہمارے اپنے گھر کی شادی تھی تو اس قدر کام تھا کہ دن بھر سر اٹھانے کی فرصت نہیں ملتی تھی مگر رات اترتی تو میرے وجود پر بھی رات طاری ہو جاتی۔ سارے مہمان آچکے تھے، گل پھپو بڑی پھپو شہر بانو کی طرف رکی تھیں مگر دن کا بیشتر وقت ہمارے ہاں ہی گزارتیں۔ لڑکے بالے باہر کی تیاریوں اور انتظامات میں مصروف تھے، اکیلے جمال چاچو اس بار پہلے ہی آ گئے تھے۔ شام کو گھر میں محفل کا سا سماں ہوتا، سب چہروں پر مسکراہٹیں اور ہونٹوں پر ہنسی مگر میرے دل میں کرب تھا، درد تھا، اس درد کو چیر کر ہلکی سی مسکراہٹ بھی ہونٹوں تک نہ آتی تھی......

قسمت بھی کوئی موقع نہیں دے رہی تھی کہ میں کامل سے مل سکتی، اس سے بات کرتی، کوئی حل تلاشتی، اپنے مسئلے کو اس کے سامنے بیان کرتی اور اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتی۔ اپنے کمرے میں بھی تنہائی میسر نہ ہوتی کہ رو کر دل کا غبار نکال لیا جاتا...... ہمہ وقت کوئی نہ کوئی موجود ہوتا، کبھی کوئی اور کبھی کوئی۔

''جس طرح تم ہمہ وقت چہرے پر پریشانی کا لیپ کیے پھرتی ہو ناں امرت...... اندھوں کو بھی نظر آتا ہے کہ کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہے۔'' تمنا نے مجھے ڈانٹا۔

''اچھا ہے ناں کہ میری وجہ سے اندھوں کو بھی نظر آنا شروع ہو گیا ہے......'' عام حالات ہوتے تو میں یہ کہتی مگر اس وقت میں صرف اپنی آنکھوں سے آنسو بہا سکی تھی، تمنا نے مجھے ساتھ لپٹا لیا۔

''یوں نہ کرو پیاری......'' اس نے مجھے دلاسا دیا۔ ''تم دیکھنا میں کچھ کرتی ہوں، کسی نہ کسی طرح کامل کو تم سے ملواتی ہوں۔''

''نہیں تمنا...... میں کوئی تماشا نہیں کھڑا کرنا چاہتی۔'' میں نے اسے تھام لیا مبادا وہ اسی وقت چل پڑے۔

''کامل کا بھی وہی قصور ہے ابو جان کی نظر میں جو سرمد کا ہے، وہ بھی اسی گھر کی نسل سے ہے جہاں سے ابو جان کے بھائی کا جنازہ نکلا تھا۔'' میں سسکی۔ ''تم نے سنا نہیں امو جان کیا کہہ رہی تھیں؟''

''سب ٹھیک ہو جائے گا امرت پیاری، تم کچھ وقت گزرنے دو، ابو جان نے تو ابھی کامل کو اتنا دیکھا ہی نہیں، جانچا ہی نہیں۔ جوں جوں وہ اس سے ملیں گے ان کی رائے اس بارے میں تبدیل ہو جائے گی۔ پھر گل پھپو کے ساتھ ابو جان کا بہت پیار ہے اتنا کہ وہ ان کی بات کو ٹال بھی نہ سکیں گے۔'' اس نے میرے دل میں امید کی کرن جلائی۔

''یہ بھی شکر ہے تمنا کہ ابو جان نے مجھ سے خود بات نہیں کی، امو جان سے تو میں نے پھر دل کڑا کے انکار کر دیا ہے، ابو جان ہوتے تو میری بولتی بند ہو جاتی کیونکہ میں ان کے سامنے کہتی تو وہ مجھے بے حیا اور نافرمان سمجھتے......'' میں نے ان کے مان بھرے الفاظ یاد کر کے کہا تھا۔

''ارے ایسا کیوں سوچیں گے وہ؟'' اس نے مجھے سرزنش کی۔

''تم نہیں سمجھو گی پیاری، وہ ایسا ہی سوچیں گے۔''

''اچھا چلو باہر نکلو اور پلیز نارمل انداز اختیار کرو، بڑی پھپھو بھی آئی ہوئی ہیں بلکہ دونوں بہنیں چھت پر کھلی فضا میں استراحت فرما رہی ہیں۔''

''اچھا بڑی پھپھو آئی ہیں، چلو میں ان سے مل کر آتی ہوں۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''تم ملیں ان سے؟''

''جی جناب...... ملی بھی اور بہت دیر بیٹھی بھی رہی، اصل میں تمہیں بتانے آئی تھی اور تمہارا سوجا ہوا تھوبڑا دیکھ کر تمہیں سمجھانے بیٹھ گئی۔'' اس نے مجھے ہنسانے کی ناکام کوشش کی۔

☆☆☆

''یہاں لیٹ کر مجھے اپنا بچپن یاد آ جاتا ہے آپا!'' گل پھپھو کی آواز تھی۔ ''کیسا بے فکری کا زمانہ ہوتا تھا، پہروں یہاں لیٹے رہتے تھے اور کسی بات کا ڈر ہوتا نہ فکر!''

''وقت بہت تبدیل ہو گیا ہے گل، زندگیاں کیسی مصروف ہو گئیں کہ بچپن خواب لگنے لگا ہے!''

''میری تو جوانی بھی خواب ہی لگتی ہے آپا، قسمت نے مجھے کہاں اپنوں سے دور جا پٹخا کہ میں ماں اور باپ کو ملنے کو بھی ترستی رہی، اس عمر میں لوٹی ہوں تو یوں تہی داماں ہوں کہ ماں باپ رہے ہیں نہ کوئی جوانی کی یاد......'' ان کے لہجے میں اداسی تھی۔

''تم نے اپنی مرضی سے اور خوشی سے زندگی تو گزار لی ناں...... نہ ہمت کرتیں تو جانے کن حالات کی چکی میں پس رہی ہوتیں۔''

''بسا اوقات ہم سب کچھ پا کر بھی خالی رہتے ہیں آپا۔ تم لوگوں کے پاس کتنا کچھ ہے، کیسی بھرپور زندگیاں ہیں، آپس میں رشتے ہو گئے ہیں اور میں......''

''تمہارا بھی اللہ کوئی نہ کوئی سبب لگائے گا......''

''ہاں دل میں خواہش تو ہے ایک!'' گل پھپھو کے کہنے پر میرا دل عجیب انداز سے دھڑکا۔ اوپر والے کمرے کی الماریوں سے امو جان کے کہنے پر کچھ کمبل نکال کر چارپائی پر رکھنا تھے جو رات کو ملازمائیں مہمانوں کے لیے نیچے لے جاتیں۔ سوچا کہ پہلے کمبل نکال دوں پھر دونوں کو سلام کروں مگر کان ان کی آوازوں پر لگ گئے تو کمبل وہیں کے وہیں رہ گئے۔

''اچھا......'' مسرت سے بڑی پھپھو نے کہا۔ ''کہاں، کس کے گھر؟''

''جن کے گھر پر موجود ہیں ہم دونوں۔'' انہوں نے واضح جواب دیا۔ بڑی پھپھو کو یہ بات سمجھنے کے لیے کسی راکٹ سائنس کی ضرورت نہ تھی کیونکہ تمنا تو منگنی شدہ تھی۔

''کیا؟'' بڑی پھپھو کی آواز میں حیرت تھی یا غصہ، مجھے سمجھ نہ آ سکا تھا۔ ''تم امرت کی بات کر رہی ہو؟''

''ہاں تو اور کون ہے یہاں؟'' ان کا ''یہاں'' کہنا تھا کہ مجھے لگا انہوں نے مجھے نزدیک محسوس کر لیا ہے۔ میں سانس روکے کھڑی تھی۔

''تم شاید جانتی نہیں ہو گل...... امرت کے لیے میں نے رشتہ ڈال رکھا ہے سرمد کا، اگرچہ ابھی تک ان کی طرف سے کوئی مثبت یا منفی جواب نہیں ملا، ایسے میں تمہارے دل میں اس خواہش کا پنپنا...... اسے اپنے دل میں ہی

پہلا بھی گئے، تڑپا بھی گئے

ابو کو گئے ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں..... لوگوں کی آمد و رفت، فون کی گھنٹیاں، دروازے پر مسلسل بیل، گھر کے دوسری طرف برتنوں کی کھڑکھڑاہٹ اور ماسی کی آمد و رفت بھی ویرانی کو تبدیل نہ کرسکی..... روح میں اترتا سناٹا اور دل میں بسی وحشت ماحول کو بوجھل بنا رہی ہے۔ میں ساکت کھڑی ابو کے ویران کمرے کو تک رہی ہوں، ان کی الماری گویا عمرو عیار کی زنبیل..... ہر ضرورت کا سامان اسی سے برآمد ہوتا۔ ان کا بستر جس پر ان کی کتابیں، اخبار، پٹرولیم جیلی، ٹشو اور ایک عدد محدب عدسہ موجود رہتا..... سب ان کے ساتھ ہی رخصت ہوگیا۔ کیلینڈر جس کی تاریخ بدلے بغیر سوتے نہ تھے۔ پرانی تاریخ دکھا رہا ہے..... چھوٹا بھائی سامنے سے گزرتا ہے اور خاموشی سے کمرے کو تکتا ہے۔ ''اوہ کیلینڈر کی تاریخ نہیں بدلی.....'' وہ گھوم کر دوسری طرف جاتا ہے اور تاریخ بدل دیتا ہے..... تاریخ تو ان کے ساتھ ہی بدل گئی..... وہ ایک ماہرِ تعلیم تھے۔ تاریخ کے استاد تھے اور ادبی ذوق رکھتے تھے اسی لیے گھر میں کتابیں سب بھائی بہنوں کی ساتھی رہیں.....

میرے ذہن میں جیسے کسی نے کیمرا فٹ کردیا ہے اور زوم ہوکر سامنے سے ابو گزرتے ہیں۔

''ہاں بھئی پھول (میرا نک نیم) سنا ہے تم نے کوئی کہانی لکھی' غزالہ (چھوٹی بہن) بتا رہی تھی، لاؤ بھئی کہاں ہے ہم بھی تو دیکھیں تم نے کہانی کو افسانہ کیسے بنایا۔'' یہ اس وقت کی بات ہے جب ہمارا پہلا افسانہ مسکراتے دکھ پاکیزہ کی زینت بنا۔ ''بھئی اچھا لکھا.....'' اور ہولے سے مسکرائے اپنی زنبیل کی طرف گئے اور انعام کے طور پر ایک چھوٹی سی رقم عنایت کی جو ہمارے لیے بہت بڑی اور قیمتی تھی..... وہ صرف مسکراتے تھے کبھی بلند آہنگ گفتگو اور اونچے قہقہے لگاتے نہیں دیکھا۔ ہم لوگ ان کی تھوڑی تعریف کو بھی بہت زیادہ سمجھتے کیونکہ وہ

رکھ لو اب!'' انہوں نے اپنے بڑے ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے گل پھپھو کو سرزنش کی۔

''یہ مجھ سے زیادہ میرے بیٹے کی خواہش ہے آپا!'' انہوں نے لجاجت سے کہا۔ ''مجھے بھی سوال کرلینے دیں، آگے جو بیٹی والوں کی مرضی اور جس کا نصیب..... وہ جسے مناسب سمجھیں گے اسے رشتہ دیں گے اپنی بیٹی کا۔''

''ہرگز نہیں.....'' بڑی پھپھو نے کہا۔ ''تمہیں اگر رشتہ مانگنا ہی ہے اور امرت کا ہی مانگنا ہے تو اس وقت تک نہیں مانگ سکتیں جب تک کہ وہ ہمیں کوئی واضح جواب نہ دے دیں۔''

''مگر آپا میرا تو ارادہ اس دفعہ ہی رشتے کے سوال کرنے کا ہے.....''

''اگر ایسا ہوا تو میں تمہارے اس اقدام کو اچھا نہیں سمجھوں گی۔''

''مگر میں نے کامل سے وعدہ کیا ہے آپا.....''

''ایک تو اس خاندان کے مردوں کی فطرت جانے کیوں نسل در نسل ایک سی چلی آتی ہے.....'' بڑی پھپھو نے صاف گل پھپھو اور ہاشم پھوپا کی پسند کی شادی پر چوٹ کی تھی۔ ''کہہ دیا ہے گل تم سے کہ تم نے مجھ سے یہ رشتہ چھیننے کی کوشش کی تو اس کے بعد ہمارے درمیان جو فاصلہ آئے گا اسے کوئی پاٹ نہیں سکے گا۔''

''یہ تو لڑکی کے ماں باپ کی مرضی پر.....''

''بس گل.....'' بڑی پھپھو کا لہجہ حتمی تھا۔ ''میں نے جو کہہ دیا سو کہہ دیا، اب تم نے میری اس بات کی مخالفت کی تو.....'' پھپھو نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

میں بنا کمبل نکالے اور بنا ان کو سلام کیے، اسی خاموشی سے نیچے اتر آئی جس خاموشی سے میں اوپر گئی تھی۔

بہت کم گوانسان تھے کسی نے ان سے پوچھا باباجی آپ کی صحت کا راز کیا ہے۔ تو ہولے سے مسکرائے اور کہا۔ ''کم بولنا، کم کھانا۔'' ان کی طویل العمری کا شاید یہی راز تھا کبھی بلند آواز سے بات نہ کرتے اور غذا ہمیشہ بہت مختصر رہی آخری وقت میں بھی ان کو کوئی بیماری نہیں تھی صرف ضعیفی اور کمزوری تھی...... ماہر تعلیم ہونے کے سبب ایمانداری، وقت کی پابندی ان کی زندگی کا حصہ رہی...... وہ اعلیٰ اخلاق کا نمونہ تھے...... ابھی کچھ لوگ کہہ رہے تھے اخلاق بھائی (اخلاق احمد علوی......) اسم بامسمّیٰ تھے ان کی ذات سے کبھی کسی کو تکلیف نہ پہنچی...... جس طرح خاموشی کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے...... اسی طرح ابو کی بھی کم گوئی پورا مفہوم ہوتی اور اسی لیے وہ بہت اطمینان اور سکون سے سفرِ آخرت پر رخصت ہوئے سارے بچے پوتے نواسے شریک ہوئے جس گھر کی اینٹ اپنے ہاتھ سے رکھی اسی گھر سے رخصت بھی ہوگئے۔ ہمارا مرکزِ الفت ومحبت اور شفقت کا نمونہ ہم سے جدا ہوگیا۔ ہم سب اس مرکز کے مدار پر گھوم رہے تھے۔ اللہ ان کے درجات بلند کرے اور ہم سب ان کے محبت اور ایمانداری کے سبق کو یاد رکھیں۔ ان کی نواسی اور پوتی نے ان سے شعر سنانے کی فرمائش کی تو مجاز کا شعر اپنی ناتواں آواز میں سنایا۔

تسکینِ دلِ محزوں نہ ہوئی وہ سعیِ کرم فرما بھی گئے
اس سعیِ کرم کو کیا کہیے بہلا بھی گئے تڑپا بھی گئے

وہ سراپا محبت وشفقت واقعی ہم سب کو تڑپا گئے۔

وہ اک شخص متاعِ دل و جاں تھا نہ رہا
اب بھلا کون میرے درد سنبھالے محسن

ایسے سفر پر روانہ ہوگئے جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔ اللہ ان کے درجات بلند فرمائے۔ ابو کے لیے مغفرت کی دعاؤں کی طالب......

تسنیم منیر علوی، دبئی

☆☆☆

''میں تو خود کو بہت بری طرح پھنسا ہوا محسوس کررہی ہوں کامل......'' تمنا نے سب کو کہیں نہ کہیں مصروف دیکھ کر کامل کو فون پر پیغام بھیج کر بلوا کر اوپر بھیجا تھا اور مجھے بتایا تھا کہ کامل اوپر میرا انتظار کررہا تھا۔ میں نے اسے مختصراً دونوں پھپوؤں کی گفتگو اور ابوجان کے مطالبے کی بابت بتایا تھا۔

''مجھے اپنے اللہ پر اور خود پر پورا بھروسا ہے......'' اس نے میری بات سن کر کہا۔ ''میں تمہیں دو دن سے پریشان محسوس کررہا تھا مگر وقت نہیں مل پارہا تھا، شکر ہے کہ تمنا نے مجھے سارا مسئلہ بھی بتایا اور ہمارے لیے یہ موقع بھی پیدا کیا...... تم نے بتایا ہے کہ ماموں جان کو سرمد کا رشتہ پسند نہیں، چلو ایک یہ بات تو ہمارے حق میں جاتی ہے، وہ خود ہی انکار کردیں گے......''

''انہیں اس گھر کا کوئی اور رشتہ بھی پسند نہیں آئے گا کامل...... تم سمجھ نہیں رہے ہو۔''

''حقیقت میں امرت! ہم اس گھر کا اس طرح سے حصہ ہیں بھی نہیں۔ بھلا کتنی دفعہ ہم اس گھر میں گئے ہیں؟ ہم اس گھر کے باقی لوگوں سے مختلف ہیں۔ ہماری اپنی شناخت اور شخصیات ہیں، فی الحال تم اس شادی کو انجوائے کرو جو کہ تمہارے بڑے بھائی کی شادی ہے، میں مما سے بات کروں گا، وہ ماموں جان سے بات کرلیں گی۔''

''تم سمجھ نہیں رہے ہو کامل...... دونوں پھپو آپس میں ناراض ہوجائیں گی۔'' میں نے اسے سمجھانے کی سعی کی۔

''اس سے ہمیں بہت زیادہ فرق نہیں پڑے گا امرت...... ہم نے عمر کا بیشتر حصہ خاندان کے ہوتے ہوئے بھی بے نامی اور ناراضی میں گزارہ ہے۔''

''لیکن اب خدا، خدا کر کے حالات اچھے ہوئے ہیں تو ......!''

''تم ریلیکس ہو کر یہ شادی گزار سکتی ہو کہ نہیں؟'' کامل نے مجھے تسلی دی۔ ''چلو میں مما سے کہوں گا کہ وہ اس دن بات کریں جس دن ہم واپس جا رہے ہوں گے۔'' اس نے مجھے تسلی دی۔ ''ویسے جو کچھ تم بتا رہی ہو کہ ماموں جان کچھ اور چاہتے ہیں تو کیا معلوم تمہارے لیے وہ مجھ سے بڑھ کر اچھی آپشن ہو؟''

''تم کتنے عجیب آدمی ہو کامل......'' بے ساختہ اسے کہتے ہوئے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ ان میں صرف بے بسی کا احساس ہی نہ تھا بلکہ اس وجہ سے بھی کہ میں اس شخص کو اپنی محبت کا یقین ہی نہ دلا سکی تھی۔ اب بھی اسے مجھ سے کوئی اقرار چاہیے تھا کیا۔ ''کس طرح کی باتیں کر رہے ہو تم!'' میری آواز بھی بھرا گئی تھی۔

''سوری امرت...... یونہی ذہن میں آیا تو پوچھ لیا۔''

''تمہیں مجھ پر یقین نہیں ہے کامل شاید اسی لیے تمہارے ذہن میں بھی یہ بات آئی۔''

''کم آن......'' وہ ہنسا۔ ''اب ایسی جذباتی باتیں کر کے مجھے شرمندہ نہ کرو!''

''پتا نہیں کیا ہوگا کامل...... میں تو بڑی پھپو کی باتوں سے خوفزدہ ہو گئی ہوں۔ شاید واقعی ابو جان اس بات کو ایک ایسا نکتہ بنا لیں کہ جس کی بنا پر وہ تمہارے رشتے کو بھی ٹھکرا دیں؟''

''اگر ہمارا ملنا نصیب میں ہے امرت تو ہمیں کوئی طاقت جدا نہیں کر سکتی۔ ہم دونوں کو اس کے لیے ہمت کرنا ہوگی اور اگر اللہ کو ایسا منظور نہیں تو کوئی طاقت ہمیں ایک نہیں کر سکتی......''

''یوں تو نہ کہو کامل!'' میں سسکی۔ ''جانے میں کیا کر سکتی ہوں، ابو جان کے مان کے سامنے کمزور پڑ جاتی ہوں میں......''

''ہم بھاگ کر شادی نہیں کریں گے امرت، سب کچھ ان کی رضا سے ہوگا۔ ان کے مان کو کوئی ٹھیس نہیں پہنچے گی انشاء اللہ......'' جس وقت وہ یہ بات کہہ رہا تھا، وہ قبولیت کی گھڑی تھی شاید!

☆☆☆

کبیر بھائی کی شادی کے ہنگامے سرد ہوئے۔ سب مہمان واپس لوٹنا شروع ہو گئے تھے، شادی کے ہنگاموں سے فارغ ہو کر ابو جان اور امو شادی کی مٹھائی دینے بڑی پھپو کے ہاں گئے تھے اور امو جان نے مجھے بتایا کہ وہ بڑی پھپو کو میرے رشتے کے لیے، میری اور سرمد کی عمروں اور تعلیم میں تفاوت کا جواز بتا کر، انکار بھی کر آئے تھے اور ساتھ انہیں تجویز دی تھی کہ وہ رانی کے لیے عباس چچا سے درخواست کریں کیونکہ وہ عمر میں مجھ سے بڑی بھی تھی اور جس انداز کا سرمد کا طرزِ زندگی تھا اس کے لیے وہ مناسب جوڑ بھی۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہوئے مزید کچھ کہا تو میں ان کی شکل دیکھتی رہ گئی مگر پھر جلد ہی نظریں جھکا لی تھیں۔

''میں تمہیں یہ بھی بتانا چاہتی ہوں امرت کہ گل اب کی بار جاتے ہوئے ہم سے کچھ مانگ کر گئی ہے اور وہ کچھ اور نہیں، تمہارا رشتہ ہے۔'' میرے دل میں ہلچل ہونے لگی۔ کوئی سوال بھی نہیں کر سکتی تھی کہ انہیں میری طرف سے کچھ جاننے کی بے تابی کا اندازہ نہ ہو۔ وہ رکیں، میرے چہرے کو دیکھتی ہوئی، کچھ کھوجتی ہوئی نظریں...... ''تمہارا کیا خیال ہے کامل کے بارے میں؟''

''کامل کے بارے میں کس چیز کا خیال امو؟'' میں نے معصومیت کی اداکاری کی جیسے وہ کوئی بہت عام سی بات کر رہی ہوں۔

''کامل تمہیں کیسا لگتا ہے امرت؟'' انہوں نے سیدھے سبھاؤ سوال کر دیا۔

''اچھا ہے امو!'' میں نے اتنی جلدی اپنے دل کی مراد پوری ہو جانے کا کب سوچا تھا۔ شاید ابو جان نے ان سے کہا ہوگا کہ میری رائے پوچھیں۔

''لیکن اس رشتے میں بڑی قباحتیں ہیں پیاری۔'' میں نے چونک کرانہیں دیکھا۔''جانے کیوں لگتا ہے کہ تمہارے ابوجان اس کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتے۔''

''کیوں، کیا برائی ہے کامل میں امو؟'' میں نے یک دم کہا۔

''کیا تم اسے پسند کرتی ہو؟'' انہوں نے شفقت سے پوچھا۔

''لیکن ابوجان کو کامل کیوں پسند نہیں اموجان؟'' میں نے اپنا سوال دُہرایا۔

''کامل تو بہت پیارا بچہ ہے.....'' انہوں نے آنکھیں موند کر جیسے کامل کو تصور میں دیکھا تھا۔''اور بہت سے اسباب ہیں، کامل کا بیک گراؤنڈ ہے، اس کے خاندان میں ہی تو سرمد کے رشتے کو نہ کی ہے۔ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک بہن کو تو وہ نہ کہہ دیں اور اسی گھر میں بیاہی ہوئی اپنی دوسری بہن کو وہ ہاں کہہ دیں؟''

''سرمد کے رشتے کو انکار بھی تو ابوجان نے کیا ہے اور انہیں رانی کے رشتے کی تجویز بھی دی ہے.....وہ بھی تو اسی خاندان کا رشتہ ہے۔'' میں نے تڑ سے کہا تو وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگیں۔

''تو کیا تم سرمد میں انٹرسٹڈ تھیں امرت؟'' انہوں نے پوچھا۔

''نہیں اموجان......'' میں نے فوراً کہا۔''میں کامل کے رشتے کے حوالے سے بات کررہی ہوں۔'' ان کی حیرت دیدنی تھی، وہ کہاں توقع کرسکتی تھیں کہ میں اتنی بے باک ہوسکتی تھی۔

''مگر تمہارے ابوجان تو کہیں اور کا سوچے بیٹھے ہیں۔'' انہوں نے کھوئے، کھوئے انداز میں کہا۔ انہیں میری دلچسپی کا پہلو نظر آ گیا تھا۔

''کہاں کا سوچے بیٹھے ہیں ابوجان؟'' میں نے سوال کیا۔

''جس کے بارے میں، میں نے اشارتاً تم سے چند دن قبل بات کی تھی، انہیں یقین ہے کہ تمہیں کوئی اعتراض نہ ہوگا اور وہ کہتے ہیں کہ پہلے وہ ان سے بات کریں گے اور پھر تمہاری رائے لیں گے۔''

''ایسا کیوں کررہے ہیں وہ اموجان......وہ ایسا نہیں کرسکتے میرے ساتھ۔'' میں جھنجلائی۔

''اس کے بارے میں ان کے ابا جان نے خواہش کا اظہار کیا تھا۔'' انہوں نے میری طرف دیکھ کر اپنی.... بے بسی کا اظہار کیا۔

''اگر میری رائے ان کے بارے میں مثبت نہ ہو جہاں داداجان نے کہا تھا تو؟'' میں نے سوال کیا۔

''وہ تو جب تمہارے ابوجان تم سے پوچھیں تو تم خود کہہ دینا ان سے۔'' انہوں نے یوں کہا جیسے ابوجان نہ ہوں میری کوئی سہیلی ہو جس سے میں اتنی آسانی سے بات کرلوں گی۔

''آپ سفارش کریں گی ناں ان سے؟'' میں نے ان سے لاڈ سے کہا۔

''کیا کامل کے رشتے میں تمہاری رضا شامل ہے......میرا مطلب ہے کسی قسم کی حوصلہ افزائی تمہاری طرف سے؟'' ان کے اندیشے کو زبان ملی تھی۔

''اس طرح سے تو نہیں اموجان......'' میں نے نظر چرا کر جھوٹ بولا۔''جب شادی کی تیاری کے لیے لاہور گئے تھے تو ان دنوں جب گل پھپو کے ہاں قیام کیا تھا تو تھوڑا وقت ساتھ گزارنے کا موقع ملا تھا......'' میں نے انہیں بتایا۔''لیکن اس طرح تنہا نہیں جیسے آپ سمجھ رہی ہیں، سب کے ساتھ اموجان!''

''مجھے اپنی بیٹی پر پورا اعتماد ہے......'' ان کے الفاظ سے میرے اندر کچھ چھن سے ٹوٹا۔''مجھے معلوم ہے کہ میری بیٹی ہمارا مان نہیں توڑ سکتی، اپنی حدوں کو جانتی ہے، کسی کے ساتھ مبتلا نہیں ہوسکتی......'' انہیں معلوم ہی نہ تھا کہ میں مبتلا نہیں ہوئی تھی بلکہ گوڈے، گوڈے دھنسی ہوئی تھی...... یہ ہم لڑکیاں محبت میں مبتلا ہو کر اپنے ماں، باپ سے

جھوٹ بولنا کیسے سیکھ جاتی ہیں۔

☆☆☆

''میرا خیال ہے کہ تمہیں کسی ڈاکٹر سے اپنا باقاعدہ چیک اپ کروانا شروع کر دینا چاہیے......'' سارہ نے مجھ سے کہا تھا۔ میں اس کی فون کال پر آہستگی سے بات کر رہی تھی۔

''وہ کس لیے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا تھا۔

''کم ازکم تین ماہ تو ہو چکے ہیں ناں؟'' اس نے حساب لگا کر کہا۔

''ہوں......تو؟'' میں نے ابرو اچکائے۔

''تمہیں اب اس بات کو ان کے سامنے اناؤنس کرنا چاہیے پیاری......'' اس نے خفگی سے کہا۔ ''تم ہر وقت سیڑھیاں چڑھتی اور اترتی ہو، ملازمت کا بوجھ ہے اور پھر اسے تو علم ہونا چاہیے جو اس کا باپ ہے۔''

''جیسے اسے تو بہت خوشی ہو گی ناں!'' میں نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

''اسے خوشی ہو یا نہ ہو......مما کو بھی بتانا لازم ہے۔ تم سے زیادہ کون جانتا ہے کہ ان کا ردِعمل اس بات پر کیا ہو گا۔'' اس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔

''یہی تو سمجھ میں نہیں آتا کہ میں ان کے ردِعمل کا کس طرح سامنا کر پاؤں گی......''

پھر بھی۔ جو کچھ بھی ہو......ان کو بتانا اور جلد از جلد بتانا ضروری ہے کیونکہ تم چوری سے ٹسٹ تو کر سکتی ہو مگر چوری چوری کسی ڈاکٹر کو نہیں دکھا سکتیں۔ تم بہت کمزور لگتی ہو مجھے، بہت اہم ہے کہ ڈاکٹر کو دکھایا جائے۔'' میں جانتی تھی کہ وہ جو کچھ کہتی ہے، اس میں اس کا خلوص، مجھ سے پیار اور ہمدردی ہی وجہ ہوتی تھی۔

''چلو کوشش کروں گی۔'' میں نے اس سے وعدہ کیا۔ ''بند کرتی ہوں فون، باہر کوئی ہے۔'' فون بند کیا اور بستر سے اٹھتے ہوئے میں نے کہا۔ ''کون ہے......آ جائیں!''

''کیا ہوا تمہیں؟'' وہ دستک دے کر میری طرف سے جواب کا انتظار کرنے تک باہر کھڑی رہی تھیں، اب اندر آ کر پوچھ رہی تھیں۔ ''اسکول نہیں جانا کیا تم نے؟''

''وہ مما......کچھ سستی سی محسوس ہو رہی ہے، طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' میں نے انہیں آدھی بات بتائی اور آدھی نہیں۔

''مجھے تو علم ہوا ہے کہ تم رات بھر الٹیاں کرتی رہی ہو......'' تو اس نے ماں کو بتا دیا تھا۔ میرا دل لرزنے لگا۔

''سب ٹھیک تو ہے ناں؟'' معنی خیز لہجے میں کیا گیا سوال......''یا پھر اسکول میں تم نے کوئی لوئر مڈل کلاس لڑکیوں کی طرح سموسے کی چاٹ کھا لی ہو گی؟'' پہلے سوال کے جواب کا انتظار کیے بغیر اگلا سوال۔

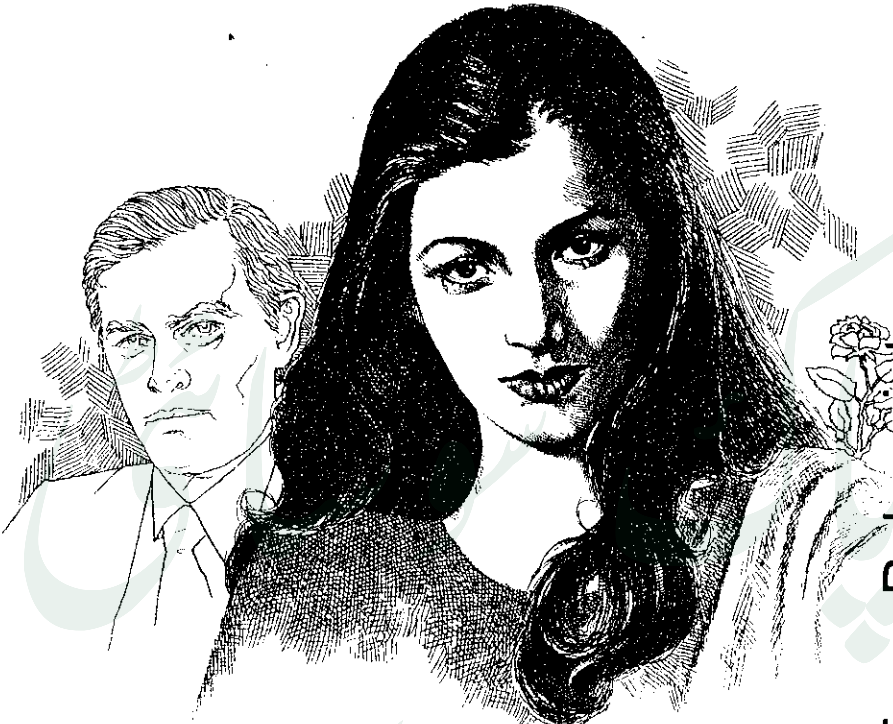
''پتا نہیں مما!'' میں نے نقاہت سے کہا۔ ''سموسہ چاٹ تو نہیں لیکن دو تین پہلے ایک کولیگ چاٹ بنا کر لائی تھی، وہ کھائی تھی، کل تو کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔''

''اسکول چھٹی کا پیغام بھیج دیا تھا؟'' میری ملازمت کی انہیں مجھ سے بڑھ کر فکر ہوتی تھی۔

''جی......'' میں نے مختصراً کہا۔

''چلو اٹھو فریش ہو کر تیار ہو کر نیچے آ جاؤ!'' انہوں نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ ''میڈیکل اسٹور سے کیفیت بتا کر کوئی دوا لے آتے ہیں یا پھر چیک کرتی ہوں اگر ڈاکٹر جواد سے وقت مل جائے......'' انہوں نے اپنے خاندانی ڈاکٹر کا نام لیا اور احکام جاری کر کے باہر نکلیں......میں اس وقت سے ابکائی کو ضبط کیے بیٹھی تھی۔ ان کے نکلتے ہی اٹھ کر غسل خانے کو بھاگی۔

(جاری ہے)



غلام گردش

نیلم احمد بشیر

میں اپنی بیٹی، اس کے شوہر اور بچوں سے ملنے سال میں ایک بار امریکا کی ریاست نارتھ کیرولائنا ضرور جاتی ہوں جہاں اکثر ان کے دوست احباب' پاکستانی، انڈین سبھی سے ملنے کا اتفاق رہتا ہے۔ نارتھ کیرولائنا، امریکا کی ان اولین تیرہ ریاستوں میں سے ایک ہے جو سترھویں صدی عیسوی میں پہلے پہل کالونی بنائی گئی تھیں۔ اس سے قبل تقریباً دس ہزار سال سے یہاں ریڈ انڈینز جنہیں native americans کے نام سے پکارا جاتا ہے آباد تھے۔ اور اپنی آزادانہ طرزِ زندگی گزارتے تھے۔ appalachian پہاڑوں کے دامن میں بسی اس ریاست کا موسم گرما اور مرطوب رہتا ہے۔ ندی، نالے ہنستے مسکراتے دور تک بہتے چلے جاتے ہیں اور تین پتی والے

سفید پھول وہائٹ اسپائڈر للی اور pendtrilium دلدلوں سے بھرے جنگلوں کو مہکاتے رہتے ہیں۔

گوری اقوام کے افراد آئے تو اپنی خدمت گزاری، مال برداری، کھیتی باڑی کے لیے افریقہ کے حبشی غلاموں کو زبردستی ان کے دیسوں سے اٹھا لائے۔ پھر انہوں نے ان سے اپنی تمبا کو اور سوت کی فصلوں میں خچروں کی طرح کام لیا...... وہ ہنٹر برسا کر اپنی حاکیت کا لطف اٹھاتے، راتوں کو آبنوسی رنگت والی پُرکشش جوان لڑکیوں سے دل بہلاتے اور جب جی چاہتا ان کے خاندانوں کو آپس میں جدا بھی کر دیتے۔ انسان پر انسان کے ظلم کی داستانوں کے باب یونہی رقم ہوا کرتے ہیں۔

تب سے لے کر اب تک نارتھ کیرولائنا میں کالوں جنہیں اب نیگرو نہیں بلکہ بلیک کہا جاتا ہے کی بہت سی نسلیں آباد میں جو اسی ریاست کو اپنا وطن سمجھتی ہیں۔ آج کے بلیک امریکن لوگوں کو اپنے غلام آباؤ اجداد کے شجروں سے کوئی خاص دلچسپی ہے اور نہ ہی وہ کوئی علم رکھتے ہیں کہ وہ لوگ کہاں سے آئے اور کیسے امریکا پہنچے...... بلیک لوگوں میں ازلی طور پر غصہ، شدت، جہالت اور پسماندگی موجود ہے۔ اکثر جرائم بھی یہی لوگ کرتے ہیں کیونکہ یہ لوٹ مار، غصب کرنے کو اپنا حق اور انتقام تصور کرتے ہیں۔ ایسی ہی باتوں کی وجہ سے آج امریکا میں بلیک لوگوں کو خوف اور تعصب سے دیکھا جاتا ہے اور کوئی خاص عزت کا بھی حقدار نہیں سمجھا جاتا۔

میری بیٹی جو دوسری نسل کی امریکن بورن لڑکی ہے جس کے ہاں تیسری نسل نے جنم لے لیا ہے اور وہ امریکا کو ہی اپنا وطن تصور کرتے ہیں۔ میری بیٹی اور داماد اپنے شہر مورس ول کیرولائنا میں بڑے سیٹ ہیں۔ ان کے بہت سے دوست نوجوان پاکستانی نژاد جوڑے ہیں جو انہی کی طرح امریکا میں پلے بڑھے ہیں...... یہ سب خواتین و مرد انتہائی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ بڑی ہنر مندی اور اعتماد سے امریکا میں اپنے قدم مضبوطی سے جمائے ہوئے ہیں اور اپنی کسی شناخت کے حوالے سے کسی بھی کامپلیکس کا شکار نہیں ہیں۔ عموماً سبھی انگریزی میں بات چیت کرتے ہیں، امریکی اور پاکستانی دونوں قسم کے پہناوے پہنتے ہیں اور آپس میں خوب ملتے جلتے رہتے ہیں، پاکستان سے جغرافیائی طور پر دور ہونے کی وجہ سے ذہنی طور پر بھی وہ یہاں کے حالات سے لاتعلق ہیں۔ پاکستان ان کا مسئلہ نہیں ہے، انہیں یہ ایک ڈراؤنا، کرپٹ، ناکام ملک لگتا ہے، جہاں سے ان کے والدین نے ہجرت کر کے ان کے مستقبل تاریک ہونے سے بچا لیے ہیں، پاکستان میں ان کے حساب سے قتل و غارت، بے ایمانی، بدعنوانی کے سوا اور کچھ نہیں...... اپنے والدین کے برعکس انہیں پاکستان سے کوئی دلچسپی ہے نہ کوئی خاص لگن...... میری نسل کی طرح یہ نسل اس کنفیوزن کا شکار نہیں ہے کہ ہم کون ہیں؟ ان کا وطن امریکا ہے اور یہ اسی سے محبت کرتے اور وفاداری رکھتے ہیں۔ میری نسل تو چالیس سال امریکا میں گزار کے بھی خود کو پردیسی ہی سمجھتی رہی۔ یہی خوش فہمی رہی کہ ابھی پورا بیڑا ہم نے جلایا نہیں ہے...... کسی نہ کسی ساحل پر دو چار کشتیاں تو اب بھی بندھی کھڑی ہوں گی جن کے بادبان کھول کر ہم واپسی کا سہانا سفر اختیار کر سکتے ہیں، یہ خیال دل و دماغ میں ہمیشہ زندہ رہا...... حالانکہ یہ حقیقت بھی دلِ ناتواں کو خوب معلوم ہے کہ ''واپس'' باقی کہاں رہ گیا ہے؟ پیچھے مڑ کر دیکھیں تو سوائے بے یقینی کی دھند اور دھوئیں کے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ زیادہ تفصیلات کیا بتائیں بس یوں سمجھیں کہ ایسے میں اس نوجوان نسل کو امریکا جنت نہ لگے گا تو اور کیا لگے گا۔ ان کے مطابق جہاں سکون کی ٹھنڈی چھاؤں اور آسانیاں ہی آسانیاں ہیں۔

میرے لیے زیادہ حیرت کی بات یہ ہوتی ہے کہ سب نوجوان کپلز اسلام سے بہت زیادہ وابستگی رکھتے ہیں...... انہیں چونکہ اندازہ ہے کہ یہی سرزمین ان کا ٹھکانا، ان کا گھر ہے سو انہوں نے یہاں ہر قسم کی دل

بستگی کے سامان بھی پیدا کر رکھے ہیں، مذہبی ایکٹی ویٹیز بہت گرم جوشی اور پابندی سے کی جاتی ہیں۔

میری پانچ سالہ ننھی نواسی کمیونٹی کی مسجد میں امام صاحب سے قرآن کلاس لینے جاتی ہے اور اسلامک کنڈر گارٹن اسکول بھی اٹینڈ کرتی ہے۔ ننھی پری جب پینٹ شرٹ کے اوپر حجاب اوڑھے گھر لوٹتی ہے اور اپنے شدھ امریکن لب و لہجے میں قرآن شریف کی آیات، دعائیں سناتی ہے تو بہت پیاری اور معصوم لگتی ہے۔ میرے اندر کی لبرل، غیر روایتی، باغی عورت کچھ کلبلانے سے لگتی ہے مگر میری نواسی کے ماں، باپ کے چہرے خوشی سے دمکنے لگتے ہیں، ایک، دو بار میں نے ہولے سے بیٹی سے کہا۔

''مدرسے میں ڈالنے سے بچی کہیں fanatic (جنونی) نہ ہو جائے۔'' بیٹی نے مسکرا کر جواب دیا۔

''امی یہ کوئی وہاں والا اسلام تھوڑا ہی ہے۔'' میں دل ہی دل میں شرمندہ سی ہو کر رہ گئی۔ واقعی صحیح ہی تو کہہ رہی تھی۔ ان کے خیال میں امریکا کا اسلام تو بہت صاف ستھرا ویل ڈریسڈ، سوٹڈ بوٹڈ ہے۔ خوب صورت صاف ستھری محلے میں قائم شدہ بڑی چھوٹی مساجد، کسی کو بھی کھلی بانہوں سے خوش آمدید کہتی محسوس ہوتی ہیں۔

امریکا میں مسجد کو ایک مسلم کمیونٹی سینٹر کے طور پر لیا جاتا ہے جہاں مسلم مرد، خواتین، بچے یکساں طور پر جمع ہوتے ہیں اور مذہبی اور سوشل تقریبات کا انعقاد کرتے ہیں۔ اس کے برعکس پاکستان میں تو مسجد جیسی جگہ بھی صرف مردوں کے لیے مخصوص سمجھی جاتی ہے۔ امریکا کی مسجدوں میں مقامی مسلم امام انگریزی میں خطبے دیتے ہیں جن میں اینٹی امریکا کوئی بات نہیں کی جاتی۔

امریکا میں اسلام دھیرے، دھیرے بڑے سکون سے پھیلتا جا رہا ہے، یوں جیسے سمندر کا جھاگوں والا پانی خاموشی سے ساحل کے خشک کونوں کو بھگوتا اپنے وجود میں شامل کرتا جا رہا ہو اور کنارے کو کچھ خبر ہی نہ ہو۔

مورس ول میں رہنے والی ایک معتبر ہستی آپا زبیدہ ایک نئی مسجد کی داغ بیل ڈالنے میں بہت سنجیدگی سے کام کرنے کا آغاز کر چکی تھیں۔ اپنے شہر کے سبھی پاکستانیوں کو بار، بار فون کر کے یاد دلاتیں کہ انہوں نے مسجد کے لیے چندے کی مہم کا آغاز کر دیا ہے جس میں انہیں پوری کمیونٹی کی بھرپور سپورٹ کی امید اور ضرورت رہے گی۔ نئی عالی شان مسجد بنانا ان کا مشن بن چکا تھا جس کا سب لوگوں کو اچھی طرح پتا چل چکا تھا۔ کئی تقاریب میں میری ان سے ملاقاتیں ہوئیں تو ہماری اچھی خاصی دوستی ہو گئی۔

''مسجدیں تو یہاں بہت زیادہ ہیں، آپ لوگ یہی پیسے پاکستان بھیج کر کوئی اسکول یا اسپتال کیوں نہیں بنوا دیتے۔'' ایک روز میں نے ان سے کہہ دیا تو سبھی لوگ یوں حیرت سے میرا منہ تکنے لگے جیسے میں نے کوئی انتہائی کافرانہ بات کہہ دی ہو۔

''اللہ کا گھر بنانا ہے، بہن جی سمجھا کریں۔'' زبیدہ آپا نے مجھے سرزنش کرتے ہوئے سمجھایا تو میں خاموش ہو کر رہ گئی۔ انہوں نے بتایا کہ قریباً دس برس پہلے اپنے شوہر، بیٹے، اپنی بیٹی روزی اور اس کے دو چھوٹے بچوں کے ساتھ لاٹری ویزا پر امریکا آئی تھیں، نارتھ کیرولائنا ہی ان کا پہلا پڑاؤ تھا۔ یہاں آ کر انہوں نے ایک ریسٹوران کھول لیا جس سے زندگی کا پہیا روانی سے چلنے لگا اور اچھی گزر اوقات ہونے لگی۔

انہیں اور ان کے شوہر کو انگریزی سے کوئی خاص شُدبُد نہ تھی، بیٹا ہاتھ بٹانے میں دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ اس لیے آپا زبیدہ کی بیٹی رضیہ سلطانہ کو ہی میدان میں کودنا پڑا۔ رضیہ، عرف روزی، بڑی فرض شناس، ذمے دار... لڑکی تھی، اس نے ماں، باپ کا بزنس بڑی خوش اسلوبی سے چلانا شروع کیا۔ اور سب کو آسودگی حاصل ہوتی چلی گئی۔

روزی کے شوہر کے بارے میں آپا زبیدہ سے یہی سنا تھا کہ وہ امریکا میں رہنے پر رضامند نہیں تھا اس لیے ہمراہ نہیں آیا مگر وہ اسے منانے میں لگے ہوئے ہیں۔

زبیدہ آپا بہت ملنسار، خوش اخلاق اور میٹھی طبیعت کی خاتون تھیں۔ اس لیے کسی نہ کسی تقریب میں ملاقات

ہو جاتی تو مزے دار باتیں ہوتیں۔ وہ بھی سبھی سے بہت محبت سے پیش آتیں۔ اس لیے کمیونٹی میں انہیں جگت ماں کی سی حیثیت حاصل ہو چکی تھی۔ اس روز انہوں نے علاقے کی بہت سی مسلم فیملیوں کو جن میں زیادہ تعداد پاکستانیوں کی تھی، اپنے ریسٹوران میں کافی پارٹی کے لیے مدعو کر رکھا تھا۔ مورس ول ایریا میں برانڈ نیو دو ملین ڈالر مسجد کے لیے زمین لی جا چکی تھی اور تعمیر کے لیے اہل ایمان بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔

میرے داماد جی، زبیدہ آپا سے یوں تو بہت پیار محبت سے پیش آتے تھے مگر ایک بات پر انہیں ان سے اختلاف تھا، وہ کہتے تھے ''سپورٹ اسی مسجد کو کریں جو آپ کے اپنے علاقے کی ہو اور مقامی لوگوں کو سروسز مہیا کر رہی ہو۔'' آپا زبیدہ جس مسجد کے لیے کہہ رہی تھیں وہ ان کے علاقے سے کافی دور تھی اس لیے وہ اس کے لیے فنڈ اکٹھا کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے، زبیدہ آپا نے سنا تو قدرے ناراضی سے بولیں۔

''پتر اپنی آخرت سنوار لے، ایک اینٹ تیرے ڈالروں کی بھی لگ جائے گی تو کیا تجھے فائدہ نہیں ہوگا، جنت میں محل ملے گا...... محل......''

''اور حوریں بھی......'' میں نے داماد کے کان میں سرگوشی کی تو وہ مسکرا دیا مگر مجھ سے کہنے لگا۔

''آنٹی یہ صرف اس لیے مجھے مجبور کر رہی ہیں... تاکہ میں ان کا فنڈ بڑھاؤں، کمیونٹی میں ان کی واہ، واہ ہو، میں نہیں دوں گا۔ میں اپنے علاقے کی مسجد کو سپورٹ کرتا ہوں...... میرے لیے وہی ٹھیک ہے۔'' میں نے بھی بات سمجھ کر تائید میں سر ہلا دیا اور نظر گھما کر ہال کی ڈیکوریشن اور کافی پارٹی کے دیگر انتظامات کو سراہنے لگی۔

''یہ سب تو میری روزی کا ہی کمال ہے، ماشاءاللہ ...... سب کچھ اتنی مہارت سے سنبھالتی ہے کہ مجھے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ میری شہزادی رضیہ سلطانہ ہم میاں، بیوی کو خوب عیش کرواتی ہے، اللہ اسے ہمیشہ خوش رکھے۔'' ماں نے پیار سے بیٹی کو دعا دی اور فخر سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

''خیر مما، سارا کام میں اکیلے ہی تھوڑا کر سکتی ہوں، میرے پاس میرے اتنے پیارے ایفی شینٹ ہیلپرز جو ہیں۔'' روزی نے نظر اٹھا کر اپنے ملازمین کو دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں شاباش دینے لگی۔ میں نے اسی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ ایک دیسی لڑکی، ایک ہسپانوی میکسکن اور ایک نوجوان بلیک ملازم کام میں جتے نظر آ رہے تھے۔

''یہ لڑکی جو آپ دیکھ رہی ہیں ناں، یہ ہمارے اپنے فیصل آباد کی ہے...... عائشہ، خوب چالاک اور سمجھدار، انڈین پارٹی میں جائے تو آشا کہلاتی ہے اور مسلم پارٹی میں جائے تو عائشہ......'' زبیدہ آپا کھلکھلا کر ہنسنے لگیں۔

''اور یہ جو کالا آپ دیکھ رہی ہیں ناں...... لمبا تڑنگا، کالا بھجنگ...... یہ جوناتھن ہے، بڑا اسٹرانگ ہے، بڑی بڑی میزیں اکیلے ہی گھسیٹ لیتا ہے۔''

''یہ کالے ناں ویسے تو بڑے نکمے ہوتے ہیں مگر ایسے ہیوی ڈیوٹی کاموں کے لیے ٹھیک رہتے ہیں، ویسے بڑی عجیب نسل ہے یہ، نرے جانور کے جانور...... یہ نارتھ کیرولائنا تو ہے ہی ان کا علاقہ...... ہر طرف چھائے ہوئے ہیں۔'' زبیدہ آپا یوں احساسِ برتری سے بولیں جیسے وہ خود تو ہمیشہ سے ہی نارتھ کیرولائنا میں ہی رہتی چلی آتی ہوں یا پھر ان کا تعلق کسی سفید فارم امریکی ماسٹر خاندان سے رہا ہو۔

میرے ذہن میں بچپن میں پڑھی ہوئی کتاب "uncle toms cabin" کے مناظر تیرنے لگے۔ کتنی طاقتور کتاب تھی وہ...... مصنفہ نے کالے غلاموں کی زندگی پہ قلم اٹھایا، امریکا میں ایک ہلچل مچ گئی۔ گورے کالے لوگوں کے بیچ آنے والے فیصلہ کُن انقلاب کی ابتدا ہوگئی اور امریکا کے شمالی اور جنوبی حصوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی...... اور بالآخر غلاموں کو آزادی کا پروانہ نصیب ہوگیا۔

''جوناتھن پلیٹز کھانوں کے نیچے وارمرز آن کر دو اور عائشہ تم کچن سے سموسوں کی ٹرے اٹھا لاؤ......''

روزی نے دونوں کو ہدایات دیں اور میکسکن ملازم... پیڈرو کو بھی کچھ ہدایات دینے لگی۔ پارٹی بہت اچھی جارہی تھی۔ زبیدہ آپا نے مسجد کے لیے اچھا خاصا فنڈ اکٹھا کرلیا تھا۔ سبھی ان کی اس کامیابی اور لگن کی تعریفیں کرنے لگے تھے۔ جنہیں وہ بڑی خندہ پیشانی سے قبول کررہی تھیں۔

کھانا ختم ہوگیا تو مہمان رخصت ہونے لگے مگر زبیدہ آپا کے کہنے پر ہم بیٹھے رہے اور اِدھر اُدھر کی گپ شپ میں وقت کٹنے لگا...... عائشہ اور جوناتھن حسب دستور بچا ہوا کھانا تھرموپول کے ڈبوں میں پیک کرکے مہمانوں کو تھماتے جارہے تھے۔ جنہیں وہ خوشی، خوشی لے رہے تھے۔

''جوناتھن، سموسے بہت بچ گئے ہیں، تمہاری مام کو بہت پسند ہیں ناں تم گھر لے جانا۔'' روزی بولی تو وہ تھینکس کہہ کر سموسے تھرموپول کے ڈبوں میں پیک کرکے اپنا حصہ علیٰحدہ کرنے لگا۔

''روزی کیا کرتی ہے بیٹا، یہ مسجد کا کھانا تبرک ہوتا ہے اور تو عیسائی کو دے رہی ہے؟ توبہ، توبہ، خدا کا خوف کر، عائشہ تو لے جانا کم از کم مجھے یہ تسلی تو ہوگی کہ کسی مسلمان کے پیٹ میں گیا ہے، پیڈرو تو ویسے ہمارا کھانا پسند نہیں کرتا، اس لیے اس کی مجھے کوئی فکر نہیں......'' زبیدہ آپا پنجابی میں بیٹی سے کہنے لگیں جس کی وجہ سے ظاہر ہے کہ امریکن ملازمین کو ان کی کسی بات کی سمجھ نہیں آئی تھی۔

روزی نے خشمگیں نگاہوں سے ماں کی طرف دیکھا۔

''مما، پلیز...... کیسی باتیں کررہی ہیں آپ، انتہائی فضول......''

''لو بھلا میں نے کیا غلط کہہ دیا۔'' زبیدہ آپا اپنی بات پر ڈٹی رہیں۔

''ویسے آنٹی جی، امی کو کیا سمجھاؤں میں لیکن یقین کریں یہ جوناتھن جو ہے ناں اس میں تو لگتا ہے کسی مسلمان کی ہی روح ہے، سارا دیسی کھانا کھاتا ہے، پکاتا بھی ہے، ہمارے ساتھ بیٹھ کر ہمارا میوزک سنتا اور فلمیں دیکھتا ہے۔'' روزی انگلش میں بات کرتی گئی جو ظاہر ہے جوناتھن کی بھی سمجھ میں آگئی اور وہ زیرلب مسکرانے لگا۔ مجھے پھر ایک دم یاد آیا۔ ایلیکس ہیلی Alex Hailey کے ناول Roots کے ابتدائی حصے میں بھی ذکر تھا کہ اغوا کے وقت یہ افریقی مسلمان ہوا کرتے تھے، پھر گورے آقاؤں کی غلامی کے طوق گلے میں پہنے، پہنے وہ بالآخر اپنی شناخت، تہذیب، مذہب سے بھی بیگانہ ہوگئے اور انہی کے دیے ہوئے ناموں اور شناخت کے حوالوں کو سچ مان بیٹھے کہ ایسا کرنے میں ان کی بقا تھی...... وہ بھول گئے کہ وہ کون تھے اور کہاں سے آئے تھے۔ مشہور، ومعروف امریکی گلوکار مائیکل جیکسن کے آباواجداد بھی جیکسن نامی کسی سفید آقا کے غلام تھے، اس نے ہی انہیں یہ نام دیا اور وہی ان کا نام بن گیا۔ تاریخ بھی کتنی عجیب چیز ہوتی ہے۔

"hi" کہہ کر جوناتھن میری میز کے قریب آگیا اور بڑے احترام سے میری برابر کی کرسی درست کرنے لگا۔

''روزی بتاتی ہے کہ آپ یہاں آتی رہتی ہیں اور یہ بھی کہ آپ کہانیاں لکھتی ہیں۔'' اس نے ایک گہری نظر سے مجھے دیکھ کر اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا جسے میں نے بھی گرمجوشی سے تھام کر جواب دیا۔ میں کچھ حیران سی ہوگئی۔ ایک کالا اور پھر اتنا مہذب، ٹھہرا ہوا انداز...... اتنا دھیما لہجہ، میں تو یہی توقع کررہی تھی کہ وہ ایک عام کالے شخص کی طرح اکھڑ پن اور بدتمیزی کا مظاہرہ کرے گا۔ درشتی سے مجھ سے بات کرے گا مگر یہ کیا......؟ اس نے مجھے کچھ گڑبڑا کے رکھ دیا۔

''ارے آنٹی جی، یہ جوناتھن صرف میرا کچن ہیلپر نہیں بلکہ یہ تو...... بس بڑی چیز ہے۔'' روزی نے میرا تحیر دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔

''یہ یہاں کی سب سے باوقار یونیورسٹی چیپل ہل آف نارتھ کیرولائنا میں آرکیالوجی پڑھتا ہے، تاریخ اور قدیم تہذیبیں اس کا جنون ہیں، پورا پروفیسر ہے پروفیسر......'' روزی نے میرے علم میں مزید اضافہ

کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا، کیا واقعی......؟'' میں نے یقین نہ آنے والے انداز میں اس کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔ اتنا پڑھا لکھا کالا...... مجھے حیرت ہو رہی تھی۔ میں نے اسے بتایا کہ تاریخ اور آرکیالوجی سے میں بھی بہت دلچسپی رکھتی ہوں تو وہ بہت خوش ہوا۔

''چلیں کسی دن میرے ساتھ وقت گزاریں، آپ کو اپنے علاقے کا ٹور کرواؤں گا، تاریخ بتاؤں گا۔ سول فوڈ soul food کھلاؤں گا۔'' وہ پُراشتیاق لہجے میں بولتا چلا گیا۔

''سول فوڈ...... وہ کیا ہوتا ہے؟ ہمارے ہاں تو موسیقی کو ہی روح کی غذا کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''یہ تو بڑی خوب صورت بات بتائی آپ نے مجھے...... مگر میم ہمارے ہاں سول فوڈ اور سول میوزک soul music دونوں ہوتے ہیں۔ دیکھا جائے تو کھانے اور موسیقی کا تعلق جسم کو راحت پہنچانے کا ہی تو ہے...... اور جسم راضی ہو تو روح بھی راضی اور سرشار رہتی ہے۔ بات تو پھر ایک ہی ہوئی ناں......'' وہ فلسفہ جھاڑنے لگا۔ ''ویسے میوزک کے لیے ہم جاز jazz میوزک کو ہی روح کی غذا سمجھتے ہیں۔ سول فوڈ ہمارا خاص کھانا ہے۔''

''عائشہ چلو، ہم سب مل کر آج سول فوڈ کھاتے ہیں۔'' اس نے فیصل آباد کی لڑکی کو مخاطب کرکے کہا۔

''نہ بابا نہ...... آج کل میں ڈائٹ پہ ہوں...... اتنی چکنائی والی ہائی کیلوری فوڈ تو میں افورڈ نہیں کرسکتی۔'' عائشہ نے استعمال شدہ پلاسٹک کے چمچے اور کانٹے کوڑے کے بڑے سے پلاسٹک بیگ میں بھرتے ہوئے کہا۔

''ہائے بہن جی، آپ کیا اس کالے کی باتوں میں پڑ گئی ہیں۔ ان لوگوں کو زیادہ منہ نہیں لگانا چاہیے۔ کل کو کیا پتا ہمارے اندر چھری ہی اتار دیں۔'' زبیدہ آپا تشویش سے بولیں تو میں بھی پل بھر کو ٹھٹک کر رہ گئی...... واقعی امریکا میں کالے لوگوں کی مجرمانہ حرکات سے خوف تو سبھی کھاتے ہیں، میں نے سوچا۔

''نہیں، نہیں آپ میری فکر نہ کریں، مجھے تو اس سے باتیں کرکے بہت لطف آرہا ہے۔'' میں نے زبیدہ کو تسلی دی اور جوناتھن سے مزید پوچھنے لگی۔

''جوناتھن سول فوڈ کیا ہوتا ہے؟ کیا اسے کھا کر روحیں نظر آنے لگتی ہیں؟'' میں نے ہلکے پھلکے انداز میں گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''میم یہ ہم بلیک لوگوں کی خاص غذا ہے، اس میں ہر چیز چربی میں تل کر کھائی جاتی ہے، کچھ بھی...... دراصل ہمارے سفید آقا ہم کالے لوگوں سے دن بھر بے انتہا مشقت لیتے تھے، وہ چاہتے تھے کہ ہمارے جسم توانا رہیں اور ان کی کھیتیاں سرسبز...... اس لیے وہ صبح سویرے ہی ہمیں انتہائی چربیلی چیزیں کھانے کو کہتے تھے۔ جن میں سے اکثر حرام جانور کی چربی میں ہی تیار کی جاتی تھیں۔ بس پھر ہم شام ڈھلے تک جانوروں کی طرح کام کرتے تھے...... شام کو کھا کر بے سدھ ہوکر سو جاتے تھے۔ تب سے ہمارے ہاں ایسے کھانے بہت پسند کیے جاتے ہیں۔'' وہ بتاتا چلا گیا۔

''اب تم دونوں کام بھی کرو گے یا بس یونہی وقت ضائع کرتے رہو گے...... بڑی ہوگئیں کہانیاں......'' زبیدہ آپا کو آٹھ ڈالر فی گھنٹا کے حساب سے ہونے والے نقصان کا خیال تڑپانے لگا اور وہ بے بسی سے پہلو بدلتی نظر آنے لگیں۔

''ڈونٹ وری امی...... آپ اپنی مسجد فنڈ ریزنگ کے پیسے گنیں، اکاؤنٹس میں انٹری کریں اور اللہ میاں کو خوش کریں۔'' روزی نے ماں کے گلے میں پیار سے بازو ڈال کر ان کا گال تھپتھپایا۔

زبیدہ آپا نے ایک جلی ہوئی نظر اپنے ملازمین پر ڈالی اور بادل ناخواستہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ چلتے چلتے بڑبڑائیں۔

''دماغ خراب ہے اس لڑکی کا...... دوسروں کو بڑا سر چڑھا لیتی ہے اگر اس کی بس یہ عادت چھوٹ جائے تو ہمارا بزنس دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے۔''

☆☆☆

میری بے انتہا فرمائش پر ایک دن جوناتھن، میں، عائشہ اور روزی ایک اٹھارویں صدی کی پلانٹیشن slave plantation کی سیر کو چلے گئے۔ پہلے ہم نے ایک سول فوڈ پوائنٹ (ریستوران) سے تلے ہوئے بند، کیک، چکن، بسکٹ کا لنچ کیا۔ ہر چیز تیل میں تلی ہوئی کھانے کا یہ عجیب و غریب اتفاق تھا مگر تجربہ تو کرنا تھا لہٰذا میں نے بھی انکار نہیں کیا بہر حال آئندہ ایسے کھانے کی کوئی خواہش دل میں نہ پیدا ہو سکی۔ (اگرچہ یہ حلال چربی سے بنی تھیں)

پلانٹیشن کی سیر اس کے بعد عین مناسب لگی کیونکہ ہم خواتین بہت بھاری پن محسوس کر رہی تھیں۔ مارلو پلانٹیشن اٹھارویں صدی کا ایک خوب صورت لینڈ مارک ہمارے سامنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ کھڑی تھی۔ سفید رنگ کی خوب صورت عالیشان مرکزی عمارت کے بیرونی حصے میں بنے سفید ستون اب بھی عہد گزشتہ کی داستان کہتے نظر آرہے تھے۔ مارلو خاندان اب تک اس کے مالکانہ حقوق رکھتا تھا مگر موجودہ نسلوں نے اسے ایک تاریخی عمارت کے طور پر سیاحوں کے لیے کھلا چھوڑ دیا تھا جہاں ریاست اس کی نگرانی اور دیکھ بھال کرتی اور اسے ایک قیمتی قومی اثاثہ کے طور پر سنبھالتی تھی۔

مجھے زیادہ دلچسپی عمارت کے عقبی حصے سے تھی جہاں غلاموں کی رہائش گاہیں ہوا کرتی تھیں۔ جوناتھن مجھے پیچھے لے جا کر دکھاتا رہا کہ افریقہ سے لائے ہوئے غلام کیسے رہا کرتے تھے۔ لکڑی کے چھوٹے، چھوٹے کیبن نما گھروں کی ایک قطار تھی جس میں یقیناً بہت سے غلام رہائش رکھتے ہوں گے۔ مجھے اپنے دیس کی کوٹھیوں کے پیچھے بنے ہوئے سرونٹ کوارٹرز یاد آگئے۔

ہمارے ہاں بھی یہ روایت یقیناً گورے آقاؤں نے ہی ڈالی ہوگی۔ ویسے بھی خدمت گار طبقہ تو ہمیشہ ہی پیچھے رکھا جاتا ہے۔ اسے آگے آنے کی اجازت کہاں

ہوتی ہے۔کیبن ہاؤسز کے سامنے ایک بڑے سے میپل درخت کے اوپر ابھی تک وہ بڑی سی گھنٹی لٹک رہی تھی جسے بجا کر صبح شام غلاموں کو اکٹھا کیا جاتا تھا۔عمارت کے وسیع وعریض سرسبز گھاس کے قطعے اور پرانے، پرانے اونچے درخت بہت شاہانہ انداز میں کھڑے، مجھے بہت سی گم شدہ کہانیاں سناتے محسوس ہو رہے تھے۔

''گوروں نے اپنی نئی دنیا بسانے، امریکا کی تعمیر کرنے کو ہمارے آباؤ اجداد کی محنتیں، افرادی قوت اور وفاداریاں استعمال کیں۔ہم نے ہی یہ کھیت کھلیان سرسبز کیے جن سے خوراک پیدا ہوتی، سڑکیں، پل تعمیر ہوئے، ان کے گھریلو کام چلے، آج یہ ملک ترقی کی جن منازل کو پہنچا ہے اس میں ہمارے لوگوں کے خون پسینے کی مہک شامل ہے۔''جوناتھن نے پورے ایریا پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی۔میں انہماک سے سنتی چلی گئی۔

''آپ کو پتا ہے، اندازہ یہ ہے کہ افریقہ سے تقریباً بیس ملین افراد لائے گئے تھے جن میں مرد، عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ایک چوتھائی تو چار، پانچ ماہ کے مشکل ترین بحری سفر کے دوران ہی ہلاک ہو جاتے تھے۔''

''وہ کیسے.....؟''روزی نے حیران ہو کر پوچھا۔

''بھئی وہ کوئی آج کا cruise ship سفر تھوڑا ہی ہوتا تھا۔افریقیوں کو ایک دوسرے کے اوپر ننگے بدن یوں ہی لاد دیا جاتا تھا جیسے وہ لکڑی کے بے جان تنے ہوں، زنجیروں میں بندھے بے بس لوگوں میں سے بیشتر کا دم گھٹ جاتا، کچھ بیمار ہو جاتے، بھوکے رہتے، وہیں لیٹے، لیٹے حاجات سے فارغ ہونا پڑتا تو مر ہی جاتے۔ایسے لوگوں کو بڑی سنگ دلی سے دریا برد کر دیا جاتا تاکہ خوراک اور جگہ بچ سکے۔مغویوں کی اوور لوڈنگ اسی لیے کر لی جاتی تھی کہ اگر کچھ مر بھی جائیں تو ان کا کوٹا پورا ہو جاتا۔''جوناتھن کے لبوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

''اور یہ خاص کمرے آپ دیکھ رہی ہیں؟ یہاں غلام مرد، عورتوں کو زبردستی کمروں میں دھکیل دیا جاتا تھا تاکہ مزید غلام پیدا ہوں اور آقاؤں کو فروخت اور خدمت کے لیے مال ملتا رہے۔اگر کوئی آقا کا کہنا نہ مانتا تو یہ ہنٹر دیکھیں...... نافرمانی پر یہ ہنٹر بے دریغ سیاہ جلدوں پر استعمال کیا جاتا تھا۔''جوناتھن نے ہنٹر ہاتھ میں تھام کر اسے محسوس کرتے ہوئے کہا اور میں نے سوچا......اس چمڑے کے ہنٹر نے نہ جانے کتنے محبوس و مجبور بدنوں کو سزائیں دی ہوں گی۔کتنوں کا خون اور پسینے کے قطرے اس چمڑے میں گھس کر اس کے DNA میں شامل ہو چکے ہوں گے...... اتنے دلچسپ، تاریخی اور معلوماتی دورے کے بعد ہم گھروں کو روانہ ہو گئے۔

☆☆☆

امریکا میں رمضان شریف مسلم کمیونٹی بہت اہتمام سے منایا کرتی ہے۔میری بیٹی اور داماد کے دوست پورے، پورے روزے رکھتے، تراویح پڑھتے، افطار پارٹیاں کرتے بہت عقیدت اور مصروفیت سے اس خاص مہینے کو گزار رہے تھے۔چاند رات کو اچانک آپا زبیدہ کا فون آ گیا۔مبارک بادوں کے تبادلے کے بعد انہوں نے بتایا کہ وہ عید کے فوراً بعد ایک خاص پارٹی کا اہتمام کر رہی ہیں جس پر ہم سب کو آنا ہے۔

''خوشی کا موقع ہوگا آپ سب اپنے بہترین شوخ کپڑے پہن کر آئیں......خوب ہلا گلا ہوگا...... رقص و موسیقی، انٹرٹینمنٹ ہوگی، آپ سب بہت انجوائے کریں گے۔''انہوں نے تفصیلات بتاتے ہوئے ہمیں دعوت دی۔ظاہر ہے ہمیں بھلا کیوں انکار ہوتا۔ہم سب خوشی، خوشی چلنے کو تیار ہو گئے۔میں اور بیٹی موقع کی مناسبت سے لباس کا انتخاب کرنے لگیں کہ کون سے جوڑے زیب تن کیے جائیں، اب امریکا میں بھی دیسی کمیونٹی کی سوشلائزنگ اتنی بڑھ گئی ہے کہ اکثر خواتین کو پاکستان ہی کی طرح ہر وقت نت نئے جوڑے پہننے کی پڑی رہتی ہے اور خوب فیشن کیے جاتے ہیں۔

مقررہ روز ہم سب خوب تیار ہو کر آپا زبیدہ کے

ریستوران پہنچ گئے جہاں ہال کی سج دھج دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ بڑی رونقیں لگی ہوئی تھیں۔ عید کی مناسبت سے ڈیکوریشنز نظر آرہی تھیں۔ ایک پروفیشنل ڈی جے ڈیک پر جدید ترین پڑوسی ملک کے گانوں کی ہیجان انگیز سی ڈیز چلا رہا تھا جس پر حاضرین میں سے بہت سے جوڑے اٹھ کر رقص کر رہے تھے۔ رنگ دار، خوب صورت، شوخ کپڑوں میں مہمان خواتین، بچیاں اور کڑھے ہوئے کرتے شلوار میں ملبوس مرد دیکھ کر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے پاکستان کہیں بہت زیادہ دور نہیں بلکہ یہیں کہیں موجود ہے۔ ہر میز پر پھول اور مٹھائیاں سجی تھیں اور ہیلپرز اور ملازمین پھرتی سے اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے، کام کرتے نظر آرہے تھے۔

''روزی کہاں ہے زبیدہ جی..... نظر نہیں آرہی۔'' میں نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا..... ایک منیجر نما لڑکی انچارج بنی دکھائی دے رہی تھی۔

''بس آتی ہی ہوگی..... اب وہ یہاں کام نہیں کرتی۔'' آپا زبیدہ نے آرام سے جواب دیا اور ہدایات دینے میں مصروف ہوگئیں۔

''کام نہیں کرتی، میں کچھ سمجھی نہیں۔''

''دراصل ہم نے اس کی شادی کر دی ہے اور یہ پارٹی اس کی شادی کا ریسپشن ہی ہے۔'' انہوں نے مجھے خبر سنا کر حیران سا کر دیا۔

''اچھا؟ یہ تو بہت خوشی کی بات ہے، مبارک ہو کہاں کی ہے شادی؟'' میں نے سوال کیا۔

''ایک بہت ہی بھلا مانس، شریف، پڑھا لکھا لڑکا ہے، ابھی آپ اسے مل لیں گے..... آتے ہی ہوں گے۔ ہم نے سوچا..... عید کے پُرمسرت موقع پر دوست احباب کو یہ خوش خبری سنائیں تو سب کی خوشیاں دوبالا ہو جائے گی۔ بس آپ سب کی دعائیں چاہیے ہیں۔'' انہوں نے جذباتی لہجے میں کہا۔

میں پوچھنا چاہتی تھی کہ روزی کی طلاق، کیا ہو چکی تھی..... مگر پھر میں نے سوچا۔ مجھے امریکن طور طریقے کے تحت کسی کے معاملے میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے۔ لہٰذا میں خاموش رہی۔ میری بیٹی نے بھی سنا تو بہت خوش ہوئی اور زبیدہ آپا کے پاس آکر کہنے لگی۔

''آنٹی جی یہ تو گریٹ نیوز ہے۔ مگر آپ نے ہمیں بڑا سرپرائز دیا۔''

''بس بیٹا ایک اچھا انسان مل گیا تو ہم نے سوچا، نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ اچھا ہے، ساتھی ہوگا تو مل جل کر ان بچوں کی بھی پرورش ہو جائے گی۔ اکیلی عورت کہاں تک سنبھالتی۔'' انہوں نے روزی کے دونوں بیٹوں کی طرف پیار سے دیکھتے ہوئے کہا جو نانی کے قریب ہی کرسیوں پر بیٹھے آنے جانے والے لوگوں کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ دونوں خوب صورت سوٹوں میں ملبوس تھے جن کے کالروں پہ گلابی رنگ کی گلاب کی کلیاں بہت جچ رہی تھیں۔

چند ہی لمحوں بعد زبیدہ آپا نے مائیک پر جا کر بھی حاضرین کو یہ خوش خبری سنا دی، ہیر ہیر کہہ کر لوگوں نے تالیاں بجائیں اور کھل کر زبیدہ آپا، ان کے شوہر اور اس کے بچوں کو مبارک بادیں دینا شروع کر دیں۔

''حاضرین یہ عید پلس شادی کی پارٹی ہے..... ہیو فن خوب انجوائے کریں''۔ ڈی جی نے چیخ کر اناؤنسمنٹ کی اور میوزک کی لے بڑھا دی۔ ساتھ ہی ساتھ گا کر کہنے لگا۔

"attention every body here comes the bride please welcome!"

''دلہن آرہی ہے پلیز سب اس کا استقبال کریں۔'' روزی اپنے والد اور بھائی کے ساتھ ہولے، ہولے قدم اٹھاتی، ہال میں داخل ہوتی نظر آرہی تھی۔ سادے سے گلابی جوڑے میں ہاتھوں میں میچنگ گلابوں کا دستہ سنبھالے وہ مسکرا رہی تھی۔ نازک پنک ربن میں بندھے گلاب اس کے ہاتھوں میں دمک رہے تھے اور لوگوں کے دل دھڑک رہے تھے، چند ہی لمحوں بعد چھت سے گلابی رنگ کے دل کی شکل کے غبارے دھیرے، دھیرے نیچے آتے دکھائی دیے جن سے

ماحول رومانوی اور خواب آلود سا ہو گیا۔ روزی مسکرا کر ہر ایک سے ملنے لگی۔

ایک بار پھر ڈی جے کی آواز بلند ہوئی اور اناؤنسمنٹ کی گئی۔

''اور اب آرہا ہے دولہا...... here comes the groom'' سی ڈی پر گانا بدلا گیا۔ لوگوں نے اٹھ کر بھنگڑے ڈالنے شروع کر دیے۔ لطف و نشاط کی محفل اپنے عروج کو پہنچنے لگی۔

''حاضرین مجھے یہ اعلان کرتے ہوئے بہت خوشی ہو رہی ہے کہ میرا امریکن داماد جدی پشتی مسلمان ہے...... الحمدللہ......'' حاضرین نے تالیاں بجا کر اس حقیقت کا خیر مقدم کیا اور نظریں ہال کے دروازے پر گاڑ دیں۔ میں نے بھی اسی طرف رخ کر لیا۔ کیا دیکھتی ہوں کہ رضیہ سلطانہ کے پہلو میں (جو ناتھن) یاقوت آکھڑا ہوتا ہے اور اپنی ملکہ کو دیکھ، دیکھ کر دھیمے، دھیمے مسکراتا ہے۔ دلہن کے چہرے پہ شہابی رنگ کے انار پھوٹتے اور دولہا کی آنکھوں میں محبت کا سمندر تیرتا تھا۔ اس کے توے جیسے کالے سیاہ چہرے پر نارتھ کیرولائنا کے جنگلوں میں اگنے والے تین پتی والے سفید پھول کی سی پاکیزگی نور بکھیرتی تھی۔ مہمانوں سے نیک خواہشات اور بہترین تمناؤں کا تحفہ وصول کرتے دولہا، دلہن ہنس رہے تھے، ایک دوسرے کے ساتھ، ساتھ لگ رہے تھے اور خوشی سے ان کے چہرے تمتما رہے تھے۔

کھانا بہت پُر تکلف تھا۔ سبھی نے ڈٹ کر کھایا، کھانے کے بعد میں اور زبیدہ آپا ہاتھ دھونے باتھ روم کی طرف چل دیے۔ اور تولیے سے ہاتھ صاف کرنے کے بعد ہم دونوں آئینہ دیکھ کر اپنا میک اپ تازہ کرنے لگے۔

''چلیں زبیدہ جی...... بہت اچھا ہوا، اتنا اچھا داماد مل گیا۔'' میں نے لپ اسٹک کی تہ لبوں پر جماتے ہوئے اظہارِ خیال کیا۔

''اچھا داماد؟ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟'' زبیدہ آپا تو جیسے پھٹ پڑیں۔

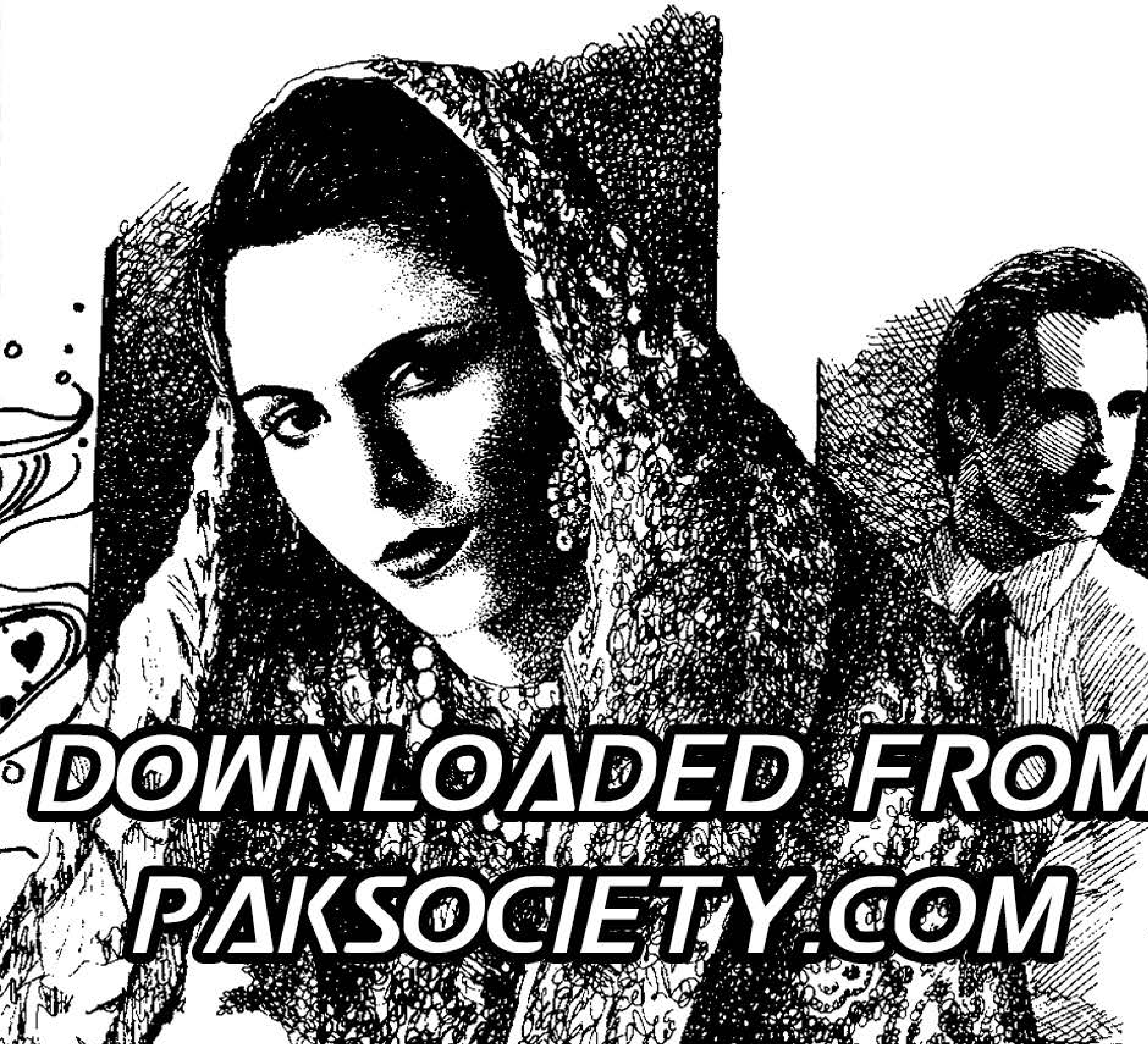
''ہم خاندانی راجپوت ہیں اور وہ غلام زادہ کچھ نہ پوچھیں جی...... میرا دل اندر ہی اندر سے کتنا گھائل ہے۔'' ان کی آنکھوں کا میک اپ بہہ کر گالوں پر دوڑنے لگا تو وہ بیسن میں پورا منہ دیے زور، زور سے پانی کے چھینٹے مارنے لگیں۔

''غلام زادہ......؟'' یک دم ہم دونوں کو ایک چنگھاڑ سی سنائی دی۔ ''کیا ہم سب بھی غلام نہیں ہیں امی جی؟'' یوں لگا جیسے کسی نے بولنے والی کے سینے میں کوئی کٹار سی اتار دی ہو...... روزی بھی غالباً ہاتھ دھونے ہمارے پیچھے، پیچھے ہی باتھ روم چلی آئی تھی۔ زبیدہ آپا نے واش بیسن سے چہرہ اٹھا کر حیرت سے نئی نویلی دلہن کو دیکھا اور خاموش رہ گئیں۔ روزی زور، زور سے بولتی گئی...... ''آپ کا ملک' آپ کے عوام' حکمران سبھی تو گوری نسل کے غلام ہیں، اب سے نہیں صدیوں سے۔ ان کے ملک کی آسائشوں اور فراوانیوں کے غلام...... ان کی ترقی، طرزِ زندگی، امن و سکون کی خواہش کے غلام، ان جیسی زندگی گزارنے کی خواہش کے غلام...... کالے تو زبردستی اغوا کر کے لائے جاتے تھے مگر آپ اور ہم تو اپنی مرضی سے ان کی غلامی کا طوق گلے میں ڈالنے کو یہاں بھاگے چلے آتے ہیں بولیں...... کیا میں جھوٹ کہہ رہی ہوں امی جی؟'' روزی کا لہجہ قدرے دھیما پڑ گیا۔

''یہ شادی میری روح کی غذا ہے امی جی...... اور روح کے بغیر کوئی کیا جیے......'' وہ آنکھیں پونچھتی باتھ روم سے باہر نکل گئی اور میں اس نوجوان امریکی نسل کی پاکستانی لڑکی کے بارے میں سوچنے لگی۔ ٹھیک ہی تو کہہ گئی تھی وہ...... ہم تو بس آنکھوں پر کھوپے چڑھائے، اندھے بیل کی طرح کنویں کے اردگرد چلتے چلے جا رہے ہیں۔ ایسی غلام گردشوں کی بھول بھلیوں میں پھنسے ہیں جہاں صرف تاریکی کا ہی بسیرا ہے۔ روشنی کی کوئی کرن اندر آتی دکھائی نہیں دیتی۔ رستہ بہت لمبا ہے اور منزل کا کہیں دور، دور تک سراغ نظر نہیں آتا۔

بہت دیر کی مہرباں

ہاجرہ ریحان



اگر آپ خاندان میں ایک بددماغ اور خودسر لڑکی کے طور پر مشہور ہیں تو بھی، یہ بات آپ کے حق میں چلی جاتی ہے کیونکہ جب شادی ہال میں دلہن بن کر آپ اکڑ جاتی ہیں اور نکاح نامے پر دستخط کرنے سے انکار کردیتی ہیں تو شادی ہال میں کھانے کے لیے جمع ہونے والے رشتے دار، محلے والے، دوست، احباب سب یہی کہتے ہیں......

"ہمیں پہلے سے ہی معلوم تھا کہ یہ لڑکی کچھ

اسی قسم کی حرکت کرے گی...... ہماری سلامی ضائع ہوگی اور کھانے کو بھی کچھ نہیں ملے گا......'' آپ کی بوڑھی والدہ کے دل میں جیسے اس بات کا خدشہ پہلے سے ہی موجود ہوتا ہے اور وہ ہرگز دل پکڑ کر آپ کے پیر نہیں پڑتیں بلکہ خاموشی سے ایک طرف ہو جاتی ہیں......

تو تماشا اختتام پزیر ہونے کو ہوا...... جس کا باقاعدہ آغاز تب سے ہوا تھا جب یہ رشتہ آیا تھا اور بہت ساری باتوں کو نظر انداز کرنے کے باوجود مجھ سے ایک بات ہضم نہیں ہو رہی تھی کہ صبح شام لڑکے کی والدہ اپنے لڑکے کی خوب صورتی کے قلابے ملاتی رہتی تھیں اور اکثر میں سنتی تھی کہ امی کو میری شکل صورت کو شادی تک اچھا کرنے اور رنگ گورا کرنے والی کریموں کے بارے میں معلومات باہم پہنچاتی رہتی ہیں۔

میں ایک پڑھی لکھی لڑکی ہوں...... انٹرنیشنل آرگنائزیشن میں اچھے عہدے پر فائز ہوں...... سارا دن ہر قسم کے مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی ہوں کچھ میرے زیر اثر ہیں کچھ مجھ سے مرعوب اور کچھ پروفیشنل جیلسی رکھتے ہیں مگر میں اپنے ہونے والے شوہر سے بات نہیں کر سکتی...... میں یہ تو جانتی تھی کہ وہ کس کمپنی میں کام کرتا ہے مگر اس کا عہدہ اور تعلیم بتانے کی ان لوگوں نے زحمت نہیں کی تھی...... کیونکہ وہ بہت خوب صورت تھا اور یہی کافی تھا اور کیونکہ مشرقی لڑکیاں شرم و حیا کا پیکر ہوتی ہیں اور ہمارے معاشرے میں شرم کا دوسرا نام شاید بد عقلی اور گونگا ہونا ہے...... میں سب کچھ سہتی رہی......

میں مانتی ہوں کہ میں اپنے خاندان میں تمام بھائی بہنوں سے شکل صورت میں سب سے کم تھی...... شاید یہی بات امی کو میرے رشتوں سے انکار کی وجہ سمجھ آتی تھی کیونکہ امی پہلے کبھی اس طرح رشتوں کے لیے پریشان نہیں ہوئی تھیں...... اسی لیے ایک وقت ایسا بھی مجھ پر آگیا کہ امی لڑکے کی صرف شکل صورت اور تھوڑی بہت خاندانی بیک گراؤنڈ سے ہی متاثر ہونے لگی تھیں...... میری خوشی یا ناخوشی کا احساس کم سے کم کرنے لگی تھیں...... میں خود کو اس قدر بوجھ محسوس کرنے لگی تھی کہ امی کی اس طرح کی بے چینی کے ہاتھوں ہتھیار ڈال چکی تھیں...... امی کے دل و دماغ پر میری کم شکلی اور ہونے والے داماد کی خوب صورتی کی ایسی دھاک بیٹھ گئی تھی کہ جب بھی وہ لوگ ہمارے گھر آتے امی کوشش کرتیں کہ میں بیوٹی پارلر سے تیار ہو کر آجاؤں کیونکہ بیوٹی پارلر سے تیار ہونے پر آپ کی اصل شکل و رنگ کا کچھ پتا نہیں چلتا...... میں نے ایک بار ان کی بات مانی دوسری بار...... تیسری بار میں نے سامنے جانے سے انکار کر دیا اور چوتھی بار یوں ہی پہنچ گئی...... یہ بات میری ہونے والی ساس صاحبہ کو پسند نہیں آئی...... انہوں نے بعد میں ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا...... بار، بار امی کو فون آنے لگے۔

''ہماری عزت کا سوال ہے لوگ کیا کہیں گے کہ اپنے اتنے خوب صورت لڑکے کے لیے یہ لڑکی پسند کی ہے، آپ نے کیوں نہ کچھ کہا ایسے تو بات نہیں بنے گی۔'' وغیرہ وغیرہ......

امی بیچاری بھی کیا کریں...... لڑکی کی ماں ہونا تو ویسے بھی ایک امتحان ہے اوپر سے وہ بد صورت بھی ہو مجھ سے امی جان نے کئی بار التجا کی کئی بار مجھ پر سختی کی...... مگر میں بھی اب کون سا ان کے قابو میں تھی...... خود ہی تو کہتی تھیں کہ میرے دیدے ہوا ہو گئے ہیں، میں خود کو ہر وقت ایک افسر سمجھنے لگی ہوں...... کوا چلا ہنس کی چال...... مگر میں اپنی چال یاد رکھنا چاہتی ہوں...... اور دوسرے کو بھی یاد کروانا اپنا فرض سمجھتی ہوں کہ ان کی چال چلن بھی کچھ اچھی نہیں...... خیر شادی قریب آگئی میری بہنیں چلی آئیں...... بات سنبھال لی گئی۔

''ہماری بہن کو اتنا خوب صورت شوہر مل رہا ہے۔'' بھائی، بہن بڑے خوش تھے...... بڑے بھیا جو

خود نہیں آئے تھے صرف ہونے والے دولھا کی فوٹو دیکھ کر دوٹوک لہجے میں امی کو فون پر کہہ چکے تھے۔

''مجھے حیرت ہے کہ اس لڑکے کی تعریف میں آپ کے پاس صرف اس کی اچھی شکل صورت ہے...... یہ آپ اچھا نہیں کر رہیں...... جیسے آپ کی مرضی......''

''ہونہہ یہ کیا بات ہوئی......؟''

میں نے دل میں سوچا کوئی لاٹھی یا ڈنڈا وغیرہ لے کر آتے اور چنگھاڑتے کہ یہ شادی نہیں ہوسکتی تو ذرا بات بنتی...... امی نے تو ان کا اعتراض ایک کان سے سنا دوسرے سے نکال باہر کیا...... آخر کار شادی کا دن آپہنچا...... میں کراچی کے مہنگے ترین بیوٹی پارلر دلہن بننے چلی گئی...... وہیں پر پتا چلا کہ میری ہونے والی جیٹھانی آئی ہیں...... انہوں نے آتے کے ساتھ ہی مجھے سجانے سنوارنے والی لڑکی کو خوب خوب ہدایات دینی شروع کر دیں۔

''دیکھو میک اپ ایسا ہونا چاہیے کہ لڑکی کا رنگ گورا لگے...... کسی مشہور ہیروئن کا لک آجائے تو میں تم کو ڈُگنی ٹپ دوں گی......''

میں بیٹھے بیٹھے بلبلا گئی...... دل کی دھڑکن ایک دم بے ربط ہوئی اور زبان لڑکھڑانے لگی...... تیار ہو کر جیسے ہی شادی ہال میں دلہن کے کمرے میں پہنچی میری ہونے والی ساس صاحبہ بڑبڑاتی آگئیں...... ان کو میرا میک اپ بالکل بھی پسند نہیں آیا اور انہوں نے وہیں جیٹھانی کو ڈانٹنا شروع کر دیا۔

''یہ کیا کروالائی ہو بھئی...... یہ تو بالکل بھی ٹھیک نہیں لگ رہی...... اب کیا ہوگا...... ابھی تو مووی والا بھی آتا ہوگا۔''

وغیرہ، وغیرہ یہ سب بات ہو ہی رہی تھی کہ مولوی صاحب میرے بھائیوں کو لیے وارد ہوگئے...... ساس اور باقی تمام خواتین پیچھے ہوگئیں اور مولوی صاحب کے لیے جگہ بنادی گئی...... میرے یہ کہنے پر کہ ''معافی چاہتی ہوں میں یہ شادی کرنا نہیں چاہتی۔'' پہلے تو مولوی صاحب نے عادتاً کہا۔

''دوسری دفعہ کہیں......''

میں نے جب بات دُہرا دی تو وہ چونکنے ہوگئے...... اور میرے منجھلے بھائی ہونق پنے سے دیکھنے لگے...... میں نے نکاح نامہ جو میرے ہاتھ میں تھمایا گیا تھا واپس مولوی صاحب کو دیا اور کھڑی ہوگئی...... اپنے بھاری بھر کم لباس کو جو میرے میکے سے ہی مجھے گفٹ کیا گیا تھا سامنے سے ایک ہاتھ سے سمیٹا اور تیز قدموں سے چلتی کمرے سے باہر نکلی تو شادی ہال میں کھچا کھچ بھرے مہمانوں پر نظر پڑی...... میں گھر میں سب سے چھوٹی تھی اس لیے جتنے بھی مہمان مدعو کیے گئے تھے سب کے سب حاضر تھے...... ایک لحظہ قدم ڈگمگا گئے...... کسی نے مجھے مضبوطی سے میرے بازو سے تھام لیا...... میں احسان مندی ہو کر سنبھالنے والے کو شکریہ کے دو لفظ کہنا ہی چاہتی تھی کہ دیکھا کہ سامنے سے میرے ہونے والے جن کو میں اپنا بنانے سے انکار کر چکی تھی بھاگے چلے آرہے ہیں۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے...... یہ کیا ہو رہا ہے......؟''

انہوں نے آتے کے ساتھ ہی بدحواسی سے کہنا شروع کر دیا۔

''واقعی خوب صورت تو بہت ہیں۔'' میں بھی ان کی خوب صورتی سے متاثر ہوئی...... میری ہونے والی ساس صاحبہ روتی، روتی اُن سے لپٹ گئیں۔

''یہ دیکھو ہمارے ساتھ کیا تماشا کیا ہے اس لڑکی نے......'' ہونے والے صاحب نے ابھی منہ کھولا ہی تھا کہ میں نے اپنے بھاری بھرکم انگریزی لہجے میں ان سے کہا۔

''آپ کو جو کچھ بھی کہنا ہے مجھ سے پہلے وقت لیں پھر بات ہوگی۔'' بات پورے ہال میں پھیل چکی تھی اور تمام نظریں میرا پیچھا کر رہی تھیں...... میں اس مضبوط سہارے کے ساتھ باہر نکلی...... ہونق منجھلے بھائی گاڑی نکال کر لے آئے تھے اور مجھے گھر روانہ کر دیا

گیا..... ہال میں کیا ہوا..... کس طرح ہوا نہ تو میں نے کسی سے پوچھا اور نہ ہی کسی نے کچھ بتایا..... دوسری صبح میری مینیجر جو کے خود بھی شادی ہال میں تھی..... کا فون آ گیا۔

''تم نے شادی کرنے کا ڈراما صرف اس لیے کیا تھا کہ تم کو چھٹی مل جائے لہٰذا میں نے چھٹی کینسل کر دی ہے فوراً آفس آؤ.....''

میں یہی چاہتی تھی..... خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ مینیجر نے خود ہی کہہ دیا..... آفس پہنچی..... سب نارمل تھا کہ اچانک سارے آفس والوں نے اپنی سیٹوں پر بیٹھے، بیٹھے تالیاں پیٹنی شروع کر دیں اور میری اس حرکت پر کافی مسرور ہوئے..... ان کی نظر میں ایک ایشائی شرمیلی دلہن سے ایسی امید کسی کو نہیں تھی..... میری بہادری پر سب بڑے جوش میں تھے..... مگر یہ دوسری دنیا کے لوگ تھے.....

میری اپنی دنیا کے لوگوں نے میرا بائیکاٹ کر دیا..... بھائی، بہن ناراض سے چند ہی دنوں میں واپس چلے گئے..... امی مجھ سے روٹھ گئی تھیں اور کچھ بھی بات نہیں کرتی تھیں..... میں اپنی اس ایک بہادری کی سزا دو سال تک کاٹتی رہی پھر بھی خوش تھی کہ چلو جان چھوٹ گئی مگر پھر آہستہ، آہستہ سب بھولنے لگے اور امی نے نئے عزم سے مجھے ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کر لیا..... اور حیرت انگیز طور پر کامیاب بھی ہو گئیں۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی کہ ان کی والدہ نے ماضی کی کوئی بھی بات نہیں چھیڑی..... اور میں پہلی ہی نظر میں پاس بھی ہو گئی..... مجھے ایک تصویر دکھائی دی گئی کہ یہ ہیں جن کا رشتہ آیا ہے اور جن کے لیے میں پاس ہو چکی ہوں، مجھے کچھ جانے پہچانے سے لگ رہے تھے مگر کہاں دیکھا تھا یاد نہیں آ رہا تھا..... امی نے اس بار لڑکے کی وائف بھی دیکھ لیے تھے اور مطمئن تھیں..... مگر میرا دل بار، بار دھڑ کتا تھا۔

''دال میں کچھ کالا ہے.....'' مجھ جیسی کالی کو کیوں اس طرح پہلی ہی نظر میں کالا کہے بغیر قبول کر لیا۔ ماضی کے بارے میں کیوں نہیں پوچھا۔''

ہزاروں سوالات جنم لینے لگے میں نے امی کو ورغلایا..... ڈرایا.....

''یقیناً یہ لوگ دو نمبری ہیں۔ آپ کی دولت کے پیچھے ہیں۔ لڑکا ہو سکتا ہے لنگڑا یا لولا ہو یا پھر نفسیاتی ہوگا۔ ہو سکتا ہے جوا کھیلتا ہو..... کسی بازاری عورت کے چکر میں پھنسا ہوا ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ.....'' امی ہلکے، ہلکے مسکراتی رہیں تو مجھے اور بے چینی لگ گئی..... امی مطمئن لگ رہی تھیں۔

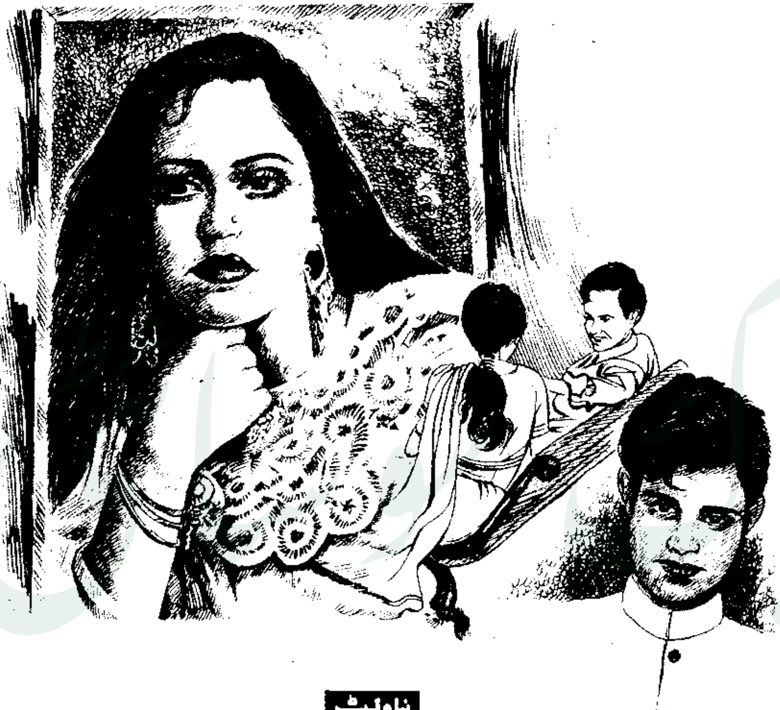
''امی کے اوپر ان لوگوں نے کالا جادو کروا دیا ہے؟''

میں نے تھک ہار کر سوچا..... راتیں تو کالی تھیں ہی اب دن بھی کالے، کالے لگنے لگے..... ہر بات پر ہزار بار سوچنے لگی ہر طرف لوگ میرے مستقبل کو کالا کرنے پر تلے نظر آنے لگے اور بار، بار تو میں بیوٹی پارلر کا خرچہ کرنے سے رہی..... اور ہر بار تو یہ بھی اچھا نہیں لگے گا کہ میں شادی ہال سے بھاگ لوں..... لہٰذا ان صاحب سے ہی بات کر لیتی ہوں، خود ہی سب بات سامنے آ جائے گی..... ایک دن آفس سے ان کے آفس کا نمبر ملا لیا..... بڑی تگ و دو کے بعد وہ فون پر آئے..... میں نے بات شروع کرنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ دوسری طرف سے گمبھیر لہجے میں کہا گیا.....

''آپ کو جو کچھ بھی کہنا ہے مجھ سے پہلے وقت لیں پھر بات ہوگی.....'' یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا.....

میں حیران رہ گئی اور جھماکے کے ساتھ مجھے یاد آ گیا کہ مجھے تھام کر گاڑی تک پہنچانے والا وہ مضبوط سہارا کون تھا..... زیرِ لب مسکراتے ہوئے میں گنگنائی.....

''بہت دیر کی مہرباں آتے، آتے.....''



ناولٹ

جاؤں میں کہاں

بشریٰ سیال

گلابی جاڑوں کی ایک شام تھی۔ باہر ہلکی، ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی...... تیمور اسے بتا کر گیا تھا کہ رات واپسی دیر سے ہوگی، کمرے کی واحد کھڑکی میں اِستادہ وہ سامنے لان میں بارش میں نہاتے پھولوں اور پودوں کو بغور دیکھ رہی تھی مگر سوچ کا پنچھی میلوں دور کسی انجانے دیس کی سیر کو نکلا ہوا تھا۔

''آ......ہ۔'' اس کی نظریں لان میں ایک جگہ جم گئی تھیں۔ ''انور......'' اس کے لبوں نے بے آواز

جنبش کی تھی۔ ''کیا واقعی تم آ گئے۔'' چند ثانیے وہ اپنی جگہ سے ہل نہ سکی۔ ''کہیں یہ واہمہ تو نہیں۔'' وہ پتھرائی آنکھوں سے اسے گھور رہی تھی..... اسے ڈر تھا کہ اگر پلکیں جھپکیں تو وہ پھر سے غائب ہو جائے گا.......
اچانک جیسے کہیں اس کی سوچ نے خیالوں کی دنیا سے موڑ کاٹا اور اسے حال میں لے آئی..... وہ اندھا دھند باہر کی جانب بھاگی۔

''انور..... انور کہاں تھے تم؟ کیوں گئے تھے مجھے چھوڑ کر.....؟ میں تو..... میں تو تم سے.....'' وہ لان میں پہنچ چکی تھی لیکن انور وہاں کہیں نہیں تھا.......

''کیوں کر رہے ہو ایسا؟ سامنے کیوں نہیں آتے، ایک بار آ جاؤ، صرف ایک بار آ کر میری بات سن لو۔'' اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی۔

''پلیز آ جاؤ..... میری بات سن لو..... مجھے معافی کا موقع تو دو.....'' وہ روتے، روتے زمین پر بیٹھ گئی تھی..... گیلی زمین پر بیٹھنے سے اس کے کپڑے اور ہاتھ پاؤں گندے ہو رہے تھے۔ سردی کے باعث انگلیاں برف ہو رہی تھیں..... بالوں کی لٹیں چہرے کو چمٹ گئی تھیں۔

''مجھے معاف کر دو..... پلیز..... میں بہت بے سکون ہوں۔'' روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی تھی۔

''تمہاری آنکھوں میں اعتبار کے ٹوٹ جانے کا کرب مجھے ہر لمحہ دکھائی دیتا رہتا ہے..... تمہاری وہ شکوہ کناں نظریں میں نہیں بھول پا رہی.....'' بادل زور سے گرجا اور ساتھ ہی بجلی چمکی جس سے لان کا منظر ایک دم روشنی میں نہا کر پھر سے تاریک ہو گیا۔ بارش زور پکڑ چکی تھی۔ مگر اسے کچھ ہوش نہ تھا۔ اس کے اندر آگ بھڑک رہی تھی۔ پچھتاوؤں کی آگ، احساسِ گناہ تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

بادل کے ساتھ مل کر وہ خوب روئی اور پھر دونوں ہی خود بخود چپ ہو گئے، بارش کے تھمتے ہی اس نے باہر کا رخ کیا..... ارد گرد سے بے نیاز، اپنے حلیے سے بے پروا وہ چلتی جا رہی تھی۔ اس کا رخ پارک کی طرف تھا۔ وہاں اس وقت کوئی نہ تھا۔

وہ جا کر ایک بینچ پر بیٹھ گئی۔ ابھی اسے وہاں بیٹھے کچھ ہی دیر گزری ہو گی کہ سب کچھ پس منظر میں جانے لگا۔ سامنے کی چیزیں غائب ہونے لگیں۔ وقت کا پہیا پیچھے کی طرف چل پڑا تھا۔

☆☆☆

اپنی کہانی کا اختتام کرنے کے لیے وہ پارک میں آئی تھی۔ ایسا اکثر ہی ہوتا تھا کہ وہ اپنا لکھنے کا سامان اٹھا کر پارک میں چلی آتی اور گھنٹوں بیٹھی کام کرتی۔

''ہیلو.....'' لکھتے، لکھتے اس نے کئی بار نظریں اٹھا کر سامنے بیٹھے لڑکے کو دیکھا تھا جو شکل سے کچھ اداس، پریشان اور شاید ناراض بھی لگ رہا تھا۔

''آر یو او کے..... ینگ بوائے؟'' بالآخر وہ اس کے قریب چلی آئی..... اس کے پکارنے پر بھی اس کی محویت نہیں ٹوٹی تھی۔ وہ ایک خوب صورت لڑکا تھا۔

''ہیلو.....! میں آپ سے بات کر رہی ہوں۔'' اس نے خوش دلی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

ایک خاموش نظر اس کے چہرے پر ڈال کر وہ نگاہیں جھکا گیا۔

''تم بول سکتے ہو؟'' اب کی بار اس نے اشارہ کیا۔

''جی.....'' اس نے نہایت آہستگی سے مختصر جواب دیا۔

''تھینک گاڈ! ورنہ میں سمجھی تھی کہ.....'' دانستہ بات کو ادھورا چھوڑ کر وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگی تھی۔

''پریشان ہو؟'' وہ فطرتاً رقیق القلب واقع ہوئی تھی۔

''نہیں.....'' جواب دیتے ہوئے اس کی آواز کی لرزش کو وہ صاف محسوس کر رہی تھی۔

''اینگری ینگ مین تمہاری آواز تو لڑکیوں جیسی ہے۔'' اس نے بشاشت سے مسکرا کر کہا وہ نگاہیں چرانے لگا۔

''کسی سے لڑائی ہوئی ہے؟ آئی مین ممی، پاپا یا پھر بہن بھائی۔'' اس نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''ممی، پاپا.....بہن، بھائی.....'' اس کے لب کسی زخمی پرندے کی طرح بے بسی سے پھڑ پھڑائے تھے۔

''اوہ.....سیڈ.....لگتا ہے بہت شدید لڑائی ہوئی ہے۔ چلو کوئی بات نہیں ایسا ہو جاتا ہے۔'' اس نے اب کی بار پھر اسے خاموشی سے دیکھا اور پھر اٹھ کر چل دیا۔

''ارے، ارے.....کہاں چلے.....؟'' وہ اٹھ کر اس کے پیچھے بھاگی..... ''کچھ برا لگا تو آئم سوری۔'' اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا۔

''کچھ برا نہیں لگا.....'' یہ اب تک بولے جانے والے اس کے جملوں میں سب سے طویل جملہ تھا۔ وہ اس کی آواز پر غور کر رہی تھی۔

''برا تو مردوں کو لگتا ہے۔'' وہ چند ثانیے کو رکا۔ ''یا پھر عورتوں کو۔'' آنسو پیتے ہوئے اس نے جملہ مکمل کیا۔

''مائی گاڈ.....!'' وہ اندر سے ہل گئی۔ پچھلے پندرہ، بیس منٹ سے اس کے ساتھ باتیں کرنے کے دوران اسے بالکل بھی محسوس نہیں ہو سکا کہ وہ.....

''ہم انسان تھوڑی ہوتے ہیں، ہمیں تو اللہ نے لوگوں کی تفریح اور نفرتوں کے لیے بنایا ہے۔ کاش کبھی کوئی محسوس کرے ان میک اپ زدہ چہروں کے پیچھے کتنے دکھ اور درد کی داستانیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ خواجہ سرا ہونا ہمارے معاشرے میں ایک جرم ہے۔ یہ بات ہمارے لیے باعثِ ذلت ہے۔ ہمیں حقیر جان کر ایک طرف لگا دیا جاتا ہے۔ کیا ہم انسان نہیں؟'' وہ پھٹ پڑا تھا۔ وہ متاسف نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ایسا ہرگز نہیں ہے، مجھے تو تم بہت اچھے لگے ہو۔'' اس سے کوئی بات نہیں بن رہی تھی۔

''اچھے؟'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنس دیا۔

''آئی سوئیر۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ ''مجھ سے دوستی کرو گے؟'' اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا جسے کچھ دیر تامل کے بعد اس نے تھام لیا تھا۔

''میرا نام انابیہ ہے ویسے تم مسز تیمور بھی کہہ سکتے ہو..... یہ اِدھر قریب ہی میرا گھر ہے۔ میں ایک رائٹر ہوں، لکھنا میرا جنون ہے مگر آج تک کوئی اچھی کہانی نہیں لکھ پائی۔'' اس نے اپنا تعارف کروایا۔ ''تم اپنا نام بتاؤ۔'' وہ اسے ساتھ لے کر بینچ تک آئی۔

''میرا نام؟'' وہ خالی الذہنی کی کیفیت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ہاں تمہارا نام نام.....؟'' وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھی۔

''خواجہ سرا، خسرا، ہیجڑا.....'' وہ تلخ لہجے میں بولا۔

''ایسا مت کہو..... ہم دوست ہیں ناں تو کیا دوست کو اپنا نام نہیں بتاؤ گے اور اپنے بارے میں کہ کہاں رہتے ہو؟''

''میرا نام انور ہے۔'' اس نے ایک ٹھنڈی سانس خارج کی۔

''میں.....'' سر جھکائے وہ بول رہا تھا اور انابیہ اس کے ہلتے لبوں کو بغور دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

سردیوں کی یخ بستہ سیاہ رات تھی..... ہر سو خاموشی کا راج تھا۔ اس ہمت شکن سردی میں وہ تیز چل رہا تھا۔ اس کی برسوں پرانی جرسی سردی کو روکنے کے لیے ناکافی ثابت ہو رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں کو منہ کے قریب کر کے ان پر گرم سانس خارج کر کے ان دونوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے وہ اپنی ہی دُھن میں چلا جا رہا تھا۔

''ارے، رے.....'' اس کے دیکھتے ہی دیکھتے فٹ پاتھ کے قریب ایک گاڑی رکی۔ اندر سے ایک آدمی نمودار ہوا۔ اندھیرے اور اس سے فاصلے کی بنا پر وہ اس کی شکل نہ دیکھ سکا۔ مگر اتنا ضرور معلوم ہو گیا کہ اس نے فٹ پاتھ پر کچھ رکھا ہے اور عجلت میں واپس گاڑی میں بیٹھ کر یہ جا وہ جا.....

''کیا رکھ گیا؟ بم.....؟'' اس خیال سے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہوئے۔ وہ تیر کی سی تیزی سے اس جگہ پر آیا۔

''ارے.....'' اس نے آگے بڑھ کر دیکھا۔ ''یہ

تو بچہ ہے۔'' کمبل میں ایک ننھا وجود کسمسا رہا تھا۔ اکرم نے احتیاط سے اسے اٹھالیا اور سامنے بینچ پر بیٹھ گیا۔

''یا اللہ تیری شان ہے۔'' اس نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے ہوئے کہا۔'' ہم جیسے لاکھوں، کروڑوں لوگ اس نعمت کے لیے ترس رہے ہیں۔ اور کچھ تیرے بندے ایسے ناشکرے ہیں کہ انہیں کوئی قدر ہی نہیں۔'' اس نے دوبارہ بچے کو دیکھا تھا۔

''کتنے بدنصیب ہوتم۔'' اکرم نے سرگوشی کی۔ بچے کے منہ سے سسکاری نکلی۔

''ارے۔'' اکرم نے شفقت سے اسے سینے سے لگالیا۔ چاند کی کچھ کرنیں درخت کی ٹہنیوں سے چھن، چھن کر بینچ پر پڑ رہی تھیں۔ ہفتے کی شام تھی... بھرپور جاڑے کا زمانہ تھا۔ سردی اور تند ہوا کسی تیز دھار آلے کے مانند جسم پر آ، آ کر لگتی تھی...... کچھ دیر لگی تھی اسے فیصلہ کرنے میں اور پھر فیصلہ ہوگیا......

''بانو...... اری او بانو......'' اسے آوازیں دیتا ہوا، وہ گھر میں داخل ہوا تھا۔

''کیا بات ہے، کیوں چلّا رہے ہو؟'' وہ کمرے سے باہر نکلی تو نظر اکرم کے ہاتھ پر جا ٹھہری......

''یہ...... یہ کیا ہے؟'' وہ تیزی سے اس کے قریب آئی تھی۔

''بچہ......'' اکرم مسکراتے ہوئے بولا۔

''کس کا بچہ......؟'' وہ الجھن آمیز نظروں سے اکرم کے چہرے کو تکنے لگی۔

''ہمارا......''

''ہمارا......؟'' بانو نے اس کے الفاظ دُہرائے۔

''کہاں سے اٹھا کر لائے ہو؟'' وہ جیسے ہوش میں آئی۔

''کوئی آدمی گاڑی سے اتر کر اسے سڑک کنارے پھینک گیا۔ میں نے اپنی گناہ گار آنکھوں سے دیکھا۔'' اس نے بانو کو تفصیل بتائی۔

''ہے، ہے...... کیسے بدنصیب لوگ ہوتے ہیں جو اپنے خون کو یوں پھینک جاتے ہیں۔ خدا کی مار ہو ایسے لوگوں پر......'' بانو نے بچہ اکرم کی گود سے لے لیا۔

''کتنا پیارا ہے۔'' جوشِ جذبات سے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔'' کیا واقعی یہ ہمارا بچہ ہے؟'' وہ اکرم سے سوال کرنے لگی۔ اس کے چہرے پر مسرت رقصاں تھی۔

''ہاں بالکل...... آج سے تم اس کی ماں اور میں باپ ہوں، اللہ نے ہماری محرومی ختم کردی ہے۔'' وہ دونوں بے حد مسرور تھے۔ بچہ رونے کی تیاری میں تھا۔

''اسے کھلائیں پلائیں کیا؟'' وہ دونوں اسے لے کر اندر آگئے۔ یکا یک وہ رونے لگا۔

''چپ بیٹا......'' بانو نے اسے سینے سے لگایا تو اندر تک سکون اتر گیا۔ اس کی صدیوں سے پیاسی روح کو قرار آنے لگا۔ وہ اسے لوری سنانے لگی۔''اس کا نام کیا رکھیں؟'' وہ اشتیاق سے بچے کے ننھے، ننھے ہاتھوں کو پکڑ کر چومنے لگی۔

''نام تو رکھ لیں گے، ابھی تم جاؤ اس کے لیے دودھ لے آؤ۔'' تھوڑا رو کر بچہ دوبارہ سو گیا تھا۔

''لو دودھ مشکل سے ملا ہے۔ دکانیں بند ہوگئی تھیں۔'' حسبِ معمول وہ بولتا ہوا اندر داخل ہوا۔

''اکرم......!'' بانو نے بچے کو چارپائی پر لٹایا ہوا تھا۔ خود وہ کمرے کے وسط میں کھڑی عجیب نظروں سے بچے کو دیکھ رہی تھی۔

''خیریت تو ہے؟'' وہ اس کے قریب آیا۔

''اسے...... اسے...... واپس...... وہیں رکھ آؤ...... جہاں سے لائے ہو۔'' اس نے بچے کی طرف دیکھے بغیر انگلی سے اشارہ کیا۔

''کیا ہوا ہے؟'' انجانے خوف کے زیرِ اثر وہ چلّا اٹھا۔

''یہ بچہ......'' بدقت تمام وہ بول پائی۔ چھن سے کچھ اس کے اندر ٹوٹا تھا۔ وہ گنگ رہ گیا۔

''کیا...... کہہ رہی ہو؟'' ان کی خوشی لمحوں میں مٹی میں رُل گئی تھی۔

''یہی سچ ہے، تم اسے واپس وہیں رکھ آؤ۔'' وہ لب بھینچے کھڑی تھی۔

''ہرگز نہیں......'' وہ زور سے چلّایا۔'' میں یہ

گناہ نہیں کر سکتا۔''

''جانتے ہو دنیا ہمیں طعنے مارے گی، لوگ ہم پر ہنسیں گے۔'' اس نے سمجھانا چاہا۔

''مجھے پروا نہیں۔'' اس نے صاف انکار کیا۔

''خاندان کے لوگ باتیں بنائیں گے۔'' اس نے سمجھانا چاہا۔

''خدا نے اگر ہم پر آزمائش ڈالی ہے تو ہمیں اس پر پورا بھی اترنا ہے یا ہم بھی ان لوگوں میں شامل ہو جائیں جو خدا کی دی ہوئی نعمتوں اور رحمتوں کو ٹھکراتے ہیں۔'' اب کی بار بانو کچھ نہیں بولی تھی۔ تمام رات دونوں نے آنکھوں میں کاٹی تھی۔

☆☆☆

ان دونوں نے وہ محلہ چھوڑ دیا تھا۔ اکرم کرایے کے مکان کا پتا کر آیا تھا۔ دونوں وہاں شفٹ ہو گئے تھے۔

اندرونِ شہر کی تنگ و تاریک گلیوں میں چھوٹا سا مکان...... لکڑی کا دروازہ دھکیل کر وہ اندر داخل ہو گئے۔ گھر بہت ہی چھوٹا تھا۔ اس میں صرف ایک کمرا تھا، کمرے کی کھڑکیوں اور دروازوں پر دھوئیں نے پھر کر اُن کے کئی عیبوں کو چھپالیا تھا۔ بانو نے ایک طائرانہ نظر پورے گھر پر ڈالی۔

''گھر چھوٹا ہے۔'' بالآخر اس کی زبان پھسل گئی۔

''صاف ستھرا ہے۔ پھر تین لوگوں کے لیے کافی ہے۔'' اکرم کی قناعت پسند صابر وشاکر فطرت نے فوراً اسے ٹوک دیا۔

☆☆☆

وقت کا پنچھی پر لگا کر اڑنے لگا تھا۔ انور پانچ سال کا ہو گیا تھا۔ دونوں میاں، بیوی نے اسے بہت محبت اور چاہت سے پالا تھا۔ اپنی بساط سے بڑھ کر اس کا خیال رکھا تھا۔

''میں اسے لازمی پڑھاؤں گا، جسے کرنی ہیں باتیں کرلے...... مجھے پروا نہیں۔'' اکرم اس کے لیے ایک پرائیویٹ اسکول کا داخلہ فارم لے کر آیا تھا۔

''کیا اسکول والے اسے داخل کرلیں گے؟'' بانو متفکر تھی۔

''کیوں نہیں کریں گے...... انسان ہے، دیکھ سکتا ہے، بول سکتا ہے۔ دماغ رکھتا ہے بلکہ تم نے دیکھا نہیں کتنا ذہین ہے، ہر چیز کیسے جلدی سے یاد کرلیتا ہے۔''

''کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو...... مگر......''

''مگر کیا......؟ اسکول والوں کو فیس سے مطلب ہے ناں، وہ میں دوں گا......'' اس نے انور کا ایڈمیشن ایک پرائیویٹ اسکول میں کروادیا تھا۔ تھوڑی سی پس و پیش کے بعد پرنسپل نے اسے داخل کرلیا۔

''دیکھیں، دوسرے بچوں کے والدین اعتراض نہ کریں تو ہمیں تو کوئی اعتراض نہیں۔'' قیمتی لباس میں ملبوس پرنسپل نے عینک کے اوپر سے گھورتے ہوئے کہا۔

''کوئی کیوں اعتراض کرے گا جی، بچہ ہے...... انسان کا بچہ۔'' اکرم نے لفظ انسان پر زور دیا۔

اور پھر انور نے اسکول جانا شروع کر دیا......

اسکول اسے بہت اچھا لگا۔ وہ آنکھیں گھما، گھما کر اپنے ہم جماعتوں کو دیکھ رہا تھا۔ اسی وقت ٹیچر کلاس میں آئی۔ سب بچے کھڑے ہو گئے، انور بھی ان کے ساتھ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''انور کون ہے؟'' ٹیچر نے تیوری پر بل ڈالتے ہوئے پوچھا...... وہ خاموش بیٹھا رہا......'' میں نے پوچھا انور کون ہے؟'' اس نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔'' تم ہو؟''

''جی......!'' ٹیچر اس کے پاس آکر رکی تو انور نے ڈرتے، ڈرتے جواب دیا۔

''کب سے پوچھ رہی ہوں، کیا گونگے ہو؟'' اس نے کمر میں ایک مکا جڑا......'' دل تو کر رہا ہے اٹھا کر کلاس سے باہر پھینک دوں۔'' ٹیچر حد درجہ حقارت سے بولی...... وہ ایک حیرت کے عالم میں آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھے گیا۔ اس کا معصوم ذہن یہ نہیں جانتا تھا کہ ٹیچر کو کس بات پر غصہ آیا ہے۔

اور پھر ٹیچر اسے مارتی، ہر روز مارتی، کبھی کوئی بہانہ بنا کر اور کبھی کوئی وہ امی اور ابا کو کچھ نہ بتاتا...... مگر

تنہائی میں روتا۔ وہ اپنی عمر کے دوسرے بچوں سے زیادہ حساس، خاموش اور سنجیدہ تھا۔ حالانکہ امی، ابا تو اسے بہت چاہتے تھے۔

''کیسا لگا اسکول؟'' اسے یونیفارم میں دیکھ کر ابا کا سیروں خون بڑھ جاتا۔

''اچھا ہے۔'' وہ سر جھکائے چولھے کے پاس ان دونوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔

''استانی کیسی ہے؟'' امی نے پوچھا۔

''بہت اچھی......'' وہ مسکرایا۔

''امی آج دودھ نہیں پینا۔'' وہ کل کے ٹیسٹ یاد کررہا تھا۔ جب امی اس کے لیے دودھ لے کر آئیں۔

''اچھے بچے اپنی امی کی بات مانتے ہیں ناں۔'' امی نے پیار سے اس کا ماتھا چوما۔ اس نے دودھ کا گلاس پکڑ لیا اور سعادت مندی سے پورا خالی کر کے انہیں واپس کیا۔

☆☆☆

وقت تیزی سے گزرنے لگا۔ ٹیچر کی مار کھا کر، نفرت بھری نہ سمجھ میں آنے والی باتیں سن کر وہ اگلی کلاس میں چلا گیا۔ اس کے تمام پیپرز بہت اچھے ہوئے تھے مگر پھر بھی اس کی کوئی پوزیشن نہیں آئی تھی۔

''دیکھو بابا، تمہارے بچے کو اسکول میں داخل کیا اسے ہی احسان سمجھو، ورنہ کہیں اور لے کر جاؤ گے تو کوئی اسے داخلہ بھی نہیں دے گا، تم پوزیشن کی بات کرتے ہو۔'' ابا پرنسپل سے بات کرنے گئے تو وہ سختی سے بولیں۔

''بات حق کی ہے میڈم صاحبہ!'' ابا کا دل بری طرح سے ٹوٹا تھا۔ ''آپ ہمیں بچے کے پرچے دکھادیں۔''

''دیکھو بابا بحث مت کرو اور اگر اتنا ہی لائق تمہارا بچہ ہے تو کسی اور اسکول داخل میں کروادو۔'' وہ حقارت آمیز لہجے میں بولیں۔

''بچہ پریشان ہے، اس نے محنت کی ہے۔'' ابا نے پاس کھڑے انور پر نظر ڈالتے ہوئے دائیں کندھے پر رکھا صافہ اضطرابی کیفیت میں بائیں کندھے پر منتقل کیا۔

''آپ کے لیے مشورہ ہے کہ اسے اس کا اصل کام سکھائیں، یہ پڑھ لکھ کر کیا کرے گا۔ کرنا تو اس نے وہی ہے جو اس کے ساتھی کرتے ہیں۔'' انہوں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

''انور بیٹا باہر جاؤ۔'' ابا نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ سر جھکائے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

اگلی کلاس کی ٹیچر انور کو بہت اچھی لگی...... کیونکہ وہ نہ تو اسے مارتی تھی اور نہ ہی ڈانٹتی تھی۔ ہاں مگر چھٹی کے وقت جب باقی بچے ٹیچر سے ہاتھ سے سلام لیتے تھے تو پہلے دن انور نے بھی ٹیچر سے ہاتھ ملانا چاہا۔

''اللہ حافظ بیٹا!'' ٹیچر نے نرمی سے مسکراتے ہوئے اس کے آگے بڑھے ہوئے ہاتھ کو اگنور کیا۔ پھر روزانہ وہ بچوں کو ٹیچر سے ہاتھ ملاتے ہوئے حسرت بھری نظروں سے دیکھتا۔

''ٹیچر مجھ سے ہاتھ کیوں نہیں ملاتی؟'' بارہا اس کے ذہن میں یہ خیال آیا۔

امی، ابا کے بعد اگر اسے کوئی بہت اچھا لگتا تھا تو اس کا دوست اور ہم جماعت شاہ زیب تھا۔

''آج ٹیچر پیرنٹس میٹنگ ہے، تمہارے ماما اور پاپا نہیں آئیں گے؟'' شاہ زیب نے اس سے پوچھا۔

''نہیں۔'' بریک میں وہ دونوں اسکول کے لان میں بیٹھے باتیں کررہے تھے جب اچانک شاہ زیب نے سوال کیا۔

''کیوں......؟''

''پتا نہیں......'' وہ گھاس کے تنکے نوچ رہا تھا۔

''اوکے، کوئی بات نہیں...... میں تمہیں اپنی ماما سے ملواؤں گا۔'' شاہ زیب نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' بریک ختم ہوئی تو دونوں کلاس میں آگئے۔ چھٹی کے بعد میٹنگ تھی۔ پیرنٹس آنا شروع

ہو گئے تھے۔ شاہ زیب کی ماما بھی آ گئی تھیں۔

''ماما، یہ میرا فرینڈ انور ہے۔'' شاہ زیب کی ماما بہت گریس فل تھیں۔ وہ ان کو دیکھے گیا۔

''کیسے ہو بیٹا؟''

''فائن......'' اس نے آنٹی سے ہاتھ ملایا...... کچھ دیر کھڑی وہ اسے بغور دیکھتی رہیں اور پھر آندھی طوفان کی طرح آفس میں داخل ہوئیں۔

''بات سنیں میم......!'' وہ غصیلے لہجے میں بولیں۔ زیادہ تر بچوں کے والدین آ چکے تھے۔

''have a seat please'' میڈم نے خوش دلی سے مسکراتے ہوئے انہیں بیٹھنے کو کہا۔

''آپ کے اسکول کا ماحول ایسا ہے، مجھے اندازہ ہوتا تو کبھی اپنے بیٹے کو یہاں داخل نہیں کرواتی۔ غضب خدا کا مجھے تو سوچ کر ہی گھن آ رہی ہے۔'' وہ نخوت سے بولی۔

''مگر مسز باقر ہوا کیا؟'' میڈم کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔

''آپ کے اسکول میں اب یہ...... بھی پڑھنے لگے۔'' انہوں نے غلط زبان استعمال کی۔ ''اور تو اور میرے بیٹے نے تو اس سے دوستی بھی کر رکھی ہے۔''

''واٹ......؟'' ایک اور بچے کی ماں بولی۔ ''ہاؤ...... اٹ از پاسیبل۔'' وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

''کیا یہ سچ ہے میڈم......؟'' ایک اور بچے کا باپ بولا۔

''ہم اپنے بچوں کو اسکول سے نکلوا لیں گے۔ آپ لیونگ سرٹیفکیٹ دیں۔'' ایک اور آواز آئی۔ بھانت، بھانت کی بولیاں تھیں، میڈم کو سنبھالنا دشوار ہو گیا۔

''پلیز آپ سب آرام سے بیٹھ جائیں، ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہے، ہم آج ہی اس بچے کا نام خارج کرتے ہیں، ڈونٹ وری، آپ سب بیٹھیں پلیز......'' میڈم خوشامدانہ لہجے میں بولیں۔



غزل

بھیگی آنکھوں کا غم نہیں کرتے
بس یہ ہی کام ہم نہیں کرتے
جور سب کے اٹھا کے جیتے ہیں
ہم کسی پر ستم نہیں کرتے
تم بھی خوش باش ہم کو دِکھتے ہو
ہم بھی تکیے کو نم نہیں کرتے
خود کو سمجھا لیا ہے اب ہم نے
بے وفائی کا غم نہیں کرتے
اس ستم گر کو اس پہ حیرت ہے
کوئی شکوہ کیوں ہم نہیں کرتے
ہم تیرے رعب میں نہ آئیں گے
کہہ دیا بس کہ ہم نہیں کرتے
دستِ شفقت سبھی پہ رکھتے ہیں
صرف ہم پہ کرم نہیں کرتے
ہم نے اپنے بڑوں سے سیکھا ہے
سر کسی کا قلم نہیں کرتے
اس نے ہنس کر کہا شگفتہ سے
کھل کے یہ بات ہم نہیں کرتے

شاعرہ: شگفتہ شفیق، کراچی

اور پھر اس دن اسکول سے واپسی پر میڈم نے انور کے ابا کو اس کا سرٹیفکیٹ تھما دیا۔ ''ہم آپ کے بچے کو اسکول میں نہیں رکھ سکتے۔ آپ کل سے اسے مت بھیجیے گا۔'' میڈم کے دوٹوک انداز میں کہنے پر ابا کا دل کٹ کر رہ گیا۔

''ابا، میڈم نے میرا نام کیوں کاٹا ہے؟'' وہ ان کے ساتھ سائیکل پر بیٹھا گھر جا رہا تھا۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ روزانہ اسکول سے واپسی پر دونوں بہت ساری باتیں کرتے تھے..... مگر آج ابا خاموش تھے۔

''ابا بتاؤ ناں.....؟'' اس نے پھر استفسار کیا۔

''اس لیے کہ ہم غریب ہیں۔''

''مگر اسکول میں تو سب فیس دیتے ہیں، ہم بھی تو دیتے تھے۔ پھر کیا ہوا؟'' اس کا ذہن زمانے کے ظلم و جبر کی الجھی گتھیوں کو سلجھانے میں ناکام ہو رہا تھا۔

''میں تمہیں کسی اور اسکول میں داخل کروا دوں گا۔'' ابا نے تسلی دی۔

''وہاں شاہ زیب تو نہیں ہوگا ناں.....'' وہ... گلوگیر لہجے میں بولا۔ ابا دل مسوس کر رہ گئے۔ سائیکل سے اتر کر شکستہ قدموں سے چلتے ہوئے وہ دونوں گھر میں داخل ہوئے۔ اس دن ان کے گھر میں کسی نے کھانا نہیں کھایا تھا۔

☆☆☆

پھر اکرم نے بہت کوشش کر لی مگر کہیں بھی انور کا داخلہ نہیں ہو سکا۔ اس کا سال ضائع ہو رہا تھا۔ اس نے تھک ہار کر اسے ایک ٹیوشن سینٹر میں ڈال دیا۔

''سوری بابا جی، میں آپ کے بچے کو نہیں پڑھا سکتا۔'' علاقے سے دور وہ اسے سائیکل پر ٹیوشن چھوڑنے جاتے تھے۔

آج وہاں سے بھی جواب مل گیا۔

انور اسکول کے یونیفارم کو حسرت بھری نظروں سے دیکھا کرتا۔ اسے شاہ زیب بہت یاد آتا تھا۔

اب وہ گھر پر ہی رہتا تھا۔ سارا دن جلے پیر کی بلی کی طرح اِدھر سے اُدھر گھومتا تھا، ابا نے اسے گورنمنٹ اسکول کا سلیبس لا دیا تھا۔ وہ اسے خود پڑھانے لگے تھے۔ انور نے دل میں ٹھان لی تھی کہ بہت سارا پڑھے گا اور بڑا آدمی بنے گا۔ پھر ابا کو بھی دن بھر دھوپ میں کھڑے ہو کر ریڑھی نہیں چلانی پڑے گی۔ اس نے اتنی محنت کی کہ پانچویں کے امتحان میں سینٹر میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔

☆☆☆

وہ چھت پر کھڑا اسکول سے واپس آتے بچوں کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''کاش میں بھی اسکول جا سکوں۔'' وہ چارپائی پر آ کر بیٹھ گیا۔

''انور کھانا کھا لو.....'' امی نے آواز لگائی مطلع ابر آلود تھا۔ دوپہر میں بھی شام کا سماں بندھ گیا تھا۔ امی اس کے پاس آئیں تو وہ سوتا بن گیا۔

''بھوکا ہی سو گیا۔'' انہوں نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ اس کی پیشانی چوم کر وہ زینے کی طرف بڑھ گئیں۔ اس نے آنکھیں کھول کر آسمان کی طرف دیکھا۔

''کیا غریب ہونا اتنا بڑا جرم ہے کہ میں پڑھ بھی نہیں سکتا۔'' وہ افق پر بھاگتے دوڑتے بادلوں کو دیکھ کر سوچنے لگا۔ ''بہت سارے غریب لڑکے بھی پڑھتے ہیں پھر میں کیوں نہیں؟'' اس کے ذہن میں طرح، طرح کے سوال ابھر رہے تھے۔

اس کا دل بری طرح اداس ہونے لگا۔ وہ سست روی سے زینہ اتر کر نیچے آ گیا اندر کمرے سے آتی آوازیں سن کر وہ ٹھٹک کر رک گیا۔

''اکرم تم نے بھی حد کر دی بے وقوفی کی۔ تمہاری بیوی بانجھ ہے تم یہ بات بہت پہلے سے جانتے تھے۔ تمہیں اولاد کی اتنی خواہش تھی تو دوسری شادی کر لی ہوتی اگر بچہ لینا تھا تو کم از کم یتیم خانے سے کوئی لڑکا لیتے، اونہہ.....'' انور کو اپنا بوجھ برداشت کرنا دشوار ہو گیا۔ اس نے خود کو گرنے سے بچانے کے لیے دیوار کو پکڑ لیا۔ ''لائے بھی تو کیا..... سڑک کنارے سے اٹھا کر لاوارث ہیجڑا.....''

''ہی.....جڑا.....'' انور پر گویا ساتوں آسمان گر پڑے تھے۔

''بس بانو......'' یہ ابا کی آواز تھی۔ انور دزدیدہ نگاہوں سے کمرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔'' بلاشبہ وہ ہمارا بچہ نہیں ہے مگر جان سے پیارا لگتا ہے، جس دن پیدا ہوا اسی دن ہماری گود میں آگیا۔ اتنے بڑے، بڑے بول مت بولو، یہ تو اس غریب کی بدنصیبی ہے کہ اتنے امیر ماں، باپ کے ہوتے ہوئے اس کٹیا میں زندگی بسر کر رہا ہے۔'' انور کی ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔

''اکرم جذباتی مت بنو، وہ بڑا ہو رہا ہے، کیا کرو گے تم اس کا لڑکا نہ لڑکی.....'' وہ استہزائیہ انداز میں بولیں۔

''جو لوگ رشتوں سے، انسانوں سے، جذبوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش اور خواہش کرتے ہیں وہ ہمیشہ نامراد رہتے ہیں۔'' ابا ناصحانہ انداز میں بولے۔

''اکرم آج ایک فیصلہ کرلو یا وہ یہاں رہے گا یا پھر میں تمہاری زندگی میں...'' اندر گمبھیر خاموشی چھا گئی تھی۔ ایسی جامد چپ جسے توڑنے کی کسی میں ہمت اور خواہش نہیں ہو رہی تھی۔

''نہیں، ابا نہیں۔'' کوئی اس کے اندر زور سے چلّایا تھا۔ وہ واپس مڑا اور بیرونی دروازے کی جانب بڑھ گیا، اس کا ایک قدم دروازے کے اندر اور دوسرا باہر تھا۔ اس نے مڑ کر ایک آخری حسرت بھری نظر گھر پر ڈالی اور دہلیز پار کر گیا۔

☆☆☆

وہ چلتا رہا، ادھر اُدھر دیکھے بغیر کچھ بھی سوچے بغیر، کسی بے سمت مسافر کی طرح جس کی کوئی منزل نہیں تھی، کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔

''کون ہوں میں؟ کیا ہوں میں؟'' وہ سڑک کنارے بیٹھ کر آتے جاتے ٹریفک کو دیکھنے لگا۔ بہت ساری باتیں، ماضی کی بہت سی تلخ، یادیں ذہن کی اسکرین کے پردے پر تازہ ہونے لگی تھیں۔

''تو یہ وجہ تھی سب کے رویوں کی۔'' اس نے ایک چھوٹا سا کنکر اٹھا کر دور پھینکا۔

مسلسل چلنے سے ٹانگیں شل ہو چکی تھیں۔ دماغ ماؤف تھا، اس پر ایک ساتھ کئی بم گرے تھے۔ سنبھلنا مشکل تھا۔

''میرے اصل ماں، باپ نے مجھے سڑک کنارے پھینک دیا۔'' رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔ ٹریفک بھی کم ہونے لگا تھا۔ ہلکی، ہلکی بوندا باندی شروع ہوگئی تھی۔ وہ سسکیاں لے، لے کر رونے لگا۔ بارش تیز ہوگئی تھی۔

''کیا قصور تھا میرا؟'' وہ بڑبڑایا۔ ''کیا میں اپنی مرضی سے ایسا بن کر آیا ہوں؟'' وہ دھاڑیں مار، مار کر رونے لگا تھا۔ ''لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں، کوئی مجھ سے بات کرنا پسند نہیں کرتا اس لیے کہ.....اس لیے کہ.....'' وہ اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا۔

''کاش ابا آپ مجھے سڑک کے کنارے سے نہ اٹھاتے، کوئی بلی یا کتا مجھے مار دیتا۔ میری بوٹی، بوٹی کر کے اپنے بچوں کو کھلا دیتا تو کسی کو کیا فرق پڑ جاتا۔'' اس کی آہ و زاری ماحول پر وحشت طاری کر رہی تھی۔

''اے اللہ.....! تیرے انسان بہت اچھے ہیں، میں بہت برا ہوں، تو نے مجھے کیوں ان کے پاس بھیجا.....اس سے تو.....اس.....تو بہتر تھا کہ مجھے کتا بنا دیتا، مالک میرے گلے میں پٹا ڈال کر فخریہ ساتھ لے کر گھومتا.....یا.....پھر.....میں...'' طوفانی بارش بہت خوفناک محسوس ہو رہی تھی۔ مگر اسے کوئی ڈر نہیں لگ رہا تھا۔ اس کی ہستی کی بنیادیں ہل چکی تھیں۔

بارش نے ہر طرف جل تھل کر دیا تھا۔ وہ کسی مجسمے کی طرح اپنی جگہ پر ساکت و صامت بیٹھا تھا۔ بارش تھم گئی تھی اور اب ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔

''کدھر جاؤں؟ کون ہے میرا؟'' اس کے کپڑے بھیگ چکے تھے.....وہ وہیں فٹ پاتھ پر لیٹ گیا۔ ''ابا کہہ رہے تھے میرا باپ بہت امیر آدمی تھا۔'' اس کا دل پھر بھر آیا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سوچتے، سوچتے اور روتے، روتے کب اس کی آنکھ

لگی اسے خبر نہیں ہوئی۔

''ابے اولڑکے.....'' اچانک اس کو نیند میں ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی پاؤں سے ٹھوکر مار رہا ہو......۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ ''کون ہو؟ کدھر سے آئے ہو اور کدھر جانا ہے؟'' وہ تین آدمی تھے جو پولیس کی وردیوں میں ملبوس تھے۔ وہ خاموش بیٹھا رہا۔

''بول کون ہے تو.. ورنہ تھانے لیے چلتے ہیں۔'' ایک نے آگے بڑھ کر تھپڑ رسید کیا۔

''سالا ایسے نہیں بولے گا۔'' تیسرے نے اسے پکڑ کر گھسیٹنا شروع کر دیا۔ پولیس کی گاڑی میں پھینکا اور تھانے لے گئے۔ وہاں اس کی تفتیش شروع ہوگئی۔

''چور ہو......؟'' ایک نے سوال کیا۔

''صاحب مجھے تو لگتا ہے گھر سے بھاگ کر آیا ہے۔'' کئی طرح کی آوازیں تھیں مگر وہ چپ بیٹھا تھا۔

''ایس پی صاحب خود ہی اگلوائیں گے کون ہے اور کدھر سے آیا ہے ان کے سامنے تو پتھر بھی بولتا ہے۔'' دو گھنٹے وہ تھپڑوں، مکوں اور غلیظ گالیوں سے اس کی تواضع کرتے رہے اچانک باہر گاڑی کی آواز آئی۔

''ایس پی صاحب آگئے۔'' ایک نے آواز لگائی۔ سب چوکس ہوگئے۔ انور نے دیکھا درمیانی عمر کا ایک آدمی اندر داخل ہوا۔ اس کے داخل ہوتے ہی سب نے مؤدبانہ انداز میں اسے سلام کیا۔

''یہ کون ہے؟'' اس نے بیٹھتے ہی انور کی طرف اشارہ کیا۔

''سر بولتا نہیں ہے، کچھ بتاتا نہیں۔'' کانسٹیبل بولا۔

''کون لایا ہے اسے؟'' اس نے میز پر پڑے کاغذات کو دیکھتے ہوئے ایک سرسری سی نظر انور کے گھبرائے ہوئے چہرے پر ڈالی۔

''سر مراد لایا ہے۔'' نذیر نے بتایا۔

''آج تک تو مراد کبھی صحیح بندہ اٹھا کر نہیں لایا۔'' اس کے لبوں کے کنارے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

''کیا نام ہے تمہارا؟'' اس نے بہت سے ہلکے پھلکے انداز میں پوچھا۔

''انور......'' وہ بہت آہستگی سے بولا۔

''اس وقت باہر کیا کر رہے تھے؟'' اب وہ پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہوا۔ انور نے پھر چپ سادھ لی۔

''گھر کہاں ہے تمہارا؟'' دوسرا سوال۔

''گھر نہیں ہے۔'' اب کی بار وہ بولا تو ایس پی نے چونک کر اسے دیکھا۔

''مراد کو بلاؤ......'' اس نے غصے سے کہا۔

''یس سر......!'' مراد حاضر ہوگیا۔ ''کیا ہوا سر؟'' اس نے ڈرتے ، ڈرتے پوچھا۔

''اب کی بار تم پتا ہے کیا لائے ہو؟'' اس نے برہمی سے مراد کے چہرے کو نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے کہا۔

''ک......کیا سر......؟''

''خواجہ سرا......'' اس کے بتانے پر سب زور، زور سے ہنس دیے۔

''شٹ اپ......'' وہ دہاڑا......سب سہم گئے۔

''چھوڑ کر آؤ اسے۔'' وہ تحکمانہ لہجے میں بولا۔

''میں چلا جاؤں گا۔'' وہ اٹھ کر باہر آگیا۔ وہ لوگ بھی اس کے پیچھے ہی تھے۔

''ذرا ناچ کر تو دکھاؤ......'' ان میں سے ایک نے کہا۔

''اسی لیے نہیں بولتی تھی ہمارے سامنے...... پہلے بتاتی تو ہم اسے خوب نچواتے صاحب کے آنے تک۔'' ایک نے تاسف سے کہا۔

اس نے گیٹ سے باہر نکل کر بھاگنا شروع کر دیا۔

☆☆☆

اگلا پورا دن وہ شہر کی سڑکوں پر آوارہ گھومتا رہا۔ بھوک نے نڈھال کیا تو دربار پر جا کر بیٹھ گیا۔ بچپن سے ہی مانگ کر کھانے کی عادت نہیں تھی سو وہاں سے

بھی چلا آیا۔ وہ بے دھیانی میں چلا جارہا تھا۔ کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا کرے..... بھوک نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی مفلوج کردی تھی۔

''کہاں جاؤں.....'' پھر رات ہونے لگی تھی..... وہ ایک پارک میں چلا گیا اور درختوں کے جھنڈ میں چھپ کر لیٹ گیا۔ ''امی، ابا مجھے معاف کردینا..... جانتا ہوں آپ دونوں کو میرے اس طرح آنے سے بہت تکلیف ہوئی ہوگی مگر میں آپ کو مزید آزمائش میں نہیں ڈالنا چاہتا۔'' انہیں یاد کرکے وہ رونے لگا اور روتے، روتے اس کی آنکھ لگ گئی۔

☆☆☆

صبح اس کی آنکھ کھلی تو چند ثانیے تو سمجھ نہیں آئی کہ کہاں ہے اور جب تمام حسیں بیدار ہوگئیں تو اس نے غور کیا کہ وہ بستر پر لیٹا ہے۔

''یہ میں کہاں ہوں؟'' وہ اٹھ بیٹھا، وہ ایک چھوٹا سا کمرا تھا۔ جس کی حالت نہایت مخدوش تھی۔ ''کون لایا مجھے یہاں؟'' وہ بستر سے نیچے اتر آیا۔

''اٹھ گیا تو۔ چل منہ ہاتھ دھولے میں تیرے لیے ناشتا بنواتی ہوں۔'' کمرے کے دروازے سے ایک خواجہ سرا نمودار ہوا۔ اس نے نہایت شوخ لباس پہن رکھا تھا۔

''مجھے یہاں کون لایا؟ مجھے نہیں رہنا یہاں۔'' اس نے نفرت سے سیلن زدہ دیواروں والے اس بدبودار کمرے کو حقارت سے دیکھا تھا۔

''شروع، شروع میں سب خواجہ سرا یہی کہتے ہیں مگر پھر یہاں رہنے کے سوا ان کے پاس اور کوئی ٹھکانا نہیں ہوتا تو خود ہی چلے آتے ہیں، میں بھی بہت روتی تھی مگر اب..... چل اٹھ جا.....'' اس نے ہاتھ پکڑ کر انور کو اٹھایا۔

''چھوڑو مجھے..... مجھے نہیں رہنا اس گندی جگہ پر، مجھے پڑھنا ہے، کچھ بننا ہے، اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا ہے، میں تم لوگوں کے ساتھ مل کر نہیں ناچ سکتا۔ میں یہ گندا کام نہیں کروں گا۔ میں اپنا تماشا نہیں لگواؤں گا۔'' وہ ہذیانی انداز سے چلایا۔

''دھیرج، دھیرج۔'' اس نے انور کے شانوں پر ہاتھ رکھا۔

''یہاں کوئی بھی خوشی سے نہیں آتا۔ ہم سب کو ہمارے اپنوں نے، ہمارے معاشرے نے اس گندگی میں پھینکا ہوا ہے، ہمارا بھی دل کرتا ہے اپنے ماں، باپ، بہن بھائیوں کے ساتھ رہیں مگر وہ نہیں رکھتے..... ان کے لیے ہم باعث شرمندگی ہیں۔'' انور نے اس کا ہاتھ اپنے شانے سے ہٹایا۔

''مرجاؤں گا مگر یہاں نہیں آؤں گا۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

''میری بات یاد رکھ، تو یہیں آئے گا۔'' اس نے پیچھے سے ہانک لگائی۔ وہ ان سنی کرکے باہر نکل گیا۔ وہ ایک کافی بڑی عمارت تھی جو کہ اندر سے بہت خستہ حال تھی۔ اس کی پیشانی پر بڑا، بڑا خواجہ سرا ہاؤس لکھا تھا۔

وہ ادرگرد دیکھے بغیر باہر کی جانب بڑھا۔ ڈھولک کی تھاپ، طبلوں کی آواز اور گھنگروؤں کی جھنکار کے ساتھ زرق برق لباس میں ملبوس تھرتھراتے بدن، عجیب خالی کھوکھلے قہقہے سب کچھ اس کی جان نکال دینے کو کافی تھا۔ وہ تیزی سے بیرونی گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

''تو یہ ہے تمہاری کہانی۔'' انابیہ نے اس کے آنسوؤں سے بھیگے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم تو بہت بہادر ہو، سمجھدار ہو جو تم نے وقت اور حالات کے ساتھ کمپرومائز نہیں کیا۔ آئی ایم امپریسڈ۔'' اس نے انور کے شانے پر ہلکی سی چپت رسید کی۔

''مگر مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی کہاں جاؤں..... میں واپس اس جگہ ہرگز نہیں جاؤں گا۔ اگر مجھے پاؤں میں گھنگرو باندھ کر میک اپ لگا کر ناچنا پڑا تو میں مرجاؤں گا۔'' انابیہ کا دل دکھی ہونے لگا تھا۔

''ایسا نہیں ہوگا، تم اپنی اسٹڈی کمپلیٹ کرو، کچھ بن جاؤ گے تو سب مسئلے حل ہوجائیں گے۔ یونو اب تو

میں نے ٹی وی میں اکثر خواجہ سرا پڑھے لکھے بھی دیکھے ہیں۔ بس اپنی سوچ کو پازیٹو رکھو۔ چیزیں آسان ہو جائیں گی۔'' ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح اس کے ذہن میں لپکا۔

''شاید......'' اس نے پھیکے پن سے ہنستے ہوئے کہا۔

''یقیناً......'' اس نے آگے بڑھ کر انور کے آنسو پونچھ لیے۔ ''تم میرے ساتھ میرے گھر چلو، میں تمہیں تعلیم دلواؤں گی، تمہارے اخراجات اٹھاؤں گی، دیکھنا سب اچھا ہو جائے گا۔'' اس نے بے یقینی سے انابیہ کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ مذاق کر رہی ہیں؟'' وہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''بالکل بھی نہیں۔'' وہ مسکرادی تھی۔

☆☆☆

انابیہ کا گھر بہت بڑا اور خوب صورت تھا۔ مگر انور کو خوشی اس بات کی تھی کہ اسے ٹھکانا مل گیا تھا۔ انابیہ نے اسے کتابیں لا دی تھیں اور اس نے دلجمعی سے پڑھنا شروع کر دیا تھا...... اس کا شوہر دو دن کے لیے شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ وہ اپنی بوڑھی ساس اور بیٹی کے ساتھ اتنے بڑے گھر میں رہ رہی تھی۔

''اگر آپ کے شوہر نے مجھے نکال دیا تو میں کہاں جاؤں گا؟ واپس اسی جگہ پر...... نہیں، نہیں......'' اس خیال سے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ انابیہ کا شوہر کافی سنجیدہ مزاج تھا۔ اس نے انابیہ سے پوری کہانی سن لی تھی۔ انور اس کے سامنے کم ہی جاتا تھا۔

''ہیلو......'' رات کو اپنے کمرے میں بیٹھا وہ پڑھ رہا تھا جب انابیہ وہاں آئی۔

''اسٹڈی ہو رہی ہے؟'' وہ اس کے پاس بیٹھ گئی۔ انور نے پین بند کر کے رکھ دیا۔ ''جی بس یونہی......''

''تم سے ایک مشورہ لینے آئی ہوں۔'' وہ الفاظ کو ترتیب دیتے ہوئے بغور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''جی بولیں......'' اس کا ہر عضو سماعت بن گیا۔

''عالمی سطح پر افسانہ نگاری کا مقابلہ منعقد ہو رہا ہے، میں نے بھی اپنا نام لکھوا دیا ہے۔'' وہ محتاط نظروں سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

''یہ تو بہت اچھا کیا آپ نے......'' وہ خوش ہوا تھا۔

''میں بہت خواہش کے باوجود آج تک کچھ اچھا نہیں لکھ پائی۔ شاید کبھی دل سے نہیں لکھا مگر ایک کہانی ہے جو دل سے لکھ سکتی ہوں۔'' وہ تمہید باندھ رہی تھی۔

''کیا......؟'' انور نے پُرتجسس لہجے میں پوچھا۔

''تمہاری کہانی...... آئی مین تمہاری زندگی پر......'' اس نے ڈرتے، ڈرتے بتایا مبادا وہ برا مان جائے۔

''فضول، بیکار۔'' وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دیا۔

''کیوں؟ بہت ہارٹ ٹچنگ اسٹوری ہے تمہاری۔'' اسے حوصلہ ہوا۔

''وہ اٹھا کر ردی میں ڈال دیں گے ایک خواجہ سرا کا افسانہ۔''

''ایسا ہرگز نہیں ہوگا تم دیکھ لینا۔'' وہ پُرجوش لہجے میں بولی۔

''آپ افسانہ لکھیں جس میں ہینڈسم اور امیر ہیرو اور غریب اور خوب صورت ہیروئن ہو، آپ مقابلہ جیت جائیں گی۔ ایک خواجہ سرا کا افسانہ کوئی پڑھے گا بھی نہیں۔'' اس نے پھر سے کتاب کھول لی تھی۔

''میں افسانہ لکھنے جا رہی ہوں، دعا کرنا میں بہت اچھا لکھ لوں۔'' وہ ان سنی کرتے ہوئے بولی۔

''آمین......'' انور نے صدقِ دل سے دعا کی۔

اگلے دن انابیہ اسے ساتھ لے کر مارکیٹ گئی۔ اسے بہت سارے کپڑے، جوتے دلوائے، شاپنگ کروائی۔

''آپ بہت اچھی ہیں۔'' انابیہ کے مہربان اور دوستانہ رویے نے اسے بہت جلد گھر کا ایک فرد بنا دیا تھا۔

''تم خود بہت اچھے ہو دوست......'' وہ اسے ساتھ لے کر ایک ریسٹورنٹ میں آ گئی تھی۔

''آپ کے افسانے کا کیا بنا......؟'' انابیہ نے مینیو کارڈ سے نظریں اٹھا کر لحہ بھر کو اس کی جانب دیکھا اور دوبارہ نظریں اسی پر گاڑ دیں۔

''لکھ لیا......''

''مبارک ہو......'' وہ خوش ہوا تھا۔

''تھینکس......'' ویٹر آ گیا تھا اور وہ آرڈر نوٹ کروا رہی تھی جبکہ انور خاموش بیٹھا تھا۔

''میری دعا ہے کہ آپ پہلی پوزیشن حاصل کریں اور ادب کی دنیا میں آپ کا نام اور مقام بن جائے۔'' اس نے عقیدت سے کہا۔

''بہت شکریہ......'' انابیہ بہت خوش ہوئی تھی۔ ''تمہیں پتا ہے میں نے سن رکھا ہے کہ خواجہ سراؤں ......کی دعائیں بہت قبول ہوتی ہیں۔'' اس کی بات پر ایک زخمی مسکراہٹ اس کے لبوں پر ابھر کر فوراً معدوم ہو گئی تھی۔

''میرا خیال ہے آپ نے غلط سن رکھا ہے۔'' کھانا سرو کر دیا گیا تھا۔ اور انابیہ اسے اصرار کے ساتھ ایک، ایک چیز کھلا رہی تھی۔

''ایک بات کہوں، برا تو نہیں مانیں گی؟'' انور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''ضرور کہو...... میں برا نہیں مانوں گی۔'' وہ ہمہ تن گوش تھی۔

''آپ میرا اتنا خیال کیوں کر رہی ہیں؟'' اس کے سوال پر لحہ بھر کو تو وہ بالکل خاموش رہ گئی۔

''کیونکہ تم میرے دوست ہو......'' اس سے یہی جواب بن پڑا۔

''رشتے' ناتے پیار' محبت کچھ بھی نہیں ہوتا انابیہ جی...... لا محبت' لا رشتے...... لا خون...... لا احساس...... دراصل بات یہ ہے کہ لامساوی انسان...... ایسے لا...... انسان......'' اس نے ہاتھ سے میز کی شفاف سطح پر لکھا۔

مقدر، تدبیر، محنت

''جو مقدر میں ہو، بس وہی ملتا ہے۔'' ایک شخص نے کہا۔

''جی نہیں...... تدبیر کرو اور تقدیر بناؤ۔'' دوسرا بولا۔

''دونوں غلط...... جتنی محنت کی جائے اس کا اتنا ہی اجر ملتا ہے۔'' تیسرا شخص بھی شاملِ گفتگو ہوا۔ تینوں کی گفتگو پر قریب بیٹھا درویش مسکرا اٹھا اور ان کے پاس آ کر بولا۔

''کچھ چیزیں مقدر میں ایسی لکھی جاتی ہیں جو دعا کیے بنا نہیں ملتیں اور اکثر تدبیر، تقدیر کے آگے سر جھکائے ملتی ہے۔ رہی بات محنت کی تو محنت کرنے والے کو اللہ پھل ضرور دیتا ہے مگر اکثر غرور یا عدم دعا کی بدولت محنتی شخص کو وہ پھل بھی نہیں ملتا۔'' تینوں شخص حیرت زدہ اس فقیر درویش کو دیکھنے لگے۔

مرسلہ: ہمشیرہ محمد لطیف، اوکاڑہ

''جہاں فائدہ نہ ہو، جہاں بدنامی اور زمانے کے تھو، تھو کرنے کا ڈر ہو وہاں تو اپنے سگے ماں، باپ بھی سڑک کنارے پھینک دیتے ہیں۔ پھر......'' وہ ہانپنے لگا تھا۔ اس کی سانس دھونکنی کے مانند چل رہی تھی۔

''سب ایک جیسے نہیں ہوتے، میرے دل میں تمہارے لیے بہت محبت ہے، عزت ہے، تم میرے بہت اچھے دوست ہو، ٹرسٹ می...... ریلیکس......'' اس نے پانی کا گلاس اسے تھمایا، جسے تھامتے ہی اس نے لبوں سے لگا لیا۔

''اگر تم اچھا محسوس نہیں کر رہے ہو تو ہم گھر چلتے ہیں۔'' انابیہ نے پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ تمام راستہ دونوں میں کوئی بات نہیں ہوئی جب وہ دونوں لاؤنج میں داخل ہوئے تو تیمور صوفے پر بیٹھا

تھا..... انور کو اس کی نظریں بہت چبھتی ہوئی محسوس ہوئیں، وہ سیدھا اپنے کمرے میں آ گیا جبکہ انابیہ وہیں اس کے پاس بیٹھ گئی..... اسے تیمور کا موڈ بگڑا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

☆☆☆

''ہیلو.....'' کتابیں سامنے رکھے وہ گہری سوچ میں مستغرق تھا جب انابیہ کی آواز سے اس کی محویت ٹوٹی..... اسے دیکھ کر وہ سیدھا ہو بیٹھا۔

''بزی ہو؟'' اس نے کتابوں کی طرف اشارہ کیا۔

''کچھ خاص نہیں، اس نے کتاب بند کردی..... ''آج پڑھنے کا موڈ نہیں ہو رہا۔'' شاید وہ کچھ اداس تھا۔

''چلو پھر باتیں کرتے ہیں۔'' وہ اس کے پاس بیٹھ گئی۔

''افسانے کا اینڈ کرنا ہے اور سمجھ نہیں آ رہی کیا لکھوں.....'' انور خاموش بیٹھا رہا۔

''تم کوئی مشورہ دو ناں.....''

''میں؟'' اس نے انگلی سے اپنی طرف اشارہ کیا۔

''ہاں تم.....''

''مجھے کیا معلوم، میں افسانہ نگار تو نہیں، پڑھا لکھا بھی زیادہ نہیں۔'' وہ معصومیت سے بولا۔

''مگر پھر بھی مجھے ایسا لگتا ہے جیسے تم اچھا مشورہ دو گے.....'' وہ پیچھے نہ ہٹی۔

''جو میں کہوں آپ لکھیں گی؟'' اس نے استفہامیہ نظروں سے انابیہ کو دیکھا۔

''ضرور.....''

''تو پھر آپ ایسے کریں.....'' وہ بولتا گیا اور انابیہ لکھتی رہی۔

''سچ میں یار تم تو رائٹر ہو، اتنا مزے کا اینڈ..... سچ میں بہت امپریسو ہے، تھینکس آلوٹ تم نے میری مشکل آسان کردی۔'' وہ خوشی خوشی وہاں سے چلی گئی تھی، وہ رات انور نے جاگ کر گزاری تھی۔ دل کو عجیب سی بے چینی لاحق تھی۔

''امی، ابا میں آپ دونوں کو کبھی نہیں بھول سکتا..... کاش وقت آپ دونوں کو مجھ سے نہ چھینتا.....'' وہ کھڑکی میں کھڑا آسمان پر بادلوں سے آنکھ مچولی کھیلتے چاند کو دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

انابیہ نے افسانہ بھجوا دیا تھا۔ وہ آج کل بہت خوش تھی، انور اس کے لیے بہت دعائیں کرتا تھا۔ وہ انابیہ کو بتا کر مارکیٹ کے لیے نکلا تھا..... اسے کچھ کتابیں لینی تھیں۔

''اوہ..... لسٹ تو میں گھر ہی بھول آیا۔'' وہ وہیں سے واپس مڑ گیا۔

''تیمور تم تھوڑا صبر نہیں کر سکتے۔'' انابیہ کی آواز آئی۔

''بہت ہو گیا انابیہ ڈارلنگ، تم نے کہا تھا کہ افسانہ مکمل کرتے ہی تم اسے چلتا کرو گی۔ اب کیا اسے ہمیشہ کے لیے رکھنے کا ارادہ بن گیا ہے؟'' تیمور کی بات سے وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں تمام پلان سمجھ گیا جو انابیہ نے بنایا تھا۔

''تھوڑا صبر تیمور، اس نے افسانہ لکھنے سے لے کر اس کا نام سلیکٹ کرنے اور کہانی کا اختتام کرنے تک کے مرحلے پر میری مدد کی ہے، اسے مجھ پر بہت بھروسا ہے، ایسے کیسے کہہ دوں کہ چلے جاؤ۔'' وہ الجھن زدہ لہجے میں بولی۔

''انابیہ.....'' اس کے لب بولنے کی خواہش میں لرز کر رہ گئے۔

''یا خدا.....'' اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

''آپ ایسا نہیں کر سکتیں میرے ساتھ۔'' کوئی اس کے اندر زور سے چلایا تھا۔

''دیکھو میں مزید اس ہیجڑے کو اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتا.....'' تیمور حقارت سے بولا۔

اس کے سسکنے کی آواز پر وہ دونوں تیزی سے مڑے تھے۔ اسے سامنے دیکھ کر انابیہ کے پیروں تلے

سے زمین نکل گئی تھی۔
''ت.....تم.....انور.....'' وہ بس اتنا ہی بول سکی۔
انور کی آنکھوں میں اعتبار کا شیش محل زمین بوس ہوتا اس نے دیکھا تھا..... وہ منہ سے کچھ نہ بولا مگر اس کی آنکھوں نے بہت کچھ کہہ دیا تھا، جسے انابیہ نے سمجھا بھی تھا۔ انور کے دل کا درد حد سے سوا تھا۔ اس کی بائیں آنکھ سے تنہا اور مجبور آنسو نکل کر اس کی شرٹ میں جذب ہوگیا۔ اس نے بے دردی سے اپنا بایاں گال رگڑ ڈالا..... وہ واپس مڑا اور تیزی سے گیٹ کراس کر گیا۔

☆☆☆

اس کے جانے کے بعد انابیہ کی طبیعت بہت خراب ہوگئی تھی۔ پچھتاوؤں کے سیاہ ناگ اسے ڈسنے لگے تھے۔
''یہ میں نے کیا کر دیا.....'' اسے شدید گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔
''مگر یہ بھی اچھا ہوا کہ وہ خود چلا گیا مجھے کہنا نہیں پڑا۔'' اگلے پل وہ خود کو تسلی دینے لگی۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ، ساتھ اس کا احساسِ ندامت بڑھنے لگا۔
''تیمور آج آفس نہ جاؤ۔'' صبح اسے آفس کے لیے تیار ہوتا دیکھ کر اس نے کہا۔
''آج تو جانا ضروری ہے۔'' وہ نہ رکا..... اس کے جانے کے بعد وہ بولائی، بولائی سارے گھر میں پھرنے لگی فون کی بیل بجی تھی۔
''ہیلو.....'' اس نے بے دھیانی میں کال ریسیو کی۔ فرطِ مسرت سے اس کی چیخ نکل گئی۔ کال بند... کرتے ہی اس نے تیمور کو فون ملایا۔
''میرا افسانہ پہلے نمبر پر آیا ہے تیمور..... مجھے ابھی کال آئی۔'' تیمور بھی بہت خوش تھا۔
''یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا انور.....تم تو میرے لیے بہت لکی ثابت ہوئے..... میں نے تمہارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔'' وہ گاڑی لے کر باہر نکل گئی۔ مختلف جگہوں پر اسے ڈھونڈا مگر وہ نہ مل سکا۔
آہستہ، آہستہ اس کا احساسِ گناہ بڑھنے لگا۔
''انابیہ کال ہے تمہارے لیے.....'' تیمور نے کارڈلیس اس کی طرف بڑھایا۔
''نہیں سننا مجھے کوئی فون، کہہ دو سب سے انابیہ نے لکھنا چھوڑ دیا۔ انابیہ اب کبھی نہیں لکھے گی۔ ''لامساوی انسان'' میرا آخری افسانہ تھا، اب اور نہیں.....'' وہ زور سے رونے لگی۔ تیمور نے اسے ساتھ لگالیا۔
''اسے کہو ایک بار واپس آجائے، میں اس سے معافی مانگنا چاہتی ہوں۔ میں نے اس کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ ٹوٹتے ہوئے انسان کو مزید توڑ دیا۔'' وہ دھاڑیں مار، مار کر رو رہی تھی۔
''میں اسے تلاش کروں گا، تم فکر نہیں کرو۔ وہ اسی شہر میں ہوگا۔'' تیمور نے اس کی ذہنی حالت کے پیشِ نظر وعدہ کرلیا۔
اس کا افسانہ پہلے نمبر پر کیا آیا ہر اخبار پرنٹ وی چینل اور ڈائجسٹ والے اس سے انٹرویو لینے کو بے تاب تھے..... اسے مختلف جگہوں سے لکھنے کی آفر آرہی تھیں۔
''میں اب کبھی نہیں لکھوں گی۔'' اس نے اپنا لکھنے کا تمام سامان پھینک دیا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح انور کو ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔
اس نے ایک طویل ٹھنڈی سانس فضا کے سپرد کی اور پارک سے باہر آگئی۔

☆☆☆

ایک سال بہت تیزی سے گزرا تھا۔ وہ بہت مصروف رہتی تھی۔ مختلف ڈائجسٹوں اور چینلز کے لیے لکھتے ہوئے وہ آگے نکل گئی تھی۔ بہت کوشش اور خواہش کے باوجود وہ انور کو بھول نہیں پائی تھی۔ کبھی، کبھی تنہائی میں وہ اس کے سامنے آکھڑا ہوتا اور سوال کرنے لگتا۔
''آپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔'' اس کی نظریں وہ آج تک بھول نہیں پائی تھی۔

سخت حالات کا مقابلہ کرنے اور اپنے آپ کو منوانے اپنے چھوٹے سے وجود کے ساتھ سینہ تانے کھڑا تھا۔ اس کے اندر ایک عزم تھا۔ حالات اور موسم کچھ بھی کہیں۔ وہ بڑا ہوگا اور اپنا ٹھنڈا سایہ ضرور اس زمین کو دے گا جس نے اسے اپنے اندر چھپائے رکھا اور اپنا سینہ چاک کرکے نئی زندگی دی اور اپنے اندر اس کی نازک جڑیں اس طرح سے پکڑلیں کہ کہیں تیز ہوا اڑا کر نہ لے جائے۔ اب اس ننھے سے وجود کو اس زمین پر سایہ کرکے اس کا حق ادا کرنا تھا۔

قدرت نے بھی ساتھ دیا ہر روز اس کی توانائی بڑھنے لگی۔ دنوں، مہینوں اور پھر ایک سال میں چھوٹے سے درخت کی شکل اختیار کر گیا۔ خوب صورت گول مٹول، ایک مختلف شکل کا درخت جس کے پتوں میں بہت زیادہ چمک تھی...... شاخیں کچھ اس طرح سے پھیل رہی تھیں جیسے خوش آمدید کہہ رہی ہوں اور اپنے اندر کسی کو بھی پناہ دینے کی طاقت رکھتی ہوں۔ جب ہوا چلتی تو پتے اس طرح سے ہلتے جیسے کسی کو جھولا جھلا رہے ہوں اور اگر غور سے سنا جائے تو موسیقی کا گمان ہوتا تھا۔

جس صبح یہ پودا زمین کے سینے سے سر ابھار کر اپنی پہلی سانس لے رہا تھا۔ اسی لمحے ایک اور زندگی نے بھی اس گھر میں جنم لیا اور وہ کرن تھی۔ ننھا سا پیارا سا وجود ماں کی آغوش میں سینے سے لپٹا گرمائی حاصل کر رہا تھا۔ ماں آنکھیں بند کیے خدا کا شکر ادا کر رہی تھی اور اپنے بچے کی سلامتی کے لیے دعا مانگ رہی تھی۔

آج یہ ننھی اور خوب صورت جان ایک گڑیا سی شکل ایک سال کی ہوگئی تھی۔ مما نے کرن کو گود میں لیے کھڑکی سے باہر لان میں دیکھا تو حیران رہ گئیں۔

''ارے یہ پودا تو چھوٹے سے درخت کی شکل اختیار کر گیا ہے۔''

وہ کرن کو گود میں لیے باہر آئیں۔

''ارے تم اتنے بڑے ہوگئے ہو میرے پیارے ننھے دوست' میں نے تمہاری طرف دیکھا تک نہیں۔ سوری دوست، میں نے تمہیں اتنے عرصے نظر انداز کیا۔ تم بہت خوب صورت ہو تمہارے پتوں میں کتنی چمک ہے تمہاری شاخیں کتنے خوب صورت انداز میں پھیل رہی ہیں میں اتنی مصروف ہوئی کہ تمہارا خوب صورت وجود میری نظر میں ہی نہیں آیا۔ آج تمہاری اور کرن کی سالگرہ اکٹھی ہوگی۔ اور تمہارا نام میں وُڈی (Woody) رکھتی ہوں۔'' پھر وہ گود میں بھری کرن کو پیار کرکے بولیں۔

''آج سے یہ درخت تمہارا ساتھی اور دوست ہے تم یہاں اس کے سائے میں کھیلا کرنا۔''

شام ہونے سے پہلے درخت کے ساتھ ایک بڑی میز رکھ دی گئی۔ سرخ میز پوش، سفید پلیٹیں، درمیان میں بڑا سا کیک...... کرن نے تالیوں کی گونج میں اپنا پہلا کیک کاٹا۔ چھوٹے، چھوٹے ہاتھوں سے تالیاں بجائیں۔

اب معلوم نہیں کسی نے محسوس کیا یا نہیں ایک ٹھنڈی ہوا کا تیز جھونکا آیا۔ چھوٹا سا درخت جھوما اور فضا خوشگوار ہوگئی۔ ہلکی، ہلکی خنکی بڑھی۔ مہمانوں نے گرم کافی مزے لے، لے کر پی اور آئے ہوئے مہمان اور بچے اپنے، اپنے گھروں کو چلے گئے۔ برتن اور ٹیبل سمیٹ دی گئی۔ کرن کی مما نے ایک ہار اٹھا کر درخت کے اردگرد لپیٹ دیا اور کہا۔

''پیارے دوست سالگرہ مبارک۔'' اور یوں کرن اور درخت کی پہلی سالگرہ ہوئی۔

سردی کی خوشگوار ابتدا تھی۔ لان میں بیٹھنا اچھا لگ رہا تھا۔ ہلکی، ہلکی دھوپ کی گرمائی بھی اچھی محسوس ہو رہی تھی۔ کرن اپنے پریم میں لیٹی مزے لے، لے کر چس، چس کی آواز نکال کر فیڈر میں بھرا دودھ اپنے اندر اتار رہی تھی۔ جیسے، جیسے دودھ ختم ہو رہا تھا کرن کے اندر طاقت آرہی تھی۔ وہ زور، زور سے ہاتھ پیر مار کر کھیلتی رہی۔ جب دودھ ختم ہوگیا تو اس نے بوتل منہ سے نکال کر ایک طرف پھینک دی۔ وہ ہلتے ہوئے پتوں سے کھیل رہی تھی۔ تیز ہوا کے ساتھ جب پتے زور، زور سے ہلتے تو وہ اچھل، اچھل کر پکڑنے کی کوشش کرتی اور خوش ہوتی۔ اس کی مما تھوڑے ہی

فاصلے پر بیٹھی نٹنگ کر رہی تھیں۔ کرن کے چھوٹے، چھوٹے قہقہے بہت اچھے لگ رہے تھے۔ قدرت کا یہ کھیل وہ بہت دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں۔

اور پھر کرن کھیلتے کھیلتے سوگئی۔ مما نے بہت پیار سے پھول دار رضائی اس کے اردگرد لپیٹی اور منہ پر جالی ڈھک دی جو بچوں کے لیے مخصوص ہوتی ہے۔ اپنی اون سلائیاں بھی بند کر کے بیگ میں رکھیں۔ درخت کے اردگرد سے گھاس صاف کی اور ایک چھوٹی سی کیاری بنائی، پانی دیا اور پھر کرسی پر جا کر بیٹھ کر کچھ سوچنے لگیں۔ کچھ ہی سال میں یہ چھوٹا سا پودا ایک بڑا تناور درخت بن جائے گا اس کا سایہ کتنا ٹھنڈا ہوگا اس کی شاخیں زمین کے جتنے حصے پر بھی پھیلیں گی اتنا حصہ گرمی سے محفوظ رہے گا اس کی وجہ سے فضا بھی ٹھنڈی ہو جائے گی۔ پھر کوئی خوب صورت چڑیا آ کر اپنا گھونسلا اس کی کسی شاخ پر بنالے گی اور بہار کی آمد کے گیت سنائے گی۔

پھر وہ گنگنانے لگیں ایک لوری......ایک دعا......

یا پھر ایک خواہش جس کا مفہوم کچھ اس طرح سے تھا۔

''اے میری ننھی کرن میری دعا ہے میرے دل سے نکلتی ہوئی ایک ہی خواہش......تو بھی ایک دن اس درخت کی طرح ایک مکمل اور صحت مند وجود بن جائے ایک ایسا وجود جو نسل انسانی کی حفاظت کرے قابلِ فخر ہستی بنے۔ جس طرح یہ درخت اس دھرتی ماں کا سایہ بن کر نسلِ انسانی کا حق ادا کرتا ہے۔ ایسے ہی جیسے ایک بیج سے ہزار دانے نکلتے ہیں اسی طرح تیرے وجود سے ہزاروں انسان فائدہ اٹھائیں۔ اے میری ننھی کرن تیرے وجود سے بہت ساری روشنی اس دنیا میں پھیل جائے۔ تیری خوشبو سے فضا معطر ہوجائے۔ میری دعا ہے خدا سے جس نے تجھے اور اس جہاں کو بنایا۔ میں تیری پرورش ایک عبادت کی طرح کر پاؤں۔''

مما لوری سناتے، سناتے سوگئیں اور زندگی کے پانچ خوب صورت سال بینک اکاؤنٹ کی طرح جمع ہوگئے۔ چھوٹے سے درخت نے تناور درخت کی شکل اختیار کرلی اب ننھی کرن بھی اسکول جانے لگی تھی۔ یہ ماہ وسال کرن کے اس درخت کے نیچے کھیلتے کودتے گزرے تھے۔ یہ درخت ہی کرن کا دوست تھا بھائی تھا، ساتھی تھا۔ کرن ہر روز اسکول جانے سے پہلے اس کے نیچے کچھ دیر کے لیے جھولے پر بیٹھتی۔ جھولا جھولتی چڑیا کی میٹھی آواز سنتی اور پھر درخت کو خدا حافظ کہہ کر اسکول چلی جاتی، دوپہر کو بھی اسکول سے آتے ہی سیدھی درخت کے نیچے جھولے پر جا بیٹھتی۔

''کرن پہلے کھانا کھالو پھر کھیلنا۔'' مما کی آواز آتی۔

وہ سنی ان سنی کر دیتی اور دن بھر کی روداد درخت کو سناتی۔ نئی یاد کی ہوئی نظم اسے سناتی اسے لگتا جیسے وہ سن رہا ہے، اسکول میں اگر کسی سے لڑائی ہوجاتی تو بھی آکر درخت سے شکایت کرتی اور کہتی۔

''دیکھو دوست، مجھے لڑائی بالکل اچھی نہیں لگتی تم اسے ڈانٹو اور کہو کہ مجھ سے دوستی کرے۔ دیکھو ناں جب میری اور تمہاری لڑائی نہیں ہوتی۔ ہم اچھے دوست ہیں تو آمنہ سے میری لڑائی کیسے ہوسکتی ہے وہ ہر روز مجھ سے کیوں لڑتی ہے۔ ہم دوست بھی تو بن کر رہ سکتے ہیں ناں۔''

زندگی تیزی سے اپنا سفر طے کرنے لگی۔ ہنستے کھیلتے دس سال اور آگے بڑھ گئے۔

کرن کی پندرہ سالہ زندگی میں ایک انقلاب آگیا۔ اس کے مما اچانک بغیر کچھ کہے دنیا سے ہمیشہ کے لیے چلی گئیں۔ وہ بہت روئی...... بہت چیخی......پھر بھی جاتی ہوئی مما کو نہ روک سکی۔ جب ذرا ہوش آیا تو وہ درخت کے سائے میں جھولے پر اکیلی بیٹھی تھی۔ کپڑے شکن آلود تھے۔ بال پریشان تھے آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ قدم بھاری تھے۔ نہ جانے کتنی دیر وہ آنکھیں بند کیے بیٹھی رہی۔ پھر اسے ایسا لگا۔ جیسے درخت نے اسے اپنی باہوں میں لے لیا ہو۔ اس کی شاخیں اس کے پتے اس کے اردگرد لپٹ گئے ہوں کچھ دیر کے لیے وہ بھول ہی گئی کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے اور وہ کہاں ہے۔

''کرن بیٹے باہر خنکی بڑھنے لگی ہے اب کمرے

میں آجاؤ۔ سب لوگ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' یہ پپا کی آواز تھی۔

اس نے دکھ سے سوچا کون انتظار کر رہا ہے میرا......؟

''پپا مجھے یہیں رہنے دیں۔ مجھے لگتا ہے جیسے مما میرے پاس بیٹھی ہیں۔''

''نہیں بیٹا ضد نہیں کرتے کل صبح پھر یہاں آجانا۔ ہم دونوں یہاں بیٹھیں گے بہت ساری باتیں کریں گے اب اندر چلو۔ میں جانتا ہوں تمہارا اور تمہاری مما کا زیادہ وقت یہاں ہی گزرتا تھا۔'' اب پاپا اس کے نزدیک کھڑے کہہ رہے تھے۔

کرن اٹھ گئی۔ کمرے میں جاکر ماں کی بڑی سی تصویر کے سامنے سے گزری تو اسے لگا جیسے مما کہہ رہیں ہوں۔

''کرن یہ کیا حالت بنائی ہوئی ہے......؟ میں کہیں گئی تو نہیں ہوں۔ ہر وقت تمہارے ساتھ ہوں۔ چلو جاکر ہاتھ منہ دھوؤ اور سب کے ساتھ جاکر کھانا کھاؤ۔''

یوں کرن کی زندگی کا پہلا باب ختم ہوا اور دوسرا شروع۔

زندگی کے شب و روز معمول پر آگئے۔ اس نے سمجھوتا کرلیا لیکن شوخی ہوا ہوگئی۔ اسکول سے واپس آکر چپ چاپ درخت کے نیچے جھولے پر بیٹھ جاتی اور آنکھیں بند کرلیتی۔ اسے لگتا جیسے اس کے ساتھ اس کی مما آکر خاموشی سے بیٹھ گئی ہیں۔ کبھی لگتا جیسے درخت اسے دلاسا دے رہا ہے...اور کہہ رہا ہے۔

''یہاں ہر کوئی مسافر ہے۔ چل رہا ہے۔ ہر موڑ پر نیا سین' نئے مسافر' نیا ماحول بس خود کو ہلکا سا بدلنا ہوتا ہے۔ پھر سبھی کچھ اپنا اپنا لگنے لگتا ہے کچھ بھی اجنبی نہیں رہتا۔ زندگی آسان ہوجاتی ہے اور آگے بڑھنے کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے' مجھے دیکھو میرے اوپر کوئی سائبان نہیں ہے میں آسمان کے نیچے کھڑا ہوں۔ ہر روز سورج اپنی پوری گرمی کے ساتھ چمکتا ہے اگر میں اپنے اندر برداشت پیدا نہ کروں تو میرے سارے پتے جل کر مر جائیں...... میری شاخیں سوکھ کر لٹک جائیں اور میں بے بسی سے دم توڑ دوں۔ تمہیں یاد ہے جب میں اور تم چھوٹے سے تھے تو میرا وجود ہوا کے ہلکے سے جھونکے کو بھی برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ تیز بارش مجھے بار، بار زمین سے اکھیڑ دینا چاہتی تھی۔ میں گر، گر پڑتا تھا۔ لیکن میرے اندر ایک عزم تھا۔ زندہ رہنے کا عزم...... میں گر کر بھی کھڑا ہوجاتا تھا۔ میرا ناتواں دھاگے کی طرح باریک وجود...... ایک عزم' ایک خواہش کی وجہ سے زندہ رہا اور آج تمہارے سامنے ایک ایسا تناور درخت ہوں جس کے سائے میں سب بیٹھتے ہیں۔ میری دوست تم بھی ہمت کرو ایک نئے عزم کے ساتھ نئے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے کھڑی ہوجاؤ۔ سب کچھ تمہارا ہی تو ہے اور سب سے بڑھ کر یہ زندگی تمہاری ہی تو ہے۔''

آج کرن کا دل کالج جانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ دماغ جیسے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے قاصر تھا۔ وہ اپنا سلیپنگ گاؤن پہنے لان میں آکر بیٹھ گئی۔ آج اس کا دوست درخت بھی خاموش تھا۔ گھر میں اداسی تھی۔ وہ اپنے پپا کے لیے پریشان تھی۔ اب اس کے پپا ہر وقت پریشان اور اداس جو رہنے لگے تھے۔

''مما کے جانے سے جیسے ہر خوشی ہی روٹھ گئی ہے۔'' اسے لگا اس کی مما اس کے پاس آکر کھڑی ہو گئی ہیں۔

''مما پلیز ایک بات کہوں۔ آپ خفا تو نہیں ہوں گی۔ کیا میں پپا سے اصرار کروں کہ وہ اپنے لیے کوئی دوست کوئی ساتھی لے آئیں۔ میں تو ان کی بیٹی ہوں ناں' وہ ضرور میرا کہنا مان لیں گے۔ آپ کی جگہ تو کوئی نہیں لے سکتا لیکن گھر میں کچھ خوشی آجائے گی۔ آپ بھی ضرور یہی چاہیں گی اس لیے کہ آپ بھی پپا سے بہت پیار کرتی ہیں۔''

کرن جیسے، جیسے سوچتی جارہی تھی اسے سکون ملتا جارہا تھا۔ وہ پپا کی بہت اچھی دوست بننے جارہی تھی۔

''پپا خوش ہوجائیں گے' میں پھر ماما کو دل ہی دل میں

یاد کیا کروں گی۔'' سوچتے، سوچتے اس کی آنکھ لگ گئی۔
پپا کی آواز سے وہ بیدار ہوئی۔
''کرن بیٹے آنکھیں کھولو۔ دیکھو تو ہمارے گھر کون آیا ہے......؟''
کرن نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اور کھڑے ہو کر کپڑے درست کرنے لگی۔
''کرن یہ میری دوست تھیں اور آج سے تمہاری نئی ماما بھی ہیں۔ تم بہت اداس اور تنہا ہو گئی تھیں ناں اس لیے میں انہیں یہاں لے آیا۔ اب یہ ہمارے ساتھ رہا کریں گی اور یہ تمہاری بہن زارا ہے۔ مجھے یقین ہے تمہاری جلد ہی دوستی ہو جائے گی۔ تم بہت خوش رہا کرو گی۔ اپنی بہن اور مما کو گھر دکھاؤ تا کہ یہ کچھ مانوس ہو جائیں۔''
کرن کا دماغ جیسے سن ہو کر رہ گیا۔ اس کے سامنے صرف دو لفظ گھوم رہے تھے۔ مما اور بہن۔ ذہن کو ایک جھٹکا لگا۔ پپا نے کیسے اور کتنی خوبی سے دو لفظوں میں کہانی مکمل کر دی۔ لمحے بھر میں ذہن نے بغاوت کی۔
''مما، اور بہن، اور میں کون......؟ میں تو پپا کی دوست تھی اچھی اور سچی دوست میں کہاں چھپ گئی۔ کیا ان کے آنے سے میری تصویر دھندلا گئی ہے۔ پپا نے مجھ سے پہلے تو کوئی بات نہیں کی۔'' وہ سوچے جا رہی تھی۔ مہمان بھی آنے والا ہو تو گھر والوں کو پہلے سے کچھ بتایا جاتا ہے۔ میں کون ہوں بھلا......؟ اس کون کے آگے ایک سیاہ دھبا سوالیہ نشان بن کر ابھرا۔ وہ غم اور غصے سے چکرا کر گرنے ہی والی تھی کہ آگے بڑھ کر زارا نے سہارا دیا۔
''پیاری بہن، میرا بھی تمہارے ہی جیسا حال ہے لیکن میں تمہاری اچھی دوست بن سکتی ہوں۔'' اس نے کہا۔ ٹھیک اسی لمحے پپا نے نزدیک آ کر دونوں کو اپنی بانہوں میں لے لیا۔ اور گھر کے اندر چلے گئے۔
کرن وقتی طور پر سنبھلی اور پپا کے ساتھ ایک روبوٹ کی طرح گھر کے مختلف حصوں میں ان کے ساتھ گھومتی رہی۔ پھر آ کر لان میں سب بیٹھ گئے۔ فضلو بابا چائے

قطعہ

ہاتھ میں ہو تمہارا ہاتھ اور ہو چاند رات
زباں پہ رہے دل کی بات اور ہو چاند رات
وہ کہکشاں بھی سونی ہے جو تم پاس نہیں ہو
تم آؤ تو ہر رات بنے مہکتی رات اور ہو چاند رات

فصیحہ آصف، ملتان

سرپرائز

☆ جج ملزم سے۔ ''تو نے اپنی منگیتر کے گھر سے اپنی ہی منگنی کی دی ہوئی انگوٹھی کیوں چوری کر لی؟''
ملزم۔ ''تا کہ بیاہ کے بعد انگوٹھی سرپرائز میں دے کر بیوی کو خوش کروں کہ گم شدہ انگوٹھی مل گئی۔''

از: رضوانہ سحر ناز، رینالہ خورد

لے کر آئے سب نے چائے پی۔ کرن کا سر ایسے بھاری ہو رہا تھا جیسے کسی نے سر پر بہت سارا سامان رکھ کر ہاتھ باندھ دیے ہوں اور وزن سے ٹانگیں لڑکھڑا رہی ہوں۔
''پپا میری طبیعت خراب ہو رہی ہے میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ فقط اتنا ہی کہہ سکی۔
''ہاں، ہاں بیٹے تم آرام کرو۔ یہ لوگ آج صرف تم سے ملنے آئے ہیں۔ کل ہمیشہ کے لیے آ جائیں گے اور مجھے بھی آفس میں کچھ کام ہے اس لیے جا رہا ہوں شام کو ملاقات ہو گی۔''
پپا نے اسے گلے بھی نہیں لگایا۔ اس کا حال بھی نہیں پوچھا اور پل بھر میں ایک اجنبی کی طرح گاڑی میں بیٹھے اور چلے گئے۔ وہ ان لوگوں کو جاتا ہوا دور تک دیکھتی رہی اور جب تھک گئی تو درخت کے نیچے جا کر پھر بیٹھ گئی۔ نہ آنکھوں میں آنسو تھے اور نہ کوئی شکایت تھی۔ وقت نے کیسی تیز

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف

ایڈ فری لنکس

ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ

ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر

کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ

ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-



رفتاری سے دھکا دیا۔ پپا کا اور اس کا رشتہ منقطع......؟ کرن نے بے بسی سے سر اونچا کیا۔

''دوست مجھے بتاؤ...... یہ کیا ہوا ہے......؟ میں کہاں ہوں اور کون ہوں......؟ کیا میں اکیلی کھڑی ہوں......؟''

''نہیں دوست تم میرے ساتھ ہو۔'' کرن کو لگا درخت نے اسے تسلی دی ہو۔ یہ دیکھو میری شاخیں تمہارے اردگرد ناچ رہی ہیں تمہیں تازہ ہوا دے رہی ہیں۔ تم غور سے سنو میرے پتوں سے موسیقی کی ہلکی ہلکی آواز آرہی ہے۔ میرے پتے تمہیں ٹھنڈک کا احساس دیں گے۔ اور سنو دوست...... یہی زندگی ہے یہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اکثر چلتے، چلتے راستے بدل جاتے ہیں۔ موسم بدل جاتے ہیں۔ تم نے دیکھا ہے ناں۔ خزاں کے آنے پر درختوں سے سارے پتے کیسے رنگ بدل کر اُڑ جاتے ہیں۔ پھر موسم بدلتا ہے نئے پتے نئی چمک اور نئی زندگی لے کر آجاتے ہیں۔ ہر نئی تبدیلی اچھی لگتی ہے۔ تم بھی وقت کے ساتھ بدل جاؤ گی اور تم بھی تو ایسا ہی سوچ رہی تھی ناں۔ تمہارے پپا نے تمہاری خواہش کو پڑھ لیا تھا اس لیے انہوں نے یہ کام تمہارے کہے بغیر جلد از جلد کرلیا۔ تمہارے لیے بھی آسانی ہوگی۔ تمہیں ایک نئی دوست بھی مل جائے گی۔ مجھے دیکھو میں بھی تو کہیں اور سے ہی آکر یہاں بڑا ہوا ہوں۔ اکیلا تھا...... تمہارا دوست بنا۔ تم ہمت رکھو۔ جیسے میں تمہارا دوست بنا ایسے ہی اب وہ لڑکی بھی تمہاری دوست بن جائے گی۔ تمہیں اچھا لگنے لگے گا۔ زندگی کا سفر اکیلے مشکل سے کٹتا ہے، یہ گھر تمہارا ہے ہر چیز تمہاری ہے وہ لڑکی اکیلی ہے، اجنبی ہے۔ ہر چیز اسے بھی غیر لگے گی۔ کچھ ایسا کرو کہ وہ خود کو تمہارے گھر میں اجنبی محسوس نہ کرے۔ اسے بڑھ کر خوش آمدید کہنا تمہارے پپا تم سے الگ نہیں ہیں تمہارے لیے ہی سوچتے ہیں۔ سب کے سامنے گلے لگا کر پیار کرنا تو محض ایک دکھاوا ہے ان کے دل میں دیکھو گی تو خود کو ہی پاؤ گی یہ سب کچھ انہوں نے

تمہیں خوش کرنے کے لیے ہی تو کیا ہے۔ ذرا اس لڑکی کے لیے سوچو۔ اسے نئے گھر میں آکر خود کو سیٹ کرنے میں کتنی مشکل ہوگی۔ خوش ہو جاؤ میری دوست۔ اسے اپنے گھر میں ہی نہیں اپنے دل میں بھی جگہ دو۔ ہر نئی تبدیلی اچھی ہوتی ہے۔''

کرن نے آنکھیں کھول دیں گالوں پر آنسو خشک ہو چکے تھے دل ہلکا ہو گیا تھا۔ اس نے عقیدت سے درخت کو دیکھا۔

''شکریہ میرے دوست تم ہمیشہ ہی میرے ساتھ ہوتے ہو۔ میں وقتی طور پر بہت کمزور ہوگئی تھی۔ اگر اس وقت تم میرا ساتھ نہ دیتے تو میں پپا سے ہمیشہ کے لیے دور ہو جاتی اور وہ بھی مجھ سے ناامید ہو جاتے۔ میں اپنے ہی گھر میں ایک ناپسندیدہ اور بدمزاج لڑکی بن جاتی۔''

کرن اپنے کمرے میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر تک اپنے کمرے کو حسرت سے دیکھتی رہی جہاں وہ اور اس کی مما بیٹھ کر باتیں کیا کرتے تھے پھر مما اسے پیار کرکے گڈ نائٹ کہہ کر چلی جایا کرتی تھیں۔ ''کل سے یہ کمرا صرف میرا ہی نہیں کسی اور کا بھی ہوگا۔''

پھر اسے زارا کا خیال آیا۔ ''وہ بھی تو اپنا کمرا چھوڑ کر آرہی ہے۔ اور نہ جانے کیا، کیا سوچ رہی ہوگی۔ نئے ماحول میں آکر خوش رہنا اس کو بھی مشکل ہوگا۔ جس طرح مجھے عجیب لگ رہا ہے میں اپنی مما کو نہیں بھول رہی ہوں۔ اسی طرح وہ بھی اپنے پاپا کو کیسے بھول سکتی ہے۔ میری طرح اسے بھی میرے پپا کو قبول کرنا مشکل ہوگا۔ شاید یہی سوچ کر پپا نے مجھے اس کے سامنے پیار نہیں کیا کہ اسے اپنے پپا کی کمی محسوس نہ ہو۔ میرے پپا کتنے گریٹ ہیں۔ میرا یہ گھر ہے۔ اس کے لیے یہ سب نیا اور ہر چیز پرائی ہے۔ مجھے آگے بڑھ کر اپنی ہر چیز اسے خوشی سے دینی چاہیے اور پپا کی دوست بھی شاید بری نہیں ہوں گی۔ اور سب سے اچھی بات یہ بھی ہے کہ اب پپا بھی اداس نہیں ہوا کریں گے۔ پپا نے بھی کچھ سوچ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔'' اسے دور کھڑی ہوئی اپنی مما بہت مطمئن نظر آئیں۔

کچھ ہی دیر میں اس نے زارا کے لیے ......
اپنے کپڑوں کی آدھی الماری خالی کر دی۔ بک شیلف سے بھی فالتو کتابیں اور کچھ چیزیں ایک ڈبے میں بند کر کے رکھ دیں۔ وہ کام کرنے سے کچھ تھک سی گئی تھی باتھ روم میں جا کر شاور لیا۔ مما کی پھر یاد آئی؟ پانی بھی بہاتی رہی اور روتی بھی رہی۔

بہت دیر بعد باہر نکلی تو پپا باہر کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کی سوجی ہوئی آنکھیں دیکھ کر تڑپ گئے، بڑھ کر بانہوں میں لے لیا۔ دیر تک سینے سے لپٹائے آنکھیں بند کیے کھڑے رہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد اسے لگا کہ اس کا چہرہ پپا کے آنسوؤں سے بھیگ رہا ہے کرن نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔

''پپا۔'' وہ ایک دم سے ہی بڑی ہوگئی اور ایک چیخ کے ساتھ پھر لپٹ گئی۔

''پپا یہ کیا......؟ یہ آنسو کیوں......؟ میں ہونا ناں کیا میں آپ کی بیٹی آپ کی دوست نہیں ہوں......؟ کیا آپ کو میرے اندر مما کا عکس نظر نہیں آتا۔ انسان کو کسی نہ کسی موڑ پر تو جدا ہونا ہی ہوتا ہے۔ لیکن پپا اگر کوئی یادوں میں ساتھ رہے تو پھر کبھی کوئی دور نہیں ہوتا۔ پپا تو پھر یہ آنسو کیسے......؟'' پپا نے اپنی فلاسفر بیٹی کو گلے سے لگا کر پیار کیا۔ اس رات وہ پپا کے کمرے میں ان کے سینے سے لگی سوتی رہی، جاگتی رہی۔ دبی، دبی سسکیاں اندر بین کرتی رہیں۔ وہ مطمئن تھی۔ اچھے لمحے چاہے تھوڑے بھی ہوں پھر بھی دائمی ہوتے ہیں۔ وہ جانتی تھی کہ اب کبھی اتنی دیر پپا کے سینے سے نہ لگ پائے گی۔

صبح ہوئی۔ پپا تیار ہو کر آفس چلے گئے۔ کرن کالج نہ جا سکی۔ تمام دن گھر...۔ میں بے چین پھرتی رہی۔ ایک، ایک چیز کو دیکھا۔ ان چیزوں کو جنہیں اس کی مما نے شوق سے خرید کر اپنے ہاتھوں سے سجایا تھا۔ انہیں چھو چھو کر اس طرح سے دیکھا جیسے ان پر اب حق ختم ہونے جا رہا ہو۔ مما ایک سائے کی طرح اس کے ساتھ، ساتھ چل رہی تھیں۔

پھر اس نے مما سے التجا کی۔ ''پلیز مما، پپا سے خفا نہ ہونا۔ وہ بہت اداس ہیں، میں جانتی ہوں وہ کبھی آپ کو نہیں بھول سکتے۔ ان کے لیے اب تنہا رہنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ آپ تو سمجھتی ہیں ناں زندہ رہنے کے لیے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ زندگی محتاج ہے خوشی کی ورنہ تو تھکا دینے والی ٹھنڈ مار دیتی ہے۔ زندگی کو ناخوش رکھنے میں تو کوئی خوشی نہیں ہے۔ اس لیے بہت کچھ ضروری ہو جاتا ہے، پلیز مما.. خوش ہو جائیں۔ میں نے بھی خود کو بہت مشکل سے منایا ہے۔ میں خوش ہوں۔ آپ بھی پپا کو خوش دیکھ کر مطمئن ہو جائیں گی۔''

پپا آفس سے کچھ جلدی ہی آگئے تھے۔ ٹیبل پر بہت دیر اداس بیٹھے رہے۔ ڈرائیور نئی مما اور زارا کو لینے چلا گیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں گاڑی گیٹ کے اندر داخل ہوئی۔ پہلے زارا کچھ اداس، اداس سی گاڑی سے اتری پھر مما ہلکے گلابی رنگ کی خوب صورت پھولوں والی ساڑی پہنے، میچنگ ٹاپس، لاکٹ، ہاتھ میں بلیک پرس، بال بہت خوب صورتی سے سیٹ ہوئے تھے۔ بہت پُروقار لگ رہی تھیں۔ کرن نے آگے بڑھ کر زارا کو گلے سے لگایا۔ مما بھی آگے بڑھیں۔ کرن کے ماتھے پر پیار کیا۔

لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے پپا نے اپنی خوب صورت مسکراہٹ سے ویلکم کیا۔ چائے کا دور چلا۔ شام کے سائے پھیلنے لگے اور رات پوری طرح گھر میں داخل ہو گئی۔ آج پورے گھر میں پہلے کی طرح روشنی تھی، کچن سے کئی کھانوں کی ملی جلی خوشبوئیں آ رہی تھیں۔ کرن نے اپنی مما کی طرح ٹیبل سیٹ کی تھی۔ نیا ٹیبل کلاتھ، نئے نیپکن، نیا ڈنر سیٹ، ٹیبل کے سینٹر میں بہت خوب صورتی سے سجے پھول۔ ڈائننگ ہال میں پھولوں اور کھانوں کی ملی جلی خوشبو تھی۔ پپا نے اور بھی اپنے کئی قریبی دوستوں کو کھانے پر مدعو کیا ہوا تھا۔ سب لوگ کھانے کی ٹیبل پر بیٹھے۔ پپا نے کئی بار کھانے کی ڈشز ممی کی طرف بڑھائیں۔ بالکل ایسے جیسے اس کی ممی، پپا کے آگے کیا کرتی تھی۔ آج الٹ تھا پاپا آگے، آگے ہو

رہے تھے۔ اس کی آنکھیں بار، بار آنسو بہانے کا بہانہ ڈھونڈنے لگیں۔ اس نے دل کو تسلی دی۔ ”آج پہلا دن ہے میں اور پپا تو میزبان ہیں۔“ دل نے سرگوشی کی۔

”کیا پپا آج مما کو بھول گئے ہیں......؟ یا پھر بھلانے کی کوشش میں ہیں۔“ پھر اس نے خود کو خود ہی جواب دیا۔

”بے وقوف لڑکی کیا فضول باتیں سوچ رہی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ مما اب اس دنیا میں نہیں ہیں اور نئی ممی پپا کی زندگی میں آج ہی آئی ہیں۔ پپا بھولیں گے نہیں تو وقت کیسے گزرے گا۔ پپا کو بھی گیا وقت بھولنا ہوگا اور مجھ کو بھی۔ بہتر یہی ہے کہ آج میں رہوں۔ میری مما نہیں ہیں اور اب وہ کبھی نہیں آئیں گی اگر اچھا وقت گزارنا ہے تو ضبط اور صبر سیکھوں۔ ہنسوں بھی اور رلاؤں بھی۔ اگر اچھا وقت گزارنا ہے تو ایسے رہوں جیسے بہت خوش ہوں۔“ مہمان بھی رخصت ہوگئے۔

وہ سوچوں میں گم تھی۔ نئی ممی نے ہلکے سے ہاتھ اس کے کاندھے پر رکھا۔ اور نزدیک ہوکر پیار سے بولیں۔ ”بیٹا کیا بات ہے...... کچھ سوچ رہی ہو یا پھر تھک گئی ہو۔“

”جی آج ذرا تھک گئی ہوں۔“ وہ چونکی۔

”بیٹا چلو پھر آرام کرو۔ زارا کو بھی اپنے کمرے میں لے جاؤ دونوں بہنیں گپ بھی لگاؤ اور آرام کرو۔“ پپا نے بھی کچھ اندازہ لگایا اور آہستہ سے بولے۔

اس نے نئی مما اور پپا کو کمرے میں جاتے ہوئے دیکھا۔ ایک بار پھر دل زور سے دھڑکا۔ دروازے میں پردے کے ساتھ اپنی ممی کے سائے کا خیال آیا اور وہ بہت صبر کے ساتھ زارا کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے اپنے کمرے میں جاکر باتھ روم میں چلی گئی۔ آنکھیں جل رہی تھیں۔ کچھ آنسو بہت دیر سے بہہ کر نکلنے کے لیے بے قرار تھے، پانی کے ساتھ آنسوؤں کو بہایا اور تولیے سے آنکھیں خشک کر کے باہر نکل آئی اب زارا بھی کمرے میں آکر بیٹھ چکی تھی۔

”زارا تم بھی کپڑے تبدیل کرلو میں نے تمہارا بیگ الماری میں رکھوادیا تھا۔ کل تو چھٹی ہے پرسوں سے پھر کالج۔ مجھے خوشی ہے کہ تم بھی آئی ہو۔ میں اکیلی تھی۔ تمہارا آنا مجھے بہت اچھا لگا۔“ کرن نے پاس آکر کہا۔

زارا کے لیے یہ گھر نیا تھا اس لیے اسے کچھ عجیب لگ رہا تھا۔ کرن کا گھر اپنا تھا۔ پھر بھی اسے آج اجنبی لگ رہا تھا۔ گھر میں دو اجنبی لوگ بہت اپنے بن کر قریب آگئے تھے اس کا سب ہی کچھ بٹتا ہوا لگ رہا تھا۔ پھر بھی کرن اپنے اخلاق کو برقرار رکھتے ہوئے خود کو سہارا دیے ہوئے تھی۔ کمرے میں خاموشی تھی۔ کرن آنکھیں بند کر کے سکون سے لیٹنا چاہتی تھی وہ بہت تحمل سے بولی۔

”زارا تم بھی آرام کرلو۔ میں کچھ تھک گئی ہوں۔ کل بہت ساری باتیں کریں گے۔“

زارا نے اٹھ کر کپڑے تبدیل کیے اور بستر پر آکر لیٹ گئی۔ اس کے لیے بھی ماحول اجنبی تھا وہ بھی کچھ عجیب سا محسوس کررہی تھی۔

”کرن، تمہیں ہمارا یوں اچانک آجانا بہت عجیب لگ رہا ہوگا...... ہے ناں؟“ زارا نے جھجکتے ہوئے کہا۔ ”میری اور تمہاری قسمت کچھ ایک جیسی ہی ہے۔ میں بھی اپنا گھر، اپنا کمرا چھوڑ کر آئی ہوں۔ اور تم بھی اپنے ہی گھر میں مشکل محسوس کررہی ہوگی۔ لیکن فکر نہ کرو دوست اگر تم کو اچھا نہیں لگا۔ تو میں مما سے کہوں گی۔ مجھے ہاسٹل بھیج دیں۔ دیکھو میری بات کا غلط مطلب نہ لینا۔ میں بہت چھوٹی عمر سے ہاسٹل میں ہی رہی ہوں۔ مما مصروف رہتی تھیں۔ اس لیے مجھے گھر اور ہاسٹل ایک جیسا ہی لگتا تھا۔ کرن تم اپنا دل میری طرف سے ہمیشہ صاف رکھنا۔ میری وجہ سے تمہیں کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔“

کرن بہت ہی حساس لڑکی تھی۔ وہ اٹھ کر زارا کے قریب بیٹھ گئی۔

”زارا۔ جو کچھ تم محسوس کررہی ہو۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ تمہاری موجودگی مجھے بہت اچھی لگ رہی

ہے۔ ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں۔ وہاں تم اکیلی تھیں۔ یہاں میں اکیلی تھی۔ میرے پاپا اور تمہاری امی بھی اکیلے تھے۔ اب ہم چار ہیں۔ میرے پاپا نے اور تمہاری امی نے یہ فیصلہ کیا۔ وہ بہت ٹھیک کیا۔ اب ہماری فیملی مکمل ہوگئی ہے۔ اور گھر تو بس آرام سے رہنے کے لیے ہوتا ہے جو بھی رہتا ہے اسی کا ہو جاتا ہے اور یہ ہمارا سب کا ہے ہم سب خوشی سے رہیں گے اور جب سب خوش رہتے ہیں تو گھر اچھا لگنے لگتا ہے۔''

کرن اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

زارا کو کرن کی باتیں بہت اچھی لگی تھیں اب وہ آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کر رہی تھی۔ کرن بھی سونا چاہتی تھی لیکن ایک دم سے اتنی بڑی تبدیلی نے اسے اندر سے توڑا ہوا تھا۔ کبھی کچھ اپنا ہوتے ہوئے بھی پرایا سا لگ رہا تھا۔ سب سے بڑھ کر پپا...... جو اس کے اپنے تھے۔ جن کے جسم کا وہ حصہ تھی۔ دو دن سے کتنے مختلف لگ رہے تھے۔ دل کے اندر دکھ نے پھر سر ابھارا۔'' کتنا بڑا فیصلہ انہوں نے اکیلے ہی کر لیا۔ میں تو ان کی دوست ہوں منع تو نہیں کرتی۔ اور اب تو شاید ہماری دوستی بھی نہیں رہے گی ہر وقت مما جو ساتھ ہوں گی۔ کیا اب بھی پپا پہلے کی طرح کہیں گے۔''

''میں اور میری بیٹی اکیلے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ کچھ دیر کے لیے ہمارے پاس کوئی نہیں آئے۔'' میری اور پپا کی بہت ساری باتیں ہوں گی۔ پپا مجھے کوئی قصہ سنائیں گے۔ یا پھر ہم مل کر پکنک کا کوئی پروگرام بنا کر ممی کو سرپرائز دیں گے۔ کیا اب بھی ایسا ہی ہوگا......؟''

کرن اس سے آگے اور کچھ نہیں سوچ سکی۔ دو آنسوؤں نے پلکیں بند کر دیں۔ اسے لگا اس کے بالوں میں کوئی انگلیاں پھیر رہا ہے۔ یہ زارا کا ہاتھ تھا۔

''کرن میں تم سے عمر میں تھوڑی سی بڑی ہوں اور اب بہن بھی ہوں۔ کچھ ہی دنوں میں ہم بہت اچھے دوست بھی بن جائیں گے۔ میں نے تنہائی تم سے بہت زیادہ گزاری ہے۔ تمہارا دکھ میں سمجھ رہی ہوں۔ اور محسوس بھی کر رہی ہوں۔ یہ دکھ میں نے تین سال کی عمر

سے سہا ہے۔ میں برداشت کی عادی ہوں۔ اپنا دکھ مجھے دے دو۔ میرے کاندھے زیادہ مضبوط ہیں۔ میں ابھی تین سال کی ہی تھی جب میرے پپا مجھے چھوڑ گئے تھے۔ مما اسپتال میں مصروف رہتی تھیں۔ انہوں نے خود کو پہلے سے بھی زیادہ مصروف کرلیا تھا' وہ بھی اپنی جگہ ٹھیک تھیں۔ ایک چھوٹے بچے کی ضرورت' وقت پر کھانا اور کھیل کر سو جانا ہی تو ہوتا ہے۔ یہ دونوں ضرورتیں میری آیا پوری کررہی تھیں۔ میرے کھلونے بدلتے رہتے تھے۔ اچھا کھانا وقت پر ملتا تھا۔ نئے' نئے ڈیزائن کے کپڑے مما لاکر الماری میں رکھتی رہتی تھیں۔ میں کھیلتی رہتی تھی۔ مما بھی مطمئن تھیں۔ پھر کچھ اور بڑی ہوئی تو نرسری پھر اسکول اور اب کالج۔ گھر میں اکیلی رہتی تھی۔ اس لیے مما نے سمجھا کہ ہاسٹل میں ہی رہوں تو زیادہ اچھا ہے۔ چھوٹی سی عمر سے میں ہاسٹل میں رہ رہی ہوں۔ چھٹیوں میں آتی تھی۔ تو کبھی نانی ماں تو کبھی خالہ اپنے ساتھ لے جاتی تھیں۔ دادی ماں اور پھپو مجھے بہت اچھی لگتی تھیں میں ان کے ساتھ بھی رہنا چاہتی تھی۔ لیکن نہیں رہ سکی۔ زندگی میں کبھی اتنا زیادہ پیار ملا ہی نہیں کہ اس کے بغیر نہ رہ سکوں۔ ہاں زندگی میں آرام بہت اٹھایا ہے لیکن میں پیار کی اہمیت کو پھر بھی جانتی ہوں۔ اب تم سے ملی ہوں... تو تم سے پیار کروں گی اور اس لطف سے آشنا ہوں گی۔ تم میری چھوٹی بہن ہو۔ خدا نے شاید ہمیں اسی لیے ملایا ہے کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھیں اور پیار کریں۔ اپنی بند آنکھوں میں چھپے یہ آنسو مجھے دے دو اور سکون سے سو جاؤ۔'' اور زارا نے اپنی خوب صورت انگلیوں کی پوروں سے آنسو صاف کیے۔ کرن بہت خوش ہوئی اور دونوں سکون سے سوگئیں یہ ان کی دوستی کی ابتدا تھی۔

دونوں طبیعت میں اگرچہ بہت الگ تھیں۔ زارا ایک لاابالی لیکن حقیقت پسند لڑکی تھی۔ وہ صبح سویرے اٹھنے کی عادی تھی۔ صبح ہوتے ہی وہ کوئی اچھا سا میوزک لگاتی کچھ دیر بستر میں لیٹی رہتی پھر فریش ہوکر باہر لان میں واک کرتی۔ واپس آکر ناشتا کرتی۔ اور بے نیاز ہوکر کوئی کتاب لے کر کہیں بیٹھ جاتی۔ گھر میں کیا ہورہا ہے اُس سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

وقت کے ساتھ کرن اور زارا ایک دوسرے کے قریب آتی گئیں اور ایک دوسرے کی پسند اور ناپسند کو جاننے لگی تھیں۔ کرن ایف۔ایس۔سی کے بعد میڈیکل کالج میں چلی گئی اور زارا نے بی۔ایس۔سی کر کے ایم۔بی۔اے کرنے کی ٹھان لی۔ دونوں نے ہی ہاسٹل آباد کرلیے۔ فون پر بات ہوتی رہی۔ یا چھٹیوں میں گھر آتیں تو وہی ذاتی مصروفیت۔ زارا کی کتابوں سے دوستی اور کرن گھریلو اور نیچر لونگ لڑکی تھی۔ گھر کے کونوں کو سجاتی پھرتی۔ اپنے گارڈن کی کیاریوں کو موسم کے مطابق مالی سے ردوبدل کراتی۔ اور پھر جو وقت بچتا۔ وہ اپنے دوست درخت کے نیچے جھولے پر بتاتی۔ خاموشی میں بہت دیر تک باتیں کرتی رہتی اور یوں چھٹیاں بیت جاتیں۔

زارا نے اپنا ایم۔بی۔اے مکمل کیا۔ اور ایک بینک میں اچھے عہدے پر فائز ہوگئی۔ کرن میڈیکل کے آخری سال میں تھی۔ امتحان سر پر تھے۔ دن اور رات کی مسلسل پڑھائی کے بعد پیپرز دیے۔ کافی دنوں سے راتوں کو جاگ رہی تھی۔ آخری پیپر ختم ہوا تو وہ کمرے میں جاکر سوگئی۔ اس نے خواب میں دیکھا۔ اس کا دوست وڈی اداس کھڑا ہے۔ پتے بھی سوکھ کر لٹک رہے ہیں۔ جیسے مر رہے ہوں۔ کرن کی گھبرا کر آنکھ کھل گئی۔

اس نے پپا کو فون کیا۔ ''پپا۔ مجھے سچ، سچ بتائیں کیا وڈی بیمار ہے......؟''

''پر تم کو کیسے معلوم ہوا......؟'' پپا کا جواب تھا۔

''پپا۔ مجھے سچ' سچ بتائیں کیا ایسا ہے......؟ کیا اس کے پتے سوکھ گئے ہیں؟''

''ہاں بیٹا۔ اس کے پتے سوکھ تو رہے ہیں لیکن تم یہ بتاؤ کہ تم کو کس نے یہ سب بتایا ہے۔ اور بیٹے درخت تو اکثر خراب ہوتے ہی رہتے ہیں۔ یہ اتنی بڑی بات تو

نہیں کہ تم اتنی پریشان ہو جاؤ۔ اور ہم لوگ تو ایسے بھی سوچ رہے تھے کہ اب تم بھی کچھ عرصے میں ڈاکٹر بن جاؤ گی اور تمہاری مما بھی گھر میں اپنا کلینک بنانا چاہتی ہیں ناں ... تو کیوں نہ اس حصے میں کلینک کے لیے کمرے بنوا دیے جائیں۔ درخت سے کافی جگہ گھری ہوئی تھی۔''

کرن سے اور بات نہیں ہو سکی۔ آہستہ سے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ اور سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ ہیجانی کیفیت میں مبتلا تھی۔

''پپا آج آپ نے پھر اپنی بیٹی کو یک طرفہ فیصلہ کر کے نظرانداز کر دیا۔ کیا میں صرف نام سے آپ کی بیٹی ہوں۔ کہیں بھی میری کوئی رائے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ کیا مما بھی اسی لیے وقت سے پہلے مر گئیں۔ آپ کے لیے صرف اور صرف وہی اہم ہوتا ہے جسے آپ اہم سمجھتے ہیں۔ میری زندگی پچیس سال جو میں نے اور وڈی نے ایک ساتھ گزارے پل، پل میرا اس کا ساتھ گزرا۔ اور آپ نے اتنی آسانی سے مار دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کا مطلب آپ کو مجھ سے کوئی محبت نہیں ہے۔ آپ نے ایک بار بھی نہیں سوچا میں اس کے بغیر کیسے رہ پاؤں گی۔ میرا اور اس کا بھائی، بہن کا جیسا ساتھ رہا ہے۔ میرا ہر دکھ اس نے بانٹا ہے۔ میرے پل، پل کا وہ ساتھی ہے۔ مما کو تو کلینک ہی چاہیے تھا ناں وہ تو کہیں اور بھی بن سکتا ہے پھر وہی جگہ کیوں... یہ جانتے ہوئے بھی کہ مما کے بعد صرف وڈی وجہ سے میں نے آپ کی بھی جدائی برداشت کر لی تھی اور آپ نے اس کو ہی گھر سے ہٹانے کا طے کر لیا۔'' وہ زور، زور سے بول رہی تھی۔

''تو پپا جی اب آپ بھی سن لیجیے۔ آپ کی یہ بیٹی جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے آپ کی نظر میں...... اب وہ بھی زندہ نہیں رہے گی۔ مجھے یقین ہے۔ آپ میرا بھی نہ ہونا آسانی سے برداشت کر لیں گے۔ اس لیے بھی کہ آپ کے پاس نئی ممی ہیں۔ زارا ہے۔ میں آپ کی زندگی سے نکل جاؤں گی۔ لیکن پپا ایک لمحے کو بھی یہ خیال ضرور آئے گا کہ میں ہی صرف ایک آپ کے جسم کا حصہ تھی۔ جسے آپ نے بہت آسانی سے کھو دیا۔''

وہ غم اور غصے میں بولتی رہی۔ جب بولتے، بولتے تھکی تو آنسوؤں نے ساتھ دیا۔ روتے، روتے سو گئی۔ اب وہ پھر خواب دیکھ رہی تھی۔ وڈی ایک بار پھر اسے سمجھا رہا تھا۔

''دوست یوں اپنا دل چھوٹا نہ کرو۔ اور اپنے پپا سے بھی خفا نہ ہو۔ زندگی کی حقیقت کو سمجھو۔ وہ کچھ غلط نہیں کر رہے ہیں اور اب بھی تمہارے لیے ہی سوچ رہے ہیں۔ تم ڈاکٹر بن چکی ہو۔ کچھ ہی وقت میں ماہر بھی ہو جاؤ گی۔ کتنے لوگ تمہارے ہاتھوں شفایاب ہونگے۔ اور تم صرف میرے لیے سوچ رہی ہو۔ پاگل لڑکی یہ زندگی ہے۔ یوں سمجھو کہ بہتا پانی ہے۔ یہاں کوئی ہمیشہ نہیں رہتا۔ یہ قدرت کا نظام ہے۔ میری شاخیں پرانی ہو گئیں ہیں۔ جڑوں میں دیمک نے بیماری کی طرح گھر کر لیا ہے۔ میں اندر ہی اندر ختم ہو رہا ہوں۔ یوں سمجھو کہ ایک طرح سے میری عمر ختم ہو رہی ہے۔ اب مجھے جانا تو ہوگا ہی۔ یہ خدا کا نظام ہے اسے کوئی نہیں بدل سکتا۔ تم ایک ڈاکٹر ہو۔ تمام عمر علاج کرو گی بہت سارے مریض تمہیں بہت پیارے ہوں گے لیکن اگر عمر ختم ہو رہی ہوگی تو تم اپنی ساری کوشش کے باوجود انہیں نہیں بچا سکو گی۔ اس لیے دوست مجھے بھی ایسے ہی خوشی، خوشی رخصت کر دو۔ میرا اور تمہارا پیار...... نسلِ انسانی کا پودوں سے درختوں سے پیار۔ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ تم اس کو اس طرح سے بڑھاوا دے سکتی ہو۔ ہر سال جہاں بھی درخت کم نظر آئیں وہاں، وہاں نئے پودے لگوانا۔ جب یہ کام پرندے کر سکتے ہیں تو انسان کیوں نہیں۔''

کرن سو کر اٹھی تو طبیعت کچھ ہلکی تھی۔ اس نے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ اسے لگا جیسے اس کا دوست وڈی پرندے کی شکل بن کر کھڑکی میں بیٹھا تھا اور بات ختم کر کے اُڑ گیا ہو......

''کشور کی ماں بس ایک کپ چائے پلوا دو، آج تو بہت تھک گیا ہوں؟'' عبدالرحمان صاحب نے اپنی سائیکل رنگ برنگے پھولوں سے بھری کیاری کے ساتھ اسٹینڈ پر کھڑی کرتے ہوئے بڑے تھکے تھکے انداز میں کہا اور واش بیسن کی طرف بڑھ گئے۔

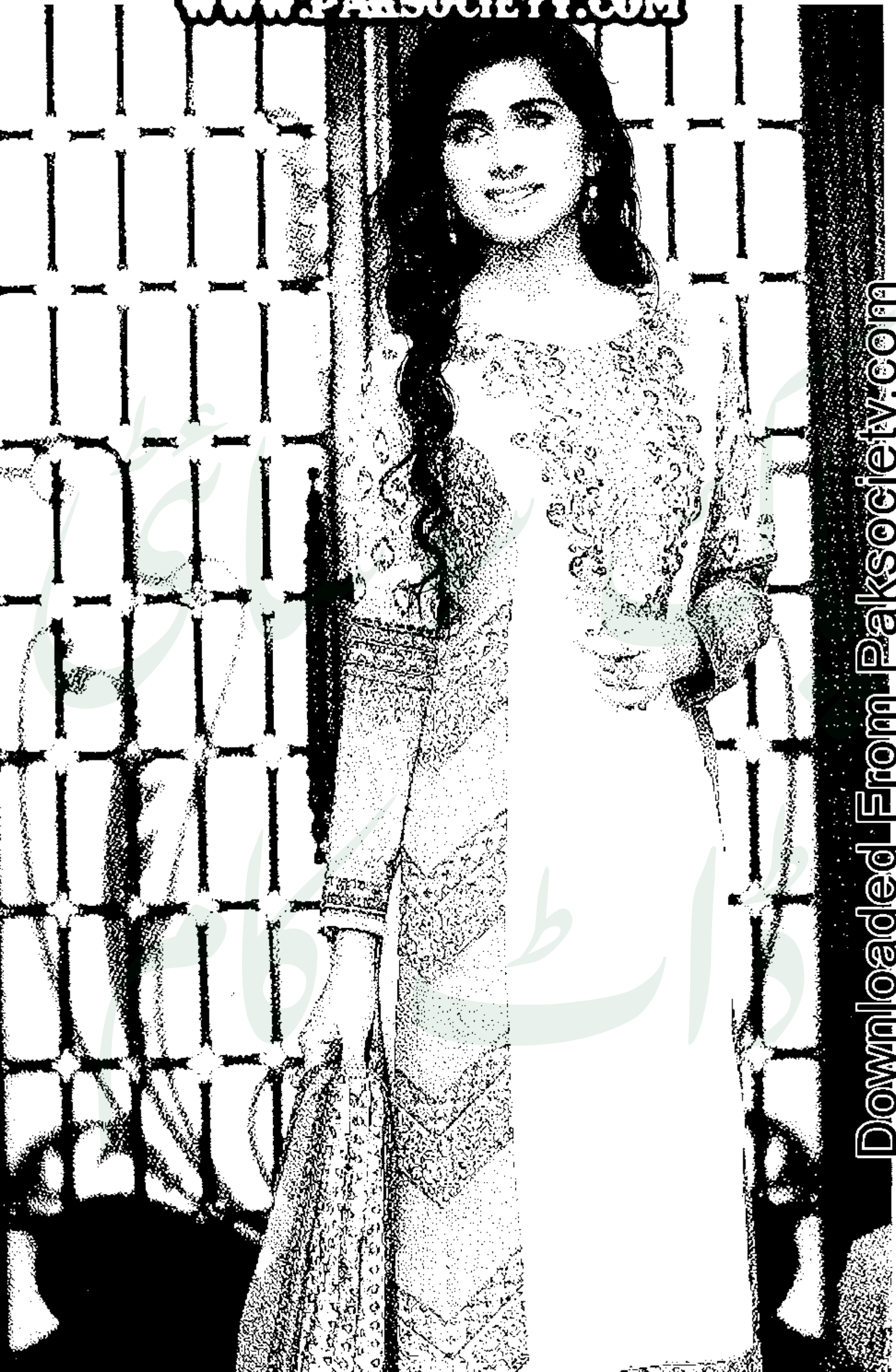
''چائے تیار ہے کشور کے ابا، آپ ہاتھ دھو لیجیے۔ مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ دس منٹ تک پہنچ جائیں گے تو میں چائے کا پانی چڑھا دیتی ہوں، یہ لیجیے

یہ خالی دامن میرا مقدر

نسرین جمیل سیال

مکمل ناول





چائے تیار ہے ساتھ میں یہ کیک رس بھی آج شیریں نے منگوائے تھے کہتی تھی بابا جان کو کیک رس ہمیشہ سے پسند ہیں لیکن وہ کبھی اپنے کھانے کو کچھ نہیں لاتے......''

''کملی ہے میری بچی اسے اندازہ نہیں کہ اولاد کھا رہی ہو تو والدین کو اپنا پیٹ بھرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے سائیکل کے ہینڈل سے تھیلا اتار کر رشیدہ بیگم کو پکڑایا۔

''آج پھر آپ نے فضول خرچی کی ہے، کشور بہت خفا ہوتی ہے۔'' رشیدہ بیگم بولیں۔

''اوں ہوں ایسا مت کہو رشیدہ، یہ فضول نہیں یہ میری بچیوں کا نصیب ہے۔ مجھے جو بھی میرا رب عطا کرتا ہے میری بیٹیوں کا نصیب ہوتا ہے۔ اسے فضول خرچی کہہ کر میرا دل نہ دکھایا کرو۔'' انہوں نے چائے کی پیالی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

''آج اماں صغراں رشتے کروانے والی آئی تھی۔'' رشیدہ بیگم اپنی چائے کی پیالی بھی ہاتھ میں پکڑے، پکڑے سامنے والی چارپائی پر آ بیٹھیں۔

''ہاں تو کیا کہتی ہے، اب صغراں کچھ کرتی بھی ہے کہ بس لاوے لگاتی رہے گی۔'' رحمان صاحب نے چائے کا آخری گھونٹ حلق سے اتارا اور بے چینی سے پوچھا۔

''ایسا مت کہیں، لارے کیا لگائے گی بیچاری بڑی نیک عورت ہے، ہمیں تو کبھی روپے پیسے کے لیے بھی کچھ نہیں کہتی۔ اصل میں آج کل ہر کوئی امیر گھر میں بیٹے کا رشتہ کرنا چاہتا ہے، غریبوں کی بچیاں اسی لیے رشتوں کے انتظار میں بوڑھی ہو جاتی ہیں۔'' رشیدہ بیگم اداس لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

''چلو تو پھر آج کیا کہہ رہی تھی صغراں بی بی کچھ پتا تو چلے۔'' رحمان صاحب بے چین تھے۔

''آج جو رشتہ لے کر آئی ہے وہ بہت امیر کبیر آدمی ہے لیکن عمر میں بڑا ہے۔ بیوی مر چکی ہے اور بچے ملک سے باہر آباد ہیں۔ چار کنال میں گھر ہے اور زمینیں وغیرہ بہت ہیں، گھر میں نوکر چاکر بھی ہیں لیکن ان کا خیال ہے کہ کوئی ایسا ساتھی ہو جو دولت و جائیداد کا حساب کتاب بھی رکھے اور چوہدری صاحب کے دکھ سکھ میں بھی شریک ہو۔'' رشیدہ بیگم بولیں۔

''تو کیا اس بزرگ کو ہمارا گھر ہی نظر آیا ہے کوئی اور نہیں ملا؟ یہ ساری چالاکی صغراں کی لگتی ہے مجھے۔'' رحمان صاحب غصے میں آ گئے تھے۔

''ایسا مت سوچا کریں، صغراں ہماری دشمن نہیں ہے، وہ تو ہمارے بھلے کی بات کرتی ہے۔''

''اس میں ہمارا کیا بھلا ہے بھلی مانس...... اسے نظر نہیں آتا کہ میری بچیاں کیسی ہیں، ابھی تو کشور بھی مشکل سے اٹھائیس انتیس کی ہو گی تو اسے کیا اس بوڑھے کے پلے باندھ دوں؟''

''میں نے کب کہا کہ آپ ضرور ہاں کریں لیکن مل لینے میں کیا حرج ہے اگر بات دل کو لگی تو ٹھیک...... ورنہ معذرت کر لیں گے۔'' رشیدہ بیگم امید و یاس کی کشتی میں ہلکورے لے رہی تھیں۔

''بھئی تم ماں ہو اور یہ شعبہ خواتین کا ہے دیکھ لو، سوچ لو لیکن سب سے پہلے بچیوں سے مشورہ کر لو...... اگر نہ مانیں تو صاف انکار کر دو......'' رحمان صاحب بھی آہستہ، آہستہ نرم پڑتے نظر آئے۔

مرتے کیا نہ کرتے گھر میں غربت کے انبار نظر آ رہے تھے چار جوان بیٹیاں اور پوسٹ آفس کی ٹھپ نوکری...... گھر، گھر ڈاک تقسیم کرنا...... اچھے رشتے آخر کہاں سے ملتے......

☆☆☆

کشور ہاتھ میں قینچی اور دوسرے ہاتھ میں انچی ٹیپ پکڑے سرخ اور پیلے پھولدار کپڑے کو کاٹنے کی تیاری میں تھی۔

عشرت نے فرشی دری پر کپڑا پھیلایا اور بہن کو دیکھنے لگی۔

''زنانہ شرٹ کا تیرہ جب کاٹتے ہیں تو ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ شولڈر کی کٹائی تھوڑی سی زیادہ گہری کرتے ہیں پچھلے حصے کی نسبت اور بازو یعنی آستین کی کٹائی میں بھی فرنٹ کی طرف گہرائی رکھتے ہیں اس

طرح شرٹ کا گلا اور گردن کے ساتھ ٹھیک نہیں کرتا۔ ورنہ بڑی الجھن ہوتی ہے۔'' کشور نے کٹنگ کے ساتھ، ساتھ بہنوں کو لیکچر دیتے ہوئے قینچی چلادی۔

''ابھی تک تم سوئی نہیں کشور! میں نے کہا تھا کہ آج جلدی سو جانا تاکہ سر درد ٹھیک ہو جائے۔ لیکن تم ابھی تک اپنے ساتھ دوسروں کو بھی سزا دے رہی ہو۔'' رشیدہ بیگم نے کمرے میں داخل ہوتے ہی ہلکی سی خفگی کا اظہار کیا۔

''امی جان، میں اب بالکل ٹھیک ہوں، آپ کے ہاتھ کی چائے سارے درد دور کر دیتی ہے اور ابھی تو رات کے گیارہ بجے ہیں، عشرت نے صبح اسکول چلے جانا ہے، میں نے سوچا اسے ابھی سمجھادوں۔'' عشرت محلے کے پرائیویٹ اسکول میں پڑھاتی تھی تنخواہ اگرچہ بہت کم تھی لیکن نہ ہونے سے کچھ بہتر تھا۔ شیریں اور مانو ابھی اسکول میں پڑھتی تھیں۔

''ہاں مگر آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں وجہ......؟'' کشور نے ماں کے چہرے کو بغور تکتے ہوئے سوال کیا؟

''میں دراصل تم چاروں بہنوں سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں اس لیے یہاں چلی آئی۔'' رشیدہ بیگم کچھ کہنے اور نہ کہنے کی کیفیت میں مبتلا نظر آ رہی تھیں۔

''جی بولیں امی جان......!'' کشور نے قینچی اور کپڑا ایک طرف رکھ دیا۔

''بات دراصل یہ ہے بیٹا کہ آج صغراں آئی تھی۔ اس کے پاس ایک رشتہ ہے کروڑ پتی آدمی ہے لیکن اس کے چار بچے بیرون ملک ہیں' بیوی مر چکی ہے، چار کنال میں گھر ہے اور نوکر چاکر کی فوج ہے۔ تمہارے بابا جان تو بہت ناراض تھے لیکن میں نے سمجھایا کہ ہم غریب لوگ ہیں، ہمارے لیے اچھے رشتے کہاں سے آئیں گے......عمر میں زیادہ تو ہے لیکن ہماری بیٹی کو دولت کا سکھ تو ملے گا......غربت میں پلی بڑھی بچیاں ہیں، باپ کے گھر میں کون سی عیش و عشرت کی زندگی گزار رہی ہیں۔''

''ایسا مت کہیں امی جان......!'' کشور نے ماں کے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''یہ کبھی سوچیں بھی مت، بیٹیاں اپنے باپ کے گھر میں شہزادیاں ہوتی ہیں۔ اماں باوا کی محبت سے مالا مال یہ گھر جنت سے کسی طرح کم نہیں...... میں تو چاہتی ہوں کہ آپ کسی بیٹی کی شادی نہ کریں، ہم چاروں بہنیں زندگی بھر آپ کے قدموں میں ہی رہنا اپنی خوش بختی سمجھیں گی۔ اس جنت سے بڑی اور کوئی جنت نہیں۔'' ماں کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔

شیریں اور مانو بھی کتابیں چھوڑ کر ماں سے لپٹ گئیں عشرت کندھے دبانے لگی۔

''بات دراصل یہ ہے بیٹا، شادی تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے اور ہم اس حکم کو ٹال نہیں سکتے۔ لیکن امیدوار چونکہ زیادہ عمر کا ہے پچاس، پچپن کے پیٹھے میں ہے۔ میرا حوصلہ جواب دے جاتا ہے لیکن اس کے علاوہ کوئی ہم عمر اور سلجھا ہوا رشتہ ہماری دہلیز پر اس لیے نہیں آتا کہ ہمارے پاس کوٹھی اور گاڑی نہیں ہے۔ میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی، تم چاروں بہنیں خود فیصلہ کرو۔''

''امی جان، آپ دل چھوٹا نہ کریں، آپ حکم کریں اور جس بیٹی کی طرف اشارہ کریں گی وہی آپ کے حکم پر قربان ہو جائے گی، آپ نے پوچھا کیوں ہے آپ حکم کریں......'' عشرت نے ماں کی پیشانی چوم کر کہا۔

اور رشیدہ بیگم کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''اے خدا یہ بیٹیاں بھی تو نے محبت اور مٹھاس کو مٹی میں گوندھ کر بنائی ہیں، میرے خدا ان کے نصیب بھی اسی طرح کر دے۔ (آمین)''

☆☆☆

اور پھر قرعہ فال بڑی بیٹی کشور کے نام نکلا کیونکہ باقی بچیاں اس سے چھوٹی تھیں۔ رشیدہ بیگم، صغراں کے ساتھ چوہدری منظور کے گھر گئیں۔

اتنا بڑا گھر اور نوکروں کی فوج دیکھ کر تو رشیدہ بیگم کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ایک نوکرانی

انہیں پیچھے آنے کا اشارہ کر کے وسیع وعریض ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ ڈرائنگ روم بھی کسی محل کے کمرے سے کم نہیں لگتا تھا۔ بس پھر کیا تھا معصوم عورت ذات جو ننھی، ننھی خواہشوں کو بھی ترسی ہوئی تھی اس محل نما گھر کو بیٹی کی خوش نصیبی سمجھ بیٹھی۔

تھوڑی ہی دیر میں کھانے پینے کی چیزوں سے ٹیبل بھر گئی۔ ایسا تو کبھی رشیدہ بیگم نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ اتنے میں چوہدری منظور صاحب تشریف لے آئے۔ بوسکی کے شلوار سوٹ ہلکی، ہلکی سفید اور کالی داڑھی سر پر اسی طرح سفید اور کالے بال......اعلیٰ قسم کے پرفیوم کی خوشبو، صاف پیروں میں براؤن سینڈل......رشیدہ بیگم کو ایک دھچکا سا لگا تھا لیکن منظور صاحب کی پرسنالٹی کے آگے ماند پڑ گیا۔ منظور صاحب بڑے دھیمے لہجے کے کم گو انسان لگے۔ وہ بہت متاثر نظر آ رہی تھیں۔

منظور صاحب نے بتایا کہ ''ایک بیٹا امریکا میں اپنی فیملی سمیت ہے اور دوسرا بیٹا اور دو بہنیں کینیڈا میں اپنی، اپنی فیملی کے ساتھ ہیں، کبھی کبھار آتے ہیں زیادہ تر ٹیلی فون پر بات ہوتی ہے اسی لیے میں تنہائی محسوس کرتا ہوں۔''

رشیدہ بیگم نوے فیصد رضامند ہوگئیں۔ چائے کے اختتام پر رشیدہ بیگم نے صغراں کو اشارہ کیا کہ وہ منظور صاحب کو بتا دے کہ وہ گھر میں مشورہ کر کے فون کریں گی تو پھر وہ بھی تشریف لائیں۔ صغراں نے بات شروع کی تو منظور صاحب نے بات کاٹ دی۔

''دیکھیں بہن جی، آپ بیٹی والے ہیں آپ سو دفعہ آئیں۔ گلی محلے سے انکوائری کریں سو دفعہ تسلی کریں پھر فیصلہ کریں لیکن میں آپ کے گھر نہیں آؤں گا۔ گھر میں اور کوئی ایسا بندہ نہیں جو میرے لیے رشتہ دیکھنے جائے اگر کوئی ہو بھی تو میں کبھی کسی کو نہ بھیجوں بس آپ سے مل لیا اتنا ہی کافی ہے، میری طرف سے رضامندی سمجھیں، آپ سو بار سوچیں اور پھر جو فیصلہ کریں مجھے بتا دیں۔''

☆☆☆

رشیدہ بیگم بہت خوش تھیں اتنا بڑا گھر، اتنے نوکر چاکر اور خود ان کی ایسی شخصیت رشیدہ بیگم نے یہ سب پہلی بار دیکھا تھا۔

گھر پہنچ کر صغراں کو منہ میٹھا کرنے کے لیے روپے دیے اور رشتہ طے ہونے کے بعد اس کی فیس دینے کا وعدہ کیا۔ صغراں خوشی، خوشی گھر چلی گئی۔ کشور نے ماں سے کچھ بھی پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ عشرت گھر آئی تو ماں نے خوشی، خوشی ساری بات سنائی۔ وہ بھی بہت خوش ہوئی اور خدا کا شکر ادا کرنے لگی۔

عبدالرحمان صاحب گھر آئے تو تینوں بچیاں ماں کی ہاں میں ہاں ملانے لگیں۔ رحمان صاحب خاموشی سے سب کچھ سنتے گئے۔

''چلو ٹھیک ہے، ابھی سوچتے ہیں پھر کوئی فیصلہ کریں گے جلد بازی ٹھیک نہیں ہوتی۔'' ایک جملے میں انہوں نے محفل برخاست کر دی۔

☆☆☆

اس بات کو ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ رحمان صاحب آج چھٹی پر تھے۔ ناشتے کی ٹیبل پر رشیدہ بیگم کو مخاطب کیا۔

''کشور کی ماں......! میں نے منظور صاحب کے بارے میں پتا کرایا ہے، محلے دار بھی بڑی تعریف کرتے ہیں......کردار کے اچھے ہیں، کھاتے پیتے لوگ ہیں، بچے باہر سیٹل ہیں، وہ باپ کو بھی بلاتے ہیں لیکن یہ وہاں نہیں جانا چاہتے، کہتے ہیں کہ جوانی کے تیس سال کینیڈا میں گزارے ہیں اب وہاں جا کر میں تابوت میں بند ہو کر نہیں آنا چاہتا۔ بس اب جینا مرنا یہیں پر ہے۔ عمروں میں تو فرق کافی ہے سوچتا ہوں بیٹی اس بات کو برا نہ سمجھے۔'' رحمان صاحب بات کرتے، کرتے بہت اداس سے لگ رہے تھے۔

''آپ کیوں ٹینشن لیتے ہیں، ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خامی ہوتی ہے مکمل تو بس خدا کی ذات ہے......اللہ بہتر کرے گا، کشور بیس سال کی تھی تو جب سے صغراں رشتہ ڈھونڈنے میں لگی ہوئی ہے آج تک کوئی کام کا بندہ تو نہیں ملا بچی کی عمر نکلتی جا رہی ہے، اللہ

پر بھروسا رکھیں انشاء اللہ بہتر کرے گا۔''

☆☆☆

اگلے دن صغراں کو بلا کر منظور صاحب کے گھر بھیج دیا گیا، ساتھ میں ایک کلو مٹھائی کا ڈبا بھی...... جس کا مطلب تھا کہ ہماری طرف سے منہ میٹھا کر لیجیے مکمل رضا مندی ہے۔ صغراں خوش، خوشی گئی اور دو گھنٹے بعد اسے منظور صاحب کی گاڑی چھوڑنے آ گئی۔ مٹھائی کا ایک ٹوکرا اور صغراں کے پرس میں پانچ ہزار کا کڑکڑاتا نوٹ......

صغراں کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے تعریفیں کرتے اس کا منہ نہ تھکتا تھا۔ بار، بار کشور کی بلائیں لے رہی تھی۔ وہ خاموش تھی، بات، بات پر آنکھوں کے کٹورے چھلکنے کو بے تاب ہونے لگتے۔

ماں کو اس کی خاموشی کھٹکنے لگی۔ رات کے وقت جب سب لوگ سو گئے تو رشیدہ بیگم بیٹی کے بستر پر آئیں ان کی ہلکی سی آہٹ سے کشور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟'' ماں کا دل ڈول رہا تھا۔

''آپ بھی تو جاگ رہی ہیں امی جان...... کیا مسئلہ ہے آپ ٹھیک تو ہیں؟''

''ویسے تو ٹھیک ہوں ایک فکر چین نہیں لینے دے رہی...... کہیں بیٹا تم اس رشتے سے ناخوش تو نہیں...... سچ، سچ بتا دینا اگر تمہیں ذرا بھی اعتراض ہے تو ہم بھی انکار کر دیتے ہیں۔ تم پر زبردستی یہ رشتہ مسلط نہیں کریں گے۔'' رشیدہ بیگم زمانے بھر کی محبت بیٹی پر نچھاور کرتے ہوئے اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر بولیں۔

''نہیں امی جان، آپ سے کس نے کہا۔ میں اپنی ہزاروں زندگیاں آپ پر نچھاور کر دوں...... آپ اور بابا جان میرے دشمن نہیں جو میرے بارے میں غلط فیصلہ کریں گے، مجھے آپ لوگوں کی جدائی کا غم بے چین کر رہا ہے۔ امی جان کیا بیٹیوں کو انسان ہمیشہ اپنے پاس نہیں رکھ سکتا؟'' ماں کی بات پر کشور بولی۔

ماں کا کلیجا کٹنے لگا بیٹی کے ان الفاظ سے۔

انہوں نے کشور کے ماتھے کا بوسہ لیا اور اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔

''کاش ایسا ہو سکتا بیٹا...... لیکن میرے رب کا قانون اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔ اللہ میاں تمہارے نصیب روشن کرے اور تمہارے صدقے تمہاری بہنوں کے مقدر بھی چمکیں، آمین!' وہ آبدیدہ تھیں۔

''کشور میری بچی ہمارے کون سا بیٹے ہیں جو گھر میں بہوویں آئیں گی، چاروں بیٹیاں اپنے، اپنے گھروں کی ہو جائیں گی تو ہم جیتے جی سرخ رو ہو جائیں گے اور پھر باری، باری تم سب کا انتظار کیا کریں گے۔ چلو بس اب بہت ٹائم ہو چکا ہے بہت باتیں بھی کر لی ہیں اب سو جاؤ...... اللہ بہتر کرے گا تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔''

ماں نے بیٹی کا بچوں کی طرح سر تکیے پر رکھا اور اوپر چادر اوڑھا دی اور لائٹ بند کر کے کمرے سے باہر نکل آئیں۔

تین دن بعد عبدالرحمان صاحب نے اللہ کا نام لے کر بیگم کو تیار ہونے کا کہا اور خود بازار نکل گئے۔ آج اتوار کا دن تھا اور پوسٹ آفس سے چھٹی تھی۔ رشیدہ بیگم کی تیاری بس منٹوں میں ہو جاتی تھی، رحمان صاحب رکشا لے کر دروازے پر آ گئے اور رشیدہ بیگم، کشور کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دروازے سے باہر نکلیں۔

''کشور کی ماں پہلی بار مین خالی ہاتھ جاتا برا لگتا اس لیے بجٹ کے مطابق جو ہو سکا وہ لے آیا ہوں۔'' رکشے میں رحمان صاحب نے موسمی پھلوں کے دو شاپر رکھے ہوئے تھے۔

''ٹھیک کیا آپ نے...... میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔''

☆☆☆

منظور صاحب کے گیٹ پر ہی نوکروں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا...... اور ڈرائنگ روم میں لے آئے۔ اس وسیع و عریض ڈرائنگ روم کے ٹھاٹ ہی نرالے تھے۔ دونوں کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

رحمان صاحب کے چہرے پر اداسی نے بھی ڈیرے ڈال لیے تھے۔ وہ سوچ میں گم تھے کہ ایک غریب ڈاکیے کی بیٹی اس محل نما گھر میں کیسے ایڈجسٹ کر پائے گی۔

دونوں میاں بیوی اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے، ملازمہ ایک ٹرالی پر مختلف قسم کے مشروبات سجائے اندر داخل ہوئی۔

''جی بیگم صاحبہ آپ پانی پیجیے صاحب بس آنے ہی والے ہیں۔''

رشیدہ بیگم حیرانی کے گہرے سمندر میں غوطہ زن تھیں کہ ملازمہ نے انتہائی نفیس بیش قیمت گلاسوں میں فریش جوس انڈیلا اور ان کے آگے گلاس رکھ دیے...... جوس پی چکے تو دروازے کا پردہ ہٹا اور منظور صاحب اپنی تمام تر وجاہتوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے۔ انتہائی دلفریب بھینی، بھینی سی خوشبو رے کمرے میں پھیل گئی۔

''السلام علیکم! معافی چاہتا ہوں آپ کو انتظار کی زحمت اٹھانا پڑی۔'' رحمان صاحب نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ان سے ہاتھ ملایا۔

''دراصل میرا وکیل چھٹی کے روز ہی مجھے ملنے آتا ہے کچھ ضروری ڈسکشن ہو رہی تھی ورنہ میں آپ کے آنے پر یہاں موجود ہوتا۔''

''نہیں، ایسی بھی کوئی دیر نہیں ہوئی۔'' رحمان صاحب بولے۔

''آپا جی آپ کیسی ہیں، سب خیر خیریت ہے ناں......!'' انہوں نے رشیدہ بیگم کو مخاطب کر کے کہا۔

''اللہ کا شکر ہے سب خیریت ہے۔'' رشیدہ بیگم نے مختصر جواب دیا۔

''آپا جی معذرت کے ساتھ ایک گزارش کرنا چاہوں گا کہ یہ جو پھل وغیرہ اتنے زیادہ اٹھا لائے ہیں آئندہ اس قسم کا تکلف مت کیجیے گا، دیکھیں ناں گھر میں اکیلا میں ہوں باقی نوکر چاکر ہیں۔ فیملی بڑی ہو تو یہ سب چل جاتا ہے، میں اکیلا یہ سب کیسے کھا سکتا ہوں ملازم خود ہی خریداری کرتے ہیں اس لیے یہ پھل وغیرہ بھی سودا سلف کے ساتھ لے آتے ہیں۔ لہٰذا آپ اگر فضول میں اتنا خرچہ کرتے رہے تو مجھے دکھ ہوگا۔''

''منظور صاحب میں چونکہ پہلی دفعہ آیا ہوں اس لیے مجھے خالی ہاتھ آنا مناسب نہیں لگا، ویسے بھی یہ پھل بہت رقم کا نہیں ہے۔ خیر آئندہ احتیاط کریں گے۔''

بے شمار لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے تو رحمان صاحب بولے۔

''صغراں نے آپ کو ہمارے متعلق سب بتا دیا ہے؟''

''جی میں سمجھا نہیں سب کچھ سے آپ کی کیا مراد ہے؟''

''یعنی یہ کہ ہم غریب لوگ ہیں...... میں ایک معمولی سی پوسٹ مین کی نوکری کرتا ہوں...... میری چار بچیاں ہیں، چھوٹا سا سادہ سا گھر ہے۔''

''معاف کیجیے یہ جو کچھ آپ نے بتایا، مجھے یہ سب جاننے کی ضرورت ہرگز نہیں ہے۔ مجھے ایک شریف فیملی سے ایک اچھے ساتھی کی ضرورت ہے جو میری تمام خامیوں سمیت مجھے قبول کرلے۔ مجھے اپنی تمام کمیوں، کوتاہیوں کا بہت احساس ہے آپ اپنی بچی سے میرے بارے میں کچھ بھی پوشیدہ نہ رکھیے گا۔ وہ سوچنے کے لیے جتنا ٹائم مانگیں میں حاضر ہوں، جب وہ میرے حق میں فیصلہ دیں تو میں اوکے کروں گا...... اگر وہ میرے بارے میں ذرا بھی ٹینشن لیں تو انتہائی خوش اسلوبی سے اپنی ڈیمانڈ سے دست بردار ہو جاؤں گا کیونکہ عورت کو اپنی زندگی کا فیصلہ کرنے کا پورا حق ہے۔ آپ کی بچی اگر مجھے کسی وجہ سے ریجیکٹ کرتی ہے تو مجھے قطعاً کوئی افسوس نہیں ہوگا۔'' منظور صاحب بڑی متاثر کن گفتگو کر رہے تھے اور وہ دونوں بے حد متاثر نظر آ رہے تھے۔

''قطع کلامی معاف، منظور صاحب آپ کی ساری باتیں وزن رکھتی ہیں لیکن آپ کو آگاہ کر دوں کہ ہم نے اپنی چاروں بیٹیوں سے مشورہ کیا ہے۔ بچیوں کی اپنی تو کوئی چوائس نہیں ہے لہٰذا ہمارے کیے گئے فیصلے کو ہی فوقیت حاصل ہے۔''

''ٹھیک ہے رحمان صاحب، آپ ڈیمانڈ کریں جو دن آپ مناسب سمجھیں وہی طے کر کے مجھے بتا دیجیے گا۔''

''منظور صاحب فیصلہ تو ہم میاں، بیوی نے ہی کرنا ہے تو آپ ایسا کریں کہ اگلے اتوار کا دن رکھ لیں کیونکہ مجھے چھٹی اتوار کو ہی ہوتی ہے۔''

''جو حکم آپ کا...... میں اگلے توار کو حاضر ہو جاؤں گا۔ میرے ساتھ میرے چار دوست ہوں گے، تین کی بیویاں ساتھ ہوں ایک رشتے میں میری کزن ہیں جنہیں آپ میری بہن کہہ سکتے ہیں اور ہماری نوکرانی حمیدہ ہے یہ اور اس کا میاں ساتھ ہوں گے۔ آپ سے گزارش کردوں کہ برائے مہربانی کسی بھی قسم کے تکلف میں پڑنے کی ضرورت نہیں...... ٹائم آپ رات آٹھ بجے کا رکھ لیں۔ شام چھ بجے الرحمت میرج ہال سے کھانا آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔''

''بخدا منظور صاحب شرمندہ نہ کیجیے، دس بندوں کا کھانا تو میں دے ہی سکتا ہوں بیٹی کا باپ ہوں، مشکل وقت کے لیے اتنے تو بچا کر رکھے ہوتے ہیں، میں کھانے کا بندوبست اپنی کمائی سے کرنا چاہتا ہوں، میری بیٹی نے زندگی کے ہر لمحے میں ہم سے کمپرومائز کیا ہے، میں اس کی خاطر دس بندوں کا کھانا نہ دوں یہ کیسے ہوسکتا ہے۔'' عبد الرحمان صاحب کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''سوری رحمان صاحب، میرا مقصد آپ کا دل دکھانا ہرگز نہیں تھا۔ میرے نظریے کے مطابق ایک شخص اگر صاحب حیثیت ہے تو اس کا فرض بنتا ہے کہ وہ بیٹی والوں پر بوجھ نہ ڈالے۔ میں تو آپ کا احسان مند ہوں کہ آپ نے مجھے اس قابل سمجھا...... یہ کیا کم ہے۔''

''آپ کی بڑی مہربانی آپ ایسا سمجھتے ہیں لیکن میں اپنی بیٹی کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش سمجھتا ہوں اور مجھے میری اس خواہش کو پورا کرنے دیں، آپ اپنے دوستوں کو اپنے گھر پر گرینڈ پارٹی دے دیجیے گا۔''

''جیسے آپ کی خوشی...... میں آپ کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔''

☆☆☆

اتوار کا دن بھی آ گیا...... جب کشور کے نصیب کا آب و دانہ اس گھر سے اٹھ گیا۔ عبدالرحمان نے اپنے گھر کے ڈرائنگ روم میں ہی دس لوگوں کی اس بارات کا بندوبست بڑا شاندار کیا۔ نائی کو بلوا کر گھر پر ہی کھانا تیار کروایا۔ لیاقت نائی کے ہاتھ میں شروع سے ہی بڑا ذائقہ تھا۔ اس لیے کھانا بے حد لذیذ تھا سب نے تعریف کی۔

اور ایک غریب باپ کی بیٹی اپنے نصیب کے لکھے کو لبیک کہتے ہوئے دوسرے گھر نقل مکانی کر گئی...... غریبوں کی بچیوں کی شادی بھی ایک قسم کی نقل مکانی ہوتی ہے، ڈھول نہ باجا نہ لوگوں کی بھیڑ...... چپ چاپ ایک گھر سے نکل کر دوسرے گھر میں داخل ہونے کو شادی کا نام دے دیا گیا۔

منظور صاحب کو پہلی بار دیکھ کر کشور کو قطعی کوئی دھچکا نہیں لگا۔ وہ پہلے سے ذہنی طور پر تیار تھی۔

نوکروں کی کمی نہیں تھی لیکن اس پیاری سی سلیقہ مند بچی نے باپ کے بعد شوہر کی خدمت کو اولین ترجیح دی۔ منظور صاحب بہت متاثر ہوئے۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ ان کی زندگی میں یوں بہار آ جائے گی۔

☆☆☆

دن بڑے خوشگوار سے گزرنے لگے۔ منظور صاحب کو اس عمر میں زندگی کا بہترین ساتھی مل گیا۔ اور کشور یہ امیرانہ ٹھاٹ باٹھ پہلی بار دیکھ رہی تھی اسے بھی سب اچھا لگ رہا تھا۔ منظور صاحب کی ہر بات پر جی اچھا کہنا اس نے اپنی عادت بنالی تھی۔

''بھئی کشور کبھی اپنی طرف سے کچھ کہا کرو...... کوئی بات کوئی فرمائش کوئی ڈیمانڈ...... یہ ہر بات کے جواب میں جی اچھا کی گردان کرنے لگ جاتی ہو۔'' آج وہ اس سے کہہ رہے تھے۔

''تم پڑھی لکھی ہو کبھی بندہ ملکی حالات پر بحث

کرتا ہے کبھی گھریلو زندگی پر تبادلۂ خیالات کرتا ہے کبھی اپنی پسند ناپسند، کوئی اچھا ڈریس، کسی ٹی وی ڈراما پر بندہ بحث کرلیتا ہے۔'' منظور صاحب آج پوچھ کر ہی دم لینا چاہتے تھے۔

''دراصل میں شروع سے ہی اسی طرح کم گو ہوں' مجھے امی جان نے جولا دیا وہی پہن لیا، سیر وتفریح کا ہمارے گھر میں کوئی رواج نہیں تھا۔ بی اے کرنے کے بعد امی جان نے مجھے سلائی کا کورس کروادیا تھا اس طرح میں سارے گھر کے کپڑے خود سلائی کرتی ہوں۔ رشتے دار ہمارے گھر نہیں آتے تھے کیونکہ ہم غریب لوگ ہیں، اس لیے اور کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ زیادہ سے زیادہ رات آٹھ بجے پی ٹی وی کا ایک ڈراما ہم چاروں بہنیں بڑے شوق سے اکٹھے بیٹھ کر دیکھا کرتی تھیں'' یہ کہتے ہوئے کشور کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''سوری کشور لگتا ہے تم اپنے گھر والوں سے داس ہو، مجھے یاد نہیں رہا کہ تم اپنے گھر والوں سے پہلی بار بچھڑی ہو، او ہو اللہ کی بندی تم نے خود یاد کیوں نہیں کروایا کہ تمہیں گھر سے آئے دو ہفتے ہوگئے ہیں' اٹھو ابھی فوراً تیار ہوجاؤ ابھی چلتے ہیں۔'' میاں صاحب نے تیزی دکھاتے ہوئے کہا۔

''لیکن اب تو رات ہونے کو ہے بابا جان کو پہلے بتادیتے تو اچھا تھا اس وقت......''

''بھئی ابھی بتائے دیتے ہیں بس تم تیار ہو جاؤ'' یہ کہتے ہوئے منظور صاحب کاریڈور میں رکھے ہوئے ٹیلی فون کی طرف بڑھ گئے۔

پنک شلوار سوٹ پر گرے اور سلور کلر کا ہلکا، ہلکا سا کام تھا کشور نے وہ سوٹ پہنا اور ہلکا سا میک اپ، ڈائمنڈ کا لاکٹ سیٹ، بالوں کو پشت پر کھلا چھوڑ دیا۔ منظور صاحب بس دیکھتے ہی رہ گئے۔ نظروں میں ستائش تھی لیکن زبان کو پابند کر رکھا تھا شاید اپنی اور کشور کی عمروں کا فرق تھا جو زبان پر حرفِ پسندیدگی نہیں آنے دے رہا تھا۔

انہوں نے خود بھی آئرش لینن کا سفید شلوار سوٹ پہنا وہی مخصوص سی خوشبو لگائی اور ہمیشہ کی طرح سوبر سے لگنے لگے۔

''کشور تم بہت اچھی لگ رہی ہو اپنی نظر اتار لینا۔'' انہوں نے جھجکتے ہوئے کہا۔ شاید یہ الفاظ ان کے منہ سے نہ نکلتے لیکن پنک جوڑے نے کشور کے حسن میں چار چاند لگادیے تھے اور تعریف کرنا گویا اس کا حق ادا کرنا تھا۔ اپنی تعریف سن کر کشور کے چہرے پر گلابیاں دوڑ گئیں۔ وہ معصومانہ انداز سے شرما گئی۔

دونوں تیار ہوکر گاڑی میں آبیٹھے، اتنی بڑی گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر کسی مرد کے ساتھ بیٹھنا اسے بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔

☆☆☆

''پہلے ہم باہر کھانا کھائیں گے اور پھر تمہارے بابا جان کی طرف جائیں گے۔'' منظور نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن کھانا باہر کیوں؟ گھر میں کھانا تیار ہے۔'' وہ بڑی معصومیت سے بولی۔

''گھر میں تیار ہے تو کیا ہوا...... گھر میں کھانے والے بہت ہیں، ہم آپ کو آج اپنی اور آپ کی پسند سے کھانا کھلائیں گے۔'' پندرہ منٹ کے بعد وہ ایک بہت بڑے ریسٹورنٹ میں تھے۔

''بولو کیا کھانا پسند کروگی؟'' منظور صاحب نے مینیو پر نظر دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

''جی، مجھے کچھ پتا نہیں جو آپ چاہیں منگوالیں۔ بابا جان کے گھر میں تو میں دال چاول خوش ہوکر کھاتی تھی۔'' اس نے انتہائی معصومیت سے کہا۔ منظور صاحب مسکرائے بغیر نہیں رہ سکے۔

''لیکن بیگم صاحبہ آج چوہدری منظور کی بیگم کی حیثیت سے شہر کے سب سے بڑے ریسٹورنٹ میں آئی ہیں لہٰذا کچھ دیر کے لیے دال چاول کو بھول جائیں۔''

☆☆☆

ڈور بیل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ بابا جان نے دروازہ کھول دیا پیچھے عشرت، شیریں اور مانو تھیں کشور،

بابا کے سینے سے لگ کر آنسوؤں کو اندر ہی اندر پیتی گئی پھر تینوں بہنیں لپٹ گئیں۔

''آپا آپ تو ہمیں بھول ہی گئی ہیں، ہم سب لوگ اتنے اداس تھے۔ بابا جان تو فون بھی نہیں کرنے دے رہے تھے کہ تم لوگ اپنی اداسیوں کا رونا رونے لگ گئیں تو وہ پریشان ہوجائے گی۔'' مانو نے منہ بسورتے ہوئے کہا...... منظور صاحب تو رحمان صاحب کے ساتھ اندر ڈرائنگ روم میں چلے گئے اور کشور ماں کے کمرے کی طرف بھاگی جہاں امی جان مصلیٰ بچھائے آخری رکعت ادا کر رہی تھیں۔ ماں نے جلدی سے سلام پھیرا اور بیٹی کو گلے لگالیا اور بہت دیر تک اس کی بلائیں لیتی رہیں۔

''ماشاء اللہ میری کشور تو چندے آفتاب چندے مہتاب لگ رہی ہے۔ عشرت جاؤ کچن سے سات ثابت ڈنڈی والی مرچیں لاکر بہن کی نظر اتارو، میں ذرا ڈرائنگ روم میں جاؤں تم لوگ چائے پانی کا بندوبست کرو۔ ہاں مرچیں وار کر جلتے چولھے میں رکھ دینا یاد سے۔''

''جی اچھا، امی جان!'' عشرت اتنا کہہ کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

رشیدہ بیگم داماد سے خیر خیریت پوچھتی رہیں۔ اتنے میں تینوں لڑکیوں نے میز پر لاکر مشروبات اور کئی لوازمات رکھے۔ منظور کو یہ سب اچھا نہیں لگا کہ وہ اتنی خاطر کر رہی ہیں جبھی مؤدبانہ انداز میں ساس کو مخاطب کیا۔

''آپا جی ایک گزارش ہے کہ آئندہ اتنا تکلف مت کیجیے ورنہ میرا آنا مشکل ہوجائے گا بلکہ آپ لوگ بھی ہمارے گھر آئیں، جب بھی بہنوں کو لے کر آنا ہو تو فون کردیں، میں ڈرائیور بھیج دوں گا۔''

رشیدہ بیگم نے نہایت مشفقانہ انداز میں شکریہ ادا کیا پھر ایک نظر بیٹی کو دیکھا جبھی گلا کھنکھار کر عبدالرحمان بھی کچھ بولنے لگے۔

''منظور صاحب، کشور کا دل تو لگ گیا ہے ناں کوئی شکایت تو نہیں۔''

رابطہ

دکھ اور سکھ
اکٹھے آئے میرے پاس
اور کہا
تمہیں ہم میں سے کسی ایک کو اپنا ساتھی بنانا ہے
ہمیشہ کے لیے
میں نے دیکھا دونوں کو
اور سوچا
ان میں سے کون سا ساتھی میرے ساتھ رہے گا
زیادہ دیر تک
پھر میں نے دکھ لے لیے
کیونکہ
دکھ تمہارے عطا کردہ ہیں
اور میں تم سے رابطہ توڑنا نہیں چاہتا
بلکہ
قائم رکھنا چاہتا ہوں

کلام: ارشد ملک
پسند: نفیسہ آرا، راس الخیمہ

لمحہ لمحہ

لمحہ لمحہ بکھری ہوں
لمحہ لمحہ ٹوٹی ہوں
ان رشتوں نے ان ناتوں نے
خوشیاں میری چھینی ہیں
میرے سپنے ٹوٹے ہیں
کیسی یہ رشتوں کی زنجیر
کیسی ہے میری تقدیر
کون مجھے سمجھائے گا
میرے ناز اٹھائے گا
ایمان نے خود کو سمٹ لیا ہے
دکھ کو خود ہی لپیٹ لیا ہے

کاوش: ایمان زہرا شیرازی، چکوال

''کیسی بات کرتے ہیں باؤ جی آپ شکایت کیسی؟'' منظور نے جواب دیا۔

''کشور میری بچی......! اب تمہارا وہی گھر ہے، دل لگانا ہے۔ اس گھر میں تم منظور صاحب کی امانت تھیں ان کی امانت ان تک پہنچ گئی ہے۔ اب تمہاری ہر خوشی اسی گھر سے منسلک ہے، اس بات کا خیال رکھنا ہے میری بچی......'' کشور کو سینے سے لگائے بابا جان دھیرے، دھیرے بول رہے تھے اور کشور کے نین کٹورے پانیوں سے لبریز بس اب چھلکے کہ تب......

یوں پھر باری، باری ماں اور بہنوں سے ملی اور دروازے سے باہر نکل آئی باہر لمبی چوڑی سفید مرسڈیز ...گلی میں چمچما رہی تھی۔ بہنوں کی آنکھیں خوشی سے پھٹی پڑ رہی تھیں۔ منظور صاحب نے گاڑی میں بیٹھتے ہی فرنٹ ڈور کھول دیا، ماں اور بہنیں دوبارہ کشور کے گلے لگ، لگ کر بلائیں لینے لگیں۔

کشور گاڑی میں بیٹھی تو منظور صاحب نے دوبارہ ہاتھ ہلایا اور کشور بھی ہاتھ ہلا کر الوداعی سلام کر رہی تھی۔

اور یوں دیکھتے ہی دیکھتے گاڑی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

☆☆☆

پھر وہ وقت بھی آگیا جب کشور ایک پیارے سے بیٹے کی ماں بن گئی۔ عشرت کا رشتہ کسی اسکول ماسٹر سے ہوگیا۔ شادی کے لیے ایک سال کا وقت مقرر کر دیا گیا۔ منظور صاحب بیٹے کی پیدائش پر خوش ہوئے سلیمان نام رکھا گیا۔ عقیقہ بڑی شان و شوکت اور دھوم دھام سے ہوا۔ بچے کے ننھیال والے بھی اس رسم میں شامل تھے اور اپنی حیثیت کے مطابق جو بھی ہو سکا رشیدہ بیگم اپنی بیٹی، داماد اور نواسے کے لیے لے کر آئیں۔ منظور صاحب اس بات پر ناراض ہوئے کہ آپ لوگوں نے کیوں اتنا خرچہ کیا۔

''یہ ایک رسم ہے بیٹی کے والدین اپنے نواسہ، نواسی پیدا ہونے پر بچے کے لیے بہت سے تحائف اور بیٹی، داماد کو کپڑے وغیرہ دیتے ہیں، یہ ہماری خوشی ہے آپ کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔'' رشیدہ بیگم نے کہا تو منظور صاحب کچھ دیر بعد اندر اٹھ کر گئے اور پندرہ بیس منٹ بعد واپس آئے تو ہاتھ میں ایک بند لفافہ تھا۔

''مانو اِدھر آؤ بیٹا۔'' مانو نے مسکراتے ہوئے جھجکتے ہوئے پہلے ماں کی طرف دیکھا پھر بابا جان سے آنکھوں ہی آنکھوں میں سوال کیا۔

''منظور صاحب یہ کیا چیز ہے، پہلے بتا دیجیے......؟'' بابا جان نے پوچھا۔

''باؤ جی! یہ آپ کے کام کی چیز نہیں ہے، یہ تینوں میری بیٹیاں ہیں بچے کی پیدائش پر عقیقے کی رسم کی ہے تو ان کا حق بنتا ہے کہ ایک، ایک جوڑا اپنی پسند سے ضرور لیں۔ بس یہ ان کا نیگ ہے۔''

''منظور صاحب، ہم بیٹی والے ہیں اور بیٹی کے گھر سے کچھ لینا اچھا نہیں، آپ کی بڑی مہربانی آپ اس قسم کے تکلف میں نہ پڑیں۔''

''ارے باؤ جی......آپ کس زمانے کے رواجوں کے چکر میں پڑے ہیں اب وہ وقت گیا۔ آج کل سب چلتا ہے اور میں نے اپنی خوشی سے دیے ہیں لہٰذا آپ کو بولنے کا حق نہیں۔'' منظور صاحب نے مانو کو ہولے سے اپنے ساتھ لگایا۔

''یہ لو بیٹا تم تینوں ایک، ایک سوٹ خرید لینا ورنہ میں ناراض ہو جاؤں گا۔'' مانو نے شرماتے ہوئے بند لفافہ بہنوئی سے لے لیا۔

فنکشن میں بہت کم لوگ انوائٹ تھے اس لیے جلد ہی اختتام کو پہنچا۔ بڑی سی گاڑی جب گھر چھوڑنے آئی تو ڈرائیور ڈکی سے مٹھائی اور پھل نکال کر رحمان صاحب کے پیچھے، پیچھے ڈیوڑھی میں رکھنے لگا۔

''منظور صاحب اتنا تکلف کر کے شرمندہ کرتے ہیں، مجھے اچھا نہیں لگتا۔'' عبدالرحمان نے بیگم کو مخاطب کر کے کہا۔

''میں تو خود پریشان ہوگئی ہوں انہیں اتنا تکلف

نہیں کرنا چاہیے تھا۔“

مانو نے گھر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے لفافہ کھولا اور آنکھیں پھٹنے لگیں۔ ”امی جان یہ کیا.....؟ ایک لاکھ روپے کا چیک.....“

”اوہو اتنی بڑی رقم بیٹی کے گھر سے وصول کرنا کہاں کی علقمندی ہے۔ اس بات کی منظور کو کیوں سمجھ نہیں آتی۔“

”ٹھیک ہے بابا جان آپ چھوڑ دیں اس بحث کو ...... بار، بار ایک ہی تکرار کرنے سے منظور بھائی غصہ بھی کر سکتے ہیں، جو ہو گیا سو ہو گیا۔ آئندہ محتاط رہیں گے۔“ عشرت نے بحث سے گریز کرتے ہوئے کہا۔

پلک جھپکتے ایک سال گزر گیا۔

☆☆☆

ادھر شادی کا دن قریب آ گیا۔ تین دن بعد بارات آنی تھی۔ عشرت کی سہیلیوں اور شیریں کی دوستوں نے مل کر ڈھولکی کا پروگرام بنا لیا اور گلی محلے میں جتنے بھی جاننے والے تھے سب کے گھر میں سکینہ ملازمہ کے ہاتھ پیغام بھجوا دیا کہ آپ نے تین راتیں ڈھولک کے لیے خوب اچھی تیاری کر کے آنا ہے۔

کشور بھی سلیمان کے ساتھ آ چکی تھی۔ بڑے کمرے میں ڈھولکی کا انتظام کر دیا گیا۔ فرشی دریاں بچھا کر دیوار کے ساتھ کچھ کرسیاں لگا دی گئیں۔ ماسی نے چائے کا بڑا دیگچا چولھے پر چڑھا دیا۔ لوگ آہستہ، آہستہ آنے لگے۔ عورتیں بن سنور کر آئی تھیں۔ گھر میں پہلی مرتبہ خوشیوں اور قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کشور کی شادی کا تو پتا ہی نہیں چلا تھا پہلے سب کی تواضع چائے اور مٹھائی سے کی گئی اور پھر ڈھولک اور تالیوں کی آوازوں سے سارا گھر گونج اٹھا۔ یوں گھر میں شادی کی رونقیں تین دن تک رہیں۔ بارات کا کھانا وغیرہ سب کا خرچہ زبردستی منظور صاحب نے کیا...... عبدالرحمان صاحب منتیں کرتے رہ گئے کہ ہم نے سادہ سے فنکشن کا بندوبست کر رکھا ہے پس انداز کیا ہوا ہے

لیکن منظور صاحب کا فیصلہ اٹل تھا۔ اور یوں یہ شادی بخیر و خوبی انجام پائی۔

☆☆☆

عشرت بھی پیا دیس سدھار گئی گھر کی رونق پھر ایک بار ویرانی میں بدل گئی۔ بہت دن تک خاموشی رہی، عشرت آئی بھی تو صرف دو دن کے لیے اور پھر اپنے گھر وداع ہو گئی۔ دراصل قیصر اپنے گھر میں اکیلا تھا، والدین دور دراز آزاد کشمیر کے کسی گاؤں میں جو مکمل پہاڑی علاقہ تھا وہاں رہتے تھے، قیصر اسلام آباد گورنمنٹ اسکول میں جاب کرتا تھا۔ رہائش وہیں اسلام آباد میں تھی۔ رشتہ، عشرت کے اسکول کی کسی ٹیچر نے کروایا تھا جو قیصر کے دور پار کی کزن تھی۔

قیصر کے گھر والے ولیمے کے تیسرے دن گاؤں چلے گئے۔ زیادہ بڑی فیملی نہیں تھی ماں، باپ دو بھائی اور ایک بہن تھی۔ بڑا بھائی گاؤں میں اپنے چچا کا داماد تھا اور بہن اپنی خالہ کی بہو تھی۔

شادی کے لیے چچا اور خالہ کی فیملی بھی تھی بڑے سادہ سے لوگ تھے۔ عبدالرحمان ان سادہ سے لوگوں میں بیٹی بیاہ کر بہت مطمئن تھے۔ قیصر بھی اچھا لڑکا اور بہت لائق انگلش ٹیچر تھا، عشرت بھی بہت خوش تھی۔ خدا، خدا کر کے ایک اور فرض ادا ہو گیا تھا۔ رشیدہ بیگم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے نہ تھکتی تھیں۔ گھر میں بے رونقی تو ہوئی تھی لیکن والدین اپنے فرض کی ادائیگی پر بے حد خوش تھے۔

قیصر کے پاس اپنی بائیک تھی ویک اینڈ پر ملنے آ جاتے تھے۔ ایک آدھ چکر کشور کے گھر کا بھی لگا آئے تھے۔ پہلی دفعہ سلیمان کے لیے بہت سے گفٹ اور بہن اور بہنوئی کے جوڑے لے کر عشرت گئی تھی۔ منظور صاحب نے شادی والے دن ہی کہہ دیا تھا کہ اگلی اتوار آپ دونوں کی دعوت ہے۔ اور یوں دعوت بھی ہوئی تحائف کا تبادلہ بھی ہوا اور پھر سب اپنی، اپنی دنیا میں مصروف ہو گئے۔

شادی کو سال گزر گیا تو عشرت کی گود میں بھی

ایک ننھی سی گڑیا آ گئی۔ جس کا نام شیریں نے منصہ رکھا۔ سب بہت خوش تھے۔ ننھی منصہ سب کی آنکھ کا تارا تھی کبھی عشرت کی طرف جانا ہوتا تو سلیمان اگرچہ زیادہ بڑا نہیں تھا پھر بھی ننھی گڑیا کو گود میں اٹھائے پھرتا۔ اور ہمیشہ خالہ سے ضد کرتا کہ خالہ عشرت ایک رات میری بہن کو اِدھر ہی رہنے دیں لیکن ہر بار اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا۔

منظور صاحب خود کہیں بھی زیادہ آنا جانا پسند نہیں کرتے تھے اس لیے کوئی دوسرا بھی وہاں زیادہ جانا نہیں چاہتا تھا۔

زندگی اپنی ڈگر پر رواں دواں تھی۔ رات اور دن اپنی رفتار سے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہے تھے یوں لگتا جیسے وقت کو پر لگ گئے ہوں بہت سے سال گزر گئے۔

عبدالرحمان صاحب اب ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہے تھے۔ شیریں بھی اپنے گھر میں ایک بچے کی ماں بن چکی تھی، اس کے میاں بلال احمد کا چھوٹا سا جنرل اسٹور تھا۔ فیملی البتہ کافی بڑی تھی۔

شیریں کی تربیت بھی بڑے سلجھے ہوئے ماحول میں ہوئی تھی۔ اس نے ننھے حمد کی پیدائش کے بعد اپنے چھوٹے سے ٹیوشن سینٹر کو ایک قدرے بڑی اکیڈمی میں بدل دیا۔ اپنی ایک کلاس فیلو کو بطور ٹیچر رکھ لیا۔ دونوں دیور بھی کالج سے واپس آ کر اکیڈمی کو پورا، پورا ٹائم دیتے تھے۔ اس طرح ایک ذمے دار اور سمجھدار بہو کے تعاون سے ایک غریب فیملی میں خوشحالی نے اپنے پیر پھیلا دیے۔ شیریں کے سسرال میں ہر کوئی اس کی مثال دیتا تھا۔

☆☆☆

مانو (معصومہ) سیکنڈ ائیر میں تھی، بابا جان بیمار رہنے لگے تھے۔ امی جان بھی عرصہ ہوا جوڑوں کے درد کی مریضہ تھیں۔ رحمان صاحب کی پنشن سے گھر اور دواؤں کا ایک ساتھ چلنا مشکل تھا۔ رحمان صاحب بیٹیوں کے گھر سے مدد لینے کو بہت برا خیال کرتے تھے، بہنیں، باپ سے نظر بچا کر کچھ نہ کچھ امداد کر دیا کرتی تھیں لیکن معصومہ بھی ایک غیور باپ کی بیٹی تھی، اسے یہ سب ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی بڑی بہن کو کپڑوں کی سلائی کٹائی کرتے دیکھا ہوا تھا اس نے کالج سے واپس آ کر محلے میں رضیہ خالہ جو پرانی درزن تھیں ان کے پاس جانا شروع کر دیا، رضیہ خالہ نے بڑی ایمانداری سے معصومہ کو کٹنگ اور سلائی ایک ماہ کے اندر، اندر سکھا دی اور پھر اپنے پاس جو کپڑے سلائی کے لیے آتے ان میں سے کچھ مانو کو بھی سلائی کے لیے دینے شروع کر دیے۔

اور یوں معصومہ نے گھر کے اخراجات، والدین کا علاج، دوا اور اپنی پڑھائی کے اخرجات کا بجٹ بنا لیا اور اللہ کی مدد تو شاملِ حال تھی ہی۔

☆☆☆

گھر میں بڑی چہل پہل تھی نوکر چاکر اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ کر کام کاج میں لگے ہوئے تھے۔ سلیمان اور منظور صاحب ائرپورٹ گئے ہوئے تھے۔ ان کا بڑا بیٹا اسرار اور بیٹی صنم کافی عرصے بعد پاکستان آ رہے تھے۔

مختلف انواع و اقسام کے کھانے بن رہے تھے سارا گھر شیشے کی طرح چمک رہا تھا۔ کشور کچھ فکرمند بھی تھی کہ منظور صاحب کے بچے اب نہ جانے اس کے بارے میں کیا، کیا ریمارکس دیتے ہیں۔

گاڑی گھر کے پورچ میں آ کر رکی تو کشور کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ اس نے پانی کا گلاس بھرا اور حلق میں انڈیل دیا اور پھر ٹشو پیپر سے ہونٹوں کو خشک کیا اور باہر کی طرف چل پڑی کاریڈور میں ہی منظور صاحب کے آگے، آگے سلیمان تیز قدموں سے اندر داخل ہوا۔

''ماما ہم لوگ آ گئے...... اسرار بھائی اور صنم آپی تو بہت اچھے ہیں، آپ ملیں تو خوش ہو جائیں گی۔''

کشور دھڑکتے دل سے آگے بڑھی اور صنم کو گلے لگا لیا اور پھر بڑے معتبر انداز سے اسرار کے کندھے پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔ انہوں نے خوشی سے سلام دعا کی

لیکن کوئی خاص گرم جوشی نظر نہیں آئی۔ خیر اپنے رب کے بھروسے پر اس نے خوش آمدید کہا۔

''کشور یہ میرا بڑا بیٹا اسرار ہے اور چھوٹی بیٹی صنم ہے اور بچوں یہ تمہاری چھوٹی ماما کشور ہیں۔''

''آپ سے مل کر خوشی ہوئی لیکن میں آپ کو چھوٹی ماما نہیں کہہ سکوں گا سوری کیونکہ عمر میں آپ مجھ سے یقیناً چھوٹی ہیں۔''

''اوہو بیٹا تم یہ سمجھ لو کہ رشتوں کا احترام ہوتا ہے عمروں کا نہیں...... کشور عمر میں جتنی بھی ہے، رشتے میں تم سے بڑی ہے۔''

''اوکے پاپا......'' سب لوگ لاؤنج میں صوفوں پر بیٹھ گئے منظور صاحب اپنے دوسرے دونوں بچوں اور پھر ان سب کے بچوں کے بارے میں باری، باری پوچھنے لگے۔

''کھانا تیار ہے جی لگا دیں؟'' بشیراں نے جوس کے خالی گلاس ٹیبل سے اٹھا کر ٹرے میں رکھتے ہوئے منظور صاحب کو مخاطب کیا۔

''چلو اٹھو بچو ہاتھ دھو لو آجاؤ کھانا تیار ہے۔'' منظور صاحب نے کہا اور سلیمان اور کشور بھی اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔

مزے، مزے کے پاکستانی کھانے ٹیبل پر سج چکے تھے سب نے اپنی کرسی سنبھال لی۔ کشور کچن میں تھی منظور صاحب نے بلوا بھیجا۔ وہ بڑی سنبھل کر چلتی ہوئی آئی۔

پرپل اور سفید پھولدار قمیص کے ساتھ سفید چکن کی شلوار اور پرپل اور سفید دوپٹے میں بھی غضب کی لگ رہی تھی بڑی، بڑی خوب صورت آنکھوں میں بے نام سی اداسی جھانک رہی تھی۔ اس نے سلیمان کے ساتھ والی کرسی کا انتخاب کیا۔

''سچی بات ہے پاپا میں تو اتنی ینگ سی اسٹیپ مدر کو دیکھ کر جیلسی فیل کر رہی ہوں۔'' خوب صورت کہنے کو شاید اس کا دل نہیں چاہا۔

''صنم بیٹا یہ اپنی، اپنی قسمت ہے، میری قسمت میں کشور لکھی تھی سو میری زندگی میں آگئی ورنہ مجھے تو ایک ساتھی کی ضرورت تھی ہی میں نے نہ تو چھوٹی عمر کی ڈیمانڈ کی تھی اور نہ ہی خوب صورتی کا اصرار کیا تھا۔''

''ہاں بھئی پاپا کی قسمت دوسری بار بھی بازی لے گئی۔ ہماری ماں کیا کم خوب صورت تھیں۔'' صنم کے اندر جیسے کچھ جھلس سا گیا تھا۔

''آپا جان تو بہت خوب صورت تھیں، میں نے تصویریں دیکھی ہیں صنم، آپ کی شکل اپنی امی جان پر گئی ہے۔'' کشور نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا اور صنم یہ سن کر خوش ہو گئی۔ کھانا اور باتیں ساتھ، ساتھ چلتی رہیں۔

''پاپا، سلیمان بھی تو علی کے چھوٹے بیٹے سے چند ماہ ہی بڑا ہے۔''

''نو پرابلم بیٹا......تم بتاؤ کھانا کیسا لگا؟''

''کھانا تو پاپا ہمیشہ ہی ہمارے گھر میں اچھا بنتا ہے، اس لیے ہمیشہ کی طرح بہت مزہ آیا۔''

''لیکن اس دفعہ کھانا سارا کشور نے بنایا ہے۔'' منظور صاحب بولے۔

''لگتا ہے پاپا آپ چھوٹی ماما کی بہت تعریفیں کرتے رہتے ہیں۔'' صنم پھر جیلسی فیل کر رہی تھی۔

''نہیں بیٹا ایسی بات نہیں...... یہ بس ہلکا پھلکا مذاق چل رہا تھا۔ ورنہ تمہیں تو پتا ہے میں شروع سے ہی ایسی باتوں کا عادی نہیں ہوں۔''

☆☆☆

اسرار اور صنم ایک لمبے عرصے بعد پاکستان آئے تھے اس لیے سب عزیز رشتے داروں سے مل رہے تھے، دن گزرتے چلے جا رہے تھے اور چھٹی ختم ہو رہی تھی۔ گھر میں رونق اور چہل پہل تھی۔

وہ کشور اور سلیمان سے کچھ زیادہ فری نہیں ہوئے تھے، اس بات کو منظور صاحب بھی محسوس کرتے تھے لیکن وہ کسی الجھن میں نہیں پڑنا چاہتے تھے۔ خدا، خدا کر کے ان کے جانے کا دن قریب آ گیا۔ دو دن پہلے کشور، منظور صاحب کے ساتھ جا کر ان کے بچوں کے لیے شاپنگ کر کے آئی تھی۔ انتہائی قیمتی جوڑے اور

مختلف قسم کے بے شمار گفٹ خوب صورت پیکنگ میں آنکھوں کو خیرہ کررہے تھے۔ بچوں اوران کے بچوں کی خریداری پر لاکھوں خرچ ہوئے اور پوری رات سامان کی پیکنگ میں گزر گیا دونوں بہن، بھائی تمام رشتے داروں میں خوب، خوب گھوم پھر رہے تھے۔

آج صبح سے ہی ہلکی، ہلکی بوندا باندی ہورہی تھی۔منظور صاحب فجر کی نماز پڑھ کر واک کے لیے نکل جاتے تھے اور ایک گھنٹے بعد گھر آکر چائے پیتے اور پھر لمبی تان کر سوجاتے تھے۔آج بارش کی وجہ سے گھر سے نہیں نکلے تھے اور چائے پی کر سوگئے تھے۔

موسم سرما کی آمد، آمد تھی صبح، صبح اٹھنا مشکل لگتا تھا۔لیکن منظور صاحب اور کشور کی عادت بن چکی تھی۔ فجر کی نماز سے پہلے وضو کرتی اور پھر چائے کا پانی چولھے پر چڑھا کر آنچ دھیمی کردیتی اور پھر جانماز پر جا کھڑی ہوتی، دو رکعت سنت پڑھنے کے بعد دیگچی میں چائے کی پتی ڈال دیتی اور پھر دو رکعت فرض ادا کرتی اوراس کے بعد دعا مانگ کر اٹھ جاتی اور چائے تیار کر کے منظور صاحب کے بیڈ پر لے آتی۔

منظور صاحب چائے پی کر واک کے لیے نکل جاتے اور کشور قرآن پاک لے کر بیٹھ جاتی۔ایک گھنٹے بعد واپس آتے تو پھر چائے تیار ملتی۔مزے سے چائے پیتے اور پھر سوجاتے۔

آج بوندوں کی ٹپ، ٹپ نے باہر نہیں نکلنے دیا نمازِ فجر کے بعد بستر پر چائے مل گئی تھی۔اسرار اور صنم رات ڈیڑھ بجے گھر آئے تھے،سلیمان بھی آج چھٹی پر تھا۔کشور تلاوت قرآن پاک سے فارغ ہوکر ابھی بستر پر لیٹنے کا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ کاریڈور میں رکھے ٹیلی فون کی گھنٹی چیخ اٹھی۔

''یا اللہ خیر......'' دل دھڑک اٹھا جلدی سے نیچے اتری اور سلیپروں میں آدھے، آدھے پاؤں گھسیڑے تیزی سے ٹیلی فون کی طرف بھاگی۔

''ہیلو...... السلام علیکم......'' پھولتی سانسوں کے ساتھ اس نے سلام کیا...... اور پھر چند سیکنڈ بعد پھر بولی۔''مگر کب...... آپ لوگوں نے مجھے اسی وقت کیوں نہیں بتایا۔'' رو دینے والی آواز کے ساتھ کشور نے پوچھا۔

''ارے بابا جان کو ابھی ہوش نہیں آیا بس میں ابھی پہنچ رہی ہوں۔'' اس نے تیزی سے ریسیور کریڈل پر رکھا اور پیشانی پر ہاتھ رکھے منظور صاحب کے کمرے میں گھستی چلی گئی۔منظور صاحب نماز اور واک سے فارغ ہوکر ایک الگ کمرے میں سوتے تھے جو صرف ان کا تھا۔

کشور نے تیزی سے دروازہ کھولا اور منظور صاحب کے کندھے پر ہولے سے ہاتھ رکھ کر بولی۔

''اٹھیے چوہدری صاحب میرے بابا جان بیمار ہیں ابھی، ابھی مانو کا فون آیا ہے۔''

''یا اللہ خیر......کیا کہہ رہی ہو کشور......؟''

''جی میں صحیح کہہ رہی ہوں، بابا جان کو رات گیارہ بجے دل کا دورہ پڑا تھا۔شیریں اور بلال وقت پر پہنچ گئے تھے اور انہیں ایمرجنسی میں پہنچا دیا تھا۔'' کشور بولتے، بولتے ایک دم چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی۔منظور صاحب اٹھ کر بیٹھ گئے اسے بیڈ پر بٹھایا اور اپنے بازو کے حصار میں لے لیا۔

''حوصلہ رکھو کشور، میں تمہیں بہت حوصلہ مند سمجھتا تھا، تیار ہوجاؤ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے منظور صاحب اٹھے اور واش روم کی طرف بڑھ گئے۔آدھے گھنٹے میں دونوں تیار ہوکر گاڑی میں موجود تھے۔اور گاڑی کا رخ اسپتال کی طرف تھا۔

منظور صاحب نے پہنچتے ہی ریسپشن پر ڈیوٹی پر موجود نرس سے ڈاکٹر عبد اللہ کا پوچھا اور فون نمبر ملایا......کچھ دیر بات ہوتی رہی اور پھر فون بند ہوگیا......اور دیکھتے ہی دیکھتے وارڈ کے عملے نے رحمان صاحب کو وی آئی پی روم میں منتقل کردیا۔اور مکمل چیک اپ کے لیے ڈاکٹر اور نرس کمرے میں آن پہنچے۔منظور صاحب کی موجودگی میں مکمل چیک اپ کے بعد انہیں بہتر دوائیں لکھ کردی گئیں۔

منظور صاحب نے علاج اور دواؤں کے ساتھ روم کی ساری پے منٹ یک مشت کردی۔ کشور کے ساتھ شیریں اور عشرت بھی بے حد متاثر نظر آرہی تھیں اور کشور کے نصیب پر رشک کررہی تھیں۔

اسپتال میں ساری کارروائی مکمل ہونے میں پورا گھنٹا لگ گیا تھا۔

''باؤ جی کی طبیعت اب قدرے بہتر ہے، ڈاکٹرز بڑی تسلی دے رہے ہیں، دراصل انہیں ابھی مکمل آرام اور سکون کی ضرورت ہے آپ لوگ انہیں ڈسٹرب مت کیجیے گا بلکہ ان کے پاس ایک بندے سے زیادہ کو رکنے کی ضرورت نہیں، ہم اب جارہے ہیں کیونکہ اسرار اور صنم کی واپسی کی تیاری بھی کرنی ہے۔ میں گاہے بہ گاہے فون پر خیریت معلوم کرتا رہوں گا۔'' منظور صاحب، عشرت اور شیریں کو مخاطب کرتے ہوئے بولے۔ لفظ ''ہم'' ہتھوڑا بن کر تینوں بہنوں کے دلوں پر آن لگا...... کشور اس وقت بابا جان کے پاس رہنا چاہتی تھی انہیں جی بھر کر دیکھنا چاہتی تھی۔

لیکن منظور صاحب اچھا خاصا خرچہ کرچکے تھے لہٰذا اب کسی کو بھی کچھ کہنے کا اختیار نہیں تھا۔ کشور کے آنسو اس کے دل پر گر رہے تھے۔ لب خاموش تھے جیسے کچھ بھی کہنے کے لیے الفاظ نہیں ہوں۔

بہنوں کی پانیوں سے لبریز آنکھوں کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ بابا کے پاس گئی ان کا ماتھا چوما اور آنکھوں کے کناروں پر بند باندھتی ہوئی کمرے سے نکل آئی۔ منظور صاحب آگے، آگے تھے، لہٰذا اس کے باہر نکلنے تک وہ گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔ اس نے فرنٹ ڈور کھولا اور خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔ گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور تیزی سے پارکنگ کراس کرتی چلی گئی۔ گاڑی میں مکمل خاموشی تھی، منظور صاحب نے سگریٹ سلگایا اور ایک لمبا کش لے کر کن انکھیوں سے کشور کی طرف دیکھا۔

چہرے پر زمانے بھر کی اداسیاں ڈیرا ڈالے ہوئے تھیں، آنکھوں میں درد سانس لیتا ہوا محسوس ہوا۔

''تم پریشان بھی ہو اور لگتا ہے ناراض بھی ہو؟'' منظور صاحب نے یوٹرن لیتے ہوئے سگریٹ کا دھواں چھوڑا اور کشور کی طرف دیکھا۔

''میں پریشان تو ہوں کیونکہ میرے بابا بیمار ہیں لیکن ناراض کیسے ہوسکتی ہوں، آخر آپ نے اتنی ڈھیر سی رقم بابا پر خرچ کردی ہے، میری ناراضی کا کوئی جواز ہی نہیں بنتا...... آپ کے تو پہلے ہی مجھ پر بہت احسانات ہیں۔'' وہ افسردگی سے درد کی اتھاہ گہرائیوں سے بولتی ہوئی نظر آئی۔

''پاگل مت بنو، میں نے کوئی احسان نہیں کیا تم پر...... میں نے جو بھی کیا میرا فرض تھا۔ ان کا بہت حق ہے ہم پر۔''

''ان کا ایک حق یہ بھی تھا کہ ان کی بڑی بیٹی اس حالت میں ان کے پاس رکتی۔'' کشور تو آج کہیں اور سے ہی بولتی لگ رہی تھی۔

''تمہیں کیا ہوگیا ہے کشور، تمہیں اچھی طرح پتا ہے کہ اسرار اور صنم آج رات کو رخصت ہورہے ہیں، میں نہیں چاہتا کہ تمہاری ذات پر کوئی حرف آئے۔ رات کو ایک بجے وہ گھر سے رخصت ہوجائیں گے اور تم فجر کی نماز پڑھ کر دوبارہ آجانا۔ میں نہ آسکا تو ڈرائیور کے ساتھ آجانا۔'' وہ نرمی سے بولے۔

کشور خاموش تھی۔ آنسو آنکھوں کے راستے اندر ہی اندر دل پر اتر رہے تھے۔ گھر پہنچ کر وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں گھس گئی۔

☆☆☆

دوپہر کا کھانا ٹیبل پر لگ چکا تھا۔ اسرار اور صنم بھی تیار ہوکر اسی طرف آگئے۔ بشیراں نے منظور صاحب کے دروازے پر ہولے سے دستک دی۔

''صاحب جی کھانا لگ چکا ہے اور صنم بی بی آپ کو یاد کررہی ہیں۔'' یہ الفاظ کشور نے بھی سن لیے۔ خوب صورت آنکھوں سے بے شمار موٹے، موٹے قطرے گرے اور اس کے دوپٹے میں سما گئے۔ اسے ایک امیر باپ کی بیٹی اور ایک غریب باپ کی بیٹی کا

فرق صاف نظر آ رہا تھا۔

منظور صاحب نے جلدی سے تولیا اسٹینڈ پر لٹکایا اور اخبار ہاتھ میں لیے، لیے جلدی سے ڈائننگ ٹیبل پر پہنچے۔

''دیکھو بھئی ہم تو اپنے صنم کے ایک بلاوے پر ہی دوڑے چلے آئے ہیں۔'' منظور صاحب نے کرسی کھینچی اور صنم کے قریب ہی بیٹھ گئے۔

''تھینک یو پاپا۔'' صنم نے آگے ہو کر باپ کے گال کا بوسہ لے کر کہا۔

کشور سامنے والی چیئر پر بیٹھی خون کے آنسو پی رہی تھی۔ بابا کا چہرہ ایک لمحے کے لیے بھی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوا تھا۔ بہنوں کی آنسوؤں سے چھلکتی آنکھیں مسلسل ایک فلم کا منظر پیش کر رہی تھیں۔

سالن کی چار ڈشز، میٹھے میں کئی اقسام کی سویٹ ڈشز تیار ہوئی تھیں۔ کباب، تکے، چانپیں ہر چیز ٹیبل پر موجود تھی اور منظور صاحب چھوٹے، چھوٹے پیس کر کے صنم کی پلیٹ میں رکھ رہے تھے۔ ''بیٹا یہ کھاؤ، یہ چکھو'' کی مسلسل گردان چل رہی تھی اور کشور کی آنکھوں کے سامنے ایک فلم چل رہی تھی جس میں بابا جان اپنی پلیٹ میں سے بوٹی اٹھا کر اس کے چار پیس کرتے اور چاروں بچیوں کے منہ میں ڈالتے جاتے۔ امی بار، بار غصے کا اظہار کرتیں۔

''کشور کے ابا آپ اپنا حصہ خود کھایا کریں، ان چاروں کو ان کے حصے کی بوٹی مل چکی ہوتی ہے۔''

''ارے بھلی مانس، جو میں ان کے منہ میں ڈالتا ہوں تو لگتا ہے جیسے میرا پیٹ بھر رہا ہے تو خواہ مخواہ اعتراض نہ کیا کر۔'' امارت اور غربت کا فرق اس کی نظروں میں گھوم گیا۔

''چھوٹی ماما آپ کیا سوچ رہی ہیں، آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟'' صنم نے کشور کی طرف دیکھا اور پوچھنے لگی۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے صنم دراصل میرے بابا کو کل ہارٹ اٹیک ہوا ہے اور وہ اسپتال میں ہیں بس ذہن اس طرف چلا گیا تھا۔''

''سوری چھوٹی ماما، یہ تو بہت افسوس کی بات ہے۔ پاپا آپ ان کو بھجوا دیتے، ہماری خیر۔ ہے ہمارے پاس آپ جو تھے۔''

''چلو خیر ہے صبح چلی جائے گی، میں نے سوچا کہ تم دونوں بہن بھائی کو وداع کر کے چلی جائے گی۔'' منظور صاحب نے جواب دیا۔

کھانے کے دوران منظور صاحب، اسرار اور صنم کے ساتھ مسلسل گفتگو کر رہے تھے۔ سلیمان مسلسل خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا۔

کھانے کے بعد اسرار اور صنم باقی جو چند ایک ملنے والے رہ گئے تھے ان کی طرف نکل گئے، دراصل یہ وہ لوگ تھے جن کے بڑے یا بچے وہاں امریکا میں موجود تھے اور اسرار اور صنم کے قریب ہی کہیں رہتے تھے۔

کشور دونوں کا سامان اکٹھا ایک جگہ رکھوا رہی تھی تاکہ کوئی چیز پیچھے نہ رہ جائے دھیان بابا جان میں ہی اٹکا ہوا تھا دل پریشان تھا لیکن کسی بات کا اظہار نہیں کر رہی تھی۔

''سلیمان بیٹا وہ بڑا والا اٹیچی بشیراں سے نہیں اٹھایا جائے گا تم باہر سے کریم کو بلالاؤ۔''

اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی چیخ اٹھی، کشور کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ ''یا اللہ خیر......'' اور ٹیلی فون کی طرف بڑھ گئی، ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو......السلام علیکم بلال کیا حال ہے، بابا جان کیسے ہیں؟''

دوسری طرف نہ جانے کیا کہا گیا اور دھڑام کی آواز آئی کشور نیچے گر کر بے ہوش ہو چکی تھی۔ ریسیور اس کے ہاتھ میں تھا۔ سر ٹیبل کے ساتھ ٹکرایا تھا بشیراں نے ہاتھ میں پکڑا بیگ وہیں پھینکا اور تیز قدموں سے کاریڈور کی طرف بھاگی۔ ریسیور کان سے لگایا تو ہیلو، ہیلو کی آواز آ رہی تھی بشیراں نے پوچھا تو بلال نے بتایا کہ بابا جان اب اس دنیا میں نہیں رہے۔

بشیراں بھاگتے ہوئے منظور صاحب کے کمرے میں بغیر دستک دیے اندر گھس گئی۔ منظور صاحب

ضروری فائلیں آگے پھیلائے بیٹھے تھے۔ بشیراں کو دیکھ کرایک دم گھبرا گئے۔ ''خیر تو ہے بشیراں کیا ہوا؟''

''صاحب جی! بیگم صاحبہ گر کر بے ہوش ہوگئی ہیں، ان کے والد کی وفات کا فون آیا تھا سنتے ہی نیچے گر پڑیں۔'' منظور صاحب تیزی سے فائل ایک طرف رکھ کر کاریڈور کی طرف بھاگے۔

کشور کو اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور اس کے بیڈ پر لاڈالا۔ بشیراں نے پانی کا گلاس پکڑایا۔ منظور صاحب نے ایک بازو پر کشور کا سر رکھا اور دوسرے سے پانی پلانے کی کوشش کرنے لگے۔ چند قطرے ہی شاید اندر گئے ہوں گے کہ منظور صاحب ٹیلی فون کی طرف بڑھے اور ڈاکٹر اکرم صاحب کا نمبر ڈائل کیا۔

☆☆☆

ڈاکٹر صاحب نے آکر طاقت کا انجکشن لگایا کچھ دوائیں لکھ کر دیں اور تسلی دے کر چلے گئے۔ کشور کو اب ہوش آچکا تھا، اس کی آنکھیں ہوش میں آتے ہی ساون بھادوں برسانے لگیں۔ منظور صاحب نے تسلی دینے کی ہر ممکن کوشش کی، سلیمان بھی بے حد پریشان ماں کے کندھے دباتے ہوئے ساتھ ہی ٹشو سے ماں کی آنکھیں صاف کررہا تھا۔

''تم کچھ جوس پی لو تھوڑی سی انرجی ملے اور تیار ہو جاؤ ہم ابھی جائیں گے۔'' منظور صاحب نے انتہائی نرمی سے کہا۔

''نہیں، مجھے کچھ نہیں پینا بس آپ مجھے ڈرائیور کے ساتھ ہی بھیج دیں۔'' وہ التجائیہ انداز میں بولی۔

''کیوں بھئی......؟ ہم تمہارے ساتھ جائیں گے، ہم بھی باؤ جی کے کچھ لگتے ہیں؟'' منظور صاحب تمام فائلوں کو سیف میں رکھ کر لاک لگا کر بولے۔

''دراصل اسرار اور صنم نے آج جانا ہے، آپ ان کے لیے رک جائیں، میں چلی جاتی ہوں۔'' اس نے دوپٹے سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔

''میں نہ جاؤں' یہ کیسے ممکن ہے؟ میں تمہارے ساتھ ہی جاؤں گا اور رات کو واپس آجاؤں گا...... بچے گھر سے ڈھائی بجے وداع ہوں گے۔''

☆☆☆

گاڑی گھر کے پاس رکی تو کشور سے خود کو سنبھالنا مشکل ہوگیا۔ گرتی پڑتی سلیمان کا ہاتھ پکڑے گھر میں داخل ہوئی تو سب سے پہلے رنگ برنگے پھولوں کی کیاری کے پاس بابا کی سائیکل نے اس کا استقبال کیا۔ برآمدے میں بابا جان کی چارپائی کے اردگرد لوگوں کا ہجوم...... رونے کی آوازیں بہنوں کی چیخ وپکار اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

بے جان باپ سے روتے ہوئے لپٹ گئی کبھی ماتھا چومتی کبھی سینے پر سر رکھ دیتی تینوں بہنیں اس سے لپٹ گئیں، محلے کی عورتیں اس کی ماں اور بہنوں کو دلاسا دینے میں لگی ہوئی تھیں۔ عبدالرحمان صاحب موت کے بعد بھی اسی طرح سرخ وسپید چہرہ لیے دنیا و مافیہا سے بے خبر بڑی پُرسکون نیند سو رہے تھے، پیشانی پر ہلکا سا سیاہ نشان ان کے نمازی پرہیزگار ہونے کا ثبوت پیش کررہا تھا۔ سفید ہلکی، ہلکی مونچھوں کے نیچے گلابی ہونٹ مسکراتے ہوئے لگ رہے تھے۔

''دیکھ لو بھئی ہارٹ اٹیک سے مرنے والا بندہ رنگت تبدیل کرلیتا ہے لیکن بھائی صاحب کو دیکھنے سے لگتا ہے جیسے ابھی سوتے سے اٹھ کر بیٹھ جائیں گے۔'' عورتیں ان کی شرافت اور ایمانداری کا تذکرہ کررہی تھیں ساتھ والی خالہ صفیہ کہہ رہی تھیں۔ چاروں بیٹیاں اور ان کے بچے رحمان صاحب کی چارپائی سے لپٹے بیٹھے تھے۔ ماں بیچاری پہلے ہی بیماریوں میں گھری ہوئی تھیں۔ میاں کا اچانک صدمہ کیسے برداشت ہوا۔ مانو بار، بار ماں کے گلے سے لپٹ رہی تھی۔

''آپ سب لوگ صحن میں آجائیں آپ کے بیٹھنے کا انتظام ہوچکا ہے۔'' عشرت کا میاں قیصر اندر آیا اور سب کو مخاطب کرکے بولا۔

عورتیں اٹھ کر صحن میں آنے لگیں صحن میں سائبان اور قناتیں لگ چکی تھیں۔ فرش پر دریاں اور قالین بچھ چکے تھے، دو چار لڑکوں نے عبدالرحمان صاحب

کی ...... چار پائی اٹھائی اور صحن میں لا کر رکھ دی۔

صحن میں دو بڑے، بڑے کولر پانی کے لیے رکھ دیے گئے۔ صاف لگ رہا تھا کہ یہ تمام انتظامات منظور صاحب نے کروائے ہیں۔

جنازے کا ٹائم اگلی صبح دس بجے مقرر تھا...... باہر مردوں کے بیٹھنے کا انتظام بھی اسی طرح ہو چکا تھا۔

منظور صاحب رات ایک بجے کے قریب واپس جانے لگے تو کشور کو کمرے میں بلایا اور کچھ رقم اس کی مٹھی میں زبردستی پکڑا کر چلے گئے۔ ڈھائی بجے ان کے بچوں نے ائر پورٹ کے لیے نکلنا تھا اور منظور صاحب ائر پورٹ تک چھوڑنے نہ جائیں کیسے ہو سکتا تھا۔

☆☆☆

بابا جان چلے گئے گھر کی رونقیں تو ایک طرف اپنی بیٹیوں کے دلوں کو ویران کر گئے۔ کئی مہینوں تک گھر سے سسکیوں کی آوازیں آتی رہیں۔

بیٹیاں بھی خدا کی بنائی ہوئی کتنی پیاری مخلوق ہوتی ہیں، ماں، باپ سے پیار بھی کرتی ہیں تو اپنے وجود کے روئیں، روئیں سے اپنے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے۔

عبدالرحمان صاحب چلے گئے تو گویا گھر کا نظام ہی درہم برہم ہو گیا۔ رشیدہ بیگم تو بلڈ پریشر اور جوڑوں کے درد کے ساتھ شوگر کی بھی مریضہ تھیں۔ ان پر تو جیسے غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ تین بیٹیاں تو خیر سے اپنے...... گھروں میں آباد تھیں، مانو کا غم ماں کے لیے پریشان کن تھا۔ تینوں بیٹیوں کو پاس بٹھا کر کہا کہ اب میری زندگی کا کچھ بھروسا نہیں مانو کے لیے مناسب سا لڑکا دیکھو اور اس کا فرض ادا کریں تمہارے بابا نے اس کی شادی کے لیے بھی کچھ نہ کچھ پس انداز کر رکھا ہے بس تم لوگ کوئی بر ڈھونڈو۔

اور جلد ہی معصومہ کا رشتہ مل گیا لڑکا دبئی میں اپنی فیملی کے ساتھ سیٹ تھا اور والدین اس کے رشتے کے لیے پاکستان آئے ہوئے تھے۔

لڑکے کی ماں کسی کے ذریعے عبدالرحمان صاحب کے گھر پہنچ گئیں۔ مانو کو دیکھا تو پھر دیکھتی رہ گئیں۔

''بہن جی! آپ کے سامنے جھولی پھیلا دی ہے بس اب اٹھ کر نہیں جاؤں گی، مجھے جس چیز کی تلاش تھی مل گئی۔''

''دیکھیں بہن جی، ہم غریب لوگ ہیں، بچی یتیم ہے اور آپ لوگ دولت مند ہونے کے ساتھ دبئی میں رہتے ہیں، میری بچیوں کا تو کوئی بھائی بھی نہیں ہے جو اُن کی خیر خبر لے گا۔ میں تو خود بستر پر ہوں، بیٹی کے لیے ترستی دنیا سے نہ چلی جاؤں۔''

''اللہ نہ کرے رشیدہ بہن کہ کبھی ایسا ہو...... میں بیٹے کو بلوا لیتی ہوں، آپ مل لیجیے اپنی بچیوں اور ان کے شوہروں سے بھی ملوا دیں، اپنی پوری تسلی کریں پھر ہاں کیجیے گا۔ میں ہر طرح کی گارنٹی دینے کو تیار ہیں۔''

''ٹھیک ہے، بڑی بیٹی اور داماد کو بلوا کر مشورہ کرتی ہوں پھر آپ کو بتاؤں گی۔''

اور یوں آناً فاناً مانو کا رشتہ طے ہو گیا۔ اور ایک ماہ بعد شادی بھی ہو گئی۔ شادی کے پندرہ دن بعد وہ فیملی واپس دبئی چلی گئی اور مانو اپنی والدہ کے پاس، لڑکا بہت خوب صورت بڑا پڑھا لکھا اور سلجھا ہوا تھا۔ علی مراد نام تھا۔ مانو کے تو بھاگ جاگ پڑے۔

جہیز میں انہوں نے کچھ نہیں لیا تھا۔ زیور البتہ میکے کی طرف سے اچھا خاصا مل گیا۔ بابا جان کے ہاتھ کا بنا ہوا سونے کا سیٹ...... اور کشور نے اپنی طرف سے سونے کا بڑا سیٹ اور وزنی کنگن بھی دیے۔ عشرت اور شیریں نے بھی ایک، ایک انگوٹھی پہنا دی۔ علی مراد کو بھی ایک انگوٹھی سسرال اور دوسری منظور صاحب نے ڈائمنڈ گھڑی کے ساتھ پہنا دی۔

ایک ماہ بعد مانو کا ویزا علی مراد خود لے کر آیا اور اس طرح مانو جلد ہی پیا دیس سدھار گئی۔

☆☆☆

مانو چلی گئی تو معصوم قہقہے اور دبی، دبی ہنسی بھی ساتھ لے گئی۔ رشیدہ بیگم تو بس ایسی بستر پر پڑیں کہ مانو

کے بعد صرف چھ ماہ ہی جی پائیں۔ مانو ماں کی وفات پر آئی تو ایک ماہ دس دن رہی اور پھر چلی گئی۔

جتنے دن پاکستان رہی چاروں بہنیں ماں کے گھر میں رہیں کبھی ماں، باپ کو یاد کر کے روتیں اور کبھی ایک دوسرے کو سسرال کے قصے سنائے جاتے۔

والدین تو چلے گئے ان کی نشانیاں ان کا گھر اور گھر کی ہر چیز...... اسی طرح موجود تھی۔ منظور صاحب نے فیصلہ کیا کہ یہ گھر کھلا رہے تو بہتر ہے لہٰذا اس میں عشرت اور شیریں کو رہنے کی اجازت مل گئی۔

دونوں بہنوں نے ایک، ایک پورشن لے لیا۔ اور اس طرح عبدالرحمان اور رشیدہ بیگم کے چلے جانے کے بعد بھی گھر آباد ہی رہا۔

☆☆☆

مانی (سلیمان) نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ منظور صاحب بہت خوش تھے۔

''پاپا آج ہم کھانا باہر کھائیں گے، آپ اور ماما جلدی سے تیار ہو جائیں۔ میں ابھی آتا ہوں۔'' سلیمان بڑی ترنگ میں کہہ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

منظور صاحب کسی سوچ میں پڑ گئے۔

''پاپا میں دراصل لانگ ڈرائیو پر جانا چاہتا ہوں اور آپ دونوں کے ساتھ ڈھیر ساری باتیں کرنی ہیں۔'' ڈرائیونگ سیٹ پر گاڑی میں بیٹھ کر سلیمان نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ چندمنٹ گاڑی میں خاموشی رہی۔

''ہاں برخوردار! ضرور کرو۔ وہ کون سی باتیں ہیں کچھ ہمیں بھی تو پتا چلے۔'' منظور صاحب نے خاموشی توڑ دی۔

''مجھے آپ سے شکوہ ہے پاپا؟'' گاڑی سڑک پر سبک رفتاری سے چل رہی تھی۔ جب سلیمان بولا۔

''کیا شکوہ ہے ہمارے جگر گوشے کو ہم سے؟''

''شکوہ یہ ہے کہ آپ بیمار ہیں اور آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا، کیا میں اس قابل نہیں کہ آپ اپنا دکھ مجھ سے شیئر کریں؟'' مانی کو اپنی آنکھوں کا پانی ضبط کرنا پڑا۔

کشور کو جیسے شاک لگا۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو مانی تم سے کس نے کہہ دیا کہ تمہارے پاپا بیمار ہیں؟'' کشور نے بڑی عجلت میں پوچھا۔

''ماما آپ کو بھی نہیں پتا کہ پاپا ایک موذی مرض سے لڑ رہے ہیں؟''

''یہ تمہیں کس نے وہم میں ڈال دیا ہے، مجھے کیا ہے، میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

''پاپا میں اب بڑا ہو گیا ہوں اور پڑھ لکھ گیا ہوں، آپ مجھ سے کیسے چھپا سکتے ہیں، میں نے آپ کی ساری فائل پڑھ لی ہے جسے آپ سائڈ ٹیبل کی دراز میں رکھتے ہیں اور لاک لگا دیتے ہیں، پرسوں غلطی سے وہ فائل گاڑی میں دیکھی تھی میں نے جب آپ نے کہا تھا کہ آپ لائبریری سے آرہے ہیں۔''

کشور کی آنکھیں پھٹی جارہی تھیں۔

''یہ سب کیا ہے سلیمان کچھ مجھے بھی تو پتا چلے؟''

''ماما آپ کے سرتاج بیمار ہیں اور ہم سے چھپاتے ہیں۔ میں آپ کو ڈاکٹر موسیٰ کے پاس لے کر جارہا ہوں، میں نے ساری فائل اسٹڈی کر لی ہے اور فائل میرے پاس موجود ہے اسی گاڑی میں۔''

''یہ میں کیا سن رہی ہوں چوہدری صاحب، آخر آپ نے ہم دونوں سے یہ بات کیوں چھپائی، کیا ہم پر بھروسا نہیں؟''

''بھئی بات یہ ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ تم لوگ پریشان ہو جاؤ...... میرا علاج ہو رہا ہے اللہ بہتر کرے گا۔ زیادہ پریشانی والی بات نہیں ہے۔'' وہ آہستگی سے بولے۔

''تم ایسا کرو کسی اچھے ریسٹورنٹ میں لے چلو، آج کھانا میری طرف سے۔'' منظور صاحب نے بات کا رخ بدلنے کی کوشش کی۔

''جی نہیں پہلے ڈاکٹر صاحب کے پاس جائیں گے۔'' کشور روہانسی ہو رہی تھی۔

''بیگم صاحبہ ڈاکٹر موسیٰ ابھی کلینک میں نہیں مل سکتے۔ کھانا کھاتے ہیں پھر اتنی دیر میں ڈاکٹر صاحب بھی آچکے ہوں گے۔''

بادلِ ناخواستہ سلیمان نے گاڑی اسکائی ویز کی

طرف ڈال دی بیس منٹ کے فاصلے پر ریسٹورنٹ تھا۔
کھانے کے دوران ایک اداس سی خاموشی تھی۔

☆☆☆

ڈاکٹر موسیٰ نے کچھ نہیں چھپایا ساری حقیقت گوش گزار کردی۔ بتایا گیا کہ منظور صاحب کے... بلڈ پریشر، شوگر کی وجہ سے گردے متاثر ہو رہے ہیں، ہیپاٹائٹس بھی پوزیٹو آیا ہے۔ علاج تو باقاعدہ کرا رہے ہیں لیکن بیماری پر ابھی تک مکمل کنٹرول نہیں پا سکے۔ ان بیماریوں میں ایسا ہی ہوتا ہے چھپ چھپا کر حملہ کرتی ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے انسان میں مکمل طور پر سرائیت کر جاتی ہیں۔

''ڈاکٹر صاحب میں پاپا کو امریکا لے جاتا ہوں، کینیڈا لے جاتا ہوں بس انہیں مکمل طور پر تندرست ہونا چاہیے۔'' سلیمان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''مائی ڈیئر سن...... آپ کے والد صاحب کو تو میں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ آپ بچوں کے پاس چلے جائیں، علاج بھی ہو جائے گا اور سیر بھی...... لیکن سنتے ہی نہیں کہتے ہیں کہ باہر جا کر ڈبے میں بند ہو کر نہیں آنا چاہتا۔'' بہت دیر تک بحث و مباحثہ ہوتا رہا لیکن منظور صاحب کو کوئی بھی قائل نہیں کر سکا۔ کشور کی آنکھیں بار، بار بھیگ جاتیں۔

''آپ ڈاکٹر صاحب کی بات مان لیں، خدا کے لیے ضد چھوڑ دیں، اس میں آپ کا بھی نقصان ہے اور ہمارا بھی بہت نقصان ہے آپ سمجھتے کیوں نہیں۔'' کشور نے گاڑی میں بیٹھتے ہی التجائیہ انداز میں کہا۔

''مجھے تو آپ نے کبھی بتایا ہی نہیں؟ ہاں... بلڈ پریشر اور شوگر کی تو آپ دوا لیتے ہی رہتے ہیں۔''

''وہ تمہیں بتانے سے کیا میں تندرست ہو جاتا۔ نہ بتانے کا مقصد ہی یہی تھا کہ تم لوگ پریشان نہ ہو۔''

سلیمان بالکل خاموش تھا اسے پتا تھا کہ وہ اگر پاپا کے امریکا کی ٹکٹ بھی لے آیا تب بھی ان کے انکار کو اقرار میں نہیں بدل سکتا۔

گھر میں ایک اداس سی فضا پھیل گئی۔ کشور اور سلیمان دونوں ان کا بہت خیال رکھنے لگے تھے۔

لیکن دیکھتے ہی دیکھتے بیماری نے زور پکڑنا شروع کردیا شوگر کی وجہ سے گردے متاثر ہوئے ڈائلسز کی ضرورت آن پڑی۔ ڈاکٹر موسیٰ اب گھر آتے تھے چیک اپ اور ٹریٹ منٹ سارا گھر پر ہوتا تھا۔ اور ڈائلسز کے لیے انہیں اسپتال جانا پڑتا تھا۔

کشور اب پہلے سے بھی زیادہ خیال رکھنے لگی تھی۔ ڈائلسز ہفتے میں دوبار ہونے لگا تھا۔ منظور صاحب کمزور ہونے کے علاوہ چڑچڑے بھی ہوتے جا رہے تھے۔ بات، بات پر جھگڑا کرنے لگتے تھے۔ مائی بھی ہر وقت ان کی تیمار داری اور دل بہلانے میں لگا رہتا تھا لیکن وہ کسی کی کب سنتے تھے۔ اب تو انہوں نے کشور پر طعنے بازی شروع کردی تھی۔

اس دن تو گویا قیامت ہی ٹوٹ پڑی جب انہوں نے کشور کو آواز دی لیکن اس نے جواب نہیں دیا کہ وہ نماز پڑھ رہی تھی جوں ہی وہ فارغ ہوئی تو تیز قدموں سے چلتی ہوئی .... ان کے پاس آئی۔

''جی آپ نے بلایا ہے؟''

''بلایا تو ہے مگر آپ لوگوں کو کیا پروا...... تم تو چاہتی ہو میں مرجاؤں اور تم آزاد ہو کر کسی ہم عمر کو اپنا جیون ساتھی بنالو...... کیونکہ تم جوان بھی ہو اور خوب صورت بھی...... تمہاری طرف تو ہر آنکھ سوالیہ انداز میں اٹھے گی۔''

''خدا کے لیے چوہدری صاحب ایسا مت کہیں...... میں تو کبھی آپ سے جدائی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔'' وہ سسک اٹھی۔

''جھوٹ بول رہی ہو تم، اگر ایسی کوئی وجہ نہیں تو تم مجھ سے بے پروا کیوں ہوتی جا رہی ہو؟ میری اتنی آوازوں پر تم نے جواب دینے کے بجائے آکر جھوٹ بول دیا کہ تم نماز پڑھ رہی تھیں۔ ابھی نماز کا ٹائم ہوا ہی کب ہے؟'' منظور صاحب بے یقینی کے عالم میں بولے۔

''بخدا ایسا مت بولیں، آپ نے سوچا بھی کیسے کہ میں آپ سے بے پروا ہو رہی ہوں، میں واقعی نماز پڑھ

رہی تھی آپ نے جس گھڑی سے ٹائم دیکھا ہے وہ آج صبح سے رکی ہوئی ہے۔ میں نے بشیر سے بول دیا تھا کہ آتے ہوئے شاپ سے سیل لیتا آئے ابھی آتے ہی گھڑی میں سیل ڈال دے گا تو آپ کو پتا چلے گا کہ کلاک رک گئی تھی۔ چلیں میں آپ کے لیے سوپ لے کر آتی ہوں، بن گیا ہوگا۔'' کشور نے بات کو ختم کرنے کے لیے بڑا معقول سا بہانہ کیا اور کچن کی طرف لپکی......

☆☆☆

اس سے پہلے زندگی بڑی پُرسکون گزر رہی تھی، منظور صاحب کی ناسازیِ طبع نے ایک ہلچل مچادی تھی۔ مانی باپ کا بہت خیال رکھتا، ہر وقت ان کے لیے پریشان ہوتا رہتا۔ بڑے، بڑے ڈاکٹروں سے مشورے کرتا تھا۔

''پاپا جان ایک بہت قابل اور اچھے ڈاکٹر کا پتا چلا ہے، میں نے فون پر مشورہ کیا تھا وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ان کو لے کر آؤ میں ان کے تمام ٹیسٹ یہیں پر لوں گا پھر دوا دوں گا۔ انشاء اللہ جلد ٹھیک ہو جائیں گے آپ۔''

''اوہ بھائی میاں! میں جس ڈاکٹر کا علاج کر رہا ہوں اس سے بہتر اور کوئی نہیں...... مجھے کسی اور ڈاکٹر کے پاس ہرگز نہیں لے جانا ہے، تم اپنا وقت مت ضائع کرو......'' منظور صاحب نے بڑے سفاک لہجے میں کہا۔

سلیمان حیران تھا کہ پاپا کا لہجہ اس قدر سفاک پہلے کبھی نہیں تھا۔ لیکن اس نے جواب دینا مناسب نہ سمجھا......

☆☆☆

کشور کسی کا فون سن رہی تھی بشیراں نے ٹرے میں دلیے کا باؤل رکھا ساتھ میں چمچ اور چھوٹا باؤل رکھا۔ ایک اور چھوٹی ٹرے میں پانی کا چھوٹا جگ جس پر کروشیے سے بنا خوب صورت گول رومال بچھا ہوا تھا جس کے کنارے پر بڑے خوب صورت موتی لٹک رہے تھے ایک چمچماتا گلاس ساتھ رکھا گلاس بھی رومال سے ڈھکا ہوا تھا۔ ملازمہ ٹرالی دھکیلتے منظور صاحب کے کمرے میں داخل ہوئی وہ تکیے سے ٹیک لگائے دروازے کی طرف ہی دیکھ رہے تھے ملازمہ کو دیکھتے ہی پارہ ساتویں آسمان تک جا پہنچا۔

''کشور کہاں ہے؟'' وہ غضب ناک ہو کر بولے۔

''صاحب وہ فون سن رہی ہیں۔'' ملازمہ سہمے ہوئے انداز میں بولی۔

''تو ٹھیک ہے واپس لے جاؤ...... اس کے پاس میرے لیے وقت نہیں ہے۔ جب فارغ ہوگی تو میں کھالوں گا۔'' وہ غصے میں لال پیلے ہو رہے تھے۔

ملازمہ جلدی سے واپس کچن کی طرف لوٹ گئی۔ کشور نے ریسیور کریڈل پر رکھا تو نظر اس کی طرف گئی۔ وہ ٹرالی لیے واپس کچن کی طرف جا رہی تھی۔ کشور کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس کی طرف دوڑ لگائی۔

''اماں کیا ہوا کیا صاحب نے ناشتا کرنے سے انکار کر دیا؟''

''جی بیگم صاحبہ، وہ بہت برہم ہو رہے ہیں آپ پر خفا ہو رہے تھے۔'' وہ بڑی رنجیدہ سی ہو رہی تھی۔

''لاؤ میں لے جاتی ہوں۔'' کشور نے ٹرے اٹھائی اور منظور صاحب کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''دراصل مانو کا فون آیا تھا بیٹا ہوا ہے اس کے ہاں...... میں اسی سے بات کر رہی تھی۔''

''تم سے کس نے کہا کہ تم میرا ناشتا لے کر آؤ...... واپس لے جاؤ ورنہ میں ٹرے اٹھا کر باہر پھینک دوں گا...... دراصل میں اب گھر میں ایک فالتو بندہ بن گیا ہوں کبھی نماز کا بہانہ اور کبھی فون کا بہانہ...... دراصل تم اب جان چھڑانا چاہ رہی ہو مجھ سے لیکن اس طرح جان کیسے چھوٹے گی...... ایسا کرو اس دلیے میں زہر کی پڑیا ملا دو تاکہ یہ بوڑھا دلیہ کھائے اور دنیا سے جائے پھر تم آرام سے کسی ہم عمر ساتھی کا انتخاب کرلینا جو تمہارے ساتھ چلتا ہوا برا نہ لگے۔''

''ایسا مت بولیے منظور صاحب کیوں آپ میری جان کے دشمن ہو چلے ہیں، میں نے کیا بگاڑا ہے آپ کا؟ کیا شکوہ کیا ہے آپ سے؟ میری زندگی میں آنے والے آپ پہلے اور آخری مرد ہیں۔ خدا کے لیے مجھے یوں ذلیل و رسوا نہ کیجیے......؟'' وہ رو پڑی۔

''اس میں رونے والی کوئی بات نہیں ہم دونوں ایک دوسرے کی مجبوری تھے ورنہ میری بیٹی تمہاری ہم عمر ہے۔ میری زندگی تمہارے پاؤں کی زنجیر ہے، میرے بعد تم آزاد ہو صرف چار ماہ دس دن عدت کے گزارنے کے بعد کسی اپنے ہم عمر ساتھی کی تلاش میں پھر سے اُڑ جاؤ گی۔'' کشور کا دل چاہا کہ ابھی دراز سے پستول نکالے اور اپنے سر پر فائر کردے تاکہ نہ وہ خود رہے اور نہ ہی منظور جیسے نفسیاتی مریض کے زہر بھرے نشتر اپنے وجود پر برداشت کرے۔

☆☆☆

بس پھر کیا تھا ایک پُرسکون جنت میں گویا بھونچال آ گیا۔ کشور جو بے حد مضبوط تھی کبھی نہ ڈولنے والی، کبھی نہ ٹوٹنے والی اب ٹوٹ کر کرچی، کرچی ہوگئی۔ جیسے ان بریک ایبل کانچ کا برتن جب ٹوٹتا ہے تو برف کی طرح اس کی کرچیاں دور دور تک پھیل جاتی ہیں۔

کشور بھی ان بریک ایبل برتن کی طرح جب ٹوٹی تو پھر دور، دور تک بکھر گئی۔ منظور صاحب اس ذہنیت کے مالک ہوں گے اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ اس سے پہلے تو کبھی انہوں نے ان خیالات کا اظہار نہیں کیا تھا جب اس کی شادی ہوئی تھی تب بھی دونوں کی عمروں میں اتنا ہی فرق تھا پھر آج تو اس کا اپنا بیٹا بھی جوان تھا۔ انہوں نے یہ بات سوچی بھی کیسے۔

حالانکہ وہ اب بھی منظور صاحب کا بہت خیال رکھتی ان کی خدمت گزاری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتی۔ ناشتا کھانا نہانا دھونا دوا دارو ہر چیز اپنے وقت پر ہو رہی تھی۔ لیکن منظور صاحب کی طبیعت روز بروز بگڑتی جا رہی تھی۔

بہت بڑے پرائیویٹ اسپتال میں ان کا علاج ہو رہا تھا۔ کبھی آکسیجن کی کمی ہوتی اور کبھی ڈائکسز کی ڈیٹ آ جاتی۔ اور جب کبھی طبیعت سنبھلتی تو پھر وہ اول فول بکنے لگتے۔

کشور اب بہت کم بات کرتی۔ وہ بھی جو بہت، بہت ضروری بات ہوتی، ورنہ اس نے چپ کا روزہ رکھ لیا تھا۔ اسے اپنے والدین اور ان کی سفید پوشی یاد آ جاتی۔ اسے ہر وقت غریب اور امیر کا فرق تنگ کرنے لگا۔ وہ سوچتی کہ اگر کسی امیر گھر سے آئی ہوتی تو کبھی منظور صاحب کے طعنے اور جلی کٹی نہ سننا پڑتیں۔ لیکن یہ سب نصیب کی بات ہے، انسان کو اپنے حصے کے دکھ کبھی نہ کبھی ضرور اپنے دامن میں سمیٹنے پڑتے ہیں، اس کا بھی اپنے حصے کے دکھ سمیٹنے کا وقت آ گیا تھا۔

شادی کے بعد اس نے منظور صاحب کو ہر لحاظ سے قبول کرلیا تھا۔ اسے اللہ کی رضا سمجھ کر شکرانہ ادا کیا تھا اور پھر منظور صاحب نے کبھی کوئی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ اور نہ ہی کبھی کشور نے کوئی ایسی حق تلفی کی تھی۔ دونوں بڑی پُرسکون زندگی گزار رہے تھے کہ اچانک منظور صاحب کی بیماری ایک عفریت بن کر زندگی میں زہر گھولنے لگی۔

☆☆☆

مانی ابھی لاہور میں پڑھ رہا تھا اس کی تعلیم ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ وہ ہر مہینے کے آخری دو دن کے لیے گھر آتا تھا۔ باپ کی وجہ سے وہ پریشان تھا۔ گھر میں ایک نرس کے علاوہ چار نوکر تھے جو ہمہ وقت ان کی خدمت میں لگے رہتے تھے۔

منظور صاحب کا علاج مستقل ہو رہا تھا لیکن طبیعت میں کوئی خاص فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ چڑچڑاپن اور بڑھ گیا تھا۔ کسی کا کوئی لحاظ نہیں کرتے تھے گھر کا کوئی فرد ان کے عتاب سے چھٹکارا نہیں پا سکتا تھا اور کشور پر تو طعنہ زنی کی بارش ہوتی رہتی تھی۔

اس روز ڈاکٹر صاحب چیک اپ کے لیے آئے تو کشور نے باہر ہی کھڑے، کھڑے انہیں ساری تفصیل بتائی۔ انہوں نے تسلی دی۔

''میں چوہدری صاحب کا چیک اپ کرلوں تو پھر آپ سے واپسی پر بات کروں گا۔''

''بیگم صاحبہ میں نے منظور صاحب سے تفصیلی گفتگو کی ہے انہیں اپنی بیماری سے خوف آتا ہے، وہ بہت زیادہ حساس ہوگئے ہیں اور گلٹی فیل کرتے ہیں کہ

آپ سے شادی کرنا شاید ان کی غلطی تھی، ان کا خیال تھا کہ اب ان کے بعد آپ تنہا ہو جائیں گی چونکہ وہ آپ کی اور اپنی عمروں کا فرق اب شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ شاید اس لیے ایسا رویہ ہو گیا ہے۔ لہٰذا آپ ٹینشن نہ لیا کریں۔''

''ڈاکٹر صاحب میں تو اپنے رب سے ہر وقت ان کے لیے دعا گو ہوں لیکن جب وہ بری، بری باتیں کرتے ہیں تو مجھے بہت دکھ ہوتا ہے۔''

''آپ پریشان نہ ہوا کریں بلکہ ان کا اور زیادہ خیال رکھیں۔'' ڈاکٹر صاحب نے کشور کو مطمئن کرنے کی اپنی سی کوشش کی اور چلے گئے۔

☆☆☆

وقت کو بہر حال گزرنا ہوتا ہے وہ اپنے انداز میں گزر رہا تھا۔ منظور صاحب کی طبیعت روز بروز بگڑتی جا رہی تھی، گھر کا ماحول تلخ سے تلخ تر ہوتا جا رہا تھا۔ کشور بہت کوشش کرتی کہ ماحول خوشگوار رہے، منظور صاحب کبھی ہنستے مسکراتے بھی نظر آئیں لیکن وہ تو بھولے سے بھی نہیں مسکراتے تھے۔

اب تو سلیمان کے آنے پر بھی گھر میں چہل پہل نظر نہیں آتی۔ خاموشی چیخ، چیخ کر کسی سانحے کی آمد کا اعلان کرتی نظر آتی تھی۔ نوکر چاکر بھی اونچی آواز میں بولتے نظر نہیں آتے۔ فضیلہ نرس بدستور منظور صاحب کی تیمارداری کے لیے آتی تھی۔

ڈاکٹرز اب ہفتے میں تین مرتبہ ہوتے تھے منظور صاحب کا رنگ کالا پڑ گیا تھا۔ باہر سے بچوں کے فون آتے رہتے تھے۔ اسرار اور صنم تو چھ ماہ پہلے مل کر گئے تھے اب بہزاد اور میرب آنے کے لیے پر تول رہے تھے۔

سارا دن فون پر کوئی نہ کوئی کشور سے خیریت پوچھ رہا ہوتا۔ بہنیں اور بہنوئی بھی خیریت فون پر ہی معلوم کرتے رہتے۔ گھر میں اس لیے نہیں آتے تھے کہ منظور صاحب کا موڈ نہ خراب ہو جائے۔

کشور پریشان رہتی تھی، اسے آنے والے وقت سے خوف آتا تھا لیکن وقت کسی کی میراث نہیں ہے وہ جب چاہے جیسا چاہے آتا ہے اور گزر جاتا ہے۔ اور پھر وہ وقت بھی آ گیا جس سے سب خوف کھاتے تھے۔

منظور صاحب صبح اٹھے تو ناک اور منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ فضیلہ آج کل یہیں رہتی تھیں۔ اس نے انہیں اس حالت میں دیکھا تو گھبرا گئی۔ کشور نماز کے بعد تلاوت قرآن پاک میں مصروف تھی۔ فضیلہ تیزی سے کمرے سے نکلی کشور لاؤنج میں مل گئی۔

''کشور باجی جلدی آئیں منظور صاحب کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔'' اس نے گھبرا کر قرآن پاک چوم کر ایک طرف رکھا اور تیزی سے بیڈروم کی طرف بھاگی۔ منظور صاحب گاؤ تکیے سے لگے بے سدھ پڑے نظر آئے۔ کشور جلدی سے انہیں سہارا دیتے ہوئے آوازیں دینے لگی اُن کا سر اپنی گود میں رکھا......

''چوہدری صاحب آنکھیں کھولیں'' چاروں قل پڑھ کر پھونکیں مارنے لگی۔ انہوں نے آنکھیں کھولیں کشور زار و قطار رونے لگی اور پھونکیں مارنے لگی انہوں نے کشور کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں جیسے بہت کچھ کہنا چاہتے ہوں لیکن کہہ نہیں پا رہے فضیلہ نے ڈاکٹر کو فون کر دیا تھا۔

کشور نے اونچی آواز میں سورۂ یٰسین پڑھنی شروع کر دی ادھر ڈاکٹر اکرم نے کمرے میں قدم رکھا ادھر منظور صاحب نے ایک لمبی سانس لی اور ہمیشہ کی نیند سو گئے۔ کشور نے چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئی۔ گھر میں ایک کہرام مچ گیا......اور منظور صاحب کی زندگی کا باب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔

☆☆☆

آج منظور صاحب کی رسم دسواں تھی۔ چاروں بچے پہلے دن ہی آ گئے تھے۔ باپ کی وفات کے بعد ان کی الماری کھولی گئی۔ ایک، ایک چیز کا بغور جائزہ لیا گیا۔ بینک کے کاغذات، ایک فائل اور کافی کیش رقم نکلی۔ چاروں بھائی بہنیں آپس میں گفت و شنید کرتے رہے۔ سلیمان اور کشور خاموش اور اجنبی سے لگ رہے تھے۔ مانی کو کسی نے تسلی کے دو بول بولنے بھی ضروری

نہیں سمجھے۔

اسرار اور بہزاد دونوں وکیلوں اور کچہریوں کے چکر لگا رہے تھے۔ نوکر چاکر سب خاموش اور کن انکھیوں سے ایک دوسرے کو اشارے کر کے بات سمجھا لیتے۔

کشور کے چہرے پر یتیمی کے ساتھ، ساتھ اب بیوگی نے بھی اپنا رنگ چڑھا دیا۔

وہ بچپن سے بہت صابر اور شاکر تھی۔ سمجھوتا اس کی گھٹی میں رچا بسا تھا۔ پھر بھی بہت ڈسٹرب تھی۔ خود کو اور بیٹے کو تنہا محسوس کر رہی تھی۔

منظور صاحب کے بچوں سے اسے یہ توقع نہیں تھی کہ اسے اس قدر نظر انداز کر دیں گے۔ بہر کیف سوہنے رب کو یہی منظور تھا۔

رسم دسواں کے ٹھیک پانچ دن بعد سب نے اپنی، اپنی تیاری پکڑ لی۔ تمام جائداد اور زمینوں کے بٹوارے ہو گئے..... چاروں نے اپنی، اپنی فائلیں سمیٹ لیں۔

''کشور آپا یہ کوٹھی کے کاغذات ہیں چونکہ کافی جگہ ہے اس لیے یہ آدھی ہم نے والدین کے نام سے مسجد کو دے دی ہے۔ اور آدھی آپ دونوں ماں بیٹے کی ہے۔ اسے آپ ہمیشہ رکھیں یا بیچ دیں آپ کی صوابدید ہے۔ چونکہ آپ سے شادی پاپا نے ہماری مرضی کے خلاف کی تھی۔ لہٰذا سلیمان کو ہم نے کبھی قبول ہی نہیں کیا۔ پاپا نے زمینیں وغیرہ پہلے ہی ہمارے نام کر دی تھیں، بہنوں نے اپنا، اپنا حصہ لے لیا ہے۔ یہ کوٹھی بچتی تھی اس لیے یہ آدھی آپ کو آدھی مسجد کو دے دی ہے۔'' اسرار نے کاغذات ٹیبل پر رکھے اور اٹھ گیا۔

''البتہ گھر کا سارا سامان آپ کا ہی ہے۔ جس میں قیمتی الیکٹرونکس و دیگر اشیا وغیرہ ہیں۔'' کشور خاموش تھی۔

اگلے دن چاروں بہن بھائی ہمیشہ کے لیے اس گھر سے رخصت ہو گئے۔ کشور نے مانی سے مشورہ کیا اور سارا گھر مسجد کے نام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

لیکن گھر کے سب نوکر چاکر، ڈرائیور وغیرہ کشور اور مانی کے ہمدرد و غمگسار تھے سب نے مل بیٹھ کر ایک میٹنگ کی اور کشور کو پورا مکان مسجد کے نام نہیں کرنے دیا۔

''باجی آپ نے اور سلیمان بابا نے آنے والی زندگی کیسے گزارنی ہے، ہم سب آپ کو ایسا ہرگز نہیں کرنے دیں گے۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔'' کرامت کی آنکھوں میں بات کرتے ہوئے پانی بھر آیا۔

''آپ نے بڑی وفاداری سے اور نیک نیتی سے منظور صاحب کی خدمت کی اور آپ کو تو بڑے حق حاصل ہیں، ہمیں تو منظور صاحب پر افسوس ہے اتنی نیک اور ایماندار بیوی کو جائداد میں اس کا حق اپنی زندگی میں ہی دے دیتے۔'' پرانی ملازمہ بھی بڑی افسردگی سے بولی۔

''سلیمان بابا کی حق تلفی پر منظور صاحب روزِ قیامت جواب دہ ہیں۔'' بشیر نے بھی اپنا خیال پیش کر دیا۔

کشور چپ چاپ سب کچھ سنتی رہی۔ آخر فیصلہ یہ قرار پایا کہ چار کنال کا گھر آدھا مسجد کے نام کر دیا جائے اور آدھا برائے فروخت کی تختی اپنے ماتھے پر سجائے کسی اچھے گاہک کا انتظار کرنے لگا۔ اور یوں بہت جلد پراپرٹی ایجنٹ نے اپنا مطلوبہ کمیشن لے کر گھر کسی بزنس مین کے ہاتھوں فروخت کر دیا جسے پلازہ بنانے کے لیے ایسی ہی جگہ کی ضرورت تھی۔

کشور نے وقتی طور پر اسلام آباد میں ہی کرائے پر ایک چھوٹا سا گھر لے لیا کوٹھی کا سارا سامان بھی بیچ دیا گیا بس ضرورت کی چیزیں جو تین کمروں کے گھر میں پوری آ جائیں وہی رکھیں۔

مانی کی تعلیم مکمل ہو گئی اور اسے دبئی میں جاب بھی مل گئی، وہ ماں کو بھی اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا لیکن ابھی ممکن نہیں تھا جو رقم گھر بیچ کر حاصل کی تھی وہ اس سے مانی کے ویزے اور باہر جانے کے تمام اخراجات پورے کیے اور کچھ رقم جو باقی تھی وہ مانی کی شادی اور گھر کے لیے پس انداز کر دی۔

سلیمان اتنی جلدی جانے کے لیے تیار نہیں تھا سارے زخم جو اسے اور اس کی ماں کو لگے تھے ابھی ہرے تھے۔ زخم ابھی بھرے ہی کب تھے کہ جدائیوں کا

بے رحم موسم سر پر منڈلانے لگا۔

☆☆☆

مانی کیا گیا کہ دنیا ہی بے رونق نظر آنے لگی، زندگی میں مکمل خاموشی چھاگئی۔ کہیں آنے جانے کو دل نہ کرتا، نمازیں اور قرآن کے بعد ٹی وی پر آٹھ بجے آنے والا ڈراما، کبھی کوئی غزلوں کا پروگرام ملتا تو ٹی وی کے سامنے بیٹھ جاتی خبریں چند سرخیوں کے علاوہ نہیں سنتی تھی کہ ان میں قتل وغارت، مار دھاڑ چوری، ڈکیتی، ایکسیڈنٹ یا پھر حکومت کی کرپشن...... یہ سب چیزیں وہ نہیں برداشت کرسکتی تھی بلڈ پریشر کی پرانی مریضہ تھی۔

زندگی میں کہیں کوئی خوب صورتی نہیں تھی۔ کبھی، کبھی یادوں کے جزیروں پر اتر جاتی ہر جگہ زندگی کمپرومائز سے بھری پڑی تھی۔ اس نے پہلا کمپرومائز تو اس دنیا میں آنکھ کھولتے ہی کرلیا تھا اور پھر قدم، قدم پر زندگی سے کمپرومائز کرنا پڑا۔ آج جب بالکل آزاد اور خودمختار تھی تب بھی اسے بیٹے کی جدائی اور اپنی تنہائی سے کمپرومائز کرنا پڑا تھا۔ زندگی کا سب سے تکلیف دہ کمپرومائز بیٹے کی جدائی سے تھا اسے لگتا پوری دنیا میں اندھیرا ہے۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اِک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

سلیمان ہر روز ماں کو فون کرتا تو چند لمحے کے لیے اس کی زندگی میں بہار اتر آتی۔ اور پھر سکوت طاری ہوجاتا۔ اِدھر سلیمان کے باس جو پرائیویٹ فرم چلا رہے تھے اپنی بیماری کی وجہ سے کاروبار کو زیادہ ٹائم نہیں دے سکتے تھے۔ مانی پر بھروسا کرتے تھے، آفس کی زیادہ تر ذمے داری اس کے سر پر ڈالتے جارہے تھے اور وہ بڑی خوش اسلوبی اور ایمانداری سے تمام فرائض نبھا رہا تھا۔ کمپنی کے مالک امام دین صاحب کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ بیٹا ابھی کالج لائف میں تھا، اس لیے امام دین صاحب سلیمان پر بھروسا کرنے لگے تھے۔ اسے اپنے گھر میں ہی رہنے کو جگہ دے دی تھی۔ مانی بھی بڑی ایمانداری سے امام صاحب کی بیٹیوں کو اپنی بہنیں سمجھتا تھا اور بیٹے کو چھوٹا بھائی تصور کرتا تھا۔

☆☆☆

''بیٹا تمہاری امی کی طبیعت ٹھیک نہیں، تمہاری خالہ کا فون آیا تھا۔'' اس روز وہ دفتر سے تھکا ہوا آیا تھا کہ خدیجہ آنٹی (امام صاحب کی بیگم) نے اسے چائے وغیرہ پینے کے بعد بتایا۔

وہ گھبرا گیا۔

''بیٹا گھبرانے کی بات نہیں، امام دین صاحب نے تمہارا ٹکٹ کروادیا ہے کل شام چھ بجے کا۔ تم فون پر بھی بات کرلو۔'' مگر اسے ہمت ہی نہیں ہوئی فون کرنے کی بس دل ہی دل میں دعا کرنے لگا۔

اسلام آباد ائرپورٹ پر بھی اسے ہر چیز اداس اور سوگوار سی لگ رہی تھی۔ دل کے اندر کسی خانے میں کوئی اندیشہ، کوئی درد چھپا بیٹھا تھا۔

اس نے ائرپورٹ کیب لی اور گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ ٹیکسی اپنی گلی میں داخل ہوئی تو لوگوں کا ہجوم دیکھ کر سلیمان کا کلیجا پھٹ کر باہر آنے لگا۔

''تو گویا امی جان نے میرا انتظار کرنا بھی گوارا نہیں کیا۔'' وہ بھاگتا ہوا گھر کے اندر داخل ہوا تو گھر کی فضا اِک قیامت صغریٰ کا منظر پیش کررہی تھی۔ خواتین کے رونے کی آواز نے دل دہلا دیا۔ ماں کو سفید کفن میں ملبوس دیکھ کر سلیمان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور وہ ماں کے پائنتی گر کر بے ہوش ہوگیا۔ اِک شور مچ گیا۔ تینوں خالاؤں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے، اپنے دوپٹوں سے اس کے پاؤں اور ہتھیلیاں رگڑنے لگیں۔

جب ہوش آیا تو پھر خالاؤں سے اور ماں کے بے جان جسم سے لپٹ کر خوب رویا۔ سب نے تسلی اور حوصلہ دینے کی کوشش کی۔ اور بتایا کہ ''جنازے کا ٹائم ہونے والا ہے تم اپنی ماں کو جی بھر کر دیکھ لو اور اس کی مغفرت کی دعا کرو۔''

وہ ایک ٹک ماں کو دیکھے جارہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ پیاری ماں آج تیرے سارے درد مٹ گئے،

تیرے وجود کی بے رحم سانسوں نے اپنی قید سے تجھے آزاد کر دیا۔ مجھے جدائی کا گہرا زخم تو لگ گیا لیکن تیری روح آسمان کی وسعتوں اور جنت کی فضاؤں میں آزاد تو ہوگی۔

ماں کے جانے کے بعد دل کی دنیا گویا فنا ہوگئی، دور، دور تک کہیں کوئی خوشی کی رمق نظر نہیں آتی تھی۔

رسم دسواں کے بعد سلیمان نے تمام قریبی رشتے داروں سے ملاقات کی۔ شائستہ آنٹی کے پاس بیٹھ کر اپنی ماں کے بارے میں ایک، ایک بات پوچھتا رہتا اور پھر اس نے واپسی کی تیاری کر لی اور اپنے وطن کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیا۔

☆☆☆

اُدھر دبئی پہنچتے ہی تعزیت کرنے والوں کا تانتا لگ گیا جن میں مانی کے جاننے والے کم اور امام صاحب کے عزیز، رشتے دار اور ملنے والے شامل تھے۔ امام صاحب نے باقاعدہ رسم دسواں کا اہتمام کیا تھا۔ قرآن خوانی اور گٹھلیوں پر پڑھائی کر کے کشور بیگم کی بخشش کے لیے خوب، خوب دعائیں مانگی گئیں۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے کھانا کھایا۔

سلیمان کی چھوٹی خالہ جو راس الخیمہ میں رہائش پزیر تھیں اپنی فیملی سمیت اس موقع پر موجود تھیں۔ معصومہ خالہ (مانو) کشور بیگم کی وفات پر صرف تین دن پاکستان میں گزار سکی تھی۔

البتہ یہاں دبئی وہ اپنے بھانجے کے ایک فون پر دوڑی چلی آئیں اور مانی کو اپنے سینے سے لگا کر بہت دیر تک روتی رہی تھیں۔

☆☆☆

وقت جو اذیت کی تلوار سے دلوں پر زخم لگاتا رہتا ہے، لوگوں کو خون کے آنسو رُلاتا رہتا ہے۔ وہی وقت آہستہ، آہستہ زخموں پر مرہم رکھنے لگتا ہے۔ اپنا دوسرا روپ اختیار کر کے مجروح لوگوں کو تھپکی دینے لگتا ہے۔ اور اس بے رحم وقت کے ہاتھوں لوگ صبر کا پیالہ پینے پر مجبور ہو جاتے ہیں یہی ازل سے ہوتا آیا ہے اور ابد تک ہوتا رہے گا۔

امام صاحب اور خدیجہ بیگم نے سلیمان کو اتنی محبت دی کہ وہ اب باقاعدہ اس گھر کا حقیقی فرد اور بڑا بیٹا لگنے لگا۔

اس نے بھی جان لیا کہ قدرت نے اس کی ماں کی دعاؤں کے بدلے اسے جنت جیسا گھر اور فرشتوں جیسے والدین عطا کر دیے ہیں اس نے اپنے رب سے وعدہ کر لیا کہ وہ کبھی اس گھر کے لوگوں کو ٹھیس نہیں پہنچائے گا۔

اور اس نے ایسا ہی کیا امام صاحب کو فارغ کر کے بڑے احترام کے ساتھ تمام ذمّے داریاں سارے مسائل اپنی جھولی میں ڈال لیے۔ اور امام صاحب نے اب صرف اللہ، اللہ شروع کر دی۔

خدیجہ بیگم ہر مسئلہ اب سلیمان سے ہی ڈسکس کرتی تھیں۔ ماریہ اور نیلی (امام صاحب کی بچیاں) کے لیے ایک ہی گھر سے پروپوزل آیا ہوا تھا، ماریہ نے ایم فل کر لیا تھا اور نیلی کا میڈیکل میں آخری سال تھا۔ خدیجہ بیگم بحیثیت ایک ماں بچیوں کے فرائض سے جلد از جلد سبکدوش ہونا چاہتی تھیں۔

اور یوں ماں، بیٹے نے مل کر اس پروپوزل پر غور کیا اور ان کے گھر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ عواد اور مشام دونوں امریکا میں سیٹل تھے۔ پڑھے لکھے اور برسرِ روزگار تھے۔ دو چار چکر لگانے کے علاوہ کچھ باہر اندر سے پوچھ گچھ ہوئی اور تسلی ہو جانے پر بات پکی کر دی گئی۔

شادی میں چھ ماہ کا ٹائم رکھا گیا۔ شادی پر زیادہ لمبا چوڑا جہیز نہیں بنتا تھا کیونکہ بچیوں نے ساتھ باہر جانا تھا۔ اس لیے زیادہ بھاگ دوڑ نہیں کرنی پڑی۔ دونوں بہنوں کو زیور اور جوڑوں کے علاوہ نقد رقم دی جانی تھی...... داماوں کے لیے قیمتی جوڑوں کے ساتھ ڈائمنڈ کی گھڑیاں اور انگوٹھیاں ڈھیر ساری سلامی کے ساتھ...... باقی افرادِ خانہ کے لیے قیمتی تحائف اور بہترین جوڑوں کا انتظام کر دیا گیا۔ چھ ماہ کے اندر، اندر سلیمان نے اپنی بہنوں کو بڑی شان سے رخصت

کیا۔ شادی میں شرکت کے لیے پاکستان سے امام صاحب کے رشتے دار آئے ہوئے تھے۔ امام صاحب کا چھوٹا بھائی احمد دین اپنی فیملی سمیت مظفر آباد، پاکستان سے آئے تھے۔ امام دین صاحب نے انہیں اپنی طرف سے ٹکٹیں بھیجی تھیں۔ اور بڑی چاہت سے بلایا تھا اور پس پردہ ان کی مرضی تھی کہ مانی کی شادی اپنی بھتیجی راحت سے کردیں گے اور راحت شادی کے بعد یہیں دبئی آجائے گی۔ لیکن یہ سب کچھ کرنے سے پہلے مانی سے مشورہ ضروری تھا۔

ولیمے کے اگلے دن امام صاحب نے اس بارے میں بات کرنے کی غرض سے سلیمان کو اپنے پاس بلایا۔

''جی بابا جان! آپ نے یاد فرمایا؟'' مانی نے کمرے میں کرسی بیڈ کے قریب گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں! بیٹا تم سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔''

''حکم کریں بابا جان؟'' وہ ہمہ تن گوش تھا۔

''بات یہ ہے کہ اللہ کے کرم سے تمہاری بہنیں اپنے گھروں کی ہوگئی ہیں۔ اور میرا ارادہ ہے کہ تمہاری بھی شادی کردوں، عبداللہ (ان کا بیٹا) بھی صرف ایک ہفتے کی چھٹی لے کر آیا ہے دو روز بعد اس کی انگلینڈ واپسی ہے، عینی ابھی بہت چھوٹی ہے تمہاری ماں بیمار رہتی ہیں۔ اب تمہاری شادی ہوجانی چاہیے تاکہ گھر میں رونق ہوجائے۔''

''بابا جان آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن ابھی اتنی بھی کیا جلدی ہے کل ہی تو بہنوں کی رخصتی ہوئی ہے؟''

''کل ہی رخصتی ہوئی ہے اور گھر ویران لگنے لگا ہے بلکہ پوری دنیا ہی سنسان لگ رہی ہے، اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں احمد سے تمہارے لیے راحت کو مانگ لوں مجھے بہت پسند ہے وہ۔ کافی سمجھدار اور پڑھی لکھی ہے انتہائی سعادت مند بچی ہے انشاء اللہ تمہاری زندگی سنوار دے گی۔ اگر تمہاری اپنی کوئی پسند ہے تو بتادو، میں انکار نہیں کروں گا۔'' امام صاحب نے سوالیہ نظروں سے مانی کو دیکھا......

بکھرے موتی

☆ ہر چیز کی ایک زکوٰۃ ہوتی ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے......

☆ حُسن کی چمک حیا میں ہے۔

☆ تقویٰ اختیار کرو یہ تمام بھلائیوں کا مجموعہ ہے۔

☆ تقویٰ کی برکت سے اللہ رب العزت گناہوں کی مغفرت فرما دیتا ہے۔

مرسلہ: شمائلہ، اوکاڑہ

درود

جس شخص کے سامنے میرا ذکر ہو اسے چاہیے کہ مجھ پر درود بھیجے اور جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے۔ اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔ (ابن ماجہ)

انتخاب: روحا، دیپال پور

''میری اپنی کوئی پسند نہیں بابا جان اور آپ کا حکم میں ٹال دوں یہ قیامت تک نہیں ہوسکتا۔'' اس نے نرمی سے کہا۔

''جیتے رہو میرے بچے! مجھے تم سے یہی امید تھی۔'' بابا جان نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے ساتھ لگالیا...... ''چلو جاؤ اب تم اپنا کام کرو میں آج رات کو ہی احمد سے بات کرتا ہوں۔''

اگلے دن امام صاحب نے چھوٹے بھائی، بھاوج سے بات کی اور سلیمان کی بابت بھی سب بتایا۔ ان کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا، بڑے بھائی کی بات کیسے ٹالتے یوں نہایت خوش اسلوبی سے راحت اور سلیمان کا رشتہ طے کردیا گیا تھا۔

خدیجہ بیگم نے فوراً ہی مٹھائی کا بندوبست کیا۔ راحت کے لیے خوب صورت جوڑا اور ڈائمنڈ رنگ بھی جلد ہی خرید لائیں یوں گھر ہی گھر میں منگنی کی سادہ سی تقریب منعقد کی گئی۔ دونوں ساتھ ہی بیٹھے تھے جب امام صاحب اس کے قریب آئے۔ اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر ماتھا چوم لیا۔

''دیکھ لو بیٹا، تمہاری فرمانبرداری نے تمہارا

مستقبل کس قدر چمکا دیا۔'' بابا جان نے راحت کی طرف اشارہ کر کے کہا تو سب ہنسنے لگے۔ راحت نے چہرہ اور جھکا لیا اور مانی کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا...... سلیمان کو راحت کے قریب صوفے پر بیٹھا دیا گیا تھا اور پھر خدیجہ بیگم نے دونوں کو ایک، ایک انگوٹھی کی ڈبیا دے دی۔

ڈرے، ڈرے سہمے، سہمے دونوں بچوں نے ایک دوسرے کو رنگز پہنا دیں۔

''مبارک مبارک......'' کا شور بلند ہوا۔

''رابعہ بیٹا تم اٹھو اور سب کا منہ میٹھا کراؤ اور دونوں بچوں کا بھی منہ میٹھا کراؤ یہ خوشی کا موقع ہے۔'' امام صاحب نے چھوٹی بھابی کو بیٹا کہہ کر مخاطب کیا۔

اور پھر خود اٹھے اور دونوں کے سروں پر ہاتھ پھیرا اور ایک خطیر رقم دونوں کو سلامی میں دی۔ اور پھر دونوں ہاتھ بلند کر کے دعائے خیر پڑھی پہلے احمد کو گلے لگایا پھر رابعہ کو ساتھ لگا کر مبارک باد دی۔

اس کے بعد مانی اور راحت کو بھی اپنے ساتھ لگا کر پیار کرتے رہے۔ سب لوگ منہ میٹھا کرنے لگے۔

''لو جی یہ فرض تو ادا ہو گیا...... احمد تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں آج اپریل کی اٹھارہ تاریخ ہے، ٹھیک چھ ماہ بعد اکتوبر میں ہم لوگ پاکستان آئیں گے اور اٹھارہ تاریخ ہی شادی کی ڈیٹ مقرر کر دیتے ہیں۔ انشاء اللہ اٹھارہ کو ہم اپنے بیٹے کے سر پر سہرا باندھ دیں گے اور اپنی چاند جیسی بیٹی سلیمان چوہدری کے نصیب میں لکھوالیں گے۔''

''آپ کو بھی مبارک ہو بھائی صاحب اور بھابی جان۔'' احمد اور رابعہ بیگم نے بھی بڑے بھائی، بھاوج کو مخاطب کر کے کہا۔

اور یوں خوشی، خوشی بات پکی کر کے راحت اور سلیمان کو ایک دوسرے کی امانت بنا دیا گیا۔

☆☆☆

سلیمان کی زندگی میں ایک نیا موڑ آ گیا تھا۔ راحت کو سب سے چھپ کر کن انکھیوں سے دیکھنا اچھا لگتا راحت کے بارے میں سوچنا اور اسے چاہتے رہنا بہت دل کو بھاتا تھا۔ راحت کی خوب صورت آنکھیں ہر وقت بولتی اور مسکراتی رہتی تھیں۔ دونوں ایک دوسرے سے بہت کم بات کرتے تھے حتیٰ کہ ڈائننگ ٹیبل پر بھی ایک دوسرے کے عین سامنے والی چیئر پر نہیں بیٹھتے تھے۔ آج سنڈے تھا اور ٹھیک تین دن بعد احمد صاحب کو اپنی فیملی سمیت پاکستان روانہ ہو جانا تھا۔ آج کل زیادہ تر کھانا باہر ہی کھایا جا رہا تھا۔ سب لوگ کہیں نہ کہیں آؤٹنگ پر نکل جاتے۔ خوب ہلا گلا ہوتا۔

راحت سے چھوٹی جنت پھر دانیال، مراد، اور ننھی فاطمہ سب بچے خوب انجوائے کر رہے تھے۔ عبداللہ نے بھی 29 اپریل کو واپس انگلینڈ جانا تھا۔ ایک ہی دن سب کو رخصت ہونا تھا۔

''بچوں آج تم لوگ سلیمان کے ساتھ باہر جاؤ گے راس الخیمہ کا پرانا علاقہ تم لوگوں نے دیکھنا ہے، مانی اس کے چپے چپے سے واقف ہے اور ہم بزرگ آج گھر پر ہی رہیں گے آرام کے ساتھ، ساتھ کچھ ضروری باتیں بھی کرنی ہیں، میں نے کہہ دیا ہے کہ وہ تمہیں بہت اچھا لنچ کرائے گا۔ شاپنگ بھی اپنی، اپنی پسند سے کر لینا۔ لیکن ایک بات کا خیال رہے کہ سلیمان اور راحت کو زیادہ پریشان نہ کرنا...... ہماری بیٹی اب چند دن کی مہمان ہے۔'' امام صاحب کی آنکھیں بھر آئیں تو سب کے چہرے اداس سے لگنے لگے۔

''راحت آپ خوش ہو؟'' مانی نے دھڑکتے دل سے سوال کر دیا۔

''جی، کس بات پر میں سمجھی نہیں؟'' اتنی سی بات پر راحت کے چہرے پر گلابیاں بکھر گئیں۔

''یہی ہم دونوں کے رشتے پر...... میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ بابا جان مجھے اس قدر قیمتی تحفہ دیں گے۔'' مانی نے راحت کی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔ راحت نے شرما کر چہرہ جھکا لیا۔ بے شمار لمحے بیت گئے۔

''جی سب نصیب کی باتیں ہیں ورنہ ہر والدین

اپنی اولاد کو بہتر زندگی دینا چاہتے ہیں۔'' بہت دیر بعد راحت نے جواب دیا۔

''میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرا نصیب اتنا اعلیٰ ہے، یہ اللہ پاک کا کرم اور میرے بابا جان کی محبتیں ہیں ورنہ میں اس قابل کہاں۔''

وہ دونوں انتہائی خوب صورت پارک کے ایک کونے میں ایک خوب صورت سنگی بینچ پر بیٹھے تھے۔ باقی لوگ اسی پاک کے کسی اور کونے کی طرف جا چکے تھے۔ شاید وہ جان بوجھ کر مانی اور راحت کو باتیں کرنے کا موقع فراہم کررہے تھے۔ ہر طرف پھول ہی پھول اپنی بہار دکھا رہے تھے موسم خوشگوار تھا۔ اور بہت لوگ موسم کو انجوائے کرنے اسی پارک کی طرف نکل آئے تھے۔ ہر طرف رنگ ہی رنگ تھے۔

''راحت یہ تمہارے لیے چھوٹا سا گفٹ میں نے اپنی پسند سے خریدا ہے۔'' مانی نے ایک گفٹ پیک راحت کی طرف بڑھا دیا۔ اسے کھول کر دیکھا، اس نے کھولا تو انتہائی خوب صورت جگمگ کرتا ایک نیکلس راحت کی آنکھوں کو خیرہ کرنے لگا۔

''اتنے مہنگے گفٹ کی کیا ضرورت تھی۔'' وہ شرم سے لال گلابی ہو رہی تھی۔

''تم سے مہنگا نہیں ہے بس تم اسے پہنے رکھنا ہمیشہ...... اٹھارہ اکتوبر تک اسے پہنے رکھنا مجھے خوشی ہوگی۔'' سلیمان بڑی چاہتوں بھری نظر سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''جی ٹھیک ہے، دراصل میں نے کبھی قیمتی چیزوں کی خواہش نہیں کی۔ ہم لوگ مالی طور پر کمزور ہیں، ابا جان اکیلے کمانے والے ہیں اور ہم سب کھانے والے۔ اوپر سے ہمارے تعلیمی اخراجات...... گزارہ مشکل سے ہوتا ہے اس لیے کبھی قیمتی چیزوں کے بارے میں سوچا بھی نہیں ہے، میری تعلیم مکمل ہوجائے تو میں جاب کرلوں گی پھر شاید حالات بہتر ہوجائیں......'' وہ بڑی اداس سی لگ رہی تھی۔

''تم شرمندہ کررہی ہو ایسا نہیں سوچتے۔ سارے فیصلے اوپر والے کے ہیں، میں بالکل تن تنہا تھ اور کون کہہ سکتا ہے کہ مجھ جیسے بے سہارا کو میرے رب کی رضا اور میرے بابا کی مہربانیوں سے اتنا بہترین ساتھی مل گیا۔'' میں اپنے مولا کریم کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے جس نے بابا جان کی صورت میں ایک سائبان ج محبتوں کی مٹی میں گندھا ہوا انتہائی شفیق باپ عط کردیا۔ میں سوچتا ہوں اگر بابا جان مجھے نہ ملتے تو یہیں کہیں ہوٹلوں میں برتن دھو رہا ہوتا۔'' سلیمان کی آواز بھرا گئی آنکھیں برسنے کو تیار نظر آنے لگیں۔

''آپ ایسا کیوں سوچتے ہیں؟ جو مقام آپ کو مل گیا بس اسی کے بارے میں سوچا کریں اسی کا شکر ادا کیا کریں۔ جو گزر چکا ہے وہ ماضی تھا اسے یاد کرنے سے اللہ پاک کی مہربانیوں سے غفلت کا گمان ہوتا ہے۔'' راحت نے دھیرے، دھیرے بات مکمل کی۔

''تم ٹھیک کہتی ہو، مجھے اس نے میری اوقات سے بڑھ کر نوازا ہے میں کیوں کسی بھی ماضی کی کھڑکی سے جھانک کر پیچھے دیکھوں اور اپنا دل برا کروں۔'' سلیمان نے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرتے ہوئے آنکھیں صاف کیں۔

''تم بھی راحت اب کبھی دل چھوٹا مت کرنا شادی کے بعد تمہیں یہاں تو آنا ہی ہے اس لیے یہاں پر اچھی جاب مل گئی تو تم سیلری پاکستان بھیج دیا کرنا، یہ ان کا حق ہے جنہوں نے اتنی محنت سے تمہیں پڑھایا ہے۔''

''آپ نے ایسا سوچا آپ کا شکریہ لیکن ابا جان کبھی نہیں مانیں گے کہ میں شادی کے بعد اپنی تنخواہ انہیں بھیجوں...... وہ بڑے ابا سے تو مدد لے سکتے ہیں لیکن شادی شدہ بیٹی سے نہیں۔''

''چلو اللہ سب بہتر کرے گا انشاء اللہ، میرا خیال ہے اب کھانے کا ٹائم ہورہا ہے چلو دیکھیں باقی لوگ کہاں ہیں پھر چل کر کہیں کھانا کھاتے ہیں۔''

ان لوگوں نے ایک اچھے ہوٹل میں لنچ کیا۔ پھر بابا جان کے حکم کے مطابق سلیمان نے سب کو شاپنگ

کرائی اور انجوائے کرتے ہوئے سب بچے شام سے پہلے گھر پہنچ گئے۔

اگلے دو دن پلک جھپکتے میں گزر گئے اور احمد دین اور ان کی فیملی کے جانے کا روز بھی آ گیا۔ مہمان چلے گئے تو ویران سا لگنے لگا گھر کیا سارا دبئی سونا، سونا سا لگنے لگا۔ سلیمان کی تو یہ پہلی ملاقات تھی احمد چچا کی فیملی سے لیکن اس پہلی ملاقات میں ہی مانی، احمد چچا کا داماد بن گیا اور اس رشتے کے حوالے سے وہ زیادہ محسوس کر رہا تھا۔

امام صاحب تو اپنے چھوٹے بھائی اور اس کے بچوں سے بہت محبت پیار کرتے تھے اور اسی پیار کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اپنے بھائی کی ساری فیملی کو یہاں سے ٹکٹیں بھیج کر دبئی بلوایا تھا اور پھر اپنی بھتیجی کو بہو بھی بنالیا تھا۔

''بیگم یہ چھ ماہ کا ٹائم کچھ زیادہ نہیں رکھ دیا ہم نے مانی کی شادی میں؟'' امام صاحب نے اخبار ایک طرف رکھ کر چائے کا مگ ہاتھ میں لے کر کہا۔

''چھ ماہ گزرتے دیر نہیں لگتی امام صاحب، آپ پریشان نہ ہوں۔'' خدیجہ بیگم نے چائے کا سپ لے کر کہا۔ ''آخر بیٹی والوں کو اتنا ٹائم تو ملنا ہی چاہیے۔''

''بھئی اتنا بھی ٹائم کیوں رکھ لیا ہے ہم نے خدیجہ بیگم.....؟'' میں نے احمد سے کہہ دیا تھا کہ بالکل کسی قسم کی فکر نہ کرے، سارا خرچہ میں خود کروں گا اور جہیز کے نام پر تو ایک تنکا بھی نہیں چاہیے تو پھر ہم نے چھ ماہ کا ٹائم کیوں رکھ لیا۔ غلطی ہوگئی بہتر ہوتا کہ یہیں پر نکاح کر لیتے اور میں راحت کو روک لیتا۔'' وہ کچھ مضطرب تھے۔

''آپ کیوں اتنی ٹینشن لے رہے ہیں چوہدری صاحب..... کچھ فیصلے اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینے چاہئیں بلکہ سب فیصلے اپنے ہیں وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے ہم کون ہوتے ہیں اپنی مرضی کرنے والے۔ چھ ماہ گزرتے پتا بھی نہیں چلے گا۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ دوا کھالیں ٹائم زیادہ نہ ہو جائے۔''

خدیجہ بیگم نے گلاس میں پانی انڈیل کر دوا نکالی۔

''تم کہتی تو ٹھیک ہو خدیجہ بیگم، پتا نہیں کیا بات ہے دل میں کوئی پھانس سی اٹکی ہوئی لگتی ہے۔''

''خواہ مخواہ آپ پریشان ہو رہے ہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' بیگم نے تسلی دے کر کہا۔

''بیگم تمہارا کہا مان لیتے ہیں لیکن کہیں کچھ ایسا ہے جو دکھائی نہیں دیتا مگر محسوس ہوتا ہے، اللہ خیر کرے۔''

☆☆☆

آج گھر میں کافی چہل پہل تھی، رونق، رونق سی نظر آتی تھی۔ امام صاحب کی دونوں بیٹیاں ماریہ اور نیلی اپنی، اپنی سسرال سے آ چکی تھیں گھر میں کئی قسم کے کھانے بن رہے تھے اور مزے، مزے کی خوشبوؤں سے گھر کی فضا مہک رہی تھی۔

اگلے ہفتے ماریہ اور نیلی اپنے، اپنے شوہروں سمیت امریکا جا رہی تھیں پھر اس سے اگلے مہینے ان کے باقی کے سسرال والے بھی واپس چلے جائیں گے۔

آج ان کی گرینڈ دعوت تھی خدیجہ بیگم نے سب گھر والوں کے لیے جوڑے بنائے تھے۔ اس کے علاوہ بیٹوں کے لیے گولڈ کے گفٹ اور دامادوں کے لیے گھڑی تھی۔ دونوں بہنیں جتنا خوش تھیں وہیں اتنی دور جانے کا سوچ کر پریشان بھی تھیں۔

''بابا جان آپ سے کس نے کہا تھا کہ ہماری شادیاں امریکا میں کریں، میرا تو دل ہی نہیں کرتا آپ کو چھوڑ کر دور چلی جاؤں۔'' نیلی بابا کے کندھے سے سر ٹکا کر آبدیدہ نگاہوں سے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''نہ بیٹا ایسا کبھی نہیں، سوچتے بیٹیاں تو والدین کے پاس کسی کی امانت ہوتی ہیں جب وقت آتا ہے تو والدین جن امانتوں کی حفاظت کرتے رہتے ہیں اپنے کلیجے سے لگا کر بڑا کرتے ہیں بڑی ایمانداری سے دل پر پتھر رکھ کر مالکوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔'' امام صاحب کی آواز بھرا گئی نیلی سینے سے لگ کر رونے لگی تو بابا نے ماتھا چوم کر اپنے ساتھ لگائے رکھا۔

''تم تو میرے بہادر بیٹے ہو میں تو ہمیشہ تمہیں بیٹا

کہتا تھا۔ میری جان، فکر کی کوئی بات نہیں، چھٹیوں میں عبداللہ دبئی نہیں آئے گا، مانی اسے پیسے بھیج دے گا وہ تم دونوں بہنوں کے پاس آجائے گا جس چیز کی ضرورت ہو بتا دینا عبداللہ انگلینڈ سے لے آئے گا میں زیادہ رقم بھجوا دوں گا۔''

''بابا جان کیا چیزیں والدین کا نعم البدل ہو سکتی ہیں؟ رقم اور چیزیں تو ہمارے اپنے پاس بھی ہیں۔'' نیلی نے بابا جان کا ہاتھ تھام کر چوم لیا۔اتنے میں خدیجہ بیگم اندر کمرے میں داخل ہوئیں۔

''بھئی یہ کیا! بیٹا اس میں رونے والی کون سی بات ہے، نیلی آج کل کی لڑکیاں تو شکر کرتی ہیں کہ کوئی باہر کا رشتہ ملے چاہے بوڑھا ہی ہو۔''

''امی جان میں اتنی بہادر نہیں۔'' نیلی اٹھ کر ماں کے سینے سے لگ گئی۔

''بری بات بیٹا، اللہ کا شکر ادا کرو کہ تمہیں رب نے اتنی اچھی سسرال اور اتنے اچھے ساتھی دیے ہیں، اس میں رونے والی کون سی بات ہے پاگل۔'' ماں نے ڈھیر سارا پیار کر کے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

''چلیں چوہدری صاحب مہمانوں کے پاس چل کر بیٹھیں، بچیوں کے سسرال والے آئے ہوئے ہیں۔ انہیں تو ٹائم دینا ہی پڑے گا۔ میں تو اسی وقت آپ کو اٹھانا چاہتی تھی لیکن بھائی صاحب نے منع کر دیا کہ دوا کھا کر سوئے ہیں تو ابھی مت اٹھائیں۔ لیکن اب اٹھ جائیں پورا گھنٹا ہو گیا ہے، سلیمان ان کو کمپنی دے رہا تھا۔اسے اور بھی سو کام ہوتے ہیں۔''

''لیجیے بیگم صاحبہ آپ کا کہنا اور ہمارا ماننا...... حکم کیجیے آپ کے پیچھے چلیں کہ آگے۔'' امام صاحب دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر سر جھکا کر کھڑے ہوئے تو نیلی ایک دم ننھا سا قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

''یہ دیکھیں امی جان بابا کس قدر شاندار ایکٹنگ کرتے ہیں اگر فلموں میں کام کرتے تو آج وحید مراد کی طرح مشہور ہوتے۔''

''تم ٹھیک سمجھیں تمہارے بابا واقعی کمال کی ایکٹنگ کرتے ہیں، تم نے تو ابھی ان کی ایکٹنگ دیکھی نہیں۔'' خدیجہ بیگم ہنستے ہوئے بولیں۔

''اچھا تو اس کا مطلب ہے پہلے بھی وحید مراد کی کاپی کرتے رہتے تھے۔اب پتا چلا میں مانی بھائی کو بتاتی ہوں کہ بابا ایکٹر بھی ہیں۔'' نیلی کے گال گلابی ہو گئے......اور پھر تینوں ہنستے مسکراتے لاؤنج میں چلے گئے۔ والدین بھی کیا چیز بنائی ہے قدرت نے اولاد کو خوش کرنے کے لیے کیا، کیا پاپڑ بیلتے ہیں اندر سے دل چاہے خون کے آنسو رو رہا ہو لیکن اولاد کو خوش کرنے کے لیے ایکٹر بھی بن جاتے ہیں۔

ماریہ نیلی سے بڑی تھی قدرے سمجھدار تھی۔ بڑی سلجھی ہوئی گفتگو اور ہر ادا میں سلیقہ نظر آتا تھا۔وہ نیلی کو بچوں کی طرح گائڈ کرتی تھی۔ پُر تکلف دعوت اپنے اختتام کو پہنچی۔ رخصت ہونے کا وقت آ گیا۔ چہرے اداس، اداس نظر آنے لگے۔

''دیکھو بیٹا دنیا میں ہی یہی ہوتا ہے اپنی بیٹیاں کہیں اور چلی جاتی ہیں اور دوسروں کی بچیاں ہم اپنے گھر لے آتے ہیں، یہ قانونِ قدرت ہے، ہم اس کو بدل نہیں سکتے۔'' امام صاحب نے وقت رخصت سے ذرا پہلے دونوں بیٹیوں کو صوفے پر اپنے دائیں بائیں بٹھا کر کہا تھا۔

''تم دونوں دراصل خالد صاحب کی امانتیں ہمارے گھر میں پل رہی تھیں، اب سپرداری کا وقت آ گیا ہے اور ہماری بیٹیاں احمد کے گھر میں پل رہی ہیں، راحت کے بعد میں جنت کو بھی اپنے گھر لے آؤں گا۔ اور میرا ارادہ ہے کہ عینی کو میں احمد کی بیٹی بنا دوں...... ان سب پر یہی وقت آنا ہے اس لیے بیٹا ہماری دعاؤں کے سائے میں تم لوگ وداع ہو جاؤ اپنے گھروں میں خوش اور آباد رہو۔'' یہ سب کہتے، کہتے امام صاحب کی آنکھیں برسنے لگیں اور خدیجہ بیگم تو باقاعدہ رونے لگیں، دونوں بہنیں ماں سے لپٹ گئیں۔

خالد صاحب نے آگے بڑھ کر امام صاحب کو

دلا سا دیا۔ کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''بھائی صاحب دل چھوٹا نہ کریں، آج کل تو انٹرنیٹ کا زمانہ ہے انسان جتنا بھی دور ہو سارا دن سامنے ہمکلام رہ سکتا ہے آپ فکر نہیں کریں جب بھی بچوں کو فرصت ملی آپ کے پاس حاضر ہو جائیں گے۔''

عینی اکیلی رہ گئی تھی بہنوں سے لپٹ، لپٹ کر روتی اور وعدے لیتی رہی۔ ماریہ کی ساس صابرہ بیگم بھی سب کو حوصلہ تسلی دیتی رہیں۔ اور اس طرح یہ قافلہ رخصت ہو گیا اور گھر پھر سنسان لگنے لگا۔

☆☆☆

شب و روز گزرتے جارہے تھے۔ پاکستان میں احمد دین سے مسلسل رابطہ تھا۔ فون پر بھی بات ہوتی رہتی تھی سلیمان اور راحت بھی وقتاً فوقتاً بات چیت کر لیتے تھے، ایک دوسرے کی خیر خیریت بھی معلوم ہو جاتی اور کچھ ذہنی ہم آہنگی بھی ہو رہی تھی۔ کشور کا بیٹا سلیمان اس کی دعاؤں سے پھل پھول رہا تھا۔ امام دین اور خدیجہ بیگم جیسے ماں، باپ اسے قسمت سے ملے تھے ورنہ تو بیچارہ یتیم و مسکین سلیمان تنہا رہ جاتا سچ ہے قربانی کبھی رائگاں نہیں جاتی۔ کشور نے بھی تو ماں، باپ کے فیصلے پر سرِ تسلیم خم کر لیا تھا اور پھر منظور صاحب کی وفادار اور خدمت گزار بیوی بن کر رہی تھی۔

دن گزرتے جارہے تھے اور شادی کے دن قریب آرہے تھے۔ خدیجہ بیگم بھی شاپنگ کرنے میں مصروف تھیں۔ نوری ملازمہ جو پاکستان سے ساتھ آگئی تھی ساتھ ہی جاتی تھی اور آج کل بہت خوش تھی جب فراغت ملتی مانی بابا کے سہرے کے گیت اور مہندی کے گیت اپنی سریلی آواز میں سنانے لگتی۔

عینی بھی چھٹی کے روز ہلا گلا کرتی رہتی کبھی نوری سے گانے کی فرمائشیں اور کبھی ماں سے اپنے جوڑوں اور جیولری پر جھگڑا...... کبھی بابا سے نت نئی فرمائشیں اور مطالبات...... بہنوں کو فون کرتی تو گھنٹوں باتیں ختم نہ ہوتیں۔ راحت اور جنت سے بھی اکثر گپ شپ رہتی۔

موبائل بڑی دیر سے اپنے ہونے کا احساس دلا رہا تھا۔ لیکن سلیمان چوہدری کمپنی کے حساب کتاب میں فائلوں کا انبار لگائے اپنے سیکرٹری سے مصروف گفتگو تھا۔

''سر آپ کا سیل فون بج رہا ہے بڑی دیر سے۔'' اشفاق مہر نے مخاطب کیا۔

''سوری یار، واقعی بڑی دیر سے آواز سن رہا ہوں۔'' سلیمان نے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھایا اسکرین پر راحت کا نام جگمگا رہا تھا۔

''ایکسکیوزمی!'' اس نے اشفاق مہر کی طرف دیکھ کر کہا۔

''یس سر...... وائے ناٹ۔'' اور اشفاق نے اپنی چیئر چھوڑ دی۔

''ہیلو......'' سلیمان نے سیل فون کان سے لگا کر کہا۔

''السلام علیکم......!'' راحت نے ہولے سے کہا۔

''وعلیکم السلام......کیسی ہو راحت اور گھر میں سب کیسے ہیں؟''

''جی میں اچھی ہوں باقی سب لوگ بھی اچھے ہیں۔''

''آج کل کیا ہو رہا ہے مثلاً کیا مصروفیات ہیں جناب کی......''

''آپ کو سب پتا تو ہے کہ اگست کا آخری ہفتہ ہے اور اس ماہ میں کیا مصروفیات ہو سکتی ہیں؟ بس یہ سمجھیں کہ سب لوگ اپنی، اپنی تیاریوں میں مصروف ہیں۔''

''اچھا...... اب سمجھ میں آیا کہ تمہاری شادی قریب ہے؟'' وہ مذاق پر اتر آیا۔

''میں نے تو سنا ہے کہ آپ کی شادی اکتوبر میں ہے؟'' وہ دھیرے سے بولی۔ اسے اس کا مذاق سمجھ آ گیا تھا۔

''ہاں بھئی ہم تو ڈنکے کی چوٹ پر سب کو بتائیں گے کہ ہماری شادی خوب صورت ترین شہر مظفر آباد میں اپنے احمد چچا کے گھر میں ان کی بڑی بیٹی راحت سے ہو رہی ہے۔'' وہ شوخی سے بولا۔ دوسری طرف خاموشی چھا گئی ان گنت لمحے گزر گئے۔ سلیمان نے دوبارہ بولنا شروع کر دیا۔

''کیا بات ہے تم خاموش کیوں ہو راحت، تم شادی سے خوش نہیں ہو یا کوئی اور پرابلم ہے؟'' وہ ایک دم بے چین ہونے لگا تھا۔

''بات دراصل یہ ہے کہ میں بہت ڈرپوک لڑکی ہوں، ہر وقت وہم میں پڑی رہتی ہوں۔ لگتا ہے جیسے کوئی بڑا طوفان آنے والا ہے یا کچھ ایسا ہونے والا ہے کہ...... '' وہ کچھ کہتے، کہتے رک گئی آواز کانپ گئی۔

''پاگل مت بنو...... کوئی طوفان آنے والا نہیں، تم کسی وہم کو لے بیٹھی ہو، اپنے رب پر بھروسا رکھو تمہارے سب رشتے خدا سلامت رکھے موجود ہیں، تم بابا جان کی آئیڈیل بیٹی ہو، تمہیں کتنی محبت سے انہوں نے اپنایا ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ اب ہم بھی آپ سے محبت کرنے لگے ہیں۔ ہمیں ڈرائیں مت...... اے راحت جاں ہم آپ کے بغیر نہیں رہ سکتے۔'' اس نے ڈائیلاگ بولتے، بولتے ایک قہقہہ لگایا تو وہ بھی جواب میں ننھا سا قہقہہ لگا کر خوش ہوگئی۔

''آپ فلمیں دیکھتے ہیں؟ یہ کس فلم کے ڈائیلاگ ہیں؟'' وہ خوش ہونے کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔

''نہیں یار، فلم تو ساری زندگی میں شاید ہی کوئی دیکھی ہوگی یاد نہیں پڑتا، ہاں البتہ اپنی زندگی کی فلم بڑی تکلیف دہ تھی جسے میں اب یاد کرنا نہیں چاہتا۔'' وہ بولتے، بولتے اداس سا ہوگیا۔

''خیر چھوڑیں تکلیف دہ وقت کو زندگی سے یوں نکال دینا چاہیے جیسے کبھی تھا ہی نہیں۔'' وہ مانی کو خوش کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

''یہ سب کہنے کی باتیں ہیں راحت، ماضی تو عمر بھر کلیجے سے لپٹا رہتا ہے، نہ جانے کیوں میں اپنے ماضی کو خود سے جدا نہیں کر سکا۔'' وہ کافی دلگیر سا لگ رہا تھا۔

''ابھی چند لمحے پہلے تو آپ مجھے سمجھا رہے تھے، بخدا وقت آتا جاتا رہتا ہے، ہر رات کے بعد اجالا اس کے نصیب میں لکھا ہوتا ہے اور آپ کے نصیب میں تو اس وقت ہی اجالے ہو چکے تھے جب بڑے ابا آپ کی زندگی میں شامل ہوگئے تھے پھر آپ رنجیدہ کیوں ہوتے ہیں، اللہ میاں ناراض ہوتے ہیں ایسے؟''

''ہاں واقعی، میں بہت ناشکرا ثابت ہوا ہوں، میرا رب مجھے معاف کرے، بابا جان تو ایک سایہ دار گھنے درخت کے مانند میری زندگی میں آئے، میں تو آبلہ پا تھا اور وہ میرا سائبان بن گئے۔ میں اپنے رب کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔ بس میرا رب مجھے معاف کر دے تم دعا کرنا۔''

''انشاء اللہ اور آمین۔'' راحت نے دھیرے سے کہا اور اجازت طلب کرنے لگی۔ مبادا کہ کوئی اور غم بھری گفتگو چھڑ جائے۔

''ٹھیک ہے راحت انشاء اللہ پھر بات ہوگی تم گھر میں سب کو سلام کہنا اور اپنا خیال رکھنا...... اللہ حافظ......'' اور یوں سلسلہ منقطع ہوگیا۔

☆☆☆

آج ستمبر کی 13 تاریخ تھی امام صاحب نے کیلنڈر پر نظر ڈالی اور اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئے۔

''خدیجہ بیگم...... بھئی کہاں ہو تم؟ کہیں نوری کی گلوکاری سے لطف اندوز تو نہیں ہو رہی ہیں؟''

''میں اِدھر ہوں چوہدری صاحب، یہ آپ کی بہو کی شاپنگ جو کی ہے اسے چیک کر رہی ہوں، آپ بھی دیکھ لیں اندر آ کر۔'' خدیجہ بیگم نے بڑے چاؤ سے بتایا۔

''نہیں بھئی، یہ تم عورتوں کا شعبہ ہے۔ مجھے ان چیزوں کا کیا پتا۔ میں سوچ رہا تھا کہ آج 13 ستمبر ہے ہمیں اپنی تیاری مکمل کر لینی چاہیے۔''

''اگر میں اور آپ نوری کو ساتھ لے گئے تو عینی اکیلی کیسے رہے گی۔ سلیمان تو شام کو واپس آتا ہے۔'' لیکن نوری کے بغیر آپ وہاں کیسے سب سنبھالیں گی۔ احمد کو میں نے کہہ دیا ہے بلکہ اس نے 15 ستمبر کے بعد گھر کی چابی لے لینی ہے بڑا اچھا گھر ہمارے لیے رینٹ پر لیا ہے احمد نے...... ایک کنال کے رقبے میں بنا ہے، ہم وہیں پر جائیں گے یہاں سے سیدھے۔''

''امام صاحب کیسی باتیں کرتے ہیں آپ، ہمارے ساتھ کون سے اونٹ گھوڑے جا رہے ہیں جو

ہم سیدھے اتنے بڑے گھر میں جائیں گے۔ہم لوگ اس وقت تک احمد کے گھر رہیں گے جب تک بچے نہیں آجاتے عینی اور سلیمان اکتوبر کی 10,11 تاریخ کو پاکستان جائیں گے کیونکہ عینی کی پڑھائی ڈسٹرب ہوتی ہے۔ نیلی اور ماریہ 15 اکتوبر کو سیدھی مظفر آباد آجائیں گی۔ اور عبد اللہ، اللہ خیر کرے وہ بھی 17 اکتوبر تک پہنچ جائے گا۔رہی نوری کی بات تو وہ عینی کے ساتھ آجائے گی۔مظفر آباد میں ہمیں نوری کی بیٹی ہاجرہ مل جائے گی انشاء اللہ......''

''بھئی بیگم صاحبہ آپ نے تو سارے مسئلے ہی حل کردیے ہیں ہم تو ایویں ہی فکر مند ہو رہے تھے۔''

☆☆☆

16 ستمبر کو امام دین صاحب اپنی بیگم کے ہمراہ مظفر آباد پہنچ گئے۔ بڑا پرتپاک استقبال کیا گیا۔ گھر میں رونق لگی ہوئی تھی والد صاحب والی پرانی حویلی جیسے وائٹ واش کرایا گیا تھا۔دروازے کھڑکیوں سے ابھی تک تازہ رنگ و روغن کی خوشبو آرہی تھی۔ امام صاحب کو اس گھر میں آکر ہمیشہ بڑا سکون ملتا تھا۔اور خدیجہ بیگم بھی یہاں آکر خوشی محسوس کرتی تھیں۔

''احمد...... یار یہ حویلی تو ماشاء اللہ پھر چمک اٹھی ہے یہاں تو اپنا بچپن یاد آجاتا ہے، مجھے تو ابھی تک یاد ہے میاں جی نے ایک بار یہاں ہم دونوں بھائیوں کو کان پکڑائے تھے، اس کھڑکی کے ساتھ بے جی کی چارپائی ہوتی تھی، ہے ناں......ہمیں جب بھی میاں جی چھینٹی لگاتے تھے بے جی ہماری ماں پر برس پڑتی تھی۔ حمیدہ بی بی تجھے بیٹے مل گئے ہیں ناں خدا سے اس لیے ناشکرے مرواتی ہے تو میرے پوتوں کو......تو مجھے تکلیف دینے کے لیے ایسا کرتی ہے۔ دیکھ لئیں میں تجھے کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' وہ دادی کے انداز میں کہہ رہے تھے۔

''اور ہماری ماں جی مسکراتے ہوئے بے جی کی ٹھوڑی کو ہاتھ لگا کر کہتیں''نہیں بے جی میں بھلا کیوں آپ کے پوتوں کو مروانے لگی۔ یہ دونوں نالائق پڑھائی کے ٹائم پر گیند بلا کھیلنے نکل جاتے ہیں۔'' اور وہ کہتیں۔

''بس تو کہہ دے اپنے ظالم شوہر سے کہ میرے بچوں کو چھوڑ دے ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' بے جی...کو غصہ آتا تو میاں جی خاموشی سے باہر نکل جاتے تاکہ اماں ہمارے کان چھڑادے۔'' یہ کہتے، کہتے امام صاحب کی آواز بھرا گئی آنکھیں برس پڑیں۔احمد دین صاحب بھی آنسو صاف کرنے لگے۔

والدین اور اولاد کا رشتہ بھی کس قدر میٹھا اور اٹوٹ ہوتا ہے۔

☆☆☆

شادی میں ایک ماہ باقی تھا کارڈ چھپ کرآچکے تھے بلکہ بانٹے جارہے تھے۔ کوٹھی کی صفائی ستھرائی ہوچکی تھی۔ بچوں نے سیدھا وہیں پر آنا تھا۔ضروری سامان سارا سیٹ کردیا گیا تھا۔ تاکہ داماد اور بیٹیاں آئیں تو انہیں کوئی دقت نہیں ہو، بازار کے چکر لگ رہے تھے۔

''شادی آپ رمضان سے پہلے یا بعد میں رکھ لیتے ایسی کیا مشکل تھی۔'' ہاجرہ، نوری کی بیٹی پوچھنے لگی خدیجہ بیگم سے۔

''سچی بات تو یہ ہے ہاجرہ میں اس حق میں نہیں تھی کہ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ امریکا سے ہمارے داماد اور دو بیٹیاں آرہی ہیں سب سے پہلے ان کی چھٹی کو دیکھنا پڑتا تھا پھر اپنا، بیٹا انگلینڈ میں پڑھتا ہے اس کی چھٹی کا بھی مسئلہ تھا اسی لیے تو رات کا فنکشن ہے تینوں دن رات کا فنکشن ہے جیسے تیسے نپٹ جائے گا۔''

''چلیں جی مان لیتے ہیں، دولت مندوں پر کوئی حد لاگو نہیں ہوتی۔'' وہ دل میں سوچنے لگی۔ ''یہ جب چاہیں جو چاہیں کرسکتے ہیں۔'' راحت کے بھی بازار کے چکر لگتے تھے۔ سسرال کی طرف سے تمام جوڑے تیار ہوچکے تھے۔

''ہاجرہ تم کل صبح جلدی آجانا جنت کو ساتھ لے لینا اپنی بیٹیوں کو بھی اور یہ تمام اٹیچی وہاں اس گھر

میں رکھ آنا۔ کیری ڈبا ہے احمد کا اس میں سارا سامان آجائے گا، تم لوگ صبح جلدی لے جانا تو میں بھی دس گیارہ بجے تک وہاں آجاؤں گی تو پھر یہ سامان جہاں جہاں سیٹ کرنا ہوگا کرلیں گے۔''

''ٹھیک ہے بی بی جی...... میں تو روزے بھی نہیں رکھ سکتی دو تین گھروں کا کام کرنا ہوتا ہے پھر اپنے گھر کا بھی تھک جاتی ہوں اور اب تو ویسے بھی شادی والا گھر ہے روزہ رکھا تو کام نہیں ہو سکے گا۔'' ہاجرہ نے کہا۔

''چلو تم اپنے روزوں کا ہدیہ دے دینا۔ حساب لگا کر بتانا میں تمہیں اس حساب سے پیسے دوں گی کسی ایسے غریب کو دینا جو روزہ رکھتا ہو۔'' خدیجہ بیگم نے کہا تو ہاجرہ خوش ہوگئی۔

اور پھر وہ صبح آگئی تھی...... وہ 8 اکتوبر کی صبح...... وہ خونی صبح جب 8 بج کر 50 منٹ پر زمین نے ہلکورے لینا شروع کردیے اور دیکھتے ہی دیکھتے اونچی، اونچی بلڈنگیں زمین بوس ہونے لگیں۔ یوں لگتا تھا پورا کشمیر پورا پاکستان ایک کشتی کے مانند کسی بپھرے ہوئے خونی سمندر میں ہچکولے لینے لگا۔ ہر طرف چیخ وپکار اور تباہ کاریاں ایک قیامت کا منظر پیش کررہے تھے۔ کسی کو دوسرے کا ہوش نہیں تھا۔ زمین پھٹ چکی تھی۔ فلک بوس عمارتوں کا نام ونشان نہیں تھا۔ ہر طرف ملبے کے ڈھیر...... کسی خونی تباہ کاری کا منظر پیش کررہے تھے اور لمحوں میں دنیا بدل گئی۔ خوشیوں بھرا گھر ماتم کدہ بن گیا۔

☆☆☆

پوری دنیا میں اس قیامت کی خبر پھیل گئی تھی۔ مظفر آباد اور گردونواح میں تو ٹیلی فون تک رابطے بند ہوچکے تھے۔ پاکستان سے دور رہنے والے اپنے پیاروں کو مرتے تڑپتے نہ دیکھ سکے۔

ایک قیامت آکر گزر گئی لیکن کبھی نہ مٹنے والے نقوش چھوڑ گئی۔ امام دین صاحب اپنی بیگم، بھائی، بھابی کے ساتھ اسی حویلی میں مقیم تھے اور چاروں نے شاید اکٹھے مرنے کا وعدہ کررکھا تھا لہٰذا بڑے کمرے کے چھت پر پڑے لوہے کے گارڈر کے نیچے دب گئے۔

راحت اپنے بہن، بھائیوں کے ہمراہ نئے گھر میں تھی اتفاق سے کوٹھی کا وہ حصہ اپنی جگہ پر کھڑا رہا جس میں احمد دین صاحب کے بچے تھے اور جن کے نصیب میں یتیمی اور تباہی کا منظر دیکھنا تھا۔

راحت نے والدین کے مرنے کا سن کر سر پیٹ لیا سینہ کوبی کرتی رہی پھر بڑی بہادری سے بہن، بھائیوں کو سینے سے لگالیا۔

سلیمان اور عینی بھی نوری کے ساتھ پاکستان آگئے تھے۔ سب کا رو، رو کر برا حال تھا۔ سلیمان ہی سب کو سنبھال رہا تھا۔ کشور نے شاید اسی دن کے لیے اس کو جوان کیا تھا۔ ماریہ اور نیلی امریکا سے بین کرتی ہوئی پاکستان پہنچی، عبداللہ بھی پہنچ چکا تھا۔ شادی کی جگہ اک صفِ ماتم بچھ گئی تھی۔ کوئی کسی کو دلاسا دینے کے قابل نہیں تھا۔ اس کے باوجود اپنے رب کی ہر رضا پر راضی ہوجانا ہی انسان کی آخری حد ہے۔ وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، ہمارے بنائے ہوئے قاعدے قانون حفاظتی تدابیر سب دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔

☆☆☆

مرنے والوں کی آخری رسومات ادا کردی گئیں اک قیامتِ صغریٰ تھی جو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

واپسی کا وقت قریب آگیا۔ نیلی اور ماریہ.... عبداللہ اور عینی سلیمان سے لپٹ، لپٹ کر رورہے تھے۔ وہ سب کو سنبھالنے کی کوشش کررہا تھا۔ ماریہ اور نیلی کو بھی بالآخر واپس جانا تھا۔ سب لوگ ماتمی صفوں پر بیٹھے تھے۔ راحت کی حالت بڑی بری تھی اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو اپنے ساتھ لپٹائے ہر وقت روتی رہتی۔ ننھی فاطمہ تو بالکل سہم گئی۔

'' راحت بہن یہ رونا تو زندگی بھر کا ہے لیکن اگلا لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے؟'' اس کی حالت دیکھ کر مشام اور

عواد نے بھی تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی مشام بھائی؟''

''ہم چاہتے ہیں کہ آپ کا نکاح سادگی سے پڑھوا دیا جائے اور پھر یہ کہ کوشش کر کے سلیمان صاحب آپ کو سب بچوں سمیت دبئی بلا لیں۔'' پہلے تو راحت بہت دیر تک روتی رہی پھر نیلی نے اسے ساتھ لگا کر پیار سے کہا۔

''راحت میری جان اب یہ فیصلہ تو تم نے ہی کرنا ہے اس لیے حوصلہ تو کرنا پڑے گا۔''

بہت دیر بعد اس نے بڑے حوصلے سے کام لے کر کہنا شروع کیا۔

''ماریہ باجی آپ کو پتا ہے میرے پانچ بھائی بہن ابھی چھوٹے ہیں، انہیں ابھی میرے سہارے کی ضرورت ہے۔ شادی کر لی تو میں ان کا خیال نہیں رکھ سکوں گی۔ لہٰذا مجھے آپ سب اجازت دیں کہ میں ان معصوم بچوں کی حفاظت کر سکوں اور سرخرو ہو جاؤں، اس لیے معذرت کے ساتھ اس غم ناک شادی سے انکار کرتی ہوں۔'' ایک بار پھر رونے کی آوازیں بلند ہوئیں لیکن قدرت کے فیصلوں کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا۔

آخر یہ بات سب کو ماننی ہی پڑی کہ راحت یہیں رہ کر بہن بھائیوں کی پرورش کرے گی۔ اور راحت کے بعد جو رشتے امام صاحب نے اپنی زبانی طے کیے تھے انہیں اب راحت اور سلیمان مل کر پایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے۔ مانی حسبِ عادت ہر بات پر لبیک کہنے والا تھا۔ لہٰذا اس نے اپنے سارے ارمان چپ چاپ اپنے سینے کے کسی انتہائی گوشے میں ہمیشہ کے لیے سلا دیے۔

سب اپنے، اپنے وقت پر رخصت ہو گئے۔ آج سلیمان کا وقت جدائی آن پہنچا تھا۔ زلزلے کی تباہ کاریوں کی طرح دلوں کی تباہ کاریاں بھی زخموں پر نمک چھڑک رہی تھیں۔

☆☆☆

''میں آج واپس دبئی جا رہا ہوں؟'' مانی نے دل کڑا کر کے کہا۔

''جی، آپ کو آخر جانا ہی ہے۔'' وہ ہولے سے بولی۔

''کچھ بولو...... کچھ کہو؟ راحت۔''

''میں نے کہا تھا ناں کہ میں وہم میں پڑی رہتی ہوں..... لگتا ہے جیسے کوئی طوفان آنے والا ہے تو آپ نے ڈانٹ دیا تھا۔ اب بتائیے اس سے بڑا بھی بھلا کوئی طوفان ہو سکتا ہے۔'' وہ پھر رونے لگی۔

''میرا درد بھی تمہارے درد سے کم نہیں ہے، کاش میرے بس میں ہوتا تو میں تمہیں شادی کے لیے راضی کر لیتا اور پھر تم پر بوجھ کم پڑتا۔''

''یہ کیسے ہو سکتا تھا، میرے ہاتھ میں تو شادی کی لکیر ہی نہیں ہے۔ شادی کا مطلب تو خوشی ہے سلیمان اور دیکھیے میرے ہاتھ خالی ہیں اور دامن تار، تار میں خوشیاں کیسے سمیٹ سکتی ہوں، میں تو چار بچوں کی پہلے ہی ماں ہوں، مجھے معاف کر دیجیے گا کاش میں آپ کے دامن میں خوشیاں ڈال سکتی۔''

''ادھر میری طرف دیکھو راحت میں بھی تہی داماں ہوں، میرے پاس کیا ہے ہاتھ خالی ہیں، جھولی میں کتنے چھید ہیں۔'' وہ رو رہا تھا تو راحت بھی زارو قطار رونے لگی۔

''میری زندگی میں آنے والے آپ پہلے اور آخری مرد ہیں سلیمان اور میں بدنصیب عورت جو شادی کے بغیر ہی چار بچوں کی ماں آپ کو کیا دے سکتی ہوں، مجھے معاف کر دیجیے گا سلیمان میں بے قصور ہوں بے وفا نہیں۔'' سلیمان نے اپنے مضبوط خوب صورت ہاتھ راحت کے آگے پھیلا دیے اس نے اپنے نازک ہاتھ ان ہاتھوں پر رکھ دیے۔

اور پھر نہ جانے کتنے ہی ستارے آنکھوں سے ٹوٹ، ٹوٹ کر ان چار ہاتھوں پر گرتے رہے..... قدرت کو شاید یہی منظور تھا......

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک

شمع ہدایت

اختر شجاعت

اخلاص...... مقبولِ الٰہی

تمام تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا خالق و مالک، رازق اور پالنے والا ہے۔ رحمٰن و رحیم ہے، مالک روزِ حشر ہے۔ سب کا ہادی و رہنما ہے جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔

اس عظیم رب نے ہمیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتی ہونے کا شرف بخشا...... کروڑ ہا درود وسلام ہوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان کی آلؓ پر اور ان کے اصحابؓ پر......

آج ہمارا موضوع اخلاص ہے، اخلاص کے لغوی معنی ہیں، خلوص، خالص، عبادتِ بے ریا۔

اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی پیاری اور بڑی شفیق ذات ہے اور وہ اتنا رحیم ہے کہ اگر بندہ اس کی طرف ایک قدم بڑھائے تو وہ سو قدم اس کی طرف بڑھتا ہے۔ اللہ کے سامنے ہمارے حقیقت ہی کیا ہے؟ مگر وہ ہماری بے حقیقتی کو نہیں بلکہ ہماری نیت اور ہماری محبت کو دیکھتا ہے اور جسے سمجھ لیتا ہے کہ اسے اس سے محبت ہے تو اسے نوازتا ہے اور اتنا نوازتا ہے کہ اپنے رحمت و کرم کی آغوش میں لے لیتا ہے۔

حدیث مبارکہ ہے کہ ”اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔“ دلوں کو اس لیے دیکھتا ہے کہ وہ نیت کا محل ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک فرمان ہے کہ عمل کا دارو مدار نیتوں پر ہے ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق ملے گا جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف ہوگی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے ہی ہوگی...... اور جس شخص کی ہجرت دنیا کی طرف ہو کہ اسے مال ملے یا کسی عورت کی طرف ہو کہ اس سے شادی کرے تو اس کی ہجرت اس چیز کی طرف ہوگی جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔“

ہر بندہ کہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت کرنا چاہے اس کی پہلی ذمے داری یہ ہے کہ وہ پہلے نیت کا علم حاصل کرے پھر صدق و اخلاص کی معرفت حاصل کرے جو نجات و سلامتی کا باعث ہیں۔ اس کے بعد عمل کے ذریعے نیت کی تصحیح کرے۔ اعمال و عبادات کس ڈھنگ سے سرانجام دیے جائیں کہ انہیں قبولیت کا درجہ حاصل ہو جائے؟ خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ ہمارے اعمال اس عظیم رب کے حضور قبولیت کا شرف نہ حاصل کرسکیں۔ اور رد کردیے جائیں تو ہماری آخرت برباد ہو جائے گی۔

عمل کی قبولیت کے لیے تین چیزیں ضروری قرار دی گئی ہیں۔ پہلی شرط وہ آخرت کی نیت (ارادہ) ہے یعنی اس عمل میں خالصتاً اللہ کی رضا اور ثواب آخرت پیشِ نظر ہو۔

دوسری شرط وہ عمل سنت کے مطابق ہو اور اس میں استقامت بھی ہو اگر وہ عمل خلافِ سنت ہوگا تو رد کردیا جائے گا۔

تیسری شرط جو سب سے اہم ہے وہ ہے ایمان یعنی صاحب عمل ایمان والا بھی ہو۔ ایمان کے بغیر کوئی عمل خواہ وہ کتنا ہی بلند مرتبہ کیوں نہ ہو قبول نہ ہوگا۔ روزِ آخرت میزانِ عدل میں اس کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔

☆☆☆

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں شریعت کے تین اجزا ہیں، علم، عمل اور اخلاص...... ان کے حصول پر اللہ کی رضا مبنی ہے اور اللہ کی رضا دنیا و آخرت کی تمام

سعادتوں سے بڑھ کر ہے۔ اور اخلاص کا حامل ہونا ہی علم و عمل کی روح ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر و عبادت میں اخلاص توحید کی روح اور قبولیت کی بنیاد ہے پس تو اخلاص و محویت سے اس رب کی عبادت کر اور اس کی رضا مندی اور صراط مستقیم سے منحرف نہ ہو تو اس کے احکام کا احترام کرے گا تو وہ بھی اپنی رضا اور خوشنودی کے تحت امداد فرمائے گا اور دنیا و عقبیٰ میں فلاح حاصل ہوگی پھر اخلاص کا ایک واضح تقاضا یہ بھی ہے کہ تو اپنی حاجات غیر اللہ کے سامنے نہ لے جا.... اور اپنی ہر ضرورت کے لیے ربِ واحد کے حضور التجا کرے۔

جتنی سابقہ امتیں تباہ ہوئیں وہ توحید و اخلاص کے فقدان سے برباد ہوئیں۔

اعمال کی قبولیت کے سلسلے میں یہ امر بھی پیش نظر ہے کہ روزِ قیامت اعمال گنے نہیں جائیں گے بلکہ تولے جائیں گے اور اعمال کا وزن اخلاص اور سنت کے مطابق ہونے سے بڑھتا ہے۔

حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین وہ عمل ہے جس کی بنیاد اخلاص پر ہو، عمل کے لیے اخلاص کا وہی درجہ ہے جو بدن کے لیے روح کا ہے۔ جس طرح جسم روح کے بغیر فضول ہے اسی طرح عمل بھی اخلاص کے بغیر فضول اور بے فائدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے جسے میں کسی شخص کے دل میں رکھ دیتا ہوں اور پھر خود اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔''

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں اخلاص کی نشانیاں ہیں۔

1۔ عوام کی مدح یا مذمت بندے کے نزدیک یکساں ہو جائے۔

2۔ اعمال میں اپنے اعمال کو دیکھنا بھول جائے۔

3۔ اور یہ بھی بھول جائے کہ وہ آخرت میں اپنے اعمال کا ثواب چاہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ.... جب کسی بندے کے اخلاص کو خالص بنانا چاہتا ہے تو اس کے اخلاص سے ریا اور دکھاوے کے پہلو کو نکال دیتا ہے۔

حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ ارشادِ رب العزت ہے کہ جو شخص آخرت کے عمل سے دنیا طلب کرے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اندھا کر دیتا ہے اور اس کا نام دوزخیوں کے دفتر میں لکھ دیتا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام نے فرمایا جو شخص اپنے علم پر عمل کرے وہ یقیناً ولی اللہ ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے میری والدہ نے کہا..... ''اے بیٹے علم حاصل نہ کر جب تک تو اس پر عمل کرنے کی نیت نہ کرے ورنہ قیامت کے دن وہ تیرے لیے وبال ہوگا۔''

حضرت ذوالنون مصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ آدمی اپنے آپ کو مخلص کب جانے؟ آپؒ نے فرمایا۔''جب اپنی تمام کوشش اللہ کی اطاعت میں صرف کردے اور دنیا میں ذلت کو پسند کرے۔''

حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ اکثر نیک نیت کیا کرو کیونکہ ریا، نیت میں داخل نہیں ہوتی۔

حضرت نعیم بن حمادؒ فرماتے ہیں ہمارے لیے پشتوں پر کوڑوں کی مار کھانا نیت صالح سے زیادہ آسان ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اہلِ جنت کا جنت میں اور اہلِ دوزخ کا دوزخ میں دخول تو اعمال کی بنا پر ہوگا اور ان میں خلود نیتوں کی بنا پر ہوگا۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ میرا جو عمل ظاہر ہو جائے میں اس کو کچھ شمار نہیں کرتا۔ کیونکہ جب لوگ دیکھ لیں تو ہم ایسوں سے اخلاص نہیں ہوسکتا۔ حضرت ابراہیم تیمیؒ فرماتے ہیں کہ مخلص وہ ہے جو اپنی نیکیوں کو اس طرح مخفی رکھے جس طرح اپنی برائیوں کو مخفی رکھتا ہے۔

☆☆☆

ایک دفعہ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے ایک غلام خریدا اسے لے کر گھر پہنچے تو پوچھا۔

کیا کھاؤ گے؟ غلام نے کہا جو آپ کھلاؤ گے کھالوں گا۔

پوچھا کیا پہنو گے؟ آپ جو پہنائیں گے پہن

لوں گا۔

تمہارا نام کیا ہے؟ آپ جس نام سے پکاریں گے میرا وہی نام ہوگا۔

کیا کام کروگے؟ آپ جس کام کے لیے حکم دیں گے۔

تمہاری کوئی درخواست؟ غلام کو درخواست سے کیا کام..... حضرت ابراہیم بن ادھمؒ غلام کی گفتگو سن کر دریائے حیرت میں گم ہوگئے اور اپنا گریبان پکڑ کر کہنے لگے۔ ''اے بندۂ مسکین......! تو بھی اپنے آقا (اللہ تعالیٰ) سے اسی طرح پیش آ جا جس طرح یہ غلام کہتا ہے.....'' وہ بار بار یہ الفاظ دُہراتے رہے اور سر دھنتے رہے یہاں تک کہ جب ہوش میں آئے تو غلام کو آزاد کر دیا۔

اللہ اکبر......! یہ ہے بندگی کا حق جس کا سبق ایک غلام نے ہمیں دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں جب عرض کیا گیا کہ اخلاص کیا ہے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا...... ''تو یہ کہہ کہ میرا رب اللہ تعالیٰ ہے اور پھر اس پہ ثابت قدم رہ کہ جس طرح تجھے حکم دیا گیا ہے۔''

یعنی اپنی خواہشات اور اپنے نفس کی پوجا نہ کر کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کر اپنی عبادت میں اسی طرح ثابت قدم رہ جس طرح ثابت قدم رہنے کا تجھے حکم دیا گیا ہے۔ اس حدیثِ طیبہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز پر نظر ڈالنے سے رک جانے کی طرف اشارہ ہے اور ہر عمل خالصتاً اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے کرنے کا حکم ہے یہی حقیقی اخلاص ہے۔

عمل میں اخلاص سے ہم اپنے فعل کو اللہ کے قرب کا ذریعہ بنالیتے ہیں اور طلبِ اجر میں اخلاص سے اپنے عمل کو مقبول، اجر میں اضافہ اور عمل کو تعظیم کا مستحق بنالیتے ہیں جبکہ نفاق عمل کو ضائع کر دیتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ اعمال میں اخلاص سے کیا مراد ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا کہ ''بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کوئی عمل کرتا ہو لیکن اس پر کسی سے تعریف کی خواہش نہ رکھتا ہو......'' کیونکہ تعریف کی خواہش اخلاص کے لیے مصیبت ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص اعمال کو عیبوں سے پاک وصاف رکھنے کا نام ہے۔

☆☆☆

ایک روایت ہے کہ بندہ اچھے عمل کرتا ہے فرشتے اس کے اعمال نامے لے کر اوپر جاتے ہیں اور انہیں اپنے رب کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ صحیفہ دور پھینکو اس نے اپنے اعمال سے میری خوشنودی کا ارادہ نہیں کیا تھا پھر ملائکہ سے فرماتا ہے کہ اس شخص کے لیے ایسا، ایسا لکھو، اس کے لیے یہ، یہ لکھو، فرشتے عرض کریں گے اے پروردگار اس نے یہ عمل نہیں کیے...... اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس نے ان اعمال کی نیت کی تھی۔

☆☆☆

''جس شخص نے کسی نیکی کا ارادہ کیا اس کے لیے وہ نیکی لکھ دی گئی۔''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جس شخص کی نیت صرف دنیا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ فقر و افلاس اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان رکھ دیتا ہے۔ اور وہ دنیا میں زیادہ راغب ہو کر دین سے جدا ہو جاتا ہے اور جس شخص کی نیت آخرت کی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں استغنا (بے نیازی، بے فکری) پیدا کر دیتا ہے۔ اس کا سامان اس کے لیے جمع کر دیتا ہے اور وہ دنیا میں زاہد ہو کر رخصت ہوتا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے منقول ہے کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ تبوک میں تشریف لے گئے تو فرمایا کہ ''مدینے میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو سفر ہم کر رہے ہیں اور کافروں کی آتشِ انتقام کو بھڑکانے والی زمینیں ہم اپنے پاؤں سے روندر رہے ہیں۔ یا جو کچھ ہم خرچ کرتے ہیں یا جو فاقے ہم برداشت کرتے ہیں وہ لوگ ان تمام چیزوں میں ہمارے شریک ہیں...... حالانکہ وہ مدینے میں ہیں۔'' لوگوں نے عرض کیا...... یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کیسے ممکن ہے جبکہ وہ ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔ فرمایا۔ ''وہ لوگ عذر کے باعث وہاں رہ گئے اور اپنی

حُسنِ نیت کی وجہ سے ہمارے اعمال میں شریک ہیں۔''

بنی اسرائیل کے زمانے کی روایت میں ہے کہ ایک شخص قحط کے زمانے میں ریت کے ایک ٹیلے کے پاس سے گزرا..... اس نے دل میں سوچا اگر یہ ریت غلہ بن جائے تو میں لوگوں کو تقسیم کروں..... اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے پیغمبر پر وحی نازل فرمائی کہ اس شخص سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے تیرا صدقہ قبول کرلیا ہے اور اس نے تیری حسنِ نیت کا شکریہ ادا کیا ہے اور تجھے اسی غلے کے مطابق اجروثواب عطا کیا ہے جو تو نے صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

''جس شخص نے کسی نیکی کا ارادہ کیا اس کے لیے وہ نیکی لکھ دی گئی۔'' اللہ تعالیٰ بندے کی مدد اس کی نیت کے مطابق کرتا ہے جس کی نیت مکمل ہوتی ہے اس کی مدد بھی پوری ہوتی جس کی نیت ناقص ہوتی ہے اس کی مدد بھی ناقص ہوتی ہے..... ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ بہت سے چھوٹے اعمال کو نیت بڑا کر دیتی ہے اور بہت سے بڑے اعمال کو نیت چھوٹا کر دیتی ہے۔ بعض علما فرماتے ہیں، عمل سے پہلے عمل کے لیے نیت تلاش کرو، جب تک تم خیر کی دعا کرتے رہو گے خیر پر رہو گے۔

بعض صالحین فرماتے ہیں کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی اس قدر نعمتیں ہیں کہ تم ان کا شمار نہیں کر سکتے..... اور تمہارے بہت سے گناہ اس قدر مخفی ہیں کہ خود تم ان پر مطلع نہیں ہو لیکن اگر تم صبح شام توبہ کرتے رہو تو تمہارے گناہ معاف کردیے جائیں گے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے۔ مطلب یہ کہ آخرت میں انسان کا ظاہر نہیں دیکھا جائے گا بلکہ صرف یہ دیکھا جائے کہ اس نے جو نیک کام کیے کس نیت سے کیے ہیں۔ اسی لحاظ سے اس کے عمل کو قبول یا رد کیا جائے گا۔

☆☆☆

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے ایک چرواہے کا ذکر ہے کہ جو مجذوب تھا عشقِ الٰہی میں مست و سرشار تھا۔ ایک روز بے حد محبت سے عرض کر رہا تھا۔'' اے میرے معبود، اے میرے محبوب تو کہاں ہے؟ مجھے اپنا پتا بتا میں آ کر تیری نوکری اور خدمت کروں تیری گدڑی سیا کروں..... تیرے بالوں میں کنگھی کیا کروں..... تو بیمار ہو جائے تو تیری تیمارداری کروں اور اگر تیرا گھر دیکھ لوں تو صبح شام اپنی بکریوں کا دودھ اور گھی تیرے گھر پہنچا آؤں اور تیرے ہاتھوں کو بوسہ دوں۔ تیرے پاؤں دباؤں اور رات کو تیری آرام گاہ کی خوب صفائی کروں..... اے میرے مولا تجھ پر میں اور میری ساری بکریاں قربان.....''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اس کی مناجات اور کلام سنا تو فرمایا.....'' اے بے ادب.....! تو کافر ہو گیا ہے..... یہ کلمات اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں وہ ان حاجات سے پاک ہے۔'' اس نے جب حضرت موسیٰؑ کا یہ ارشاد سنا تو کہنے لگا.....

''اے حضرت موسیٰؑ آپ نے میرا منہ سی دیا ہے۔ ندامت و شرمندگی نے میری جان کو جلا دیا ہے''، تب اس نے اپنا لباس پھاڑ ڈالا رنج و غم سے نڈھال روتا ہوا جنگل کی طرف چلا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف باری تعالیٰ سے وحی آئی.....'' اے موسیٰؑ! تو نے ہمارا بندہ ہم سے جدا کر دیا..... اے موسیٰؑ آپ بندوں کو اللہ سے ملانے کے لیے آئے ہیں یا انہیں جدا کرنے کے لیے آئے ہیں..... درحقیقت اس بندے کے وہ کلمات میری حمد و ثنا تھے اور آپ کے لیے بے شک وہی کلمات مذموم ہیں اس کے حق میں وہی باتیں شہد تھیں اور آپ کے حق میں زہر..... ہم کسی کے ظاہر کو نہیں دیکھتے ہم تو اس کے قلب و باطن اور اس کے اندر کے حال کو دیکھتے ہیں..... پس جان لے کہ اس مست حال کی گفتگو اگر ویسے خطا بھی تھی تب بھی ہمیں عزیز تر تھی۔''

کیونکہ اس کی محبت خالص اپنے اللہ کے لیے تھی اور اسی محبت کے تحت وہ اپنے جذبات کا اظہار کر رہا تھا۔

☆☆☆

حضرت امام زین العابدینؒ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ خوف سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں کچھ جنت کی طمع میں

عبادت کرتے ہیں، یہ تاجروں کی عبادت ہے کچھ خالص رضائے الٰہی میں عبادت کرتے ہیں۔ یہی آزاد اور خالص عبادت ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ گریہ و زاری کے دس حصے ہیں ان میں سے ایک اللہ کے لیے اور باقی ریا ہے۔ پس اگر ایک سال میں ایک دفعہ بھی اخلاص کا گریہ نصیب ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے تو امید ہے کہ آدمی دوزخ سے بچ جائے گا۔

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص میں جب تک صدق و صبر شامل نہ ہو اس وقت تک اخلاص مکمل نہیں ہوتا اور خود کو ابلیس سے محفوظ رکھنے کا نام بھی اخلاص ہے اور اہلِ اخلاص وہ ہوتے ہیں جو اپنی تعریف سے خوش اور اپنی برائی سے ناخوش نہ ہوں اور اپنے اعمال صالح کو اس طرح فراموش کر دیں کہ روزِ محشر اللہ تعالیٰ سے ان کا معاوضہ بھی طلب نہ کریں۔

☆☆☆

ایک صاحب معرفت بزرگ فرماتے ہیں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنے تمام اعمال میں ایک نیت کر لیا کروں یہاں تک کہ کھانے، پینے پہننے سونے قضائے حاجت کرنے اور دوسرے اعمال میں میری ایک نیت ہو اور وہ نیت تقرب الی اللہ کی ہو سکتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”قیامت کے روز بندے سے ہر چیز کے بارے میں سوال کیا جائے گا یہاں تک کہ آنکھ کے سرمے کے متعلق بھی...... انگلیوں سے مٹی کریدنے کے بارے میں بھی...... اور اپنے بھائی کا کپڑا چھونے کے بارے میں بھی۔“ ایک اور جگہ فرمایا۔

”جو شخص اللہ کے لیے خوشبو لگائے گا وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کی خوشبو مشک سے زیادہ عمدہ ہوگی...... اور جو شخص غیر اللہ کے لیے خوشبو لگائے گا اس کی یہ خوشبو مردار کی بدبو سے زیادہ کریہہ ہوگی۔“

☆☆☆

ایک بزرگ نے کہا کہ وہ تیس برس کی نمازیں جو میں نے پہلی صف میں پڑھی تھیں قضا ہوگئیں اس وجہ سے کہ ایک دن میں دیر سے مسجد پہنچا تو لوگوں سے دل میں شرمندگی پائی گئی کہ یہ کہیں گے کہ آج دیر سے آیا...... اس وقت معلوم ہوا تمام خوشی اس واسطے تھی کہ لوگ مجھے پہلی صف میں دیکھیں تو اخلاص کے معنی یہ ہوئے کہ اعمال ہر طرح کے شوائب سے پاک ہوں خواہ وہ تھوڑے ہوں یا بہت...... اور اس میں صرف تقرب الی اللہ کی نیت ہو...... اس کے علاوہ کوئی اور باعث نہ ہو...... اور اس طرح کے اعمال کا تصور صرف ان لوگوں سے ممکن ہے جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے اور آخرت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور دنیا کی محبت کے لیے ان کے دل میں کوئی جگہ نہیں...... وہ کھانا پینا بھی پسند نہیں کرتے...... وہ کھانے کی طرف اس لیے مائل نہیں ہوتے کہ وہ کھانا ہے اور وہ اس کی لذت حاصل کریں بلکہ وہ اس کی طرف اس لیے راغب ہوتے ہیں کہ کھانے سے جسم میں قوت و توانائی آئے اور پھر اس سے اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت پر اسے قدرت ملتی ہے۔ ایسا شخص جس کے تمام افعال و افکار کا محور صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہو تو جب وہ کوئی بھی عمل کرتا ہے تو اس کا عمل خالص ہوتا ہے...... تو اللہ تعالیٰ ہمیں ہر وہ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کی دولت عطا فرمائے...... آمین

☆☆☆

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ اس مضمون میں کہیں کوئی غلطی، کوتاہی دانستہ یا نادانستہ ہوگئی تو میرا رب میرا مہربان خالق مجھے معاف کر دے...... اللہ تعالیٰ اس مضمون کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ہم سب کے لیے توشۂ آخرت بنا دے...... آمین

نوٹ

قارئینِ کرام محترمہ اختر شجاعت بے حد مستند اور قابلِ احترام شخصیات کی کئی، کئی جلدوں پر مشتمل تصانیف سے اس مضمون کے لیے استفادہ کرتی ہیں۔

شائستہ زریں





باغ و بہار

طبیعت کے حامل ہم سفر

اجنبی (اجو بھائی) اور نادرہ اطہر

آج ہمارے پاکیزہ کے مہمان نادرہ اور اجو بھائی‘ جو اپنے شعبے میں اجنبی کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں محض خوب صورت ہی نہیں خوب سیرت بھی ہیں۔ آواز اور مصوری کا یہ دلکش سنگم بھی بہت خوب ہے۔ دونوں ہی ایک دوسرے کے ہنر سے بے حد متاثر اور صلاحیتوں کے قدر دان ہیں۔ اور ماشاءاللہ بہ حُسن خوبی ایک دوسرے کے شریکِ حیات ہونے کا حق ادا کررہے ہیں۔

نادرہ نے بھٹائی انسٹی ٹیوٹ آف آرٹس اینڈ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



کرافٹس سے 1997ء میں ڈپلوما حاصل کیا اور مصوری میں کمال حاصل کرتی چلی گئیں۔شادی سے پہلے ہی ایک گروپ اور سولو ایگزیبیشن کا اہتمام ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں کیا، بچوں کی ولادت کے بعد اُن کی پرورش اور تربیت کو اولیت دی اور مصوری بھی محدود کرلی۔ بچے بڑے ہوگئے تو مصوری کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوگیا۔گزشتہ دنوں ایزل آرٹ گیلری میں ایک گروپ ایگزیبیشن میں حصہ لیا۔آج کل نہایت سنجیدہ نوعیت کا کام یعنی کراچی کی تاریخی اور خستہ حال عمارات پر پینٹنگ کر رہی ہیں، بہت جلد ان کی یہ پینٹنگز مختلف ایگزیبیشنز میں شامل ہوں گی۔سید اطہر رضا نے قلمی سفر کا آغاز بچوں کی کہانیاں لکھنے سے کیا اور قلمی نام ''اجنبی'' اختیار کیا۔صحافت میں ایم اے کی سند حاصل کی اور بطور جرنلسٹ مختلف اخبارات میں کام کیا، فیچر رائٹنگ، تراجم، رپورٹنگ، اسپورٹس آرٹیکلز لکھتے رہے۔کئی ڈراما سیریلز، تھیٹر ڈراموں میں بھی کام کیا۔کئی ترکش ڈراموں میں بطور ڈبنگ آرٹسٹ کام کیا۔مائیکروفون اور معروف و کامیاب صداکار اجنبی کے ساتھ کو ربع صدی گزر چکی ہے۔آپ گزشتہ چھبیس برسوں سے ریڈیو کی دنیا سے وابستہ ہیں۔آواز کی دنیا سے رشتہ مستحکم ہُوا، مقبولیت بڑھی اور پھر پاکستان اور دیگر ممالک میں اجنبی میڈیا میں چاہنے والوں کے ہر دلعزیز اجو بھائی بن گئے۔پاکستان میں ایف ایم 101 سے بطور RJ وابستہ رہے، 106.2 ہم ایف ایم کے نیٹ ورک پروگرامنگ ہیڈ رہے۔

چار سال دبئی میں ریڈیو چینل کے ہیڈ رہے۔امریکا کے ریڈیو سلام نمستے کے لیے پروڈکشن منیجر کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے۔اور آج کل اپنا کراچی ایف ایم 107 پر پروگرامنگ ہیڈ کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔(ماشاءاللہ)

چونکہ احتراماً خواتین کو اولیت دی جاتی ہے سو پہلے نادرہ سے گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔

نادرہ اطہر (مصورہ)

پاکیزہ ✧......پہلی مرتبہ ایک دوسرے کو کب اور کہاں دیکھا؟

نادرہ اطہر ❖......ریڈیو پاکستان کراچی میں اپنی دوست نمو کے ساتھ غالب کے اشعار پر پینٹنگ کے لیے سیمار رضا سے ملاقات کرنے گئی تھی۔وہیں پہلی مرتبہ انہیں دیکھا تھا۔

پاکیزہ ✧......پہلا تاثر کیا تھا؟

نادرہ اطہر ❖......لڑکا اچھا، تمیزدار اور ہینڈسم ہے۔

پاکیزہ ✧......کب احساس ہُوا کہ اجنبی صاحب آپ کے دل میں خاص مقام بنا چکے ہیں؟

نادرہ اطہر ❖......جب پروپوزل کے بعد دو ہفتے کے لیے بیمار ہوکر اسپتال میں ایڈمٹ ہوگئے تھے۔(یہ سوچ کر کہ جانے کیا جواب ملے؟)

پاکیزہ ✧......جب اجنبی نے حکایتِ دل سنائی تو فوری ردِعمل کیا تھا؟

نادرہ اطہر ❖......دھڑکنیں بڑھ گئی تھیں۔

پاکیزہ ✧......محبت کی اولین شرط آپ کی نظر میں؟

نادرہ اطہر ❖......اعتبار

پاکیزہ ✧......سوشل میڈیا کے توسط سے جنم لینے



اجنبی، اداکارہ شبانہ اعظمی اور شاعر جاوید اختر کے ہمراہ

والی محبت کے لیے آپ کیا کہیں گی؟

نادرہ اطہر ❖......سب دکھاوا اور ٹائم پاس ہے۔

پاکیزہ ✧......رشتہ طے ہونے کے کتنے عرصے بعد شادی ہوئی؟

نادرہ اطہر ❖......تقریباً سوا دو سال بعد لیکن نکاح پہلے ہو گیا تھا۔ جو تیرہ مہینے رہا پھر رخصتی۔

پاکیزہ ✧......نکاح اور رخصتی کی درمیانی مدت میں تحائف کا تبادلہ ہوا؟

نادرہ اطہر ❖......جی ہاں کئی تحائف کا تبادلہ ہوا، زیادہ انہوں نے ہی تحفے دیے۔

پاکیزہ ✧......شادی کی سب سے اچھی رسم کون سی تھی؟ اور کس کی طرف زیادہ ہلا گلا ہوا تھا؟

نادرہ اطہر ❖......نکاح کی تقریب جس نے ہمیں ایک مقدس اور خوب صورت بندھن میں باندھ دیا۔ اور ہلا گلا تو ہماری طرف ہی ہوا تھا۔

پاکیزہ ✧......آپ کو اجنبی کس لباس میں گریس فل لگتے ہیں؟

نادرہ اطہر ❖......اسکائی بلیو جینز اور وائٹ کرتا۔

پاکیزہ ✧......شادی کے بعد پہلی مرتبہ کون سے تفریحی مقام پر آپ لوگ گئے؟

نادرہ اطہر ❖......پاکستان ٹور پر گئے تھے لیکن مری میں ہم نے زیادہ انجوائے کیا۔

پاکیزہ ✧......وعدوں اور دعووں میں کون طاق ہے؟ اور تکمیل میں کس کا پلڑا بھاری ہے؟

نادرہ اطہر ❖......دونوں ہی معاملات میں اجنبی سبقت لے گئے۔

پاکیزہ ✧......خلیل جبران نے کہا تھا ''شک آئینِ محبت میں گناہ ہے'' آپ کیا کہتی ہیں؟

نادرہ اطہر ❖......شک جہاں رشتے میں دراڑ ڈالنے لگے وہاں گناہ بن جاتا ہے۔

پاکیزہ ✧......ازدواجی زندگی کے استحکام کی اساس کیا ہے؟

نادرہ اطہر ❖......اعتماد

پاکیزہ ✧......کامیاب ازدواجی زندگی میں سمجھوتے کی اہمیت کتنے فیصد ہے؟

نادرہ اطہر ❖......سو فیصد ہونی چاہیے۔

پاکیزہ ✧......سسرال کا کون سا رشتہ بے حد پسند ہے؟

نادرہ اطہر ❖......سارے رشتے ہی اچھے ہیں، نبھانا شرط ہے۔

پاکیزہ ✧......گھر میں کس کے فیصلے کو حتمی سمجھا جاتا ہے؟

نادرہ اطہر ❖......اجنبی کے فیصلے کو۔

پاکیزہ ✧......شادی کی سالگرہ پر زیادہ اہتمام کون کرتا ہے؟ اور ذرا اہتمام بھی بتایئے گا۔

نادرہ اطہر ❖......اہتمام تو اجنبی ہی کرتے ہیں یعنی پھول اور کیک لانا اور انجوائے ہم مل کر کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......شادی کی یادگار سالگرہ کون سی ہے؟

نادرہ اطہر ❖......ہر سالگرہ ہی یادگار ہوتی ہے۔

پاکیزہ ✧......شادی کی پہلی اور اب تک منائی جانے والی سالگرہ پر شریکِ حیات کے رویّے اور جذبے میں کیا واضح فرق محسوس کیا؟

نادرہ اطہر ❖......محبت کی شدت بڑھتی جا رہی ہے۔

پاکیزہ ✧......اس میں آپ کا کردار کتنا اہم ہے؟

نادرہ اطہر ❖......محبت کا جواب ہمیشہ محبت سے دینا چاہیے، یہی کردار دونوں کو اپنی ازدواجی زندگی میں ادا کرنا چاہیے۔ جو ہم ادا کر رہے ہیں۔

پاکیزہ ✧......آپ کے مابین عموماً کن باتوں پر اختلاف ہوتا ہے؟

نادرہ اطہر ❖......اجنبی کے غصہ کرنے پر۔

پاکیزہ ✧......یاد ہے شادی کے بعد پہلی لڑائی کب اور کس بات پر ہوئی تھی؟

نادرہ اطہر ❖......اجنبی کے آفس میں زیادہ ٹائم دینے پر۔

پاکیزہ ✧......عموماً صلح میں کس کی جانب سے پہل ہوتی ہے؟

نادرہ اطہر ❖......دونوں ہی پہل کر لیتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......کون زیادہ موڈی ہے؟


دائیں سے 107FM کی پروڈیوسر ایلیا، ٹی وی اینکر شگفتہ یاسمین اور نادرہ اطہر

نادرہ اطہر ❖......اجنبی۔
پاکیزہ ✧......آپ کا بگڑا موڈ کیسے بحال ہوتا ہے؟
نادرہ اطہر ❖......آؤٹنگ یا شاپنگ پر لے جانے سے۔
پاکیزہ ✧......موسیقی کیسی پسند ہے؟ کون سا گیت اکثر گنگناتی ہیں؟
نادرہ اطہر ❖......موڈ پر منحصر ہے۔
پاکیزہ ✧......کون زیادہ رومینٹک ہے؟
نادرہ اطہر ❖......میں ہی رومینٹک ہوں، ان کا رومانس اپنے کام سے زیادہ رہتا ہے۔
پاکیزہ ✧......آپ دونوں کے مشاغل میں کتنے فیصد مطابقت ہے؟
نادرہ اطہر ❖......مشاغل دونوں ہی کے تخلیقی ہیں۔
پاکیزہ ✧......بارش ہو رہی ہو اور ٹی وی پر کرکٹ میچ آ رہا ہو تب دونوں کس سے لطف اندوز ہوں گے؟
نادرہ اطہر ❖......بارش سے۔
پاکیزہ ✧......صاحب جی آپ کی کتنے فیصد... فرمائشیں پوری کرتے ہیں؟ عموماً کیا فرمائش کرتی ہیں؟
نادرہ اطہر ❖......میں کوئی فرمائش ہی نہیں کرتی، خود ہی پوری کر دیتے ہیں۔
پاکیزہ ✧......آپ کی بنائی ہوئی کون سی ڈش شوق سے کھاتے ہیں؟
نادرہ اطہر ❖......دال کی ہر قسم اور پلاؤ۔
پاکیزہ ✧......کچن کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے ہیں یا کام بڑھاتے ہیں؟
نادرہ اطہر ❖......شاذو نادر ہی جاتے ہیں لیکن ہاتھ بٹانے یا کام بڑھانے کے ارادے سے نہیں۔
پاکیزہ ✧......گھریلو بجٹ بنانے سے بچت تک کے عمل میں کون زیادہ فعال اور منظم ہے؟
نادرہ اطہر ❖......اجنبی مہارت سے بجٹ بناتے ہیں اور میں بچت کی کوشش کرتی ہوں۔
پاکیزہ ✧......گھر کی آرائش و زیبائش میں کس کا ہنر نمایاں ہے؟
نادرہ اطہر ❖......گھر کرایے کا ہے اس لیے یہ کچھ زیادہ آرائش و زیبائش نہیں کرنے دیتے، جو کرتی ہوں میں ہی کرتی ہوں۔
پاکیزہ ✧......آپ رنگوں سے پیکر تراشتی ہیں صاحب جی آواز اور قلم سے ہنر آزماتے ہیں کس کا کام زیادہ مشکل ہے؟ اور مقابلتاً کون اپنے ہنر میں زیادہ طاق ہے؟
نادرہ اطہر ❖......دونوں کام تخلیقی ہیں اور تخلیق مشکل ہی ہوتی ہے۔ اور جناب دونوں ہی اپنے، اپنے شعبہ جات میں طاق ہونے کے لیے سیکھتے رہتے ہیں۔
پاکیزہ ✧......کبھی صاحب جی کی تصویر بنانے کی کوشش کی؟
نادرہ اطہر ❖......جی ہاں، نکاح کے بعد ایک

پوسٹ کارڈ بنایا تھا۔

پاکیزہ ✧......دیکھ کر فوری ردِ عمل کیا تھا؟

نادرہ اطہر ❖......بہت پسند کیا تھا۔

پاکیزہ ✧......آپ کے شوہر آپ کی صلاحیتوں کا فراخدلانہ اعتراف کرتے ہیں؟

نادرہ اطہر ❖......جی ہاں بالکل کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......آپ کی کامیابی میں آپ کے شوہر کا کتنا حصہ ہے؟

نادرہ اطہر ❖...... کامیابی کی تلاش ایک ساتھ جاری ہے۔

پاکیزہ ✧......دونوں کا تعلق فنونِ لطیفہ کے اہم شعبوں سے ہے دونوں کا پیشہ ایک دوسرے پر کب اور کس طرح اثر انداز ہوتا ہے؟

نادرہ اطہر ❖......کہیں آنے جانے، ملنے ملانے، تہواروں پر ان کے کام کی وجہ سے کافی جگہ جانے سے رہ جاتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......آپ کی مصروفیت کب اجنبی صاحب پر گراں گزرتی ہے؟

نادرہ اطہر ❖......جب میں گھر پر کام کر رہی ہوتی ہوں۔

پاکیزہ ✧......ہمارے خیال میں اجنبی زیادہ معروف ہیں، معروف شخصیت کی اہلیہ بننے کا تجربہ کیسا رہا؟

نادرہ اطہر ❖......میرے ان کی اہلیہ بننے کے بعد ہی یہ زیادہ مشہور ہوئے ہیں اور اچھا لگتا ہے۔

پاکیزہ ✧......تاخیر سے گھر آنے پر سیاں جی کیا بہانہ بناتے ہیں؟

نادرہ اطہر ❖......بہانہ تو نہیں کرتے، کام کی وجہ سے تاخیر ہوتی ہے، جب تک ان کی طبیعت خراب نہ ہو، کام کرتے رہتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......آنسوؤں کو بطور ہتھیار کب استعمال کرتی ہیں؟

نادرہ اطہر ❖......کبھی بھی آنسوؤں کو بطور ہتھیار استعمال نہیں کیا۔

پاکیزہ ✧......صاحب جی کب ذہنی دباؤ اور تناؤ میں مبتلا ہوتے ہیں؟

نادرہ اطہر ❖......دفتری معاملات کی وجہ سے جب اخلاص کا صلہ نہیں ملتا۔

پاکیزہ ✧......بھولنے کی عادت کس کی زیادہ ہے عموماً کیا بھول جاتے ہیں؟

نادرہ اطہر ❖......بھولنے کی عادت میری ہی زیادہ ہے۔ دوائیں کھانا، فون کرنا بھول جاتی ہیں۔

پاکیزہ ✧......مردوں کی سب سے اچھی اور بُری عادت کون سی ہے اور آپ کے ہم سفر میں کتنے فیصد پائی جاتی ہیں؟

نادرہ اطہر ❖......تمام مردوں کی بات تو پتا نہیں، اجنبی اپنے سارے کام خود کرتے ہیں، کپڑے دھونا، استری کرنا، چیزیں سنبھال کر رکھنا۔ بس کچن کے کاموں میں ہاتھ نہیں بٹاتے۔

پاکیزہ ✧......بچوں کی تعلیم و تربیت میں آپ دونوں میں سے کس کا کردار بہت اہم ہے؟

نادرہ اطہر ❖......دونوں ہی کا کردار اہم ہے، یہ اگر اخراجات نہ اٹھائیں اور میں بچوں پر نظر نہ رکھوں تو تعلیم کا سلسلہ اچھا چل ہی نہیں سکتا۔

پاکیزہ ✧......کبھی اس ضمن میں باہمی اختلاف ہوا؟

نادرہ اطہر ❖......بعض دفعہ اختلاف ہو بھی جاتا ہے۔

پاکیزہ ✧......اولاد کی تعلیم و تربیت میں کبھی بیٹے اور بیٹی کی تخصیص کی؟

نادرہ اطہر ❖......ہماری رحمت کی پیٹی، ہماری ہر بیٹی۔ بیٹیوں کی تعلیم کو دونوں ہی اہمیت دیتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......صرف بیٹیوں کی ماں ہونے کا تجربہ کیسا ہے؟

نادرہ اطہر ❖......میں خود کو بہت خوش قسمت سمجھتی ہوں۔

پاکیزہ ✧......بیٹیاں کس سے زیادہ فرمائش کرتی ہیں اور کون زیادہ خواہشات پوری کرتا ہے؟

نادرہ اطہر ❖......فرمائش کے لیے مجھ سے ہی کہتی ہیں، پوری اجنبی کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......آزادیِ نسواں کے لیے آپ کا تصور کیا ہے؟

نادرہ اطہر ❖......آزادی ہونی چاہیے مگر سماجی، مذہبی اقدار کے ساتھ۔

پاکیزہ ✧......کوئی ایک فقرہ یا شعر اپنے ہم سفر کی تعریف میں۔

نادرہ اطہر ❖......کسی مہرباں نے آکے میری زندگی سجادی...

پاکیزہ ✧......پسندیدہ رشتہ، رنگ، خوشبو، موسم، وقت، کتاب، ٹی وی چینل، ٹی وی شو، ڈش، تہوار، کھیل کون سے ہیں؟

نادرہ اطہر ❖......پسندیدہ رشتہ، ماں، پسندیدہ رنگ سب، پسندیدہ خوشبو چاندنی کے پھول، پسندیدہ موسم سردی، وقت شام کا پسندیدہ کتاب شاعری کی کتابیں، ٹی وی چینل کوئی بھی، ٹی وی شو کوئی خاص نہیں، ڈش مچھلی، تہوار عید کا اور کھیل کرکٹ۔

پاکیزہ ✧......بااعتبار مجموعی شریک حیات کو کیسا پایا؟

نادرہ اطہر ❖......بہت اچھا اور خیال کرنے والا۔

پاکیزہ ✧......اپنے شریکِ حیات کے لیے کون سا پیغام دیں گی؟

نادرہ اطہر ❖......اپنا غصہ اور کم کردیں یہی پیغام ہے۔

(اجو بھائی) اجنبی سے اب ذرا بات ہو جائے

پاکیزہ ✧......جی تو پہلی مرتبہ ایک دوسرے کو کب اور کہاں دیکھا؟

اجنبی ❖......یوں تو ریڈیو سماعتوں اور آواز کا مسکن ہے مگر یہیں ہماری آنکھیں چار ہوئیں، سال 1997ء ریڈیو پاکستان کراچی۔

پاکیزہ ✧......پہلا تاثر کیا تھا؟

اجنبی ❖......بس اسی سے شادی کرنی ہے۔

پاکیزہ ✧......کب احساس ہوا کہ نادرہ دل میں خاص مقام بنا چکی ہیں؟

اجنبی ❖......پہلی ہی ملاقات میں احساس ہوگیا تھا کہ بھائی صاحب آپ گئے کام سے۔

پاکیزہ ✧......جب آپ نے حکایتِ دل سنائی تو نادرہ کا فوری ردِعمل کیا تھا؟

اجنبی ❖......میں نے گلاب کا پھول دیا تھا اور اُس رات ہمیں ایک شادی میں جانا تھا، وہی گلاب کا پھول لے کر نادرہ شادی میں آئی تھیں جو اس بات کا ثبوت تھا کہ بیڑا پار لگ گیا۔

پاکیزہ ✧......محبت کی اولین شرط آپ کی نظر میں؟

اجنبی ❖......احترام

پاکیزہ ✧......سوشل میڈیا کے توسط سے جنم لینے والی محبت کے لیے آپ کیا کہیں گے؟

اجنبی ❖......سوشل میڈیا، جھوٹ کا پلندہ اور یہاں پلنے والی محبتیں وقت گزاری، ناپائدار ہیں۔

پاکیزہ ✧......آپ کے ملن کی راہ میں دشواریاں پیش آئیں؟

اجنبی ❖......کوئی مشکل نہیں ہوئی تھی۔ میں نے امی سے براہ راست کہہ دیا تھا کہ ایک لڑکی سے ملوانا ہے اور اُسی سے شادی کرنی ہے، جو بھی ہو۔ اور امی نے میری پسند کو پسند کرلیا تھا۔

پاکیزہ ✧......نادرہ نے بتایا کہ نکاح کے تقریباً تیرہ ماہ بعد رخصتی ہوئی تو اس درمیانی مدت میں تحائف کا تبادلہ ہوا؟

اجنبی ❖......سب کچھ بتادیں، ہاتھ پیر کٹوادیں (کٹہرے میں



کھڑے ہیں تو بتانا ہی پڑے گا۔زریں)(قہقہہ۔اجنبی)

پاکیزہ ✧......شادی کی سب سے اچھی رسم کون سی لگی؟

اجنبی ✥......لڑکی والوں کی طرف سے ہاں ہونا۔

پاکیزہ ✧......آپ کو نادرہ کس لباس میں گریس فل لگتی ہیں؟

اجنبی ✥......ساڑی۔

پاکیزہ ✧......وعدوں اور دعووں میں کون طاق ہے؟اور تکمیل میں کس کا پلڑا بھاری ہے؟

اجنبی ✥......میں شروع سے وقت کا پابند اور عہد و پیماں کا پکا ہوں۔

پاکیزہ ✧......خلیل جبران نے کہا تھا ''شک آئینِ محبت میں گناہ ہے'' آپ کیا کہتے ہیں؟

اجنبی ✥......شک اصل میں حق جتانا ہے اور حق وہی جتاتا ہے جو اپنا ہوتا ہے۔

پاکیزہ ✧......ازدواجی زندگی کے استحکام کی اساس کیا ہے؟

اجنبی ✥......بھروسا۔

پاکیزہ ✧......کامیاب ازدواجی زندگی میں سمجھوتے کی اہمیت کتنے فیصد ہے؟

اجنبی ✥......سمجھوتا کامیاب ازدواجی زندگی کی بنیاد ہے۔

پاکیزہ ✧......سسرال کا کون سا رشتہ بے حد پسند ہے؟

اجنبی ✥......سسر (مرحوم)

پاکیزہ ✧......گھر میں کس کے فیصلے کو حتمی سمجھا جاتا ہے؟

اجنبی ✥......میرے فیصلے کو۔

پاکیزہ ✧......شادی کی سالگرہ پر زیادہ اہتمام کون کرتا ہے؟

اجنبی ✥......میں ہی کرتا ہوں۔

پاکیزہ ✧......نادرہ کا خاص اہتمام کیا ہوتا ہے؟

اجنبی ✥......نادرہ تیار ہو کر بس انتظار کرتی ہیں پھولوں کا اور تحفے کا۔

پاکیزہ ✧......شادی کی یادگار سالگرہ کون سی ہے؟

اجنبی ✥......ہر سالگرہ ہی یادگار بناتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......شادی کی پہلی اور اب تک منائی جانے والی سالگرہ پر شریک حیات کے رویے اور جذبے میں کیا واضح فرق محسوس کیا؟

اجنبی ✥......مالی حالات تحفے کی قدر و قیمت پر اثر انداز ہوتے رہے مگر محبت پر نہیں۔مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

پاکیزہ ✧......اس میں آپ کا کردار کتنا اہم ہے؟

اجنبی ✥......کوشش کرتا ہوں کہ اس دن کوئی بدمزگی نہ ہو، پرانی باتیں ملاقاتیں یاد آتی ہیں۔

پاکیزہ ✧......آپ کے مابین عموماً کن باتوں پر اختلاف ہوتا ہے؟اور اسے کیسے دور کیا جا سکتا ہے؟

اجنبی ✥......ماسی کے معاملے پر ہوتا ہے۔

پاکیزہ ✧......کچھ یاد ہے شادی کے بعد پہلی لڑائی کب اور کس بات پر ہوئی تھی؟

اجنبی ✥......آفس سے دیر سے آنے پر۔

پاکیزہ ✧......عموماً صلح میں کس کی جانب سے پہل ہوتی ہے؟

اجنبی ✥......میں سرِ تسلیم خم کر دیتا ہوں۔

پاکیزہ ✧......کون زیادہ موڈی ہے؟

اجنبی ✥......میرا موڈ بھی بھی بدل جاتا ہے۔

پاکیزہ ✧......آپ کا بگڑا موڈ کیسے بحال ہوتا ہے؟

اجنبی ✥......چائے کے ذریعے۔

پاکیزہ ✧......موسیقی کیسی پسند ہے؟کون سا گیت اکثر گنگناتے ہیں؟

اجنبی ✥......دو دل مل رہے ہیں مگر چپکے، چپکے

پاکیزہ ✧......کون زیادہ رومینٹک ہے؟

اجنبی ✥......نادرہ۔

پاکیزہ ✧......مشاغل میں کتنے فیصد مطابقت ہے؟

اجنبی ✥......تخلیقی مشاغل ہیں لہٰذا مطابقت سو فیصد ہے۔

پاکیزہ ✧......بارش ہو رہی ہو اور ٹی وی پر کرکٹ میچ آ رہا ہو تب دونوں کس سے لطف اندوز ہوں گے؟

اجنبی ✥......بارش اور چائے سے۔



پاکیزہ ✧......آپ نادرہ کی کتنے فیصد فرمائشیں پوری کرتے ہیں؟ عموماً کیا فرمائش کرتی ہیں؟

اجنبی ❖......نادرہ نے کبھی کوئی فرمائش نہیں کی۔

پاکیزہ ✧......آپ کی بنائی ہوئی کون سی ڈش شوق سے کھاتی ہیں؟

اجنبی ❖......مجھے پکانے کا شوق نہیں ہے۔

پاکیزہ ✧......کچن کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے ہیں یا کام بڑھاتے ہیں؟

اجنبی ❖......ہاتھ نہیں بٹاتا مگر کام بھی نہیں بڑھاتا۔

پاکیزہ ✧......گھریلو بجٹ بنانے سے بچت تک کے عمل میں کون زیادہ فعال اور منظم ہے؟

اجنبی ❖......بجٹ میں بناتا ہوں، بچت نادرہ کرتی ہیں۔

پاکیزہ ✧......گھر کی آرائش اور زیبائش میں کس کا ہنر نمایاں ہے؟

اجنبی ❖......نادرہ کا۔

پاکیزہ ✧......نادرہ رنگوں سے پیکر تراشتی ہیں اور آپ آواز اور قلم سے ہنر آزماتے ہیں کس کا کام زیادہ مشکل ہے؟

اجنبی ❖......دونوں ہی کام مشکل ہیں۔

پاکیزہ ✧......مقابلتاً کون اپنے ہنر میں زیادہ طاق ہے؟

اجنبی ❖......نادرہ۔

پاکیزہ ✧......کبھی نادرہ نے آپ کی تصویر بنانے کی کوشش کی؟

اجنبی ❖......جی ہاں نکاح کے بعد بنائی تھی۔

پاکیزہ ✧......دیکھ کر فوری ردِعمل کیا تھا؟

اجنبی ❖......مجھے حیرت ہوئی تھی کہ اتنی اچھی تصویر، اس وقت فیس بک ہوتی تو ڈی پی بنالیتا۔

پاکیزہ ✧......آپ نادرہ کی صلاحیتوں کا فراخدلانہ اعتراف کرتے ہیں؟

اجنبی ❖......جی ہاں۔

پاکیزہ ✧......نادرہ کی کامیابی میں آپ کا کتنا حصہ ہے؟

اجنبی ❖......سب ان کا اپنا ٹیلنٹ ہے، میں نے وہ کچھ کیا ہی نہیں جو کرنا چاہیے۔

پاکیزہ ✧......دونوں کا تعلق فنونِ لطیفہ کے اہم شعبوں سے ہے دونوں کا پیشہ ایک دوسرے پر کب اور کس طرح اثرانداز ہوتا ہے؟

اجنبی ❖......تہواروں، تقریبات، خوشی غمی میں شرکت نہیں ہو پاتی، لوگ سمجھنے لگتے ہیں کہ مغرور ہیں۔

پاکیزہ ✧......آپ کی مصروفیت کب نادرہ پر گراں گزرتی ہے؟

اجنبی ❖......جب میں گھر پر بھی آفس کا کام کرتا ہوں (جو کہ بری عادت ہے)

پاکیزہ ✧......نسبتاً آپ زیادہ معروف ہیں، معروف شخصیت کی اہلیہ بننے کا نادرہ کا تجربہ کیسا رہا؟

اجنبی ❖......انہیں اچھا لگتا ہے۔

پاکیزہ ✧......تاخیر سے گھر آنے پر آپ کیا بہانہ بناتے ہیں؟

اجنبی ❖......بہانے وہ بناتے ہیں جن کے دل میں چور ہوتے ہیں، میں صرف کام کی وجہ سے ہی تاخیر سے آتا ہوں۔

پاکیزہ ✧......نادرہ آنسوؤں کو بطور ہتھیار کب

استعمال کرتی ہیں؟

اجنبی ❖...... نادرہ نے کبھی ایسی ڈرامے بازی نہیں کی۔

پاکیزہ ✧......اچھا آپ کی بیگم کب ذہنی دباؤ اور تناؤ میں مبتلا ہوتی ہیں؟

اجنبی ❖......بچوں کی تعلیم کے حوالے سے اور جب مجھے آفس میں کڑے وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

پاکیزہ ✧...... بھولنے کی عادت کس کی زیادہ ہے؟ عموماً کیا بھول جاتے ہیں؟

اجنبی ❖......زیادہ بھولنے کی عادت نادرہ کی ہے، لوگوں کو فون کرنا بھول جاتی ہیں۔

پاکیزہ ✧......خواتین کی سب سے اچھی اور بری عادت کون سی ہے اور آپ کی ہم سفر میں کتنے فیصد پائی جاتی ہیں؟

اجنبی ❖......نادرہ کی سب سے اچھی عادت ہر ایک سے ہنس کر ملنا ہے، حالانکہ میرے تو تیور ہی چڑھے رہتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......بچوں کی تعلیم و تربیت میں آپ دونوں میں سے کس کا کردار بہت اہم ہے؟

اجنبی ❖......دونوں ہی اپنا، اپنا کردار نبھا رہے ہیں کوئی ایک کریڈٹ نہیں لے سکتا۔

پاکیزہ ✧......کبھی اس ضمن میں باہمی اختلاف ہُوا؟

اجنبی ❖......جی ہاں...... مگر اختلاف سے کوئی نہ کوئی مثبت نتیجہ ضرور نکلا۔

پاکیزہ ✧......اولاد کی تعلیم و تربیت میں کبھی بیٹے اور بیٹی کی تخصیص کی؟

اجنبی ❖...... ہماری تین بیٹیاں ہیں اور یہی سب سے بڑی رحمت ہیں، ان کی تعلیم کے لیے جو بن پڑتا ہے، کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......صرف بیٹیوں کا باپ ہونے کا تجربہ کیسا ہے؟

اجنبی ❖...... اس سوال سے مجھے ذاتی طور پر اختلاف ہے لیکن بہرحال، میں ایک خوش نصیب شخص ہوں جسے قدرت نے تین فرماں بردار بیٹیاں عطا کر کے اپنی رحمت سے نوازا۔ (یقیناً یہ انتہائی خوش بختی ہے اگر لوگ سمجھ لیں تو)

پاکیزہ ✧......بیٹیاں کس سے زیادہ فرمائش کرتی ہیں اور کون زیادہ خواہشات پوری کرتا ہے؟

اجنبی ❖......فرمائش نادرہ سے کرتی ہیں اور ظاہر ہے پوری میں کرتا ہوں۔

پاکیزہ ✧......آزادیِ نسواں کے لیے آپ کا تصور کیا ہے؟

اجنبی ❖......آزادی کے بھی کچھ دائرے ہوتے ہیں ان سے باہر نہ نکلا جائے۔

پاکیزہ ✧......کوئی ایک فقرہ یا شعر اپنے ہم سفر کی تعریف میں......

اجنبی ❖......

بانٹ رہا تھا جب خدا سارے جہاں کی نعمتیں
اپنے خدا سے مانگ لی میں نے تیری وفا صنم

اور نادرہ سراپا وفا ہے۔

پاکیزہ ✧...... پسندیدہ رشتہ، رنگ، خوشبو، موسم، وقت، کتاب، ٹی وی چینل، ٹی وی شو، ڈش، تہوار، کھیل کون سے ہیں؟

اجنبی ❖......پسندیدہ رشتہ ماں، پسندیدہ رنگ وائٹ، پسندیدہ خوشبو مٹی کی خوشبو، پسندیدہ موسم خزاں، پسندیدہ وقت شام، پسندیدہ کتاب جو ذہن کے دریچے وا کرے، پسندیدہ ٹی وی چینل جو زیادہ معلوماتی پروگرام نشر کرے، پسندیدہ ٹی وی شو how its made، پسندیدہ ڈش نرگسی کوفتے، کباب، پسندیدہ تہوار عید، پسندیدہ کھیل ٹیبل ٹینس۔

پاکیزہ ✧......بااعتبار مجموعی شریک حیات کو کیسا پایا؟

اجنبی ❖......بے مثال، قابلِ احترام جب ہی تو کہتا ہوں دیارِ دل میں بڑا احترام ہے تیرا......

پاکیزہ ✧......اپنی شریک حیات کے لیے کون سا پیغام دیں گے؟

اجنبی ❖......تو میری زندگی ہے۔

☆☆☆

روشنی اور اجالوں کا سفر

رخسانہ ناصر

الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی عمرے کی سعادت نصیب فرمائی۔ 19 مارچ 2016ء بروز ہفتہ ہم شام پانچ بجے گھر سے ائرپورٹ کے لیے نکلے...... کیونکہ میرا پہلا موقع تھا اس لیے گھر سے تھوڑا جلدی نکل گئے۔ وہاں ائرپورٹ کے تمام قانونی مراحل سے گزر کر عشا کے وقت ہم لوگ پسینجر لاؤنج میں تھے وہاں خواتین کے حصے میں جا کر میں نے نماز ادا کی۔ ہمیں ابوظہبی سے ہوتے ہوئے جدہ جانا تھا۔ جہاز کی سیٹ پر بیٹھ کر مجھے تسلی ہوئی کہ میں سچ مچ اللہ کے گھر جا رہی ہوں۔ جہاز کا میرا یہ پہلا سفر تھا۔

ابوظہبی پہنچ کر ہمیں وہاں پانچ گھنٹے گزارنے تھے۔ جدہ روانگی سے قبل ہم نے وہیں وضو کیا۔ احرام باندھا عمرے کی نیت کی دو نفل پڑھے اور ہم بورڈنگ کے لیے تیار تھے۔ آدھی رات سے زیادہ کا وقت تھا جب جدہ ائرپورٹ پہنچے۔ سب مسافر بیچارے تھکے ہوئے تھے۔ خیر اپنی باری پر ہم بھی چیکنگ وغیرہ کرا کے فارغ ہوئے پھر اندر جا کر فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد گاڑی کا انتظار شروع کیا۔ دل خوشی سے جھوم رہا تھا کہ اللہ کے گھر اب پہنچے کہ تب جدہ ہوٹل پر ہمارا سامان دے کر ڈرائیور چلا گیا۔ بہت انتظار کے بعد گڈو کو (میرا پیارا دیور جو کہ ملازمت کے سلسلے میں جدہ میں ہوتا ہے) فون کیا، ہوٹل کا نام بتایا وہ آیا، آ کر مالک سے بات کی اور ایک پلاسٹک کا کڑا بطور نشانی ہم کو دی کہ اسے پہن لیں۔ اب ہم حرم شریف جانے کو تیار تھے۔ حرم شریف پہنچتے ہی دل کی کیا حالت تھی لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں...... دل میں دھڑکن تھی یا دل بند تھا کچھ معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ میں ایک روبوٹ کی طرح ان سب کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔ اور دل سے صرف یہ آواز آ رہی تھی یا اللہ میں حاضر ہوں، اللہ جی آپ نے بلایا، اللہ بس میں حاضر ہوں۔ مسجد کے صحن سے چلتے، چلتے باب فہد سے اندر گئے۔ سامنے خانہ کعبہ اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ اور میں یقین و بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔ یا اللہ یہ خواب ہے یا حقیقت، یا اللہ زندگی کی کون سی نیکی تھی کہ جس کی وجہ سے میں آج آپ کے گھر کے اندر کھڑی ہوں۔ پھر اپنے دماغ کو حاضر رکھ کر میں نے خانہ کعبہ پر پہلی نظر پڑتے ہی دعا مانگی بس پھر تو دعاؤں کا سلسلہ چل نکلا۔ طواف کے دوران سبز بتی سے چکر شروع کرتے ہوئے مقام ابراہیم پر نفل پڑھتے ہوئے باب رحمت کو پکڑ کے زار و قطار آنسو بہہ نکلے، غلاف کعبہ سے لپٹ کر ایسا سکون بھرا احساس ہوا جیسے بچپن میں امی کے ساتھ ان کی چارپائی پر لیٹتے ہوئے ہوتا تھا۔ دل کی ہر بات اپنے اللہ کے سامنے بیان کر دی۔ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی۔ سب کے لیے خصوصی دعا کی۔ صفا و مروہ کے سامنے آب زم زم پیتے ہوئے غرض ہر جگہ دعاؤں کا سلسلہ چل رہا تھا۔ خانہ کعبہ میں ہر طرف رونق لگی تھی کوئی نفل پڑھ رہا ہے، کوئی سعی کے چکر پورے کر رہا ہے تو کوئی زار و قطار رو کر اپنا حال دل بیان کر رہا ہے ہر ایک چاہتا ہے کہ اپنے اللہ سے آج دل کی ہر بات کہنی ہے ہر غلطی کی معافی مانگنی ہے ہر گناہ پر شرمندہ ہونا ہے۔ ہر خواہش کا اظہار کرنا ہے آئندہ کے لیے گناہ نہ کرنے کا عہد کرنا ہے دل سے ہر گناہ کی توبہ کرنا، بے شک میرا اللہ معاف کرنے والا ہے۔ غفور الرحیم ہے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والا ہے۔ اور ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اب تک صرف تصویروں میں یا ٹی وی پر خانہ کعبہ دیکھا تھا لیکن اب حقیقت میں سامنے خانہ کعبہ کو دیکھ کر نماز ادا کرنا...... یہی میری تمام زندگی کے سب سے زیادہ خوب صورت ترین اور یادگار لمحات تھے۔ کعبہ کی رونق کعبہ کا منظر...... اللہ اکبر......! اللہ اکبر دس روز ہمارا قیام حرم شریف میں رہا اس کے بعد ہم لوگ مدینہ شریف کے لیے عصر کے وقت روانہ ہوئے گڈو دیور ہمارے ساتھ تھے دو نمازیں مغرب اور عشا راستے میں پڑھیں۔ گاڑی چلتی رہی سڑک کے دونوں جانب پہاڑ اور میدان تھے۔ کہیں دور بھی بہت سارے اونٹ بھی نظر آ جاتے تھے۔ زیادہ تر پہاڑوں پر کرینیں لگی ہوئی تھیں اور کام ہو رہا تھا۔ ہوٹل بن رہے ہیں شاپنگ مال بن رہے ہیں...... کھجوروں کے باغوں اور زیارتوں کا شہر مدینہ شریف ہے۔ جب بھی دل میں خیال آتا کہ میں مدینہ شریف پہنچ رہی ہوں دل کی دھڑکن بڑھ جاتی اور آنکھوں کے فرش گیلے ہو جاتے۔ رات دس بجے کے

قریب گاڑی نے ہمیں مسجد نبوی کے سامنے اتارا اور جناب بالکل سامنے مسجد کے مینار نظر آ رہے تھے۔ چھتریاں نظر آ رہی تھیں جو کہ اس وقت بند تھیں۔ تھوڑی واک پر ہوٹل تھا وہاں جا کر ہم نے سامان رکھا اتنے میں گڈو چائے لے آئے چائے پی کر ہم وہیں مسجد نبوی آئے مسجد کے صحن میں قدم رکھتے ہی دل کی کیفیت کیا بیان کروں کعبہ شریف سے بالکل مختلف تھی وہاں غلافِ کعبہ سے لپٹ کر دل نہال تھا جیسے کوئی بچہ اپنی ماں سے لپٹ کر اپنی تمام غلطیوں کے باوجود مطمئن ہوتا ہے کہ معافی مانگیں کہ تو ماں سب معاف کر دے گی اور بے شک میرا اللہ ہم گناہ گاروں کو ضرور معاف کر دے گا۔ اللہ کے گھر بیٹھ کر اللہ ہی سے مانگنا کیسا خوش کن احساس تھا کہ بھلا میزبان نے کبھی مہمان کی بات رد کی ہے لیکن یہاں معاملہ بالکل الٹ تھا کہ جیسے بچہ ماں، باپ سے ہر بات، کہہ دیتا ہے ان کی ڈانٹ بھی بغیر کسی خوف کے کھالیتا ہے لیکن جب گھر میں بڑے بھائی کی آمد ہوتی ہے تو ان کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ بڑی مشکل سے سامنا ہوتا ہے تو ٹانگیں کپکپاتی ہیں، دل لرز اٹھتا ہے۔ آنکھیں بند ہونے لگتی ہیں۔ وہاں یہ احساس ہوا پوری زندگی شرمندگی سے... بھری پڑی کیا منہ لے کر روضۂ رسول پر جاؤں۔

گڈو نے مجھ کو بابِ عثمان کے سامنے کھڑا کر دیا اور کہا کہ اندر جائیں معلوم کریں اگر زیارت کھلی ہو تو ٹھیک ورنہ ٹائم معلوم کر کے آ جائیں۔ میں لرزتے قدموں سے اندر گئی، ایک، ایک قدم پر ڈھیروں آنسو نکل رہے تھے۔ میں بالکل اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھ رہی تھی کہ روضۂ رسول پر حاضری دوں پھر خیال آیا کہ یہ میرے اللہ پاک کا کرم ہے کہ آج اس نے مجھے اپنے محبوب کے در پر جانے کی توفیق عطا فرمائی' یہ انمول لمحے مجھے عنایت کیے...... وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ابھی کچھ دیر میں زیارت کھلنے والی ہے میں نے وہاں نفل پڑھے خواب کی سی کیفیت میں اپنے آپ کو یقین دلایا کہ میں گناہ گار بندی آج اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے مسجد نبوی کے اندر نفل پڑھ رہی ہوں یہ سوچ کر بہت نازاں ہوئی کہ اللہ نے مجھے اپنے محبوب کے در پر بھیجا ہے۔ پھر نفل ادا کر کے باہر آ کر بتایا کہ بس زیارت کھلنے والی ہے میں اب زیارت کر کے ہی باہر آؤں گی۔ دوبارہ اندر جا کر انتظار میں بیٹھ گئی۔ پھر جب گیٹ کھلا تو عورتوں کا ریلا تیزی سے اندر دوڑتا ہوا گیا۔ سب کے ساتھ میں بھی دوڑ گئی، کھچا کھچ رش میں گھری کھڑی تھی سمجھ میں نہیں آیا ایک لڑکی سے پوچھا بیٹا کہاں نفل پڑھنے ہیں وہ کہنے لگی آنٹی نیچے دیکھیں آپ کو سبز قالین نظر آئے گا بس وہیں پڑھنا ہے اب جو نیچے دیکھا سبز قالین نظر آیا بے اختیار رونے لگی کہ میں تو ریاض الجنہ میں کھڑی ہوں پھر جلدی سے دھکم پیل کے باوجود سجدے میں گر گئی۔ پھر کھڑے ہو کر نیت باندھی پھر سجدے میں گر کر خوب دل کھول کر روئی آنکھوں میں آنسو تھے کہ سیلاب کا پانی ہچکیاں بندھ گئیں سر اٹھانا یاد نہ رہا، بس یہ یاد تھا کہ اللہ نے اپنے پیارے محبوب کے قدموں میں بھیجا ہے۔ زندگی کی سب سے بڑی خوشی عطا کی ہے۔

خوب رو کر دل کا بوجھ ہلکا کیا...... دونوں جگہ مکہ شریف اور مدینہ شریف میں کوئی دن رات کا فرق نہیں ہے وہی رونق چہل پہل ہر وقت رش کا عالم، دن کے دو بجے ہوں یا رات دو بجے ہوں ایک جیسا ماحول تھا۔ ریاض الجنہ سے واپسی کے راستے پر ایک جگہ کھڑے ہو کر دیکھا روضۂ مبارک کا سبز گنبد اتنے قریب نظر آیا دل کیا کہ بڑھ کر چھولوں...... وہاں کھڑے ہو کر عجیب دل کا حال ہوا ہٹنے کو جی نہیں چاہے دل کہے کہ کھڑے ہو کر دیکھتے رہو نظروں سے چومتے رہو۔

اللہ پاک نے چالیس نمازیں تکبیر اولیٰ کے ساتھ پوری کروا دیں۔ واپسی سے ایک روز پہلے تمام زیارتیں دیکھ لیں ہر جگہ نفل پڑھ کر دعا مانگی واپس مکہ کے لیے روانہ ہوئے یہاں آخری عمرہ گڈو کے ساتھ ادا کیا الوداعی طواف کیا۔

اب واپسی کا سفر تھا۔ آنسو چھپاتے ہوئے اپنے پیارے دیور کو خدا حافظ کہا۔

یہ میری زندگی کا خوب صورت ترین سفر تھا کہ جس کا کوئی نعم البدل نہیں ایسا سفر کہ جس کے لیے میں نے ہر جگہ دوبارہ آنے کی دعا مانگی۔

کیا مری کی برفباری اور جھیل سیف الملوک کی پریاں، کیا نتھیا گلی کی خوب صورتی یا گلگت کے پہاڑ سب ہیں بیکار اس سفر کے آگے عباسی صاحب (شوہر) سے ان جگہوں پر نہ لے جانے کے گلے شکوے مٹ گئے اللہ کے حکم اور ان کی کوشش سے میں نے اپنے اللہ اور رسول کے گھر کی زیارت کر لی۔ اللہ کے گھر انمول گھڑیاں گزار سکی۔ یا اللہ بار، بار یہ گھڑیاں نصیب میں لکھ دے۔

(الٰہی آمین)

بہنوں کی محفل

مدیرہ

خط کتابت کے لیے پی او باکس 662 جی پی او کراچی 74200 ای میل: jdpgroup@hotmail.com

پیاری پاکیزہ بہنو! السلام علیکم رحمتہ اللہ و برکاتہ

حمد و ستائش اس ذات بابرکات کے لیے جس نے کارخانہ عالم کو وجود بخشا اور درود و سلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا اور بنی نوع انسان کو ایک مکمل ضابطۂ حیات دیا۔ اللہ پاک ہم سب کو ایمان کی قوت کے ساتھ ہمیشہ شاد و آباد رکھے اور اپنے خزانۂ غیب سے وہ سب کچھ عطا فرمائے جو ہمارے حق میں بہتر ہو (الٰہی آمین)

کچھ باتیں اپنی بہنوں سے

''سب سے پہلے تو میں ان تمام بہنوں کا ذاتی طور پر شکریہ ادا کرتی ہوں کہ جنہوں نے اپنے ہردل عزیز ماہنامہ پاکیزہ کے سالگرہ نمبر 1 اور 2 میں کسی نہ کسی حوالے سے بھرپور شرکت بھی کی اور تمام تحریروں کو بے حد سراہا اور ہمیں گراں قدر تجاویز بھی دیں۔

ایک طرف تو بہنیں سالگرہ نمبروں کی خوشیاں سمیٹ رہی تھیں تو دوسری طرف ہماری یہی پیاری بہنیں ایک طرح سے اداسی کا بھی شکار ہوئیں کہ جب آپ سب کی باجی اور ہماری قابلِ قدر مدیرہ انجم انصار نے پاکیزہ سے علیحدگی کا اعلان کیا۔

بہنو! یہ بالکل فطری بات ہے کہ جس بھی جگہ ایک عرصہ گزارہ جائے اور اپنے گھر کے سے مخلص فرد کی طرح سب سے رابطے میں بھی رہا جائے اور پھر علیحدگی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا جائے تو اس پر آپ قارئین کا یوں اداس ہونا یقینی بات ہے مگر پیاری بہنوں میں تو ہردم آپ لوگوں کے درمیان تھی اور آج بھی ہوں۔ آپ کی یہ محفل اسی طرح سجتی رہے گی اور آپ سب اس کے ذریعے ایک دوسرے سے اسی طرح ملتی رہیے گا کیونکہ پاکیزہ رسالہ محض ایک ماہ کہانیاں پڑھ کر ایک طرف ڈالنے کا نام نہیں بلکہ اس کے اراکین سے ہر ریڈر کا بھرپور قلبی تعلق ہے جبھی تو یہ رسالے آپ کی گھریلو لائبریری کی زینت بنے رہتے ہیں۔ ہم تو آپ کے ان پُرخلوص جذبات کی ہمیشہ سے قدر کرتے چلے آئے ہیں اور انشاء اللہ یونہی کرتے رہیں گے۔ بس آپ اپنے گراں قدر مشوروں، قیمتی آرا اور قابلِ عمل تجاویز سے نوازتی رہیے گا۔

پیاری بہنو! آپ لوگ جانتی ہیں کہ معراج صاحب کتنے عرصے سے صاحبِ فراش ہیں۔ آج کل ان کی طبیعت کچھ زیادہ ہی خراب چل رہی ہے اور میں کسی اور طرف فوکس نہیں کر پا رہی ہوں ورنہ آپ سب سے بہت سی باتیں کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔ دعا کیجیے گا کہ معراج صاحب کی صحت میں کچھ بہتری آجائے تو میں آپ لوگوں کی اس پُررونق محفل میں زیادہ دیر آپ سب سے مخاطب ہوسکوں، آپ حسبِ سابق اپنی سرگرمیاں بھیجتی رہیں اور اپنی خبروں سے آگاہ کرتی رہیں...... انہی صفحات پر وہ تمام ٹیلی فون نمبرز دیے جارہے ہیں، جن کے ذریعے آپ ہمہ وقت نزہت اصغر اور آمنہ حماد سے رابطے میں رہ سکیں گی۔

آپ سب کی خیریت کی طالب...... دعاگو عذرا رسول......

☆☆☆

قارئینِ عزیز جیسا کہ محترمہ عذرا رسول صاحبہ نے بھی بتایا کہ گزشتہ ماہ اسی محفل میں باجی انجم انصار نے پاکیزہ سے اپنی وابستگی کا احوال اور پھر اپنی بیماری کے بعد پاکیزہ کی ادارت سے علیحدگی کی تفصلات بتائیں جو یقیناً آپ سب نے بھی پڑھیں۔ اس سلسلے میں ہمیں بے شمار ٹیلی فون کالز اور خطوط موصول ہوئے جس میں سب ہی نے انجم باجی کی ادبی خدمات کو سراہا...... اپنی جذباتی وابستگی کا برملا اظہار کیا اور ان کی صحت و سلامتی کے لیے دعائیہ کلمات کہے۔ بے شک ان کا اور پاکیزہ کا ایک طویل عرصے کا ساتھ ہے، جس کی ادارہ قدر کرتا ہے۔ قارئین اور قلمکاروں کے ساتھ، ساتھ تمام اراکینِ پاکیزہ باجی انجم انصار کو زبردست خراجِ تحسین پیش کرتے

ہیں اوران کی مکمل صحت یابی کے لیے دعا گو ہیں۔

عزیز ساتھیو......! یہ ماہنامہ آپ کا اپنا ہے، آپ جس طرح اس میں شرکت کرتی چلی آئی ہیں وہ لائق ستائش ہے۔ سینئر اور جونیئر رائٹرز کی تحریروں کا امتزاج اس رسالے کی پہچان ہے علاوہ ازیں مراسلات، تراشوں اور شاعری کے ذریعے آپ بہنوں کی بھرپور شرکت اسے مزید دلچسپ، معلومات سے پُر اور خوب صورت بناتی ہے......اور سب سے بڑھ کر بہنوں کی یہ محفل کہ جس میں ایک بیٹھک یا گھر کے آنگن کا سا مزہ ملتا ہے بلاشبہ یہ روایت انجم انصار نے ہی ڈالی کہ کہانیوں پر تبصروں کے ساتھ ساتھ بہنیں اپنا دکھ درد، خوشی، غمی اور نسخے بھی ایک دوسرے سے بانٹتی ہیں۔ پاکیزہ کے یہ صفحات اسی طرح سدا آپ کو خوش آمدید کہتے رہیں گے اور ہمیں پوری امید ہے کہ آپ سب اسی طرح محفل کی رونق بڑھاتی رہیں گی۔

انشاء اللہ آپ سے گفتگو بھی ہوتی رہے گی۔ یہاں آپ کے لیے تمام رابطہ نمبرز دیے جا رہے ہیں...... نزہت اصغر۔03331626612 آفس لینڈ لائن۔02135386783۔02135802552 ایکسٹینشن 107,118,122

اور حسب روایت نت نئی خبروں اور سرگرمیوں پر ایک نظر ڈالنے سے قبل ایک بار خلوصِ دل سے درود ابراہیمیؑ اور اس کے بعد تین بار آیت کریمہ ضرور پڑھ لیں اور اپنی دعاؤں میں اپنے پیاروں کے ساتھ ساتھ تمام اہلِ وطن کو بھی یاد رکھیں۔ اللہ رب العزت عالمِ اسلام کی تمام پریشانیوں کو رفع کرے اور تمام مسلمانانِ عالم کو سرخروئی نصیب ہو۔ (الٰہی آمین)

مصنفات، شاعرات اور قارئینِ پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ مستقل تبصرہ نگار تسنیم ماپارا کے ہونہار نواسے کی حفظ قرآن کی تقریب منعقد ہوئی جس نے ماشاءاللہ صرف ساڑھے آٹھ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا۔ اس موقع پر عذرا رسول صاحبہ نے بھی شرکت کی اور وہاں موجود مہمان خواتین نے پاکیزہ سے جس لگاؤ اور محبت کا اظہار کیا اور بے انتہا پزیرائی کی وہ قابلِ قدر ہے۔ (اراکین پاکیزہ کی جانب سے تسنیم ماپارا اور ان کی بیٹی کو بے حد مبارک باد)

☆ پاکیزہ میں سلسلے وار شائع ہونے والا نگہت سیما کا ناول اعتبار وفا شائع ہوگیا ہے جس کا انتساب انجم انصار اور آمنہ حماد کے نام ہے۔ پُر محبت کہانی، ناول کی صورت میں یکجا ہوگئی ہے جسے آپ دوبارہ پڑھیں گی تو مزید لطف آئے گا (انشاءاللہ......) کتاب کی قیمت صرف ایک ہزار روپے ہے اور کتاب منگوانے کا ایڈریس ہے القریش پبلی کیشنز، سرکلر روڈ، چوک اردو بازار لاہور فون نمبر 042.37652546

☆ نیویارک میں مقیم معروف شاعر مشیر طالب کا پہلا مجموعۂ کلام اندوہ تمام کتابی شکل میں شائع ہوگیا ہے، جس کا انتساب ان کی والدہ کے نام ہے، کتاب میں شامل ان کی نظمیں اور غزلیں ایک محب وطن شہری کی دلی ترجمانی کرتی ہیں، کتاب کی قیمت صرف تین سو روپے ہے، شاعر سے امریکا میں ٹیلی فونک رابطہ کرنا چاہیں تو اس نمبر پر کر سکتے ہیں۔ 0091746939944

☆ سلطنتی آفاق کا پُر مزاح سفر نامہ ذرا سا گھوم لوں میں کتابی شکل میں شائع ہوگیا ہے، جس کے بارے میں محترمہ عذرا رسول صاحبہ اور عامرہ شاہد نے اپنی رائے بھی دی ہے۔ یہ دلچسپ کتاب منگوانے کے لیے آپ القریش پبلی کیشنز کو صرف فون کیجیے۔ کتاب گھر بیٹھے بذریعہ وی پی طلب کریں۔ کتاب کی قیمت صرف تین سو روپے ہے۔ القریش پبلی کیشنز کا فون نمبر نوٹ کر لیں۔ 042.37668958

☆ مستقل تبصرہ نگار مسرت پرویز، کراچی کے بیٹے کا نکاح ہوگیا ہے، رخصتی چند ماہ بعد ہوگی۔ (بہت، بہت مبارکاں)

☆ گزشتہ ہفتے پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار ثمینہ وحید کی بھتیجی ارم کا نکاح اپنے کزن شجاع کے ساتھ لاہور میں ہوا۔ دولھا، دلہن دونوں ڈاکٹر ہیں۔ (مبارک ہو)

☆ انجم انصار کے بڑے بیٹے عظیم صدیقی کے ہاں بیٹا ہوا ہے جس کا نام محمد سالار عظیم رکھا گیا ہے۔ (مبارک باد)

☆ مستقل تبصرہ نگار نرگس نسیم، صابہ موہڑہ اب چکوال شہر سے نکلنے والے ایک روزنامے میں باقاعدگی سے کالم لکھ رہی ہیں جسے بہت پسند کیا جا رہا ہے۔ (مبارکاں)

☆ مستقل تبصرہ نگار فائزہ فاروق سحر، لاہور کا پیارا بھتیجا اور بھانجا اپنی، اپنی کلاس میں اول پوزیشن لائے ہیں۔ (مبارک باد)

☆ صائمہ سجاد جنگش، کوہاٹ کے بچے ماشاءاللہ اچھے نمبروں سے کامیاب ہو کر اگلی کلاسوں میں چلے گئے ہیں۔ (مبارکاں)

☆ مستقل قاری و ہماری پیاری تبصرہ نگار سنبل ملک، لاہور اپنی والدہ کے ساتھ عمرے کی سعادت حاصل کر کے بخیرو عافیت

وطن واپس لوٹیں (بے حد مبارک باد) سنبل کے حوالے سے دوسری خبر یہ ہے کہ وہ چھٹیوں میں محلے کی بچیوں کو رضا کارانہ طور پر سلائی، کٹائی کی تربیت دے رہی ہیں۔ (ماشاءاللہ)

☆تبصرہ نگار صائمہ سید، کراچی اپنے بھائی کی نوکری کے لیے بہنوں سے خصوصی دعا کا کہہ رہی ہیں۔

دعائے صحت کے لیے التماس ہے

☆رفعت سراج کی آنکھ کے موتیے کا آپریشن ہوا ہے

☆شگفتہ شفیق کی آنکھ کے موتیے کا آپریشن ہوا ہے۔

☆رفاقت جاوید کی طبیعت ناساز ہے۔

☆معروف فنکارہ نائلہ جعفری کینسر کی آخری اسٹیج پر ہیں۔

☆ذکیہ ایوب کی آنکھوں میں تا حال روشنی نہیں آئی ہے۔

☆مستقل قاری ہما یاسمین کی آنکھ کا لیزر آپریشن ہوا ہے۔

☆صائمہ سید، کراچی کی والدہ رفعت جہاں کی ذہنی و جسمانی صحت کے لیے خصوصی دعا کی درخواست ہے۔

☆شاعرہ فریدہ جاوید فری، لاہور کو آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔

☆ہم سب کی لاڈلی، پاکیزہ کی مخلص ساتھی امینہ عندلیب سلانوالی کی صحت و سلامتی کے لیے خصوصی دعا۔

☆تبصرہ نگار صائمہ سجاد بخش کو ہاٹ کے سسر کا دل کا آپریشن کامیاب ہوگیا۔ (الحمدللہ)

☆مستقل تبصرہ نگار نرگس نسیم، صابہ موہڑہ کا بیٹا گزشتہ دنوں ایک حادثے میں زخمی ہوگیا تھا اب روبصحت ہے۔ (الحمدللہ)

انتقال پُرملال

☆نامور افسانہ نگار و معروف ڈراما رائٹر اور شاعرہ فردوس حیدر گزشتہ دنوں انتقال کر گئیں۔

☆طویل عرصے تک جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز سے وابستہ رہنے والے ناقابلِ فراموش جاسوسی ناولوں کے خالق ایم اے راحت انتقال کر گئے۔

☆مستقل قاری مہناز اسد کی والدہ کا لاہور میں انتقال ہوگیا ہے۔

☆معروف نعت خواں اور قوالی میں منفرد مقام رکھنے والے امجد صابری کی اس ماہ پہلی برسی ہے۔

☆ہم سب کی رقیہ بجیا کی اس ماہ برسی ہے۔

☆اس ماہ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار نشاط فاطمہ، کراچی کی برسی ہے۔

☆شہناز پروین اہلیہ قائم عباس، اسلام آباد کی اس ماہ پہلی برسی ہے۔

☆☆☆

✉ شمیم فضل خالق، پشاور سے۔ ''خدا کرے انجم کہ میرا یہ خط تمہیں ہنستا مسکراتا اور صحت مند پائے۔ (آمین) آج پاکیزہ کا نیا شمارہ ملا ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے بہنوں کی محفل پڑھی اور سمجھو پاؤں سے زمین نکل گئی اور سر سے آسمان ہٹ گیا۔ انجم یہ تم نے کیسی خبر دی کہ تم پاکیزہ کی ایڈیٹر شپ سے الگ ہو رہی ہو۔ ایسا کیوں سوچا انجم تم نے، خدا کے فضل سے اب تم ٹھیک ہو، کیوں فارغ رہنا چاہتی ہو۔ فارغ رہ کر تو بندہ اور زیادہ بیمار پڑ جاتا ہے تم ناول مت لکھو، افسانے مت لکھو، جلتے تک بھی لکھنا چھوڑ دو بھلے سے روحانی مشورے بھی مت لکھو لیکن پاکیزہ کو مت چھوڑو۔'' (شمیم آپا، آپ کی محبت اور خلوص سر آنکھوں پر کوئی بھی تو نہیں چاہتا تھا کہ انجم آپی پاکیزہ سے جائیں محترمہ عذرا رسول سے تو اُن کی اس بارے میں کافی دن تک بات چیت بھی چلتی رہی مگر انجم باجی مزید کام کرنے سے مسلسل معذرت کرتی رہیں ظاہر ہے ان کی صحت ہمارے لیے بھی سب سے اہم تھی۔ اس لیے ان کی معذرت قبول کرنا پڑی۔ انشاءاللہ زندگی رہی تو انجم انصار سے ملاقاتیں ہوتی رہیں گی۔ آپ ان کو خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیں، یار زندہ صحبت باقی! امید ہے آپ اپنی تحریروں کے ذریعے پاکیزہ سے سلسلہ جوڑے رکھیں گی)

✉ ہماری بے حد سینئر تبصرہ نگار ڈاکٹر ممتاز ضیا، کراچی کا ٹیلی فونک تبصرہ.......''سب سے پہلے میں اپنی تمام بہنوں کا تہ دل سے شکریہ ادا کروں گی جنہوں نے میرے لیے دعائیں کیں......بہنوں مجھے ماہِ رمضان کی خصوصی دعاؤں میں بھی یاد

رکھے گا۔ سالگرہ نمبر مجموعی طور پر بہت شاندار رہا ہے اور جس محبت سے تمام تبصرہ نگار بہنوں اور قلمکاروں کا ذکر ہوا، وہ قابلِ ستائش ہے۔ انجم نے گم شدہ محبت میں سب کو گم کر دیا۔ بہت عمدہ اختتام ہوا۔ اس کے علاوہ دوسرے ناول بھی اچھے جا رہے ہیں، یہ کہاں بچیں کہ دل ہے دلچسپ سے دلچسپ ہوتا جا رہا ہے۔ پچھلے دو شماروں کی تمام تحریریں اچھی تھیں۔ مہناز عرفان کا انٹرویو بہت اچھا تھا، نزہت تم رائٹرز کے انٹرویو بہت اچھے کرتی ہو، اپنی عذرا کو بھی ہر ماہ باقاعدگی سے بہنوں سے مخاطب ہونا چاہیے۔ پاکیزہ کی سالگرہ کی محفل بہت خوب صورتی سے سجی ہوئی تھی۔ رضوانہ پرنس کے بھائی اور رفعت سراج کے والد کی وفات پر تعزیت...... ان کے لیے خاص طور پر دعائے مغفرت کی۔ تفصیلی تبصرہ آئندہ ماہ دوں گی۔'' (پیاری ممتاز آپا! شکر الحمدللہ ...آپ اب روبصحت ہیں، آپ کی آواز سن کر بہت اچھا لگا اور بھئی ایڈیٹر شپ کی مبارک باد دینے کا بھی شکریہ...... آپ کے تبصرے کے بغیر یہ محفل ادھوری رہتی ہے، اب باقاعدگی سے آیئے گا، اللہ آپ کو صحت و سلامتی سے رکھے، عذرا صاحبہ تک آپ کا پیغام، سلام پہنچا دیا ہے)

✉ دردانہ نوشین، مظفر گڑھ سے۔ ''ماہنامہ پاکیزہ کے اجرا کے پینتالیس سال مکمل کرنے پر مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جلد صحتِ کاملہ سے نوازے۔ آپ کی پاکیزہ سے وابستگی بے حد مقبول ہے۔ اور چھوڑنے کی خبر سے لکھاری اور قاری بہنوں میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ اللہ سے خیر اور بہتری کی دعا ہے۔ پاکیزہ سے میرا تعلق نیا نہیں اگرچہ اس میں تسلسل نہ رہا۔ (ہمیں معلوم ہے آپ ہماری پرانی قلمکار ہیں) انجم انصار نے بہنوں کی محفل کا آغاز خوب صورت مختصر حمد و ثنا سے کرنے اور اختتام سچے دل کی دعا سے کرنے کی بنیاد ڈالی۔ یہ پاکیزہ کا یونیک حسن ہے۔ (جی بے شک) نفیسہ سعید کا افسانہ سالگرہ کا دن آیا ہے بامعنی ہے۔ چھوٹی، چھوٹی خوشیوں پر خود ساختہ شریعت کی قدغن نہیں لگانی چاہیے۔ زندگی کو حبس زدہ قفس نہیں کرنا چاہیے۔ عاشفہ مسعود کا افسانہ اللہ مہمان بھی اصلاحی ہے، خواتین کی بے مقصد کنجوسی اور لین دین پر سخت رویے کی ناگوار عادت کی نشان دہی کی گئی ہے۔ باتیں بہار و خزاں کی میں کیا میں بھی لکھ سکتی ہوں؟ (جی ہاں ضرور) نزہت اصغر نے مہناز عرفان کا انٹرویو خوب کیا...... روایتی سوالات سے ہٹ کر ہے۔ (بہت، بہت شکریہ) سلمیٰ غزل میری باجی ماں جی، دل گداز تحریر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی باجی کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس کی راحت نصیب ہو، آمین۔ پاکیزہ میں لکھنے اور پڑھنے والی بہنوں کا ایک آنگن کا سا تعلق ہے، مجھے ایسا ماحول اچھا لگتا ہے جس میں حسد، رقابت اور منافقت نہ ہو۔'' (آپ نے بالکل درست کہا ہماری یہی خواہش ہے کہ بہنیں یہاں بلا تکلف اظہار رائے کریں مگر آدابِ محفل ملحوظ خاطر ضرور رہوں)

✉ نسرین جمیل سیال، گجرات۔ آپ کی کہانیاں قابلِ اشاعت ہیں اور یکے بعد دیگرے جگہ پاتی رہیں گی۔ دراصل طویل ناول کے سلسلے میں انتظار کرنا پڑ جاتا ہے۔ اس مرتبہ تو آپ اپنی کہانی دیکھ کر خوش ہو جائیں۔

✉ پروین افضل شاہین بہاول نگر سے۔ ''اس بار مئی کا شمارہ پھولوں کلیوں کے سرورق سے سجا میرے ہاتھوں میں ہے، یہ پڑھ کر دل بہت دکھی ہوا کہ آپ پاکیزہ کی ایڈیٹر شپ چھوڑ رہی ہیں پلیز اپنے اس فیصلے پر نظرِ ثانی کریں اور ایڈیٹر ہی رہیں۔ ہم آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ ساجدہ ظفر اور راحت وفا راجپوت کے خطوط بہت ہی شاندار تھے۔ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو انہیں انعام ضرور دیتی۔ آپ نے میری پیاری آپی فریدہ جاوید فری جو کہ میری نند ہیں کے خط کے جواب میں فرمایا ہے کہ پروین کا کافی غصے بھرا خط آیا ہے کہ ان کا ذکر نہیں کیا گیا۔ باجی غصہ بھی تو اپنوں پر کیا جاتا ہے اگر میرا غصہ آپ پر گراں گزرا ہے تو میں معافی چاہتی ہوں۔ (ارے ایسی کوئی بات نہیں) پاکیزہ سالگرہ نمبر دو بھی پہلے کی طرح شاندار رہا۔ آپ کا ناول گم شدہ محبت کی آخری قسط زبردست رہی یہ ناول ہمیں مدتوں یاد رہے گا۔'' (پروین آپ کے جذبات انجم آپی تک پہنچائے جا رہے ہیں، آپ کی محفل آپ لوگوں کے ہی خلوص بھرے خطوط سے سجائی جاتی ہے لہٰذا تبصرہ بھیجتی رہیے)

✉ فائزہ فاروق، ماڈل ٹاؤن لاہور سے۔ ''خوب صورت پھولوں سے سجا پاکیزہ دل خوش کر گیا۔ کہانیوں میں گم شدہ محبت ہی نمبر ون ہے۔ امرت بھی خوب جا رہی ہے۔ امید کرتی ہوں آگے جا کر زیادہ انٹرسٹنگ ہو جائے گی ابھی تو اتنے رشتے دار سمجھ نہیں آ رہے اور جو سمجھ آ رہے ہیں آگے پیچھے ہو جاتے ہیں۔ جلترنگ خوب تھا۔'' (چھوٹے سے تبصرے کا بڑا شکریہ)

✉ مسز نگہت غفار، کراچی سے۔ ''آپ کا ڈھیروں ڈھیر شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے میرا مان رکھ لیا اللہ آپ کو دین و دنیا کے ہر امتحان میں کامیابیوں اور خوشیوں سے نوازے، آمین۔ قیصرہ حیات کی کتاب انوار اسما النبیؐ سے لیا اقتباس

بھی بڑھا نور کی کرنیں وجود کے اندر تک اترتی محسوس ہوئیں۔ اللہ اور اس کا نور قابلِ احترام محترمہ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کے قلم سے مقدس اور پاکیزہ کلام پڑھا روح کے اندر تحلیل ہوتی عبارت سے فیض کے چشمے سے ابل پڑے۔ اللہ رب العزت اس قابلِ احترام ہستی کو مکمل صحت لمبی عمر دین و دنیا کی ہر نعمت سے نوازے۔ سب سے پہلے طیبہ عنصر مغل کا افسانہ پڑھا بہت خوب رہا۔ دوسرے نمبر پر سیما بنت عاصم کا کردو کچھ ایسا کہانی پڑھی مختصر مگر پُراثر کہانی تھی کیسی ہو بیٹا؟ غزالہ عزیز یہ عشق نہیں آساں بہت اچھی کہانی تھی۔ بہنوں کی محفل میں سلمیٰ غزل نے فہد کی شادی کی مبارک باد دی...... بہت شکریہ نوازش خیر مبارک۔ پروین افضل شاہین بہت نوازش میرے بیٹے کی شادی کے احوال کو پسند کیا۔ رفعت سراج کے والد محترم کو اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں جگہ دے۔ ننھے موسیٰ کو غفور الرحیم بہت ہی لمبی عمر مکمل صحت اور دین و دنیا کی ہر کامیابی نصیب کرے (آمین)۔" (نگہت بہن آپ کا پرانا خط موصول ہوا دیکھیں پھر بھی شاملِ اشاعت ہے)

✉ تسنیم منیر علوی، دبئی۔ والد کی وفات پر ہماری طرف سے تعزیت قبول کیجیے۔ آپ کے پُرخلوص جذبات شاملِ اشاعت ہیں۔ کہانیوں اور تبصرے کے ذریعے اپنی شمولیت جاری رکھیے۔ اللہ آپ سب کو صحت وسلامتی سے رکھے۔

✍ صائمہ سید، کراچی سے۔ "ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کے قرآن پاک کے ایک نسخے کے بارے میں پڑھ کر خود کو لکھنے سے روک نہیں پائی۔ آنٹی کیوں نہ ہم ایسا کریں کہ ادارہ پاکیزہ کی جانب سے ذکیہ بلگرامی صاحبہ کے اعزاز میں ایک چھوٹی سی تقریب کا انعقاد کریں جس میں ان کی کاوشوں کو ایک عدد ایوارڈ سے نوازا جائے مانا کہ یہ ان کی خدمتوں کا ایک ادنیٰ سا اعزاز ہوگا لیکن اس کے دو فائدے ہوں گے۔ پہلا یہ کہ ہم جیسی کراچی میں رہنے والی پاکیزہ بہنیں ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی سے ملاقات کا شرف بھی حاصل کرلیں گی۔ جو کہ ہم سب ہی کی دلی آرزو ہے۔ دوسرا یہ کہ اس اقدام سے دوسرے ادارے بھی ایک اچھی مثال قائم کرنے کی کوشش کریں گے کہ ہم کس طرح اپنی رائٹر کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ (ڈیئر آپ کی تجویز اچھی ہے اور پاکیزہ اس طرح کی نشستیں کرتا بھی رہا ہے۔ اب ذکیہ آپا ضعفِ طبیعت کے باعث کہیں آتی جاتی نہیں۔ ہاں آپ سب کے جذبات، خیالات ان تک پہنچائے جاتے ہیں اور وہ رسالے کے ذریعے آگاہ بھی رہتی ہیں) اب تو بفضلِ خدا نیکیوں کا موسم بہار ماہ صیام شروع ہونے کو ہے۔ جزاک اللہ سب ایک دوسرے کو دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔ اس بار رمضان ٹرانسمیشن میں جنید جمشید اور امجد صابری کی بہت کمی محسوس ہوگی (ہاں یہ تو ہے) اللہ انہیں جنت میں جگہ دے، آمین۔" (محبت بھرے خط کا شکریہ)

✉ آصفہ ضیا، حیدرآباد۔ آپ کی کہانی قریبی اشاعت میں شامل ہوگی۔ انتظار کی بے حد معذرت۔

✍ یاسمین کنول، پسرور سے۔ "پاکیزہ کا سالگرہ نمبر دو کا سرورق نیناں بتول نے پھولوں کے گہنے پہن کر خوب سجایا۔ بہت اچھا لگا گرم موسم میں ایسا نظارہ نظروں کو ویسے ہی بھلا لگتا ہے سفید پھول پاکیزگی کا احساس دلا رہے تھے۔ (جی بالکل) اداریے میں آپ نے غلطی کے بارے میں خوب لکھا۔ واقعی انسان خطا کا پتلا ہے مگر عقل سمجھ بوجھ سے اعتراف اور دوبارہ نہ کرنا، غلطی کو درستی کی طرف لے آتا ہے۔ اللہ اور اس کا نور پسند آیا۔ گم شدہ محبت کی آخری قسط زبردست رہی۔ واقعی سچی محبتیں کبھی گم شدہ نہیں کہلاتیں۔ بہنوں کی محفل میں آپ نے پاکیزہ سے وابستگی کی داستان مختصر بیان کرنے کے بعد پاکیزہ سے بطور مدیرہ علیحدگی کا اعلان کیا ہے باجی ایسا غضب نہ کریں پلیز...... بطور مدیرہ کوئی اور پاکیزہ میں کام کرے گی آپ بطور مصنفہ لکھتی رہیں گی...... لیکن وہ سلسلہ تو نہیں ہوگا جو ہزاروں بہنوں کا قلبی سلسلہ ہے آپ سے عقیدت وانسیت کا۔" (یاسمین پاکیزہ کے صفحات آپ کے لیے ہی ترتیب دیے جاتے ہیں ہم آپ کے پُرخلوص جذبات کی قدر کرتے ہیں، اپنی آرا سے نوازتی رہیں)

✍ رضوانہ سحر ناز، فوجیوں والا ریناله خورد سے۔ "باجی پاکیزہ رسالہ بہت اچھا ہوتا ہے اس میں زیادہ تر کہانیاں سبق دیتی ہیں اور یہ بہنوں کی محفل میں ساری بہنیں اپنی، اپنی باتیں ایک دوسرے سے بتاتی ہیں، ایسا ہی ایک واقعہ میں بھی بتا دیتی ہوں کہ جب ایک ماڈرن گھرانے کی ماں بیٹی خوب فیشن کر کے کہیں جارہی تھیں اپنے نئے ڈرائیور کے ساتھ جو مذہبی خیالات کا تھا۔ بیٹی کا لباس اور انداز نہایت قابلِ اعتراض تھا۔ جبھی ان کی باتوں پر ڈرائیور کو شدید غصہ آیا اور وہ چلتی گاڑی سے خود چھلانگ لگا کر اتر گیا گاڑی کو یونہی چھوڑ دیا، ر گاڑی ایک بہت بڑے حادثے کا شکار ہوئی۔ ماں تو فوراً مرگئی تھی مگر لڑکی زخمی

تھی۔ اسی نے بعد میں بتایا تھا کہ ہماری باتوں پر ڈرائیور نے وہیں دو دفعہ کہا کہ بی بی جی ایسی باتیں نہ کریں آپ مرنے والے گھر جا رہی ہیں اور پھر معلوم نہیں کیا ہوا کہ وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر کود پڑا۔ باجی آج کل ایسی بے راہ روی اور بے تکے فیشن بہت بڑھ گئے ہیں۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا۔ اللہ سب کو اس سے بچائے۔'' (جی سحر ناز اللہ پاک ہم سب کی رہنمائی کرے اور ہم برائیوں کی دلدل میں دھنسنے سے بچیں رہیں۔ بہت دردناک واقعہ آپ نے بتایا۔ سبق آموز کہانیاں پسند کرنے کا شکریہ)

٭ طیبہ عنصر مغل، راول پنڈی سے۔ ''پاکیزہ ہمیشہ ہی بہت شاندار ہوتا ہے لیکن اس بار بہت ہی جاندار لگا کہ ہماری سکھیوں کا جھرمٹ تھا۔ مئی کے شمارے میں انجم آپی کے ناول کی آخری قسط بہت دلچسپ تھی لیکن تشنگی باقی ہے۔ رفعت سراج جی کی تحریر نے ہمیشہ کی طرح ہمیں جکڑ لیا تھا لیکن بھلا ہو شیریں حیدر جی کا ایسا امرت ٹپکاتی تحریر کہ ہم تو رفعت جی کے سحر سے آزاد ہو گئے لیکن بڑی ظالم نکلی ہیں سحر ساجد کہ بیچارے حیدر کو بستر پر پٹخ دیا لیکن کیا رخ موڑا مبارک ہو سحر جی، من جاں بازم لکھنے کا شکریہ...... سیمارضا جی لگتا ہے آپ تو اب ہماری جان لیں گی۔ کیا کمال کی قسط تھی اس بار...... لیکن بچ گئے کہ رفاقت جاوید جی نے اتنی خوب صورت تحریر سے من موہ لیا بہت ہی زبردست، ام ایمان آپ کی کہانی کی ابتدا میں لگا کہ ست بھرائی کا حج بہ ہی تو نہیں کر ڈالا لیکن نہیں بھئی کہانی کا بڑا اچھا اختتام کیا، افسر سلطانہ جی ذرا یہ تو بتائیں جب اتنا اچھا لکھتی ہیں تو لکھنے میں کنجوسی کیوں، آپ تو بہت خوب لکھتی ہیں، گلہ بعد میں کریں گے پہلے خراج تحسین میری دوستوں کے لیے، بشریٰ گوندل، نفیسہ سعید کیا سالگرہ کا تڑکہ لگایا اوپر سے ہما بیگ جی نے تھوڑا سا گرم مسالا چھڑک کر ساجن کی سہیلی کا خوشبو ہی پھیلا دی لیکن اس سے پہلے کہ ہم بے ہوش ہوتے اک لمحۂ آگہی لیے ثمینہ عظمت علی آ گئی ہیں کہ جاؤ دیکھو قرۃ العین کیا زبردست سفید لباس لائی ہیں بہت کمال کی تحریر، کیا کہنے مائی بیسٹ فرینڈ اور اللہ مہمان بہت سبق آموز رہی۔ ذکیہ بلگرامی تو مجھے کوئی روحانی ہستی لگتی ہیں۔ سلامت رہیں (آمین) اداریہ، جلترنگ، پاکیزہ ڈائری، خصوصی مضامین، سرورق جس میں ہم بھی شامل تھے، وہ آئے بزم میں، نزہت پیاری کی محنت نظر آتی ہے شاعری، روحانی مشورے اور ہم بہنوں کی محفل بہت ہی خوب صورت تھا سب کچھ۔ اللہ تعالیٰ پاکیزہ کو دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی دے۔ (آمین) آمنہ حماد بھی بہت محنت کرتی ہیں پھر بھی پُرسکون رہتی ہیں، عذرا رسول جی کے انٹرویو سنیے والے کا انتظار رہے گا۔ اب انجم آپی سے ایک تفصیلی انٹرویو بھی کر ہی ڈالیں۔'' (بہت خوب صورت تبصرے کا شکریہ جی ہاں جلد ہی آپ کی فرمائش پوری ہوگی)

٭ رخسانہ ناصر، کراچی سے۔ ''انجم اللہ آپ کو صحت و تندرستی عطا فرمائے ہم سب بہنوں کی خاص دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ لیکن اب دل بہت بجھ سا گیا ہے کہ آپ کے بنا کیسا لگے گا۔ پلیز کچھ رابطہ رکھنا۔ (باجی کا نمبر تو آپ کے پاس ہے ہی جب جی چاہے فون کر لیجیے گا) سالگرہ نمبر کے دونوں شمارے زبردست تھے۔ نگہت سیما کی کہانی قصہ ایک کردار کی تلاش کا...... اور شاعمران کی عشق ممنوع زبردست، دل میں اتر گئیں۔ اس مرتبہ آپ کے ناول کا بھی اختتام ہوا شکر ہے کہ ہیپی اینڈ تھا۔ جبکہ قسمت نے عامر جیسے شکی مرد سے بچالیا۔ سلمیٰ غزل کی میری باجی ماں جیسی نے میرے چند ماہ پہلے کے زخم تازہ کر دیے۔ میری آپا بھی ایسی ہی تھیں انشاء اللہ میں بھی اپنی آپا کے بارے میں ضرور لکھوں گی۔ (جی ضرور) میں پوری بہنوں کی محفل پڑھتی ہوں ہر بہن سے تحریر کے ذریعے انسیت ہو گئی ہے۔ میں بہت زیادہ کام کر کے تھک جاؤں یا ویسے ہی کوئی ذہنی ٹینشن ہو تو سب کچھ چھوڑ کر پاکیزہ لے کر بیٹھ جاتی ہوں تھوڑی ہی دیر میں ریلیکس ہو جاتی ہوں۔'' (ارے واہ، دیکھا پاکیزہ کا کمال)

٭ صائمہ سجاد بنگش، کوہاٹ سے۔ ''سالگرہ نمبر بھرپور تھا۔ مہناز عرفان سے مل کر خوشی ہوئی۔ ہم بھی ان کے ٹائم سے ہی گل بکاؤلی اور قصہ چہار درویش پڑھ رہے ہیں اب تو جیسے اصل کہانیاں گم سی گئی ہیں۔ مہناز عرفان کی رائے سے اتفاق کرتے ہیں۔ ہمارے ڈراموں سے ادب، لحاظ، شرم و حیا ختم ہو گئی ہے۔ کسی بھی کہانی کا چربہ مسالوں پر مسالے ڈال کر چلا رہے ہیں۔ سالگرہ نمبر میں پاکیزہ کے قلمکاروں ساجدہ حبیب، ناہید سلطانہ اختر، سیما یاسمین، قیصرہ حیات، شمیم فضل خالق، عنیزہ سید سے مل کر خوشی ہوئی ان کے تجربات ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں ان کو لکھتے رہنا چاہیے تاکہ ہم ان سے زیادہ سے زیادہ سیکھیں۔ (جی بالکل درست کہا صائمہ) عالیہ حرا اور نگہت سیما کے افسانے اچھے تھے۔ طیبہ عنصر مغل بھی اچھا لکھ رہی ہیں۔ ناہید سلطانہ اختر کا انتظار جیسے روحی بانو کی داستان تھی بہت برا ہوا روحی کے ساتھ، قسمت بھی کیسے، کیسے روپ دکھاتی ہے۔ پاکیزہ کی طرف سے انعام موصول ہوا۔ بہت خوشی ہوئی شمیم فضل خالق کی کتاب موٹاپا اور میں سے بھرپور استفادہ

حاصل کروں گی۔ پاکیزہ ایسے ہی ہماری ہمت بندھاتا رہے۔ اس کی شہرت قدر و منزلت اور بڑھتی رہے۔'' (جی ہاں بالکل ہم آپ کی حوصلہ افزائی کے لیے ہمہ وقت حاضر ہیں)

✿ ثمر کاظمی، ڈیرا اسماعیل خان سے۔ ''پاکیزہ کے سرورق منفرد قسم کے ہوتے ہیں لیکن سادہ ٹائٹل بھی ہونا چاہیے۔ خوب صورت گجروں سے سجی لڑکی بہت بھائی۔ انجم انصار آپا آپ نے خوب صورتی سے کہانی کا اختتام کیا ورنہ مجھے لگا تھا عامر بازی لے گیا۔ امرت معذرت کے ساتھ اکٹھا پڑھوں گی۔ شیریں حیدر کا نام ہی کافی ہے بہت اچھا لکھتی ہیں، رفعت سراج، صوفیہ میڈم کو بہت پُراسرار بنا رہی ہیں، سفینہ اور زارا کے درمیان پرنس چکی میں پس رہا ہے کہانی تجسس سے بھرپور ہے، سیما رضا ردا کا نام پہلی دفعہ دیکھا ہے، ٹھیک چل رہی ہے ان کی کہانی پر یہ روزی نامی بلا کافی خطرناک ہے۔ (سیما معروف براڈ کاسٹر اور ہماری پرانی رائٹر ہیں) واؤ رفاقت جاوید کا مکمل ناول ڈوب کے پڑھا اور بہت پسند آیا۔ سحر ساجد میری پسندیدہ، بس مومو اب بس بھی کروا تنا پاگل پن سعد کے ساتھ کچھ کم کیا تھا اور پلیز سحر جی اب ہنیا اور حیدر کو جدا مت کر دینا۔ افسانوں میں مجھے مائے نی اور نیت شوق پسند آیا۔ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی صاحبہ کی پُر اثر تحریریں بہت پسند آتی ہیں، کچھ دن پہلے میں نے پرانا پاکیزہ بھی پڑھا معیار بہت اچھا ہو گیا ہے، وہ آئے بزم میں مہناز عرفان کے ساتھ ملاقات اچھی رہی۔ پلیز ثمرہ احمد اور سائرہ رضا کو بھی اس میں لے آئیں۔'' (جی انشاء اللہ..... مختصر تبصرے کا شکریہ)

✿ توقیر ہاشمی، منڈی بہاؤالدین سے۔ ''جب سے بہنوں کی محفل پڑھی ہے دل مسلسل پریشان اور حیران ہے آپ نے یہ کیا کہہ دیا اللہ آپ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ سب پاکیزہ بہنوں کو آپ سے محبت ہے۔ باقی سارا رسالہ اے ون تھا۔ اپنی، اپنی جگہ پر پاکیزہ ڈائری، میں اکثر گنگناتی ہوں، جلترنگ، منتخب غزلیں بے حد پسند آئیں۔ آپ کی تصویر اور عظمٰی کی بہت اچھی تھیں۔ پاکیزہ اور پاکیزہ کی قلمکار اور مہناز عرفان صاحبہ کا انٹرویو بے حد پسند آیا۔ فرخندہ جعفری صاحبہ کا انٹرویو بھی پسند آیا لیکن ان کی اس بات سے میں اختلاف کروں گی کہ پُر اثر شخصیت بنانے کے لیے تعلیم ضروری نہیں ہے تعلیم کے بغیر تو انسان کچھ بھی نہیں اس کی زبان بول چال رکھ رکھاؤ سب میں تعلیم کا بہت بڑا عمل دخل ہے۔ خوب صورت رفاقتیں بہت خوب صورت لگیں رضا ربانی صاحب سے ایوارڈ لیتے ہوئے رفاقت جاوید بہت پیاری لگ رہی تھیں۔ ہاجرہ ریحان صاحبہ کی نیت شوق ایک گہرے موضوع پر پیغام دیتی تحریر تھی ہم کسی بھی وقت کسی سے کچھ نہ کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ نیا سویرا بھی ایک اچھی تحریر تھی ساجن کی سہیلی ایک کمپرومائز کرتی عورت کی تحریر اور پیغام تگی افسر سلطانہ صاحبہ کی ناولٹ بھی پسند آئی۔ مائی بیسٹ فرینڈ بالکل حقیقت کے عین مطابق تھی۔'' (توقیر بہن آپ کی محبتوں کا شکریہ، ہم سب انجم آپی کی صحت کے لیے دعا گو ہیں، آپ کا کہنا درست ہے تعلیم تو بے حد ضروری ہے مگر پہلے کی مائیں بظاہر اسکول کالج نہ جا کر بھی بہت سمجھدار ہوتی تھیں آپ کا کیا خیال ہے؟)

✿ نرگس نسیم، صابہ موہڑہ سے۔ ''آپی روزانہ آپ کے لیے ہزاروں ہاتھ دعا کے لیے اٹھتے ہیں، انشاء اللہ میری پیاری آپی ٹھیک ہو جائیں گی۔ ہمیں آپ کی پاکیزہ سے جدائی گوارا نہیں۔ مگر سب سے بڑھ کر آپ کی صحت بھی عزیز ہے۔ آپی اب ہمیں کون پیار سے خطوط کے کھٹے میٹھے جواب دیا کرے گا۔ کون ہمارے دکھ سکھ بن کر محبت کی چاشنی سے گوندھے ہوئے لہجے سے حوصلہ دے گا۔ (حوصلہ نہ ہاریں نرگس، ماہنامہ پاکیزہ کی شکل میں آپ کی سہیلی آپ کی رازدار ہر دم آپ کے ساتھ ہے) میں نے آپ کو بتایا تھا کہ میں چکوال کے نیوز پیپرز میں کالم لکھنے لگی ہوں تو چکوال شہر کے سینئر صحافیوں لکھاریوں کے لیے اعزاز کے طور پر چکوال کے ڈی سی او نے سرکاری طور پر اہلِ قلم کی خدمات کے اعتراف میں ایک ڈائریکٹری ترتیب دینے کا حکم دیا ہے۔ جس میں تمام قلمکاروں کے مکمل کوائف بائیوڈیٹا انٹرویو بھی مع تصویر کے شامل ہو رہے ہیں یہ میرے لیے بہت بڑے اعزاز کی بات ہے کہ میرا نام بھی چکوال کے سینئر صحافیوں، ادیبوں، کالم نگاروں میں آیا ہے، بہت کم جونیئر لوگوں کے حصے میں یہ اعزاز آتا ہے۔'' (نرگس آپ کی کامیابیوں کا پڑھ کر بہت خوشی ہوئی اللہ آپ کے قلم کو رواں رکھے۔ آپ کے جذبات قابلِ قدر ہیں)

✿ ہادیہ احمد، میرپور خاص سے۔ ''سالگرہ نمبر دو میرے لیے جیسے میری سالگرہ سے بڑھ کر خوشی لایا۔ اپنا نام اور ڈائری میں اپنا حصہ دیکھ کر ایسی خوشی ہوئی کہ جی چاہا زور، زور سے چیخوں کہ دنیا والوں دیکھو میں نے کر دکھایا۔ بہت نوازش اور بہت شکریے کے ساتھ کیونکہ اس ادارے نے بہت سے لوگوں کو ان کا نام اور مقام دیا۔'' (آپ سب کی صلاحیتوں کو

اجاگر کرنے کے لیے ہی تو ادارہ سرگرمِ عمل ہے۔ آپ کی خوشی یقیناً ہماری خوشی ہے۔ کہانیوں پر تبصرہ بھی ضرور لکھیں)

✍ ارم کمال، فیصل آباد سے۔ ”سب کو رمضان کی اور عید کی بہت مبارک باد...... اس دفعہ کا ٹائٹل خوب پھولوں سے آراستہ تھا اور ماڈل کی مسکراہٹ ذو معنی سی تھی۔ اداریہ ہمیں اچھی زندگی گزارنے کی ٹپس دے گیا بس ہمیں عمل کی توفیق ملے (آمین) سب سے پہلے اپنا موسٹ فیورٹ ناول گم شدہ محبت پڑھا۔ آگہی کا سفر صبا سے درست فیصلہ کروا گیا ورنہ تو صبا دونوں میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ رفعت سراج کے والد کا بہت افسوس ہوا اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے، آمین۔ یہ کہاں بچیں کہ دل ہے پڑھ کر دل و دماغ انوکھی کیفیات کا شکار ہوتے ہیں ہر لفظ اور ہر حرف مسمرائز کرتا جاتا ہے۔ لیڈی صوفیہ کا تمکنت بھرا شاہانہ انداز بہت فیسی نیٹ کرتا ہے، شیریں حیدر کا امرت سپرڈ و پر جا رہا ہے۔ دیگر کہانیوں میں اک لمحۂ آگہی، مائے نی اور اللہ مہمان بہت پُراثر تحریریں رہیں۔ زاولٹ خزاں کے بعد نے دل لرزا کر رکھ دیا واقعی بیٹیوں کے رشتے طے کرنا پل صراط طے کرنے کے برابر ہے۔ شکر ہے عنایہ کی تکالیف کو عامر نے ثابت قدمی سے ختم کر کے روشنیوں سے بھر دیا۔ نیا سویرا پڑھتے، پڑھتے لفظ سارے بھیگ گئے۔ مکمل ناول بے مشروط محبت کے سنگ رفاقت جاوید کی شاندار تحریر رہی۔ ویسے مردوں کی یہ اقسام تقریباً ناپید ہی ہیں۔ مہناز عرفان سے ملاقات تشنگی چھوڑ گئی۔ بہنوں کی محفل پڑھتے ہی دل کو یکا یک شاک لگا۔ باجی آپ کی بدولت تو پاکیزہ کی آن بان اور شان ہے۔ ہم سب بہنیں آپ کی پُرخلوص محبتوں کی بدولت ایک لڑی میں پروئی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو پوری صحت عطا کرے آمین۔“ (دعاؤں کا بے حد شکریہ! تبصرہ بھی خوب ہے آپ کو بھی ماہِ رمضان اور عید کی سعادتیں نصیب ہوں)

✍ ظلِ شاہین، رحیم یار خان سے۔ ”الحمد للہ پاکیزہ اپنے دامن میں پاکیزگی کے پھول لیے زندگی کی پینتالیس بہاریں سمیٹ چکا ہے اور دعا ہے رب کریم سے کہ ہمارا پاکیزہ جو ایک رسالہ نہیں بلکہ ایک خاندان ہے اس خاندان کو اللہ تعالیٰ خلوص و محبت اور عزت و احترام کے جذبات کے ساتھ طویل العمری اور دوام بخشے، آمین۔ اداریہ حسبِ حال موضوع کے ساتھ مناسب ہے۔ دین کی باتیں اور اللہ اور اس کا نور طمانیتِ قلب کا ذریعہ ہے جبکہ شمع ہدایت اس بار جھوٹ کے موضوع پر بہترین تحریر ہے۔ محترمہ ذکیہ آنٹی اور محترمہ اختر شجاعت آپا کو میرا عقیدت بھرا سلام پہنچا دیجیے گا۔ (ان کی طرف سے وعلیکم السلام) یہ پڑھتے ہی بہنوں کی محفل میں حاضری دی یہاں تو سالگرہ کا خوب صورت فنکشن چل رہا تھا۔ محترمہ عذرا رسول آپا کا پیغام ان کی دعائیہ گفتگو پڑھ کر اچھا لگا۔ پاکیزہ سے میرے تعلق کو دو دہائیوں سے زائد کا عرصہ بیت گیا الحمد للہ ایوارڈز بھی حاصل کیے اور کئی بار مراسلات بھی انعام یافتہ قرار پائے مگر آج انجم باجی کے قلم سے میرے لیے یہ چند لائنیں یہ جملے ہی میرا سب سے بڑا ایوارڈ ہیں۔ بہرحال اس محفل کے سحر سے نکل کر گم شدہ محبت کی تلاش شروع کر دی کیا ندیم خان نے واقعی شادی کر لی تھی اور اب پھر انٹری دے دی آخر میں کچھ سمجھ نہیں آئی۔ اس بار بھی سیما جی آپ بازی لے گئیں۔ قصہ ایک کردار کی تلاش کا...... کہانی کا آغاز انتہائی منفرد انداز میں ہوا رائٹر کے مسائل کو اجاگر کیا۔ ابا کے روپ میں بہترین نقاد اور گائڈ بھی یعنی اصل کہانی سے پہلے ایک کہانی تھی جو بہت جاندار اور دلچسپ ہونے کے ساتھ، ساتھ علم و ادب کے ہر پہلو کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھی۔ آخر میں فروا کا کردار بہت قابلِ رحم لگا جبکہ آفاق جیسے سیریس اور سوبر کردار سے یہ توقع نہیں تھی۔ دوسری بہترین تحریر قانتہ رابعہ کی کمی لگی ذات پات حسب و نسب کے حوالے سے حقائق پر مبنی تھی۔ ہمارے رب کا فرمان ہے کہ تم سب آدم کی اولاد ہو اور یہ ذات قبیلے تو صرف تمہاری پہچان کے لیے بنائے گئے ہیں۔ محترمہ ناہید سلطانہ نے روحی بانو کی زندگی پر ایک دکھیا تحریر لکھی روحی بانو پر جب بھی کچھ لکھا جاتا ہے۔ معاشرے کی بے حسی پر بہت دکھ ہوتا ہے۔ روما، روحی اور سالا کنفیوزڈ عنوان دیکھ کر کہانی شروع کر لی مگر فضول بے تکی تحریر کچھ لفاظی پلیز معیار کو مدِنظر رکھیں۔ (جی ضرور) پاکیزہ ڈائری میں شاعری کے علاوہ سب اچھا ہوتا ہے۔ ہاں پروین افضل کی بھیجی نظم اچھی تھی جبکہ فریدہ ہاشمی کی غزل بالکل خاص نہیں اب تو بیوٹی ٹپس بھی اچھے آ رہے ہیں۔“ (بھرپور تبصرے کا شکریہ)

✍ فصیحہ آصف خان، ملتان سے۔ ”سالگرہ نمبر دو مشکبار سا سرورق نگاہوں میں اتر گیا۔ ان گلوں کی مہک سے آس پاس کا سارا ماحول معطر ہو گیا۔ جی اس کے بعد آپ کی پُراثر باتیں سیدھی دل میں جاگزیں ہو گئیں۔ اسلامیات کے مضامین پڑھ کر اپنا محاسبہ کرتی ہوں، محترمہ ذکیہ بلگرامی صاحبہ نہ صرف ہماری معلومات میں گرانقدر اضافہ کرتی ہیں

بلکہ اپنے گناہوں پر شرمندہ ہونے کا موقع بھی دیتی ہیں کہ ابھی وقت ہے، اپنا ہر عمل، ہر ساعت نیکی سے گزاریں۔ قارئین مجھے بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا کہ میں ٹانگوں کی تکلیف کی وجہ سے زمین پر سجدہ کرنے سے قاصر ہوں۔ خدا پاک مجھے زمین پر پیشانی ٹیکنے کی پھر سے ہمت دے، آمین۔ باجی آپ نے کہا کہ آپ پاکیزہ کو خیر باد کہہ رہی ہیں تو کسی کے جانے سے کام کہاں رکے ہیں مگر آپ کی موجودگی ہمیں محبت کا درس دے گئی ہے۔ آپ کی بدولت ہم سب نے بہت کچھ سیکھا۔ پاکیزہ کی ترقی و ترویج میں آپ کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ آپ تکلیف کی وجہ سے کام کو جاری نہ رکھ سکیں۔ میری یہی دعا ہے کہ آپ زندگی کا ہر کام صحت و تندرستی کے ساتھ انجام دیں۔ گم شدہ محبت کی آخری قسط خواب میں حقیقت معلوم ہونے پر صبا کو صحیح فیصلے پر پہنچا دیا۔ آپ نے زبردست اندازِ تکلم اختیار کیا۔ اور ہاں بہنوں کی محفل میں بہن راحت وفا راجپوت بھی نظر آئیں۔ آپ نے پُرخلوص انداز میں میری تعریف کی، شکریہ...... شکریہ فریدہ فری کا بھی جو بے لوث محبت میں اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔ اور فریدہ خانم کی غیر حاضری اچھی نہیں لگ رہی۔ امینہ عندلیب اور فریدہ فری کی صحت کے لیے خصوصی دعائیں۔ نفیسہ سعید کا سالگرہ کا دن آیا ہے۔ پُراثر تحریر تھی جو ایک باپ کی محبت اجاگر کرگئی۔ من جاں بازم کی کیا بات ہے، حیدر اور مومنہ کو کس طرح ملایا، واہ...... کہانی میں جان پڑ گئی۔ اب ہنیا اور مومنہ کے امتحان کا وقت ہے کہ حیدر کس کا نصیب...... اک لمحہ آگہی سب سوتیلی مائیں بھی بری نہیں ہوتیں یہی قول طارق کی ماں میں دکھائی دیا جو طارق کو صحیح راستہ دکھا گئی۔ ثمینہ عظمت ویل ڈن، رفعت سراج اور شیریں حیدر کے ناول توجہ کھینچنے میں کامیاب جارہے ہیں، سفید لباس، موبائل کی وبا اور نوجوان نسل کی بے راہ روی کو سامنے لاتے ہیں کامیاب رہی۔ مائے نی، بشریٰ گوندل نے بہت دلگداز تحریر لکھی۔ اپنوں کے لہجے میں آیا بدلاؤ، دل شکن الفاظ مجھے تو رونا ہی آگیا۔ عاشفہ مسعود کی تحریر اللہ مہمان تحریر سے زیادہ اخباری خبر لگی۔ بہر حال جو بھی تھی سمجھنے والی تحریر تھی۔ سیمارضا کا ہم کو عبث بدنام کیا میں تشمیرہ اور فاطر کی شادی کے خلاف ہوں کہیں ریبال، جینی کی زلفوں کا اسیر نہ ہو جائے۔ خوب صورت رفاقتیں، رفاقت جاوید کو بہت ساری کامیابیاں مبارک ہوں، باتیں بہار وخزاں میں فرخندہ جعفری صاحبہ نے دورانِ طواف میں جن خاتون کا ذکر کیا میرا تو دل دہل گیا۔ اور رب کا لاکھ، لاکھ شکر ادا کیا اس نے ہمیں بڑی تکلیف کے بجائے تھوڑی تکلیف دی کہ ہم برداشت کرسکیں۔ واؤ مہناز عرفان کے احوال کا حصہ نمبر دو پہلے کی طرح جاندار تھا۔ مجھے ان کے انٹرویوز میں ایک بات بہت اہم اور اچھی لگی کہ وہ رشتوں کو بہت اہمیت دیتی ہیں اور یہی انسان کا بڑا پن ہے۔ اللہ ان کی ازدواجی زندگی کو نظر بد سے بچائے، آمین اور ہاں پلیز مزیدار سے افسانے کے ساتھ جلد آیئے۔ شائستہ زریں کا سروے بھی خوب رہا۔ (سانوں وی شامل کرلو جی) (جی ضرور فصیحہ) جلترنگ میں ہمنوا کھٹا میٹھا سا لگا۔'' (تفصیلی تبصرے کا شکریہ، اب تو شکایت دور ہوگئی ہوگی)

✿ سنبل ملک اعوان، شاہدرہ، لاہور سے۔ ''ماہ اپریل میں سالگرہ نمبر میں آپ کی محبت، آپ کا پیار پڑھ کر آنسو نکل آئے کہ اس زخمی دل میں آپ نے جھانک کر دیکھ لیا کہ کیسے دوستوں، رشتے داروں کی بے اعتنائی کا غم کھائے ہوئے ہوں۔ اپریل کے سرورق پر سجی سجائی دلہن اچھی لگی روایتی سرخ لباس میں۔ سالگرہ نمبر پر ایسا ہی اداریہ ہونا چاہیے تھا۔ پھر اللہ اور اس کا نور ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی، کتنی خوب صورتی سے ہر سورہ میں سے آیت لیتی ہیں اور ترجمہ کرکے بتاتی ہیں کہ دماغ کی گرہیں کھلنے لگتی ہیں۔ اور آپ کا ناول گم شدہ محبت کیا صبا کی محبت سچ مچ گم شدہ ہی ثابت ہوگی۔ انتظار، آنٹی ناہید سلطانہ اختر، آپ نے روحی بانو کے بارے میں لفظ، لفظ سچ لکھا ہے۔ رازِ ہستی، طیبہ عنصر مغل صاحبہ کی تحریر، اللہ پر ایمان انسان کا بیڑا پار لگا دیتا ہے اور بندوں کے در پر بھٹکنے سے بچا لیتا ہے۔ ہمیں ہر دم اسی کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ من جاں بازم، سحر ساجد جی کا ناولٹ اچھا جارہا ہے۔ میں ایک عورت ہوں، نمرہ ملک کا افسانہ تھا، اچھوتا سا۔ کی، قانتہ رابعہ جی کا ذات برادری کی فضول ضد کو ختم کرتا ہوا افسانہ۔ اگر کوئی چیز دوسرے انسان کو ممتاز کرتی ہے تو وہ تقویٰ ہے۔ (جی بے شک) روما، رومی اور سالا کنفیوژڈ...... فرحین اظفر صاحبہ کا تھوڑا اہنسانے والی سچویشن مزہ دے گئی۔ عشقِ ممنوع، ثنا جی کیا آپ بھی...... ہاں جی آپ نے بھی کمال کا افسانہ لکھ دیا۔ جشنِ بہاراں، منشا محسن علی کا افسانہ اچھا تھا۔ ہم کو عبث بدنام کیا، سیمارضا ردا جی آپ کا منی ناول بہت دلچسپ ہے اور بہت ہی اچھا جارہا ہے۔ قیمت، دانیہ صدیقی کا افسانہ بالکل موجودہ حالات سے تال میل کھاتا ہوا۔ شمع ہدایت میں

جھوٹ کے موضوع پر بہت ہی اچھا لکھا بلکہ کمال لکھا۔ بہنوں کی محفل تو جان ہے پورے ڈائجسٹ کی۔ (جی بالکل) میں سنبل ملک اعوان، اسکول ٹیچر، نہیں جی میں شعبۂ طب سے وابستہ ہوں، حاملہ خواتین اور زچہ بچہ سے وابستہ کام ہے میرا۔ (بہت خوب) خوش ذائقہ کی ترکیب آپ کو پسند آتی ہیں آپ لگا دیتی ہیں یہ میرا نہیں آپ کا کمال ہے۔ امینہ جی کو اللہ صحت و تندرستی عطا کرے..... صبا جی کے تبصرے بھی اچھے ہیں خاص کر آئی لو یو کے میسجز، آپی عظمیٰ آفاق کا سفرنامہ پڑھ لیا..... بہت مزیدار تھا۔" (سنبل، عمرے کی بہت مبارک باد آپ کا بے حد طویل خط موصول ہوا۔ آپ کی پاکیزہ اور تمام بہنوں سے محبت قابلِ ستائش ہے۔ واقعی آپ بہت پُرخلوص شخصیت ہیں)

☆ یاسمین اختر، آزاد کشمیر سے۔ "ذکیہ آپا اللہ پاک سے دعا ہے کہ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر رہے۔ آپ میرے لیے روشنی ہیں، میں آزاد کشمیر کے دور افتادہ گاؤں کی رہنے والی ہوں، یادوں کی مالا بار، بار پڑھتی ہوں، دل کی پیاس بڑھتی جاتی ہے، آپ کی تقلید کرتے ہوئے ہفتے کے اندر کئی مرتبہ قرآن پاک پڑھا اور ہر بار اللہ نے میری عرض سنی۔ دل سے آپ کے لیے دعائیں نکلتی ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ نے اپنی نجات کے لیے جو قرآن لکھا ہے اور بہنوں کے قافلے کو بھی اس میں شامل کیا ہے آپ مہربانی فرما کر میری والدہ، مجھے اور میری تینوں بہنوں کو بھی اس میں شامل کرلیں۔ دل چاہتا ہے کہ آپ سے بہت سی باتیں کروں لیکن ڈر ہے کہ آپ کا وقت ضائع نہ ہو۔ اللہ پاک آپ کی پیاری بیٹی کو صحت و تندرستی عطا فرمائے۔ (آمین) عالیہ کے لیے میری بہت سی دعائیں۔ (جی ذکیہ آپا کے لیے آپ کے جذبات قابلِ قدر ہیں۔ اللہ پاک سب کی دعائیں مستجاب کرے، آمین!) باجی پاکیزہ حسبِ سابق بہترین تھا۔ سب سے پہلے اداریہ پڑھا جو کہ بہت ہی آسان اور خوب صورت انداز میں سجایا گیا تھا۔ اس کے بعد بہنوں کی محفل میں پہنچے جہاں آپ خبر سنا رہی تھیں اپنی ریٹائرمنٹ کی بہت دل اداس ہوا دو تین بار اسی کو پڑھا جیسے یقین نہ آرہا ہو، اپنی آنکھوں پر کہ صحیح نظر آرہا ہے یا غلط..... بہر حال حقیقت تو حقیقت ہوتی ہے۔ جھٹلائی نہیں جاسکتی۔ ہم تو ابھی سوچ رہے تھے کہ کبھی باجی سے فون پر بات کریں گے۔ (آپ ضرور فون کیجیے) باجی اللہ پاک آپ کو شفائے کاملہ عطا فرمائے آپ نے جو بھی فیصلہ کیا ہے بہتر کیا ہے، صحت کیا جاب سے بڑھ کر ہے؟" (آپ کی محبت بھری دعاؤں کا شکریہ..... کہانیوں پر تبصرہ بھی ضرور لکھیں)

☆ تسنیم کوثر، کراچی سے۔ "مجھے کچھ کہنا ہے یہ صفحہ مجھے بہت پسند ہے آپ بے حد شاندار لکھتی ہیں بلاشبہ آپ کی تحریر مکمل بھرپور اور جامع ہوتی ہے۔ پاکیزہ کی شان اس کی آن بان اس کی شناخت تو باجی آپ کے دم سے ہے۔ مئی کے شمارے میں رفاقت جاوید کا ناول بے مشروط محبت کے سنگ پڑھا اچھا لگا۔ حیرت ہے اس زمانے میں ایسی مخلص محبت کرنے والے پائے جاتے ہیں، ام ایمان نے نیا سویرا بہت خوب لکھا ہمیں دل سے پسند آیا۔ یہ کہاں بچیں کہ دل ہے، پلیز رفعت سراج سے کہیے اس کی اسٹوری آگے بڑھائیں۔" (دکھے دل سے بھی تبصرہ لکھنے کا شکریہ..... انجم باجی کی صحت و سلامتی کی دعا کیجیے اور پاکیزہ میں باقاعدگی سے شامل رہیے اسی سے آپ کی محبت اور اپنائیت پتا چلتی رہے گی)

☆ صبا آصف، کراچی سے۔ "پاکیزہ سے میرا رشتہ بہت پرانا ہے اتنا پرانا کہ رسالے پڑھنے کی اجازت نہ تھی کورس کی کتاب میں رکھ کر پڑھا کرتے تھے۔ (اکثر بہنوں کا یہی حال تھا) اور رسالوں کو بہت چھپا کر رکھا کرتے تھے۔ بڑی بہنیں مجھ سے دس کام کروا کر رسالہ پڑھنے کو دیتی تھیں۔ (اوہو واقعی شوق کا کوئی مول نہیں) بہر حال اب تو آزادی سے پڑھتی ہوں۔ اس کے زیادہ تر افسانے، ناولٹ، ناول وغیرہ زندگی زندہ دلی سے گزارنے کے اصول سکھاتے ہوئے صبر و برداشت کے درس دیتے ہیں۔ پاکیزہ واقعی پاکیزہ ہے۔ ایک ایسی درسگاہ جہاں بچیوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ انہیں کس طرح ایک اچھی لڑکی بننا ہے۔ ایک اچھی بچی ہی اچھی بیٹی، بہن اور شادی کے بعد مستقبل میں ایک اچھی بیوی اور بہترین ماں ثابت ہوتی ہے۔ (بالکل درست کہا صبا) خود میں نے بھی اس رسالے سے بہت کچھ سیکھا، آپ کے جلترنگ سے بھی بہت کچھ سیکھا جلترنگ صرف دل ہی شاد نہیں کرتا بہت کچھ سکھاتا بھی ہے۔ سلسلے وار ناول تینوں ہی ایک سے بڑھ کر ایک ہیں آپ کے ناول گم شدہ محبت کے تو کیا کہنے۔ ذکیہ بلگرامی کا مضمون اللہ اور اس کا نور سے بہت معلومات ملیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایک خوب صورت رنگ یہ بھی ہے کہ وہ ہمیں معاف کردیتا ہے۔ بڑے سے بڑا گناہ کر کے بھی توبہ کر کے ہمیں معافی مل جاتی ہے۔ ہم ہر روز اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں لیکن ہم خود دوسروں کو معاف کرنے کے لیے تیار نہیں۔ (یہی تو المیہ ہے) شمع

ہدایت، تحمل، عفوودرگزر، صفت الٰہی بہت پیارا بہت ہی پیارا مضمون اللہ تعالیٰ ہم سب کو درگزر کرنے کی توفیق دے۔ (آمین) بیادِ بانو قدسیہ، نزہت اصغر نے کیا کمال لکھا۔ اس ماہ کے افسانے اور ناولٹ سب ہی اچھے ہیں افسانوں میں عقیلہ حق کا احسان سب پر بازی لے گیا۔ سوچ کے دروا کرتی ایک بہت پیاری تحریر مجھے رنج ہے یہ برا ہوا، سمیرا یونس ہارون نے بہت اچھا لکھا ہم دوسروں کے خلوص کو (خاص طور سے غریب کے خلوص کو) غرض کے ترازو میں تولتے ہیں۔ سہارا سعارا احمد کی تحریر ہمارے ذہنوں اور دلوں کو جھنجوڑ گئی۔'' (تفصیلی تبصرے اور پاکیزہ سے اظہارِ محبت کا بے حد شکریہ)

٭ شازیہ ہاشم میوانی، کھڈیاں خاص سے۔'' ہر ماہ کی طرح اس دفعہ بھی پاکیزہ شاندار طریقے سے اپنا جلوہ دکھاتا نظر آیا۔ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی سے پہلے قرآن وسنت سے دل کو پُرنور کرتے ہوئے آگے بڑھی تو ڈاکٹر صاحبہ کا ایک اعزاز ایسا نظر آیا... دل چاہا کہ قریب ہوتی تو ان کے ہاتھ کے عقیدت سے بوسے لے لیتی جن سے وہ قرآن پاک لکھتی ہیں، مبارک ہو کیا میں ایک مخصوص خط ڈاکٹر صاحبہ کو لکھ سکتی ہوں (جی ہاں) اس کے بعد سب سے پہلے سلسلے وار ناول پڑھے۔ میرا فیورٹ ناول من جاں بازم ہے جو بڑی خوب صورتی سے رائٹر لے کر جارہی ہے مگر مجھے مومی کی بزدلی پر غصہ آتا ہے۔ اور یہ ہنیا نے کیا کر دیا چلو خیر یہ تو رائٹر کا قلم ہے جسے جدھر چاہے چلا سکتی ہے۔ ہم کو عبث بدنام کیا، ریبال بہت اچھی راہ پر چل رہا ہے پلیز سیمارضا ریبال کو ثمیرہ سے ایک مقدس بندھن میں ضرور باندھنا اور فاطمہ جیسی عفریت سے بچانا۔ پروین عذرا تشنہ کا محبتوں کا قرض زبردست ناولٹ تھا۔ پہلے تو میں خود پریشان ہوگئی کہ یہ تو دونوں سگے بہن بھائی ہیں مگر بعد میں جب پتا چلا کہ یہ بہن بھائی نہیں ہیں تو اللہ کا شکر کیا کہ مقدس رشتہ قائم رہا۔ رانگ نمبر بھی عجب کہانی تھی۔ امرت بھی بہت اچھا جارہا ہے۔ اور ہوں بس تمہارا عجب منظر پیش کررہا تھا۔ جو تحریر میرے دل کے نہاں خانوں میں اتری وہ ہے سمیرا کی۔ مجھے رنج ہے یہ برا ہوا، یہ سب سے اچھی تحریر تھی۔ عجیب پاکیزگی لیے ہوئے۔'' (شازیہ آپ کا بہت پیارا تفصیلی خط موصول ہوا۔ انشاء اللہ آپ کی بات کا احترام کیا جائے گا۔ آپ اسی طرح پاکیزہ سے اپنی پُرخلوص وابستگی کا اظہار کرتی رہیے)

✉ راشدہ سجاد، سیالکوٹ۔ آپ کا بے حد محبت وخلوص بھرا نامہ ملا...... اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وسلامتی سے رکھے۔ اپنی اپنی سطح پر ہم سے جو ہو سکے ہمیں دینی ترویج کے لیے کرنا چاہیے۔

✉ عظمیٰ زہرٰی اوستہ محمد۔ آپ تبصرے بھی بھیجیں اور اپنی دیگر نگارشات بھی...... کہانیوں پر پھر سے طبع آزمائی کریں۔ انشاء اللہ ایک نہ ایک دن اچھی رائٹر بن جائیں گی۔

٭ عابش جنجوعہ، تونسہ شریف سے۔'' مجھے کچھ کہنا ہے بہترین ہمیشہ کی طرح اللہ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) اور من جاں بازم کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں ملتے حیدر کے بارے میں کچھ خدشات محسوس ہورہے ہیں...... باقی تمام ناول اور افسانے بہت اچھے تھے۔ نیا ناول امرت کا بہت خوب صورت انداز ہے...... معافی کے بعد، کنزل کی قسمت اچھی تھی۔ ورنہ معافی کم، کم ہی ملتی ہے۔ ہم سب بشر ہیں، میں قانتہ رابعہ نے بہت اچھی بات کہی ہے۔ ہم دین داروں سے خواہ مخواہ فرشتوں والی توقعات باندھ لیتے ہیں فرحت احمد کا لکھا کارنر پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔'' (چھوٹے سے خط کا بڑا سا شکریہ)

✉ زندگی تنویر خلیل، گاؤں متھرا...... آپ کی پاکیزہ سے انسیت اور لگاؤ قابلِ قدر ہے۔ اتنی دور افتادہ جگہ بیٹھ کر بھی آپ باقاعدگی سے فون کرتی ہیں اور نگارشات بھی بھیجتی ہیں، کہانیوں کے سلسلے میں کہنا ہے کہ خوب مطالعہ کریں اور پھر لکھیں۔ آپ نے پھر بھی اس مرتبہ اچھی تحریر بھیجی۔

✉ شمع تفسیر، ملیر۔ آپ رمضان کے لیے کہانی تین ماہ قبل تو ضرور بھیجتیں۔ آئندہ کے لیے سب بہنیں نوٹ کرلیں۔ اگر کسی تہوار یا موسم کے حساب سے کہانی لکھی ہے تو کم از کم تین سے چار ماہ قبل بھیجیں۔

٭ ناظمہ شاہین اعوان، واہ کینٹ سے۔'' اداریہ ہمیشہ کی طرح زبردست تھا۔ دین کی باتیں، اللہ اور اس کا نور بہترین مضامین تھے۔ گم شدہ محبت کی تو کیا ہی بات ہے۔ رازِ ہستی اور انتظار اچھی تحریریں تھیں...... من جاں بازم ہر ماہ کی طرح سو نمبر لے گیا...... میں ایک عورت ہوں...... جاندار تحریر تھی۔ یہ کہاں بچیں کہ دل ہے، کیا شاہی دور کا نقشہ کھینچا ہے۔ روما، رومی اور سالا کنفیوزڈ، عشقِ ممنوع سو سو تھیں۔ امرت، شاندار تحریر تھی۔ جشنِ بہاراں اور کمی ٹھیک ٹھاک لگے قصہ ایک کردار کی تلاش کا...... فردا پہ بہت ترس آیا جبکہ ماہ درخشاں خود غرض سی لگی۔ ایسا کب سوچا تھا، حقیقت پر مبنی افسانہ۔ ہم کو عبث بدنام کیا...... اعزاز شاہ، ریبال کا بھائی نکلے گا یقیناً...... قیمت...... ایک کھرا اور سچا افسانہ تھا۔ میں تیری خوشبو ہوں، ویلڈن، شمع ہدایت دل پر اثر کر گیا۔ مہناز عرفان سے ملاقات

مزہ دے گئی۔ پاکیزہ اور پاکیزہ کے قلمکاروں کو آئندہ بھی ایسے مواقع دیے جانے چاہئیں خاص کر پرانی قلمکاروں کو جیسے اقبال بانو، شوکت رانا الطاف، جہاں آرا، عطیہ عمر وغیرہ (عطیہ عمر اور اقبال بانو ہماری بزم میں بھی حاضری دے چکی ہیں) بہنوں کی محفل ٹاپ پہ رہی...... پاکیزہ کی سالگرہ کے موقع پر کسی ماڈل کے بجائے کیک کی تصویر دیا کریں ٹائٹل پر، پاکیزہ ڈائری ساری کی ساری پیاری لگی۔ جلترنگ ہاہاہا جو نہ ہنسے وہ بخیل ہے۔ میں اکثر گنگناتی ہوں میں اپنا اور پروین افضل شاہین کا شعر پسند آیا۔ منتخب غزلیں...... میری پسندیدہ ہیں، خوش ذائقہ مزیدار چانپیں اور انڈے کا حلوا مزے کا لگا۔ بزم پاکیزہ میں سب سوالات اچھے تھے...... حسن نکھاریے میں پڑھتی نہیں ہوں (پڑھ لیا کرو مہ جبیں کافی محنت کرتی ہیں) اور روحانی مشورے بھی پڑھے، شوابے ہومیو کلینک بند کرکے کوئی اور سلسلہ شروع کردیں مثلاً کچھ یادیں کچھ باتیں وغیرہ جس میں، میں بھی شرکت کرسکوں۔'' (بہت پیارے اور بھرپور تبصرے کا شکریہ، تم اپنی یادیں، باتیں بہار و خزاں میں لے کر آؤ)

✍ کوثر خالد، جڑانوالہ سے۔ ''پاکیزہ واحد رسالہ ہے جو ہر قسم کے لوگوں کو رعایت دیتا ہے، زبردستی نہیں کرتا کہ تبصرہ سب کہانیوں پر کرنا ضروری ہے۔ میری سہیلی بشریٰ کی طرح ہزاروں مداح ایسے بھی ہیں جو خط نہیں پڑھتے، نہ ہی تبصرہ لکھتے ہیں ہاں کہانیاں شوق سے پڑھتے ہیں، اس بار میں بھی صرف چھوٹے سلسلے اور چند کہانیاں پڑھ پائی ہوں، جن میں گم شدہ محبت اور یہ کہاں بچیں کہ دل ہے۔ تمام شاعری اول ترین رہی، ہماری تو نعتیں، حمدیں متواتر پاکیزہ میں شائع ہوئیں۔'' (آپ کا شکریہ)

✉ راحیلہ بنت مہر علی شاہ، گاؤں آما خیل۔ آپ کی تحریریں معیاری ہونے پر ضرور لگیں گی ہاں آپ کے بھیجے مراسلات تو ہم لگاتے ہیں، تبصرہ بھی بھیجیں......

✍ ذوالنورین، ہری پور ہزارہ سے۔ ''میں نے 1995ء میں میٹرک کے امتحانات سے فارغ ہونے کے بعد پاکیزہ پڑھنا شروع کیا تھا پھر اس کا چسکا ایسا پڑا کہ ابھی تک قائم ہے۔ اب تو تمام پاکیزہ بہنیں بھی اپنے گھر کے فرد کی طرح لگتی ہیں اور آپ سے تو اتنی محبت ہوگئی ہے کہ میں آپ کو بتا بھی نہیں سکتی۔ اس مرتبہ آپ کے ناول کی آخری قسط پڑھی بہت اچھا اختتام کیا ہے۔ صرف آپ کی مزاج پرسی کے لیے خط لکھ رہی ہوں اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے، آمین۔'' (مختصر خط اور پُرخلوص دعاؤں کا بے حد شکریہ...... آئندہ پورے رسالے پر تبصرہ کیجیے گا)

جی بہنو! آپ کی اس پیاری محفل سے فی الحال اجازت طلب کرتے ہیں۔ آپ سب کی سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی پروردگار عالم نے مہلتِ حیات عطا کی تو اگلے ماہ انشاء اللہ مزید آب و تاب سے محفل سجائیں گے۔ کچھ بہنوں کے خطوط تاخیر کی بنا پر رہ گئے ہیں آئندہ ماہ ضرور شامل ہوں گے۔ کوشش کیجیے گا کہ ہر ماہ کی پندرہ سے اٹھارہ تاریخ کے درمیان تبصرے ہمیں مل جائیں۔ دفتر کا مکمل پتا اور رابطہ نمبرز نیچے تحریر ہیں اس کے علاوہ محفل کے آغاز میں پوسٹ باکس نمبر اور ای میل ایڈریس بھی درج ہے۔ محفل کے اختتام پر آئیں پہلے درود پاک پڑھتے ہیں اور وحدہ لاشریک کی بارگاہ میں دعا مانگتے ہیں اے بلندیوں پر رہنے والے ہمارے رب ہم تجھ سے بہت راضی ہیں، مالک تو بھی ہم سے راضی ہوجا...... اے مہربان خالق ہماری توبہ قبول کرلے اور ہمیں معاف کردے...... یااللہ، یارحمٰن، یارحیم، یاکریم ہمارے اور اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری امت کے تمام گناہوں کو معاف فرمادے اور ہمارے تمام گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے۔ اے پاک پروردگار! موت سے پہلے ہماری مغفرت فرما اور موت کے وقت ہم پر رحم فرما اور موت کے بعد ہمیں عذاب نہ دینا اور قیامت کے روز ہمارا نامۂ اعمال ہمارے داہنے ہاتھ میں دینا...... بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

یا مجیب، یا مجیب، یا مجیب آخر میں ایک پھر درود ابراہیمیؑ پڑھ لیں۔

دعاگو

نزہت اصغر

پاکیزہ میں خط لکھنے کا پتا

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ 63.c فیز III ایکسٹینشن، ڈیفنس۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500

فون نمبر 021-35804200 , 021-35386783,021-35802552 EXT 107,118



پاکیزہ ڈائری
عظمیٰ آفاق سعید

حمد

کیونکر نہ زباں پر ہو تحمید و ثنا تیری
دل محوِ نوا تیرا جاں مدح سرا تیری
آواز انا الحق سے غافل ہوں تو کیونکر ہوں
ہر ایک سرِ مو سے آتی ہے صدا تیری
پھولوں کی مہک میں تو انجم کی جھلک میں تو
وہ رنگِ وفا تیرا یہ شانِ ادا تیری
کہسار و بیاباں میں گلشن میں خیاباں میں
خوشبو لیے پھرتی ہے ہر صبح صبا تیری
یہ پردے میں چھپنے کے انداز نرالے ہیں
ہر ذرے کے دامن میں رقصاں ہے ضیا تیری
اس شانِ تغافل سے گمراہ ہزاروں ہیں
جس شانِ تغافل کو کہتے ہیں ادا تیری
ہم سے بھی گناہ گاروں کو تیرا سہارا ہے
چھوڑے تو کرم تیرا پکڑے تو رضا تیری

کلام: صوفی غلام مصطفیٰ تبسم

پسند: فضہ بتول، بہارہ کہو

نعتِ رسول مقبول

اپنا خوابوں میں جلوہ دکھا دیجیے
میرے دل کی لگی کو بجھا دیجیے
میری کشتی کنارے لگا دیجیے
بس گناہوں سے دامن بچا دیجیے
سیدھی راہ پہ چلوں یہ دعا دیجیے
اپنے قدموں میں مجھ کو جگہ دیجیے
روزِ محشر کی تپتی ہوئی دھوپ میں
آپؐ کن سے ملیں گے بتا دیجیے
صرف اپنیؐ محبت عطا کیجیے
اس دنیا کو دل سے مٹا دیجیے
ہاں مدینے میں مجھ کو بلا لیجیے
اور نصیبوں کو میرے جگا دیجیے
اے حبیبِ خداؐ میرے پیارے نبیؐ
اب مدینہ مجھے تو دکھا دیجیے

کلام: شگفتہ شفیق، کراچی

خلوصِ نیت

قبولیتِ عمل کی بنیاد

☆حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ”لوگ قیامت کے دن صرف اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آخرت میں انسان کا ظاہر نہیں دیکھا جائے گا بلکہ صرف یہ دیکھا جائے گا کہ اس نے جو نیک کام کیے ہیں کس نیت سے کیے ہیں۔ اس کے دل کا ارادہ و رخ کیا تھا؟ اسی لحاظ سے اس کے عمل کو قبول یا رد کیا جائے گا۔ (ابن ماجہ)

☆حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا۔

”اے اللہ کے رسول مجھے جہاد اور غزوہ کے بارے میں بتائیے۔“ (کہ کون سے جہاد پر ثواب ملتا ہے اور کس صورت میں مجاہد اپنے عمل کے ثواب سے محروم رہ جاتا ہے) حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ”اے... عبداللہ اگر تم نے اجرِ آخرت کی نیت سے جہاد کیا اور آخر تک جمے رہے تو خدا کے یہاں تمہارے عمل کا اجر ملے گا اور صابروں کی فہرست میں تمہارا نام لکھا جائے گا۔ اور اگر تم نے لوگوں کو دکھانے کے لیے اور فخر جتانے کے لیے جنگ کی ہوگی تو قیامت کے دن اللہ تمہیں اسی حال میں اٹھائے گا۔ اے عبداللہ جس نیت سے تم لڑو گے اور جس حال میں تم قتل کیے جاؤ گے اسی حالت پر اللہ

قیامت کے دن تمہیں اٹھائے گا۔"

مرسلہ: ایمان شیرازی، ڈھڈیال

ماہِ صیام

رحمتوں کے در کھلے
عفو کے دریا بہے
آ گیا ماہِ صیام
نور کے چشمے لیے
نیکیوں کی چاندنی
یاں سے واں تک پھیلتی
راستے روشن ہوئے
ہر سو بکھری روشنی
پہلا عشرہ رحمتیں
نیکیوں کی چاہتیں
مغفرت پھر آ گئی
کس قدر ہیں راحتیں
آخری عشرہ ہوا
قید ہر شیطاں ہوا
ہے نجاتِ سرمدی
پاک ہر چہرہ ہوا
یوں برستا نور ہے
جیسے کوہِ طور ہے
آسماں سے تا زمیں
نور ہی بس نور ہے
ہے امید عاصیاں
سارے مسلم شادماں
برکتِ ماہِ صیام
جیسے ہو نور عیاں
آؤ لوٹیں رحمتیں
ہم بھی تو پائیں نعمتیں
ہے لٹاتا رب یونہی
بندوں پہ ساری نعمتیں
ہاتھ میں ہے آپ کے
پھر شان اس کی دیکھیے
بخششوں کے واسطے
ہیں اس کے دروازے کھلے
اے محبت کے امیں
اے صیام آفریں
ہو مبارک سب کو تو
پُرسکوں ہو ہر جبیں
کامراں ہر زیست ہو
اور نیکیوں کی جیت ہو

(آمین)

کلام: فریدہ ہاشمی مخفی، کراچی

حاصلِ زندگی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
"اس شخص کی مثال جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے اس شخص کی طرح ہے جس کے اندر زندگی پائی جاتی ہے اور اس شخص کی مثال جو اللہ کو یاد نہیں رکھتا ایسی ہے جیسے کہ کوئی میّت......"

اللہ کی یاد دل کو زندگی بخشتی ہے اور اس سے غفلت، انسان کے دل پر موت طاری کر دیتی ہے۔ اس انسانی ڈھانچے کی زندگی کھانے پر منحصر ہے اگر کھانا نہ ملے تو یہ ڈھانچا مر جاتا ہے اور اس ڈھانچے کے اندر جو روح ہے اس کی غذا اللہ کی یاد ہے۔ اگر اسے یہ غذا نہ ملے تو اس پر موت طاری ہو جاتی ہے چاہے اس کا ظاہری خول، جسم کتنا ہی طاقتور ہو۔

ذرا سوچیے ہم کس دنیا میں رہ رہے ہیں پھر بھی وہ قادرِ مطلق ہم سب پر کتنا مہربان ہے۔

طالبِ دعا۔ فرح ناز، ملکوال

مولانا رومی کی پسندیدہ دعا

یا اللہ! مجھے وہ طاقت نہ دے جس سے میں دوسروں کو کمزور کروں، مجھے وہ دولت نہ دے جس کی خاطر میں دوسروں کو غریب سمجھوں، مجھے وہ علم نہ دے جسے میں اپنے سینے میں چھپا کر رکھوں، مجھے وہ بلندی نہ دے کہ مجھے اپنے سوا کچھ نظر نہیں آئے۔ (آمین)

خوب صورت خیالات

☆نرم لہجے سے ہمیشہ مضبوط اور دیرپا رشتے تخلیق پاتے ہیں جبکہ مسکراہٹ درد کی شکست اور چہرے کی رونق ہے۔

☆جو لوگ صرف تعریف کے ہی بھوکے ہوتے ہیں انہیں اپنی صلاحیتوں پر اعتبار نہیں ہوتا۔

☆انسان اپنے اوصاف سے ہی عظیم ہوتا ہے عہدے سے نہیں کیونکہ محل کے سب سے اونچے مینار پر بیٹھنے سے کوّا 'عقاب نہیں بن جاتا۔

مرسلہ: گُل شاہین، رحیم یار خان

باتیں یاد رکھنے کی

☆جسے عشق میں خدا کی یاد اور طیش میں خدا کا خوف نہ رہے اس آدمی سے دور رہو۔

☆دوسروں کو عزت دینا بھی سخاوت ہے۔

☆دعا کے سوا کوئی چیز تقدیر کے فیصلوں کو رد نہیں کر سکتی۔

☆ہمیشہ سمجھوتا کرنا سیکھو کیونکہ تھوڑا سا جھک جانا کسی رشتے کو ہمیشہ کے لیے توڑنے سے بہتر ہے۔

☆مسکراہٹ وہ واحد لباس ہے جو ہمیشہ فیشن میں رہتا ہے۔

☆دو چہرے انسان کو کبھی نہیں بھولتے۔ایک مشکل میں ساتھ دینے والا اور دوسرا مشکل میں ساتھ چھوڑنے والا۔

مرسلہ: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

چھوٹی سی زندگی

چھوٹی سی زندگی میں
اور چھوٹے سے گھر میں
بڑے، بڑے مسئلے
ہو جاتے ہیں حل
جب آپ کے ساتھ ہو
ایک بہترین ہم سفر

از: صائمہ سید، کراچی

شعور کا دکھ

کسے خبر کہ میری روح کے دریچوں میں
غمِ حیات کے کتنے چراغ جلتے ہیں
میرے شعور کا دکھ کون جان سکتا ہے
کہ میرے ذہن میں کتنے خیال پلتے ہیں

مرسلہ: ہادیہ احمد، آزاد کشمیر

خوشبو کی سی بات

☆جب عروج کا سفر کرو تو راستے میں پھولوں کے بیج پھینکتے جاؤ تاکہ واپسی کے سفر میں خار دار جھاڑیاں نہ ملیں۔

کیونکہ واپسی کا سفر تو ہر صورت طے کرنا ہے۔

مرسلہ: سنبل ملک اعوان، لاہور

قابلِ غور

☆اعتبار توڑنے والے کی یہی سزا کافی ہے کہ اسے زندگی بھر کے لیے خاموشی تحفے میں دے دی جائے۔

☆خود غرض لوگ رشتوں کو نبھاتے کم اور آزماتے زیادہ ہیں۔

☆جو تمہارے درد کو محسوس نہ کر سکیں ان پر الفاظ بھی کیوں ضائع کیے جائیں۔

☆بچپن کتنا اچھا تھا سرِ عام رو لیتے تھے اور اب ایک آنسو بھی نکلے تو لوگ ہزاروں سوال پوچھتے ہیں۔

مرسلہ: نگینہ ضیا بنگش، کراچی

بیٹی

تشہیرِ جگ ہنسائی
سے
سوچنا پہلے
کہ
بیٹی تم بھی رکھتے ہو

شاعرہ: صائمہ سجاد بنگش، کوہاٹ

☆☆☆



قند مکرر

ذہانتیں

بات تو ساری ذہانت کی ہی تھی کہ وہ سب کچھ کہہ کر معصوم بن جایا کرتی تھیں۔ اندازِ بیاں اوجڑی کیمپ کے سانحے سے زیادہ بارودی ہوتا مگر کوئی ان کی زبان نہ پکڑ پاتا۔ وہ جو کچھ کہنا چاہتیں اس سے دس گنا زیادہ کہہ جاتیں مگر چاہتے ہوئے بھی ان کو مجرم نہ ٹھہرایا جاتا۔ وہ اس نفاست سے گفتگو کی کلیوں کا تانا بانا بنا کرتیں کہ گلوں کے اوپر خار کلیوں کی طرح چمکتے، لہولہان کرتے مگر زخمی ہونے والا سوائے سسکی کے کچھ نہ بھر پاتا۔

کل شام بھی وہی ہوا جو برسوں سے ان کی گفتگو کا وتیرہ تھا، حالانکہ میں نے ان سے صرف یہی پوچھا تھا کہ ''اب ستارہ آپ کے یہاں نہیں آتی ہیں، کیا بہت مصروف رہنے لگی ہیں۔''

اور وہ سرشاری سے میرا جملہ لے اڑیں.....

''ارے بھئی، اب وہ کیوں ہمارے گھر آئیں گی۔ ہم نے اپنے بھیا کی منگنی جو کر دی ہے۔'' لہجہ عجیب... پُراسرار سا ہو گیا تھا۔

''آپ کے بھیا کی منگنی سے ان کے آنے جانے کا کیا تعلق.....؟ برسوں پرانی دوستی ہے آپ کی، بچپن کا ساتھ ہے اور پھر ایک محلے میں رہائش؟'' میرے ذہن میں کھد بد ہونے لگی۔

''تمہیں قسم ہے جو کسی سے کہو؟'' وہ میرے کان میں منمنائیں۔

اور میں ہر ایک کو سب کچھ سنانے کے لیے بے تاب سی ہو گئی۔

''اللہ، اب میں کیا کہوں؟'' انہوں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر میرے شوق کو مزید ہوا دی۔

''اللہ! تمہیں میری قسم، بتاؤ تو سہی، آخر ہوا کیا، میرے پاس کہاں وقت ہے کہ کسی کو کچھ بتاؤں گی مگر پتا تو چلے کہ آخر ہوا کیا؟''

''نہیں بھئی، ہونٹوں نکلی، کوٹھوں چڑھی اور پھر کیا پتا کہ ہماری غلط فہمی ہی ہو، ہم خواہ مخواہ کسی لڑکی پر بہتان جڑ دیں، ہمیں تو خوفِ خدا آتا ہے ایسی باتیں کرنے سے، اپنے آگے بھی لڑکیاں ہیں۔'' انہوں نے کہانی میں مزید ڈرامائی رنگ پیدا کرنے کے لیے اپنے گال پیٹ ڈالے۔

''اللہ، تمہیں اپنے ساس سسر کا واسطہ، تم مجھے فوراً بتا دو۔'' میرا کلیجا کہانی کے سسپنس سے پھٹنے کو تھا۔

''اچھا بتا دوں گی مگر پہلے تم بتاؤ کہ رضیہ کیسی لڑکی ہے؟'' انہوں نے چندرا کر پوچھا۔

''کمینی سی ذلیل سی۔'' میں ایک ہی سانس میں کہہ گئی۔

''بس؟'' انہوں نے میرے لہجے پر مزید پٹرول ڈال کر بولنے کے لیے اکسایا۔

تب میں ان کو خوش کرنے کے لیے وہ کچھ کہہ گئی جو کسی بھی چہرے کے لیے سیاہی سے کم نہیں تھا۔

''ہاں بھئی، جس طرح تم کہہ رہی ہو اور بھی لوگ رضیہ کے بارے میں یہی کچھ کہتے ہیں مگر ہمارا تو دل ڈرتا ہے کہ کسی کو ایک لفظ بھی کہیں اور پھر رضیہ سے تو ہماری آج بھی دوستی ہے۔'' انہوں نے چلتر پنے سے اپنا گھناؤنا شکنجہ ہمارے اطراف ہی کس دیا کہ کر لو گل کسی سے۔

''مگر آپ تو کہہ رہی تھیں کہ رضیہ.....'' میرے حلق میں آگے کوئی لفظ ادا کرنے سے پہلے ہی پھندے لگنے لگے۔

''ارے ہم کیا کسی کو کہیں گے، تم ہی جیسے لوگ کہتے ہیں کہ رضیہ کمینی تھی، ہر جگہ اپنے لیے رشتے ڈھونڈتی پھرتی تھی، جہاں جوان کماؤ لڑکا نظر آیا، اس

کی بہنوں سے دوستی گانٹھ لی۔ اس کے گھر کا تمام کا تمام کام سنبھال لیا۔ نہ دن دیکھا نہ رات، اپنی اداؤں سے لیس گھر کے کام کے بہانے مورچے پر ڈٹی رہیں اور جہاں کسی لڑکے کی شادی ہوئی، انہوں نے دوستی کے نام پر بٹا لگایا اور کسی دوسری جگہ بہنایا جتانے کے لیے سرگرداں ہوگئیں۔ تم جیسے لوگ تو ان کو بہت کچھ کہتے ہو، ان کی دوستی کے کارہائے نمایاں پر انگلیاں تک اٹھائی جاسکتی ہیں کہ وہ کس ندیدے پن سے کنوارے لڑکوں کو تاڑا کرتی تھیں مگر ہم کسی کو کچھ نہیں کہتے کہ خواہ مخواہ کسی کو کہہ کر برے بنیں، کوئی لگائی بجھائی کردے تو بیکار میں شہادتیں دیتے پھرو...... رضیہ تو بہت اچھی لڑکی ہے مگر تم اسے کمینی تک کہہ رہی ہو، خیر ہماری تو عادت ہی نہیں ہے کہ کسی کی بات کسی اور سے کریں۔''

تب میں حیرت اور غصے سے انہیں دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ ان سے زیادہ کمینی تو کوئی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

ذہنی ہم آہنگی

وہ پہلی مرتبہ میاں کے ساتھ لندن جارہی تھیں۔ ان کے میاں جانی بسلسلۂ ملازمت وہیں رہتے تھے اور بے حد نفیس طبیعت کے مالک تھے۔ انہوں نے دیکھا بیگم صاحبہ جھاڑن، برتن مانجھنے کا چونا، اپنی اٹیچی میں رکھ رہی ہیں۔

''یہ کیا الابلا لے جارہی ہو؟'' وہ برہمی سے بولے۔

''یہ بے حد کام کی چیزیں ہیں۔ جاتے ہی مجھے ضرورت پڑے گی۔''

انہوں نے دونوں چیزیں نکال کر دور اچھال دیں۔

''اب مجھے یہ بے تکی چیزیں نظر نہ آئیں۔'' تھوڑی دیر بعد وہ اپنے سوئٹر ان کی اٹیچی میں رکھنے لگے تو وہی گلابی جھاڑن اور برتن مانجھنے کی تار ان کے ہاتھ میں آگئے۔

''بڑی بدتمیز اور ضدی ہو، جب میں نے منع کردیا کہ یہ چیزیں نہیں جائیں گی تو نہیں جائیں گی۔''

انہوں نے وہ چیزیں صحن میں نکال کر پھینک دیں۔

ائرپورٹ جانے سے پہلے کسی بہانے سے ان کی اٹیچی چیک کی تو انہیں یہ اطمینان ہوا کہ وہ بکواسیات موجود نہیں تھیں۔

اور جب تھکا دینے والے سفر سے نمٹ کر وہ اپنے گھر پہنچے تو اگلی صبح ان کے باورچی خانے میں وہی گلابی جھاڑن اور برتن مانجھنے کے تار کے پیکٹ کاؤنٹر پر رکھے تھے۔

''یہ تم کس طرح لے آئیں؟'' اب وہ متبسم لہجے میں پوچھ رہے تھے۔

''میں نے آپ کے سوٹ کیس میں رکھ دی تھیں۔ مجھے پتا تھا کہ اب میری اٹیچی تو بار، بار چیک ہوسکتی ہے مگر آپ اپنے سوٹ کیس کو چیک نہیں کریں گے۔''

''بڑی ضدی ہو یار......'' وہ ہنسے۔

''وہ دراصل ہم دونوں کا اسٹار ایک ہے ناں اس لیے ذہنی ہم آہنگی بہت ہے۔'' وہ شرما کر بولیں۔

اور ان کی مسکراہٹ نے قہقہے کی شکل اختیار کرلی۔

☆☆☆

خود شناسی

مجھے تو یاد ہے اتنا
تمہارا ہاتھ جب تھاما
شعوری پختگی نہ تھی
مگر لفظوں سے عشق گہرا
کتابیں صورتِ دنیا
پھر یوں ہوا ایسا
تمہاری قربتوں میں
بندشیں سب توڑتی آئی
گرہیں سب کھولتی آئی
پلٹ کر دیکھتی ہوں تو
سمے کا ایک سمندر ہے
اور میری ذات اندر ہے
جہاں پہ آج بھی ہو تم
وہاں میں آج بھی گم صم

شاعرہ: ظلِ شاہین، رحیم یار خان



صغریٰ زیدی

☆ایمن رانی......کمالیہ

ڈھل چکا عہدِ جوانی تو تیرا پیار ملا
ہم سے کھنڈرات میں انسان بسائے نہ گئے

☆زریں مشتاق......منڈی بہاؤالدین

وہ ختم قید کی معیاد بھی نہیں کرتا
مگر میں زحمتِ فریاد بھی نہیں کرتا
کبھی، کبھی وہ مجھے اتنا یاد آتا ہے
میں ضد میں آکے اسے یاد بھی نہیں کرتا

☆سیدہ غزالہ عالم......لانڈھی، کراچی

آنکھوں پہ آکے بیٹھ گئی اشکوں کی لہر
پلکوں پہ کوئی خواب پرونے نہیں دیا
دل کو تمہارے نام کے آنسو عزیز تھے
دنیا کا کوئی درد سمونے نہیں دیا

☆رضوانہ سحرناز......رینالہ خورد

بچھڑ رہا ہے کوئی شخص عمر بھر کے لیے
یہ وقت کاش ٹھہر جائے لمحہ بھر کے لیے

☆فرح ناز......ملکوال

ناسک دبا ہوا ہوں گلابوں کے ڈھیر میں
زخموں کے تھال کون یہ مجھ پر الٹ گیا

☆لائبہ علی......ڈی آئی خان

نہ روز وشب سے مفر ہے نہ بام و در سے فرار
حیات کیا ہے مسرت یہ قید خانہ ہے

☆صائمہ ممتاز خان......اسلام آباد

تجھ میں اور مجھ میں فرق فقط اتنا ہے
تیری کچھ، کچھ ہوں میں اور میرا سب کچھ ہے تو

☆رعنا مشتاق......سرگودھا

موجیں ہیں پُرسکون تو گہرائیوں میں جھانک
طوفاں بدل کے آتے ہیں صورت کبھی، کبھی

☆صائمہ سجاد بنگش......کوہاٹ

کبھی ہنستا ہے کبھی روتا ہے
موسم تو انسان کے اندر ہوتا ہے

☆حسینہ ممتاز خان......اسلام آباد

بارش میں بھیگی ہوئی ہر شام کو طارق
پھر دل نے کئی بار پکارا اسے کہنا

☆کائنات عبدالحلیم......میرپورخاص

اس قدر دنیا کے دکھ اے خوب صورت زندگی
جس طرح تتلی کوئی مکڑی کے جالوں میں رہے

☆عنبر وسیم......گوجرانوالہ

عیادت کو میری آکر وہ یہ تاکید کرتے ہیں
تمہیں تو ہم ہی ماریں گے ذرا سا ٹھیک ہو جاؤ

☆پروین افضل شاہین......بہاول نگر

تمہارے پیار کی زنجیر میں بندھا ہوں میں
سزا یہ کیسی ملی ہے سزا نہیں لگتی
کسی سے پیار کرو اور تجربہ کرلو
یہ روگ ایسا ہے جس میں دوا نہیں ملتی

☆کوثر خورشید......یوکے

گھر پھونکنے میں صرف ہوائیں نہیں شریک
شامل کچھ اس میں گھر کے دیے کا ہنر بھی ہے

☆حمنیٰ قندیل......کمالیہ

رہی تعلیم مشرق میں، نہ مغرب میں رہی غیرت
یہ جتنے پڑھتے جاتے ہیں جہالت بڑھتی جاتی ہے

☆ناظمہ شاہین اعوان......واہ کینٹ
میں حق پہ ہوں مگر میری گواہی کون دیتا ہے
کہ دنیا کی عدالت میں صداقت مار دیتی ہے

☆لائبہ اطہر......دینہ جہلم
زمانہ دیتا ہے مجھ کو زوال کی دھمکی
نہ جانے کون سا مجھ میں کمال رکھا ہے

☆فرح طاہر......ملتان
کہاں سے سیکھ لی تم نے یہ بے رخی کی ادا
کبھی تو ہم سے ملو تم بھی دوستوں کی طرح

☆نفیسہ آرا......راس الخیمہ
چمن میں گریۂ شبنم بجا سہی لیکن
سوال یہ ہے کہ غنچوں کو کیوں ہنسی آئی

☆تسنیم کوثر......کراچی
کبھی ہم بھی اس کے قریب تھے دل وجاں سے بڑھ کر عزیز تھے
مگر آج ایسے ملا ہے وہ کبھی پہلے جیسے ملا نہ ہو

☆کوثر خالد......جڑانوالہ
قریب تھا تو کسے فرصتِ محبت تھی
ہوا ہے دور تو اس کی وفائیں یاد آئیں

☆سیدہ عروج فاطمہ......ملتان
جذبوں کی تفہیم ضروری تو نہیں تھی
آنکھوں کو میری غور سے دیکھا بھی تو ہوتا

☆نگہت آصف......اسلام آباد
ایسے تیراک بھی دیکھے ہیں مظفر ہم نے
غرق ہونے کے لیے بھی جو سہارا چاہیں

☆عروبہ ناز......کوٹلی
تتلیاں اڑتی ہیں اور ان کو پکڑنے والے
سعیِ ناکام میں اپنوں سے بچھڑ جاتے ہیں

☆جبین ناز......ملتان
دیکھا جو بے رخی سے تو حیرت ہوئی مجھے
دنیا تو بے وفا تھی مگر تجھ کو کیا ہوا

☆ممتاز خانم......کراچی
چلے آؤ گریبانوں میں اپنے جھانک کر دیکھیں
یہیں وہ فیصلے کرلیں جو کل محشر میں ہونے ہیں

☆فرحت احمد......گلشن حدید
راتوں کے مسافر ہو اندھیروں میں رہو گے
جگنو کی طرح دن میں جلو گے نہ بجھو گے
سب لوگ یہ کہتے ہیں کہ تم لوٹ گئے ہو
تم ساتھ تھے، تم ساتھ ہو، تم رہو گے

☆جمیلہ بلوچ......منصورہ ڈیپر
پاؤں پھیلائے تو دیکھی نہیں چادر ہم نے
تجھ کو چاہا تو پھر اوقات سے بڑھ کر چاہا
زیست آسان بھی ہوسکتی تھی لیکن جاناں
تیری چاہت کو ہر اک بات سے بڑھ کر چاہا

☆یاسمین کنول......پسرور
پانی میں بھی ، ریت پہ تڑپی، چنی گئی
بنتی رہی ہے درد کا عنوان محبت
بنتی ہے کبھی شعلہ کبھی بنتی ہے شبنم
ہوتی ہے کسی دل میں جو مہمان محبت

☆ساجدہ ظفر......کمالیہ
شیشہ کیا ہے پتھر پانی ہوجاتا ہے
قائم رہنے والا فانی ہوجاتا ہے
مرتے انسانوں کا قصہ پڑھنے والا
آخر خود بھی ایک کہانی ہوجاتا ہے

☆توقیر ہاشمی......منڈی بہاؤالدین
اس سے پہلے کہ خزاں چاٹ لے رنگت میری
میری خوشبو کا اثاثہ تو صبا لے جائے
جس کا دامن بھی محبت سے ہو خالی محسن
ہم غریبوں سے زرِ عہدِ وفا لے جائے

☆صبا سجاد......دبئی
اپنی تو یہ عادت ہے بری ہے کہ بھلی ہے
ہنستے ہوئے ہر بات زمانے کی سہی ہے

منتخب غزلیں

ماہِ جون ہمارے بے حد مقبول و معروف شعراء ابنِ انشا اور مجید امجد کا ماہِ پیدائش بھی ہے۔ اسی مناسبت سے ان کا خوب صورت و پُر اثر کلام آپ کی اعلیٰ ذوقی کی نذر ہے۔

انشا جی بہت دن بیت چکے
تم تنہا تھے، تم تنہا ہو
یہ جوگ بجوگ تو ٹھیک نہیں
یہ روگ کسی کا اچھا ہو؟
کبھی پورب میں کبھی پچھم میں
تم پُروا ہو تم پچھوا ہو؟
جو نگری نگری بھٹکائے
ایسا بھی نہ من میں کانٹا ہو
کیا اور سبھی چونچال یہاں
کیا ایک تمہی یہاں دُکھیا ہو
کیا ایک تمہی پر دُھوپ کڑی
جب سب پر سُکھ کا سایا ہو
تم کس جنگل کا پھول میاں
تم کس بگیا کا پھول میاں
کیوں شہر تجا، کیوں رُسوا ہو؟
کیوں وحشی ہو، کیوں رُسوا ہو؟
ہم جب دیکھیں بہروپ نیا
ہم کیا جانیں تم کیا، کیا ہو؟

کلام: ابنِ انشا

15 جون 1927ء تا 11 جنوری 1978ء

جو ہو سکے تو مرے دل اب اِک وہ قصہ بھی
ذرا سنا کہ ہے کچھ ذکر جس میں تیرا بھی
کبھی سفر ہی سفر میں جو عمرِ رفتہ کی سمت
پلٹ کے دیکھا تو اڑتی تھی گردِ فردا بھی
بڑے سلیقے سے دنیا نے میرے دل کو دیے
وہ گھاؤ جن میں تھا سچائیوں کا چرکا بھی
کسی کی روح سے تھا ربط اور اپنے حصے میں تھی
وہ بے کلی جو ہے موجِ زماں کا حصہ بھی
یہ آنکھیں ہنستی وفائیں یہ پلکیں جھکتے خلوص
کچھ اس سے بڑھ کے کسی نے کسی کو سمجھا بھی
یہ رسم حاصلِ دنیا ہے اِک یہ رسمِ سلوک
ہزار اس میں سہی نفرتوں کا ایما بھی
دلوں کی آنچ سے تھا برف کی سلوں پہ کبھی
سیاہ سانسوں میں لتھڑا ہوا پسینہ بھی
مجھے ڈھکی چھپی ان بوجھی الجھنوں سے ملا
جچی تلی ہوئی اِک سانس کا بھروسا بھی
کبھی، کبھی انہی الھڑ ہواؤں میں امجد
سنا ہے دور کے اِک دیس کا سندیسا بھی

کلام: مجید امجد

29 جون 1914ء تا 11 مئی 1974ء



پیاری بہنو! رسیلے آم اور کھٹی کیری، امبیوں کا زمانہ آ گیا۔ بس جناب آج ہی چٹنی، اچار اور شربت کے لیے اجزا اکٹھے کرلیں، تراکیب ہم بتائیں گے۔

کیری کا شربت

آدھا کلو کیری چھیل کر ثابت ابال لیں۔ اتنے پانی کے ساتھ کہ کیریاں اچھی طرح ڈوب جائیں۔ جب یہ گل جائیں تو اتار کر ٹھنڈا کرلیں اور صاف ہاتھوں سے گودا نچوڑ کر گٹھلی نکال لیں...... اب اس گودے میں آدھا کلو چینی، آدھا چھوٹا چمچ زردرنگ اور چٹکی نمک شامل کرنا ہے۔ یہ گودا گرائنڈ کر کے جالی میں چھان کر پھر تمام اشیا اس میں ڈالیں اور چینی گھل جانے تک خوب پکائیں۔ جب یکجان ہو جائے تو ٹھنڈا کرکے شیشے کی خشک بوتلوں میں بھرلیں۔ اور ریفریجریٹر میں محفوظ کرلیں۔ جب استعمال کرنا ہو تو آدھا گلاس یہ شربت اور آدھا گلاس یخ پانی اور کچلی برف ملا کر پیش کریں۔ (کیری کا شربت لُو اور گرمی کے مضر اثرات سے محفوظ رکھتا ہے)

نورتن چٹنی

اگرچہ یہ چٹنی سبھی کو آتی ہوگی مگر پھر بھی ہر موسم گرما میں اعادہ ضروری ہے اور شربت اور چٹنی کی یہ ترکیبیں ہمیں بہارہ کہو سے نیلوفر خان نے ارسال کی ہے۔

اشیا﴾ کچے آم (کیریاں) ایک کلو۔ چینی یا گڑ، آدھا کلو۔ سرکہ، سفید یا کالا، دو کپ۔ زردرنگ، چائے کا چھوٹا چمچ۔ نمک، حسبِ ضرورت۔ لال مرچ، ثابت گول، آٹھ سے دس عدد۔ ادرک، لہسن، باریک کٹا ہوا۔ آدھی پیالی۔ پودینہ، سوکھا یا تازہ۔ حسبِ پسند۔ کلونجی، دو کھانے کے چمچ۔ چھوارے اگر پسند ہوں تو باریک کاٹ کر آدھا کپ لے لیں۔ اس میں آپ کشمش اور چار مغز بھی ڈال سکتی ہیں۔

ترکیب﴾ کیری چھیل کر باریک کاٹ کر دو کپ پانی میں دس منٹ ابال لیں۔ اب اس میں تمام اجزا ڈال دیں، گڑ ڈالنا مقصود ہو تو شیرہ بنالیں اور چھان کر ڈالیں کیونکہ یہ اکثر کرکرا ہوتا ہے۔ اچھی طرح ہر چیز گل جائے اور آمیزہ گاڑھا ہو جائے تو ٹھنڈا کر کے مرتبان میں محفوظ کرلیں۔ اس میں کبھی گیلا چمچ نہ ڈالیں۔

☆☆☆

ایک مرتبہ پھر آپ کے افطار میں آپ کا پاکیزہ پیش پیش ہے، بس اتنا کیجیے گا کہ جو بھی خوان آپ کے دسترخوان کی زینت بنیں اس میں سے اپنے پڑوسی کا حصہ ضرور نکالیے گا۔

آلو کے نمک پارے

اشیا﴾ آلو۔ ایک پاؤ۔ بیسن، آدھا پاؤ۔ زیرہ، آدھا چمچ۔ چاٹ مسالا، آدھا چمچ۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ لال مرچ، حسبِ ضرورت۔ گھی یا تیل، ایک پیالی۔

ترکیب﴾ آلو ابال کر چھیل لیں اور پیس لیں اب اس میں نمک، لال مرچ، زیرہ اور چاٹ مسالا ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور اس کے ساتھ ہی اس میں بیسن ڈال دیں۔ بیسن سوکھا ہی ڈالنا ہے اب اس کے پیڑے بنالیں اور بیلن سے روٹی کی طرح بیل لیں۔ اب چھری کی مدد سے نمک پاروں کی شکل میں کاٹیں، کڑاہی میں تیل گرم کر کے اس میں ایک چٹکی نمک ڈالیں، اب آلو کے نمک پاروں کو کڑاہی میں ڈالیں اور ہلکے سنہرے ہونے پر نکال کر چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔ افطاری کے لیے بہترین ہیں۔ مجھے بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

ارم کمال، فیصل آباد

گوشت کے پکوڑے

پیاری بہنو! بیسن، پیاز اور سبزی کے پکوڑے تو آپ کھاتی ہی ہیں اب گوشت کے پکوڑے کھایئے گا۔

اشیا﴾ گوشت، مرغی، مٹن، گائے، قیمے کی صورت...... ایک پاؤ۔ بیسن، ایک پاؤ۔ پیاز اور ٹماٹر ایک، ایک درمیانے سائز کا لے کر چوپ کرلیں۔ ہرا دھنیا، ہری مرچ، سفید زیرہ، ایک چائے کا چمچ۔ گرم مسالا پاؤڈر، چائے کی آدھی چمچی۔ نمک، سرخ مرچ، حسبِ ضرورت۔ تیل، تلنے کے لیے۔

ترکیب: قیمے کو زیرہ، نمک، مرچ اور گرم مسالا ڈال کر ابال لیں اور پانی بالکل خشک کر لیں۔ بیسن کا گاڑھا آمیزہ بنائیں۔ ابلے قیمے میں تمام ہرا مسالا شامل کر لیں اور چھوٹے، چھوٹے گولے سے بنالیں۔ اب تیل گرم کر کے یہ قیمے کے گولے بیسن کے آمیزے میں ڈپ کر کے تلتی جائیں۔

اور دوسری صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ قیمہ اور ہرا مسالا بیسن کے آمیزے میں ڈالیں اور روایتی پکوڑوں کی طرح تل لیں۔ دونوں صورتوں میں الگ، الگ ذائقے سے لطف اندوز ہوں۔ اس کے ساتھ ہری چٹنی یا سونٹھ، املی اور رائی کی کھٹی میٹھی چٹنی بنا کر اس کے ساتھ نوش فرمائیں۔

سنبل ملک اعوان، شاہدرہ لاہور

لکھنوی دہی بڑے

اشیا: دال ماش، ایک کپ۔ دال مونگ، آدھا کپ۔ پسی ہوئی سرخ مرچ، نمک، حسبِ ضرورت۔ بھنا ہوا سفید زیرہ، ایک کھانے کا چمچ۔

چٹنی کے لیے اجزا: املی کا گودا، آدھا کپ۔ پسی سونٹھ، دو چائے کے چمچ۔ رائی پسی ہوئی، ایک چائے کا چمچ۔ پسا میٹھی دانہ، چٹکی بھر، نمک، مرچ، حسبِ ضرورت۔ گڑ کا شیرہ آدھا کپ۔ (اسے باریک کپڑے میں چھان لیں) دہی بڑوں میں بھرائی کے لیے چند دانے کشمش تھوڑا، تھوڑا ہرا دھنیا، ہری مرچ، ہری پیاز اور ادرک باریک، باریک کتر لیں۔ دہی آدھا کلو۔ اس میں نمک، مرچ، زیرہ اور تھوڑی سی چینی اچھی طرح مکس کر لیں۔ پتلا کرنے کے لیے دودھ استعمال کریں۔

ترکیب: دالوں کو تین سے چار گھنٹے بھگونے کے بعد نتھار کر پیس لیں۔ اس میں تمام مسالا ڈال لیں اور اچھی طرح پھینٹ لیں مگر خیال رہے کہ خوب گاڑھا، گاڑھا رہے۔ اس کی تیاری چیک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک پانی سے بھرے برتن میں اس پیسٹ کو چمچ سے ٹپکائیں اگر بوندی اٹھ کر اوپر آجائے تو سمجھیں تلائی کے لیے تیار ہے۔ بیسن کے آمیزے کو بھی اسی طرح چیک کریں۔

ایک سوتی کپڑے کے ٹکڑے پر کھانے کا ایک چمچ دال کا پیسٹ ڈالیں۔ اب اس میں بھرائی کے لیے دی گئی اشیا ایک چائے کے چمچ کی مقدار میں ڈال دیں اور اس طرح سے کپڑا ترچھا کریں کہ یہ اشیا دال کے پیسٹ میں ڈھک جائیں اور بڑے کی شکل اختیار کر لیں۔ کپڑے میں رکھنے سے یہ ہوگا کہ اضافی پانی جذب ہوجائے گا۔ اب ان بڑوں کو احتیاط سے فرائی پین میں تلتی جائیں اور چپٹی کفگیر کی مدد سے ایک خاکی کاغذ پر اتارتی جائیں اور کچھ دیر بعد نمک ملے پانی میں ڈال دیں جب پانی میں اچھی طرح ڈوب جائیں تو ایک، ایک کر کے باہر نکالیں اور ہتھیلی پر رکھ کر دوسرے ہاتھ سے ہلکا سا دبا کر پانی نچوڑ لیں پھر انہیں ایک ڈش میں سجاتی جائیں۔

سرو کرنے سے پندرہ بیس منٹ قبل ان پر مکس کیا ہوا دہی ڈال دیں اور اوپر سے املی کی چٹنی بھی...... ہرا دھنیا، ہری مرچ اور پسے ہوئے سفید زیرے سے سجاوٹ کریں۔

امینہ مشیر، نئی دہلی

ڈیٹس کوکیز

اشیا: نرم کھجوریں، (گٹھلی نکال کر میش کر لیں) آدھا کلو۔ میری بسکٹ، ہاف رول، مکھن، تین کھانے کے چمچ۔ باریک چینی، چار کھانے کے چمچ۔ انڈا، ایک عدد۔ ونیلا ایسنس، دو تین قطرے پسا کھوپرا، پون کپ۔

ترکیب: مکھن کو پگھلا کر شکر ملا لیں۔ اب اس میں میش کیے ہوئے کھجور، انڈا اور ایسنس پھینٹ کر ڈال دیں اور ان اشیا کو اتنا پکائیں کہ یہ اچھی طرح مکس ہوجائیں۔ اس میں تمام بسکٹ بھی چورا، چورا کر ڈالیں اور دو چار دفعہ چمچ چلا کر چولھے سے اتار کر اچھی طرح مکس کر لیں اگر کسی دھات کا بنا ہوا سانچا چوکور یا مستطیل شکل کا ہو تو اس میں یہ آمیزہ ڈال لیں اور دبا، دبا کر سطح ہموار کر لیں۔ ٹھنڈا ہونے پر ایک چھری پر مکھن لگا کر چوکور، چوکور ٹکڑوں کی شکل میں اس آمیزے کو کاٹ لیں اور پسا ہوا ناریل چھڑک کر ریفریجریٹر میں رکھ کر خوب ٹھنڈا کر کے پیش کریں۔

نفیسہ آرا، راس الخیمہ

سحری کے لیے خصوصی اہتمام ثنا مرتضیٰ نے کراچی سے بھیجا ہے۔

چکنی پھینیوں اور بھاری کھجلوں کے بجائے سادہ سی دودھ سویاں استعمال کریں یا سوجی، روا بھون کر دودھ میں ڈال کر حریرے کی شکل میں نوش فرمائیں۔ سارا دن طبیعت ہلکی رہے گی۔



بزمِ پاکیزہ پاکیزہ بہنیں

پہلا انعام یافتہ سوال

☆ ماہ رخ، حیدر آباد

سوال: دولت ہاتھ کی میل ہے تو پھر اس کو کوئی اتارتا کیوں نہیں؟

جواب: کیا مطلب...... اپنی تو میل بھی سب سے پیاری...... تو پھر کیوں اتاریں۔

دوسرا انعام یافتہ سوال

☆ ناعمہ تحریم، کراچی

سوال: نوشتۂ دیوار کیا ہے اسے پڑھنے کو ہی کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: چلو تم مٹا دینا تا کہ دیواریں صاف ہو جائیں۔

☆ پروین افضل، بہاول نگر

سوال: اگر کسی کو دیکھ کر دل دھڑکنا بھول جائے تو؟

جواب: پھر تو اسپتال کی ایمرجنسی کی طرف دوڑ لگانی چاہیے۔

سوال: وفا کے بدلے وفا کیوں نہیں ملتی؟

جواب: یہی تو المیہ ہے، خود وفا کرتے نہیں تو پھر وفا کیوں ملے۔

سوال: ہر بار عید والے دن میرے میاں جانی ہلکی پھلکی عیدی کیوں دیتے ہیں؟

جواب: آپ نازک سی ہیں بھاری بھرکم اٹھا جو نہیں پائیں گی۔

☆ نسرین یاسین، حیدر آباد

سوال: گھاٹے کا سودا کب اچھا لگتا ہے؟

جواب: محبت میں۔

سوال: بیوی کی اداکاری کے جوہر کب کھلتے ہیں؟

جواب: شادی کے اگلے دن ہی میکے والوں کی آمد پر......

☆ مریم کاشف، لطیف آباد

سوال: کار میں شور سے نجات پانے کا عمدہ طریقہ کون سا ہے؟

جواب: کار میں بیٹھنا چھوڑ دیں۔

سوال: بے بھاؤ کے جوتے کب پڑتے ہیں؟

جواب: جب چوراہے پر بھانڈا پھوٹتا ہے۔

سوال: سالگرہ کی تقریب میں اسے دیکھتے ہی بے ساختہ میرے منہ سے نکلا؟

جواب: اوہ معاف کرنا تحفہ تو میں گھر ہی بھول آئی۔

☆ زرمینہ خان، بہارہ کہو

سوال: ایک فقیر یہ آواز لگا رہا تھا کہ زمین چپ ہے آسمان چپ ہے اس شہر کا اب ماجرہ کچھ ہے۔ کیا مطلب ہے اس کی صدا کا؟

جواب: رات ہو رہی ہو گی ناں بھئی......

سوال: اچھا یہ تو بتائیں پلیز ہمیں کسی پر اعتبار کرنا ہو تو کیسے کریں؟

جواب: یہ تو اپنے دل میں جھانک کر دیکھو جواب مل جائے گا۔

☆ فلک بنت ندیم، گریانی لائن

سوال: میرے ابو جان مجھے پروفیسر اور امی جان ڈاکٹر کہہ کر بلاتے ہیں آپ کے خیال میں، میں کیا ہوں؟

جواب: وکیل......

سوال: دھنک کے تو سات رنگ ہوتے ہیں بتائیں میک اپ کے بعد ایک خاتون کے چہرے پر کتنے رنگ ہوتے ہیں؟

جواب: خودنمائی کے جتنے رنگ گن سکتی ہو، وہ سب ہوتے ہیں۔

سوال: جھوٹ اور سفید جھوٹ میں کیا فرق ہے؟

جواب: وہی فرق جو حقیقی آنسو اور مگرمچھ کے آنسوؤں میں ہوتا ہے۔

☆ صائمہ، ٹنڈو محمد خان

سوال: دنیا کا سب سے بڑا خطرناک جادو کہاں ہوتا ہے؟

جواب: گوگل پر سرچ کرلو، ہم بتائیں گے تو کوئی برا مان جائے۔

سوال: جب لڑکے کلاس میں باتیں کررہے ہوں ٹیچر کہتی ہے آپ کلاس میں کیوں شور مچا رہے ہو باہر نکل جاؤ اور جب لڑکیاں کلاس میں باتیں کرتی ہیں تو یہی ٹیچر کہتی ہے ہاں بھئی کیا باتیں ہورہی ہیں کچھ ہمیں بھی تو پتا چلے......ایسا کیوں؟

جواب: اب اپنی صنف کا اتنا دفاع کرنا تو بنتا ہے ناں بھئی۔

☆ ارم کمال، فیصل آباد

سوال: رات کو نیند نہیں آنے پر تارے گنے جاتے ہیں اور اگر دن میں نیند نہیں آئے تو؟

جواب: گلی میں آنے والے پھیری والے گن لیں۔

سوال: چار دن کی چاندنی کے بعد اندھیری رات کیوں آتی ہے؟

جواب: اگلے چار دن چاندنی چھانے کے لیے رات آنا ضروری ہے۔

سوال: کائنات کا سب سے خوب صورت اور اچھوتا رشتہ کون سا ہے؟

جواب: پہلے تو خدا اور بندے کا اور پھر ماں اور بچے کا۔

☆ عابش جنجوعہ، تونسہ شریف

سوال: آنٹی لوگ تو ہمیں آسانی سے دھوکا دے جاتے ہیں، ہم جوابی کارروائی کیسے کریں؟

جواب: ان کے لیے ہدایت کی دعا کر کے۔

سوال: آنٹی نخرے دکھا کر توجہ کیسے حاصل کی جاتی ہے؟

جواب: ارے اپنی بھابی سے اتنا بھی نہ سیکھا۔

☆ ایمن رانی، کمالیہ

سوال: دنیا ہاتھ سے نکل جائے تو بندہ غریب ہوجاتا ہے اور اگر یہی دنیا دل سے نکل جائے تو......؟

جواب: درویش۔

سوال: کون سی خواتین میک اپ کے بغیر گھر سے باہر جاتی ہیں۔

جواب: بااعتماد۔

☆ حمنیٰ قندیل، ٹوبہ ٹیک سنگھ

سوال: مجھے نیند نہ آئے مجھے چین نہ آئے......امتحان کے دنوں میں یہ کیفیت کیوں ہوجاتی ہے؟

جواب: ہر نالائق شاگرد کا یہی حال ہوتا ہے، اب تو عادی ہوگئی ہوگی۔

سوال: پہلے وہ دنیا کی حسین ترین لڑکی تھی مگر اب......

جواب: بیوی بن گئی ہے۔

☆ ساجدہ ظفر، کمالیہ

سوال: میاں جانی جب میری عقل کے بڑھنے پر تعریف کرتے ہیں تو مجھے فخر محسوس ہوتا ہے مگر جب عمر کے بڑھنے کا ذکر کرتے ہیں تو مغموم ہوجاتی ہوں، کیا وجہ ہے؟

جواب: ارے وہ نہیں سنا کیا ’بزرگی بہ عقل است نہ بہ سال‘

سوال: بھینس کے آگے بین بجانا بیکار ہے اور سرتاج کے آگے؟

جواب: وہ تو ڈفلی بجائی جاتی ہے ’’بچہ جمورا‘‘ کے لیے۔

☆☆☆



☆زرینہ مشتاق، منڈی بہاؤالدین

سوال: باجی آنکھوں کا میک اپ چھڑانے کا آسان طریقہ بتائیں، ہم کسی کریم یا لوشن سے صاف کرتے ہیں تو تکلیف بھی ہوتی ہے اور نشان بھی پڑ جاتے ہیں۔

جواب: ایک تو کوشش کریں کہ میک اپ کم سے کم استعمال کریں اور اگر کریں تو نہایت معیاری ہو......اور تقریب سے آکر فوری صاف کریں تاکہ میک اپ کا باریک سے باریک ذرہ بھی جلد پر نہ رہے...... چہرے اور آنکھوں سے میک اپ کی صفائی کے لیے روغنِ بادام یا روغنِ سفید تل بہترین ہے، یہ واٹر پروف مسکارا اور آئی لائنر کو بھی آرام سے اتار دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اپنی جلد کی ساخت کے حساب سے کسی نائٹ کریم کا بھی استعمال کریں۔

سوال: باجی ایک بات اور کہ وٹامن سی تو مالٹے، کینو میں ہوتا ہے اگر اس کا موسم نہ ہو جیسے کہ آج کل......تو ہم یہ وٹامن سی کیسے حاصل کریں۔

جواب: آپ کی بات بالکل درست ہے، وٹامن سی کینو، موسمبی کی اقسام کے علاوہ، لیمو، مرچیں، بروکلی اسپراؤٹس، کیوی فروٹ، ٹماٹر، ہرے پتوں والی تمام سبزیوں میں، پپیتا، آم، پھول گوبھی، بند گوبھی، رس بھری اور انناس میں پایا جاتا ہے۔ وٹامن سی عمر رسیدگی کے اثرات روکنے میں اہم کردار کرتا ہے۔ وٹامن سی کولاجن جو جلد کی شادابی کا باعث ہے اس کے پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

☆ماہ نور خان...... بہارہ کہو

سوال: آپی جی موسم گرما ہے اور پسینے کی آمد...... اس کی ناگوار . . . سے کیسے بچا جائے۔ کوئی طریقہ بتائیں۔

جواب: جی ہاں یہ تو خیر موسم کا تحفہ سمجھیں یا کچھ بھی...... مگر پسینہ آنا صحت مندی کی علامت ہے اس کا تدارک یوں کر سکتے ہیں کہ ایک دفعہ کے پہنے کپڑے دھوپ میں ضرور ڈالیں۔ اس کے علاوہ اپنی جسمانی صفائی کا خاص خیال رکھیں۔

اس موسم میں زیادہ مرغن اور تلی ہوئی اشیا کے بجائے موسمی پھل اور کچی یا ابلی سبزیاں استعمال کریں۔

نہانے کے پانی میں عرقِ گلاب یا تازہ گلاب کی پتیاں شامل کریں۔ نہانے کے بعد ایک ڈونگا پانی میں دو قطرے ڈیٹول کے ڈال کر پانی جسم پر ڈالیں۔

نہانے کے پانی میں پھٹکری کا ڈلا شامل کر لیں۔ نہانے کے بعد زیرِ بازو پھٹکری کے ہموار ٹکڑے کو آہستگی سے ملیں تو پسینے کی بدبو نہیں آئے گی۔ اس کے علاوہ جسم خشک کر کے ٹالکم پاؤڈر کا استعمال ضرور کریں۔ آج ہم بہنوں کو پاؤڈر بنانے کی ترکیب بھی بتائیں گے۔

ٹالکم پاؤڈر بنانے میں دراصل ایک جوہر mica silk استعمال کیا جاتا ہے جو سفوف کی حالت میں ملتا ہے۔

ہوم میڈ ٹالکم پاؤڈر

اجزا...... ٹالکم پاؤڈر (بغیر خوشبو والا) چھ کھانے کے چمچ۔ (جہاں حکیمی اور نباتاتی اشیا ملتی ہیں وہاں سے...... یہ آسانی مل جائے گا)

کارن فلاور 2 کھانے کے چمچ، روغن گلاب، روغن چنبیلی یا پیپرمنٹ آئل...... 5 سے 7 قطرے، یہ اشیا کھلے منہ کی شیشے کی بوتل میں اچھی طرح مکس کریں۔ اس سائز کی شیشی ہو کہ پاؤڈر کا پف بہ آسانی آسکے۔ اب اس میں پف ڈال کر رکھ دیں اور یہ استعمال کریں۔ پارلر والے اس طرح کی اشیا خود تیار کرتے ہیں۔

کارن فلاور کا ایک نسخہ اور بھی ہے کہ یہ ریشز (rashes) میں نہایت سود مند ہے چاہے بڑوں کے ہوں یا بچوں کے......بس جسم کی سطح کو خشک کر کے کارن فلاور پف کی مدد سے لگائیں۔

☆☆

روحانی مشورے

ادارہ

فضیلتِ ماہِ رمضان

☆حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ ''جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں اور شیاطین کو قید کردیا جاتا ہے۔''

☆ماہ صیام رحمتوں کا، برکتوں اور مغفرتوں کا مہینہ ہے جس نے اس ماہِ مبارک سے فیض نہیں اٹھایا وہ خسارے میں رہا۔ فیض اٹھانے کا مطلب ہے جو عبادات اور اوراد و وظائف اس ماہ بتائے گئے ہیں وہ خضوع و خشوع سے بجالانا، واجبات کی بروقت اور رجوعِ قلب سے ادائیگی اور حقوق العباد کا بطریقِ احسن ادا کرنا۔

مندرجہ ذیل امور کی پیروی کریں۔

☆استغفار کی تسبیح

☆درود پاک کی تسبیح

☆سورۂ قدر اور سورۂ اخلاص کا ورد

☆قرآن پاک کی تلاوت جس قدر ممکن ہو۔

انواع واقسام کے طعام کے اہتمام میں وقت صرف کرنے کے بجائے عبادات اور حقوق العباد کی جانب دھیان دیں۔

☆تزکیۂ نفس کی جانب سعیِ مسلسل......

☆حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ماہِ رمضان المبارک بہت ہی بابرکت اور فضیلت والا مہینہ ہے۔ صبر وشکر اور عبادات کا مہینہ ہے اور اس ماہِ مبارک کی عبادت کا ثواب ستر درجہ عطا ہوتا ہے جو کوئی اپنے پروردگار کی عبادت کر کے اس کی خوشنودی حاصل کرے گا اس کی بہت بڑی جزا خداوند تعالیٰ عطا فرمائے گا۔

☆ماہِ رمضان المبارک میں روزانہ ہر نماز کے بعد اس دعائے مغفرت کو تین مرتبہ پڑھنا بہت افضل ہے۔

استغفر اللہ العظیم الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم الیہ توبتہ عبد ظالمہ لا یملک نفسہ ضرا ونفعا ولا موتا ولا حیاۃ ولا نشوراط

☆رمضان شریف میں ہر نمازِ عشا کے بعد روزانہ تین مرتبہ کلمۂ طیبہ پڑھنے کی بہت فضیلت ہے۔ اول مرتبہ پڑھنے سے گناہوں کی مغفرت ہوگی۔ دوسری دفعہ پڑھنے سے دوزخ سے آزاد ہوگا۔ تیسری بار پڑھنے سے جنت کا مستحق ہوگا۔

خصوصی عبادت

ماہِ رمضان کی آخری طاق راتوں میں ہر طاق شب میں شبِ 19 سے لے کر شبِ 29 تک دو رکعت نمازِ حاجت پڑھیں اور قرآن شریف میں موجود چودہ سجدوں کی آیات باری، باری پڑھ کر سجدہ کرتے جائیں۔ اور آخر میں کوئی ایک شدید حاجت طلب کریں۔ انشاء اللہ وہ حاجت توضرور پوری ہوگی۔

نوٹ: (ہر شب میں نماز کے بعد تمام چودہ آیات سجدہ پڑھ کر چودہ سجدے کرنے ہیں)

فضیلت شبِ قدر

حضورِ انور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میری امت میں سے جو مرد یا عورت یہ خواہش کرے کہ میری قبر نور کی روشنی سے منور

ہو تو اسے چاہیے کہ ماہِ رمضان کی شبہائے قدر میں کثرت کے ساتھ عبادتِ الٰہی بجا لائے تاکہ ان مبارک اور متبرک راتوں کی عبادت سے اللہ پاک اس کے نامۂ اعمال سے برائیاں مٹا کر نیکیوں کا ثواب عطا فرمائے۔ شبِ قدر کی عبادت ستر ہزار شب کی عبادتوں سے افضل ہے۔

نفل نماز

اکیسویں شب کو چار رکعت نماز دو سلام سے پڑھے ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ قدر ایک مرتبہ پھر ایک بار سورۂ اخلاص پڑھے۔

وظیفہ

ماہِ رمضان المبارک کی اکیسویں شب کو اکیس مرتبہ سورۂ قدر پڑھنا بھی بہت افضل ہے۔

☆ ماہِ رمضان کی آخری طاق راتوں میں شب قدر پنہاں ہے لہٰذا ہر رات کی عبادت بڑھ کر کرنی چاہیے۔

☆ اعتکاف کا عمل بہترین ہے بشرطیکہ اس کے تقاضے پورے کیے جائیں اور اختتام اعتکاف پر ایسے مزکیٰ و مصفیٰ نکلنا چاہیے کہ گویا دنیاوی آلائشوں سے ذہن و دل حقیقی معنوں میں پاک ہوجائے اور احکامِ دین کے مطابق زندگی بسر کرنا مقصدِ خاص ہوجائے۔

☆☆☆

توبہ و استغفار سے رزق وسیع ہوجاتا ہے

☆ جو شخص زیادہ استغفار کرے گا اللہ تعالیٰ اسے رنج سے نجات دے گا، تنگی سے نکال دے گا اور اسے وہاں سے عطا فرمائے گا جہاں سے اسے گمان تک نہیں ہوگا۔ (حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

☆ اپنے پروردگار سے مغفرت کی دعا مانگو وہ بڑا بخشنے والا ہے (اور) تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا اور مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لیے باغ بنائے گا اور تمہارے لیے نہریں جاری کرے گا۔ (سورۂ نوح آیت 10 تا 12)

''جس کے رزق میں تاخیر ہوجائے، اسے کثرت سے تکبیر (اللہ اکبر) کہنا چاہیے اور جس کے رنج و غم بڑھ جائیں اسے کثرت سے استغفار کرنا چاہیے۔ (ارشاد رسول مقبول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

☆ جب تمہارے رزق میں تاخیر ہوجائے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو، تمہارا رزق وسیع ہوجائے گا۔

شادی کے لیے وظیفہ

☆ جو اپنی بہن یا بیٹی کی شادی کے لیے پریشان ہوں کسی بھی فرض نماز کے بعد دو رکعت نماز برائے حاجت پڑھے اور نماز سے سلام پھیرنے کے بعد اپنی حاجت دل میں رکھتے ہوئے سو مرتبہ اسم مبارک یا لطیفُ کا ورد کم از کم ایک ماہ تک روزانہ کرے۔

☆ اگر کسی لڑکی کا کہیں سے رشتے کا پیغام نہ آتا ہو یا بات نہ بنتی ہو تو والدین میں سے کوئی یہ اسم مبارک یا مغنی عشا کی نماز کے بعد گیارہ مرتبہ گیارہ روز تک اس طرح پڑھے کہ جمعرات سے شروع کرے اور اگلے اتوار کو ختم کرے۔ خدا تعالیٰ غیب سے آسانیاں پیدا کرے گا۔ (انشاء اللہ)

☆ اگر کسی باعث لڑکی کے لیے شادی کا پیغام نہ آتا ہو یا بات بنتی نظر نہیں آتی ہو تو وہ خود بعد نمازِ عشا اسم مبارک یا معطی گیارہ ہزار مرتبہ روزانہ گیارہ دن تک اسی طرح پڑھے کہ جمعرات کے دن سے شروع کر کے اگلے اتوار کو ختم کرے۔ انشاء اللہ العزیز مقصد پورا ہوگا۔

☆☆☆

شوابے ہومیو کلینک

SCHWABE



اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جا رہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔ (اپنے علاقے میں دوا نہ ملنے کی صورت میں ہم سے رجوع کریں)

رمضان میں احتیاطی تدابیر

۱۔ روزہ رکھنے کا مضبوط ارادہ اور نیت کریں تاکہ اللہ راضی ہو جائے۔

۲۔ سحری میں پانی اور لسی کا استعمال زیادہ کریں۔

۳۔ مرغن کھانے بالکل بھی استعمال نہ کریں۔

۴۔ کوشش کریں کہ کام سحری کے بعد شروع کر دیں۔ ۱۱ سے ۴ بجے تک دھوپ کی تپش میں نہ نکلیں اور اگر نکلنا ضروری ہو تو ٹوپی، کیپ، چھتری، تولیا، رومال وغیرہ کا استعمال کریں۔

۵۔ نہائیں، منہ دھوئیں کئی بار۔

۶۔ افطار میں کھجور کے بعد پانی کا استعمال ضرور کریں۔ تازہ پھلوں کا جوس بھی لے سکتے ہیں۔ کھانے سے زیادہ پانی پر توجہ دیں۔ ٹھنڈے اور کھٹے مشروبات و چیزوں سے پرہیز کریں۔ اس طرح آپ بخار، نزلہ، کھانسی، گلے کی خرابی، گیس، تیزابیت، بدہضمی، الٹی و دست سے بچے رہیں گے۔

۷۔ ہر وہ بیماری یا حالت جس میں روزہ رکھنے سے کمزوری یا بیماری بڑھنے کا خدشہ ہو اللہ تعالیٰ نے رخصت دی ہے۔ اپنے معالج سے ضرور مشورہ کریں۔

☆☆☆

ٹوکن

برائے شوابے ہومیو کلینک

جولائی 2017ء

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: ____________

پتا: ____________

____

میں 3 مرتبہ ایک گھونٹ پانی Thlaspi BursaQ, AlfalfaQ دن میں 3 بار 5 قطرے ایک گھونٹ پانی کے ساتھ لیں۔

چہرے پر بال

مس ارم......فیصل آباد

میری عمر 24 سال ہے اور کچھ دنوں میں میری شادی ہونے والی ہے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے چہرے پر بال ہیں تھریڈنگ کرا کرا کے تنگ آ گئی ہوں۔ دوسرا مسئلہ میری رانوں پر نشان ہیں۔ کوئی اچھا نسخہ تجویز کریں تا کہ میری پریشانی ختم ہو، مہربانی ہوگی۔

جواب: بی بی ہارمونز کی خرابی کی وجہ سے بھی ایسا ہوتا ہے۔ اپنے ماہانا نظام کے متعلق بھی لکھیں۔ آپ کا وزن کتنا ہے اور رانوں پر جو نشان ہیں وہ کب سے ہیں کیسے ہیں' پہلے کے مقابلے میں اب ان کا سائز کلر وغیرہ کیا ہے؟ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Oleum jec 30 5,5 قطرے ایک گھونٹ پانی میں دن 3 مرتبہ' Graphites 30 اور Pulsatilla 30 کے بھی 5، 5 قطرے ایک گھونٹ پانی دن میں 3 مرتبہ لیں۔ ایک ماہ بعد تفصیلی خط لکھ کر اپنی کیفیت سے آگاہ کریں۔

خون کی کمی اور کمزوری

رعنا......لاہور

تقریباً 2 سال پہلے 3 ماہ کا حمل ضائع ہو گیا۔ اس کے بعد سے ماہانہ ایام ٹھیک نہیں ہیں...... صبح اور دوپہر کو سو کر اٹھتی ہوں تو طاقت نہیں ہوتی، آدھا گھنٹا پڑی رہتی ہوں پھر اٹھتی ہوں ورنہ...... دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے لیکوریا کی تکلیف ہے۔ میرے ہاتھوں کے ناخنوں پر لکیریں بھی ہیں۔ خون کی کمی بھی ہے۔

جواب: صحیح علاج کے لیے صحیح تشخیص ضروری ہے اور صحیح تشخیص کے لیے مرض کی علامات و کیفیات، معائنہ' متعلقہ رپورٹس کا ہونا ضروری ہے، الٹرا ساؤنڈ کی رپورٹس کا ذکر تو آپ نے کیا ہے لیکن وہ لف کرنا بھول گئیں... بہر حال ایک ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی ادویات استعمال کر کے تازہ الٹرا ساؤنڈ اور کیفیات لکھ کر بھیجیں Bovista30 ,Sabina6 5 قطرے دن

سائنو سائٹس

عائشہ......کراچی

میں پاکیزہ کی بہت پرانی قاری ہوں اور ہومیو کلینک ضرور پڑھتی ہوں۔ ڈاکٹر صاحب میرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے عرصہ دس سال سے الرجی ہے۔ پہلے پہل مجھے زکام ہوا اور ناک بند ہو گئی۔ میں نے بہت علاج کروایا۔ ایکسرے سے معلوم ہوا کہ ناک میں بائیں طرف ہڈی بڑی ہوئی ہے۔ میں نے آپریشن نہیں کروایا۔ لیکن ڈاکٹری، حکیمی اور ہومیو علاج کروایا مگر کوئی افاقہ نہیں ہوا، مجھے سردی گرمی زکام نزلہ رہتا ہے، کوئی دن ایسا نہیں جو مجھے ریشہ نہ آیا ہو۔ چھینکیں آتی ہیں۔ ناک فوراً بند ہو جاتی ہے۔ جلن اتنی زیادہ ہوتی ہے جیسے آگ لگی ہو یا مرچیں لگ جائیں۔ سو کر جب اٹھتی ہوں تو سر کے سائڈ اور پیچھے کی طرف درد ہوتا ہے۔ سجدے میں جاتی ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ ماتھا کھنچ رہا ہو اور چکر آتے ہیں۔ ریشہ گلے میں گرتا ہے تو کھانسی آتی ہے لیکن کھانسی کچھ دن کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔

نوٹ: ریشہ بعض اوقات گٹھلیوں کی طرح منہ کے راستے نکلتا ہے۔ کبھی سبز اور کبھی سفید ہوتا ہے۔ اب تو ناک بھی زیادہ بند رہنے لگی ہے۔ روزانہ گولی کھاتی ہوں۔ لیکن الرجی پھر بھی ہوتی ہے۔ میں نے ہر قسم کی گولیاں، ناک بند ہونے کے اسپرے، قطرے سب استعمال کر لیے لیکن آرام نہیں آیا۔ وزن بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ اور روز بروز بڑھ رہا ہے۔ مجھے ہائی بلڈ پریشر ہے جو کہ موروثی ہے۔ تقریباً 160/95 تو رہتا ہے۔ میں گولی روزانہ کھاتی ہوں۔ پنڈلیوں اور گھٹنوں میں درد رہتا ہے۔ ٹانگوں پر زور دیے بغیر ٹیکسی پر یا اوپر نیچے نہیں

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماء راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

چڑھ سکتی۔ مہربانی کر کے کوئی ایسی دوائی دیں کہ میں بھی نارمل زندگی گزار سکوں۔ امید ہے آپ جواب ضرور دیں گے۔ شکریہ۔

جواب: بی بی عائشہ آپ کو کرانک سائنوسائٹس DNS. اور Polyps ہیں۔ دھول مٹی سے اپنے آپ کو بچائیں۔ ماسک کا استعمال کریں۔ نیم گرم پانی میں نمک ڈال کر ناک میں اوپر چڑھا صبح اور شام، ساتھ میں ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Cinnabaris Pentarkan Ptk.31 کی دو گولیاں دن میں 3 مرتبہ چبا کر کھائیں۔ ViscumPentarkan Ptk.89 کے 11 قطرے دن میں 3 مرتبہ ایک گھونٹ پانی میں لیں اور Calc carb30 کے 5 قطرے ایک گھونٹ پانی میں 3 مرتبہ لیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے آگاہ کریں چہل قدمی کی عادت ڈالیں ۔ مرغی، نمک اور ٹھنڈی کھٹی چیزوں سے پرہیز کریں۔

ڈپریشن

شاکرہ......منڈی بہاؤالدین

محترم ڈاکٹر صاحب .... میرا بیٹا جس کی عمر 26 سال غیر شادی شدہ، وزن تقریباً ۵۰ کلو، میٹرک پاس اور کوئی روزگار نہیں۔ ایک سال پہلے بالکل ٹھیک ٹھاک تھا۔ روزگار نہ ہونے کی وجہ سے ٹینشن کا شکار ہوا ہے۔ اب چھوٹی چھوٹی باتوں کی ٹینشن لیتا ہے، اس وجہ سے کافی ڈپریشن کا شکار ہے، کبھی روتا ہے اور کبھی ہنستا ہے، کبھی گالیاں بھی بکنے لگتا ہے۔ سر میں سخت درد بھی ہوتا ہے نیند بہت کم آتی ہے۔ ذہنی اور جسمانی لحاظ سے کافی کمزور ہے۔ یادداشت بھی بری طرح سے متاثر ہوئی ہے۔ بچپن سے اسے شدید قبض رہتا ہے اور جو ہوا خارج ہوتی ہے وہ بہت بدبودار ہوتی ہے۔ ایلوپیتھی علاج کروا رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب میرا ایک ہی بیٹا ہے اور میں بیوہ ہوں۔ پاکیزہ کی پرانی قاری ہوں اور امید کرتی ہوں کہ آپ میرے بیٹے کا ٹھیک علاج تجویز کریں گے۔

جواب: دو رکعت صلوۃ الحاجات پڑھ کر دعا کریں۔ صبح فجر کے بعد سورۃ یسین اور مغرب کے بعد سورۃ الواقعہ کی تلاوت کریں۔ نماز کی سختی سے پابندی کریں۔ ہر چیز کا مالک اللہ ہے اور ہر کام اسی کی رضا سے ہوتا ہے۔ کوئی بڑا کام کرنے کے بجائے کوئی چھوٹا موٹا کام کریں۔ بلڈ پریشر چیک کرائیں، ناک کا معائنہ کرائیں۔ اس کو نزلہ ہوتا ہے؟ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی دوائیں استعمال کریں 15 دن کے بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

Stramonium30 , Belladona 30 اور Carboveg 30 کے 5,5 قطرے ایک گھونٹ پانی میں 3 مرتبہ اور LAIKAN ایک گولی دن میں 2 مرتبہ تھوڑے پانی کے ساتھ لیں۔

بال کالے ہوجائیں

امامہ......سیالکوٹ

میرا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ میرے سر کے تقریباً 80% بال سفید ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں۔ آپ پلیز کوئی اچھی سی دوا تجویز کریں کہ میرے بال کالے جائیں۔ لیکوریا تقریباً 14 سال سے ہے۔ ماہانہ نظام بھی ٹھیک نہیں ہے۔ میرا پیٹ اسی وجہ سے بڑھ گیا ہے۔ لیکوریا اور پیٹ میں دوائیوں سے وقتی طور پر افاقہ ہوتا ہے۔

جواب: غم، فکر، ناقص غذا، پانی غیر معیاری، شیمپو، تیل اور کچھ جسمانی تبدیلیاں جو وقت و عمر کے ساتھ ہوتی ہیں بالوں پر اثرانداز ہوتی ہیں۔ لگتا ہے کہ آپ لگ کر علاج نہیں کراتیں، فائدہ نہیں افاقہ ہونے پر علاج کو چھوڑ دیتی ہیں۔ ایسا نہ کریں بلکہ مستقل مزاجی کے ساتھ علاج کریں ورنہ مسئلہ گھمبیر ہو جائے گا۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Borax-30، Lycopodium-30، Calc. carb-30، Pulsatilla-30۔ ہر بوتل میں سے 7-7 قطرے آدھے کپ پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پئیں۔ دو ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

اندرونی خرابی

عاصمہ......فیصل آباد

مجھے جب بھی ماہواری آتی ہے الٹیاں آنا شروع ہوجاتی ہیں اور کچھ کھایا پیا نہیں جاتا۔ یوں لگتا ہے کہ جان نکل جائے گی۔ انگریزی دوا کھانی پڑتی ہے۔ میری کمر کے نچلے حصے، پٹھوں اور پنڈلیوں میں بھی درد ہوتا ہے۔ میرے سر کے بال بھی گرتے ہیں۔ میرے جسم پر سرخ دانے نکل رہے ہیں، کبھی کبھی ہاتھ بھی کانپتے ہیں۔ پیٹ اور کولھے پھیلتے جارہے ہیں۔ رنگ بھی خراب ہوگیا ہے۔ کبھی صاف لگتا ہے اور کبھی کالا۔ پانی پینے سے مجھے اپھارا ہوجاتا ہے۔ آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے بھی ہیں۔ چہرے پر بال نکل آئے ہیں جو پہلے نہیں تھے۔

جواب: پانچ وقت نماز کی پابندی کریں۔ صبح چہل قدمی کیا کریں۔ پانی کا استعمال کم ازکم 12 گلاس روز کریں۔ متوازن غذا دودھ، گوشت، سبزیاں اور پھلوں کا استعمال بڑھائیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات 3 ماہ تک استعمال کریں پھر اپنا حال تفصیل سے لکھیں۔ Sulphur-200 کی ایک خوراک سب سے پہلے لیں۔ صبح نہار منہ 5 قطرے آدھے کپ پانی میں ڈال کر ہر 3 ہفتے بعد لیں۔ اس سے ایک دن پہلے اور بعد کوئی اور دوا نہیں لیں۔
Ferrum met.-30، Calc. flour-30، Calc. phos-30، Pulsatilla-30 کے 7-7 قطرے آدھے کپ پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پئیں۔

جوڑوں کی آوازیں

محمد اسماعیل......ضلع جہلم

ڈاکٹر صاحب مجھے بچپن سے ہی گھٹنوں کے جوڑوں میں درد رہا ہے۔ جب میں ہلاتا تھا تو ٹک ٹک کی آواز آتی تھی اور مجھے سکون مل جاتا تھا۔ اب مجھے درد تو نہیں ہوتا البتہ اٹھتے بیٹھتے وقت گھٹنوں کے جوڑوں سے ٹک ٹک کی آوازیں آتی ہیں جیسے جوڑ کی دونوں ہڈیاں آپس میں رگڑ رہی ہیں۔ میں پاک فوج میں جانے کا خواہش مند ہوں لیکن جوڑوں سے آواز آنا کہیں مجھے ان فٹ نہ قرار دے۔ جلد از جلد مجھے اس کا علاج بتائیں، شکریہ......

محمد اسماعیل قرآن وحدیث کا مطالعہ کیجیے۔ نماز کی پابندی کیجیے۔ اللہ سے اپنی خطاؤں کی معافی مانگیے اور پھر اپنی صحت کے لیے دعا کیجیے۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات 3 ماہ تک استعمال کریں اور پھر تمام حالت تفصیل سے لکھیں۔ Calc. phos-30، Staphisagria-30 کے 7-7 قطرے آدھے گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ پئیں۔

امراض کا مجموعہ

معصومہ......گاؤں لنگر، ضلع اٹک

کافی عرصے سے پاکیزہ میں آپ کا کالم پڑھ رہی ہوں۔ سوچا آج اپنا مسئلہ بلکہ مسائل آپ کو لکھوں۔ مہربانی فرما کر میرے مسئلے کا حل بتادیں۔ میں بہت پریشان ہوں، میرے چہرے پر دانے اور داغ دھبے ہیں، چہرے اور سینے پر بال ہیں، پیٹھ پر بھی دانے ہیں جن کی وجہ سے زیادہ بیٹھنے سے جلن ہونا شروع ہوجاتی ہے، معدے کا مسئلہ، بالوں کا گرنا، سفید ہونا، دبلا پتلا جسم بالکل ہڈیاں ہیں گوشت بالکل بھی نہیں، نسوانی حسن بھی بالکل نہیں۔ خون کی کمی اور کیلشیم کی بہت کمی ہے۔ بلڈ ٹیسٹ، الٹرا ساؤنڈ، پیشاب ٹیسٹ رپورٹس بھجوا رہی ہوں۔ کوئی کریم یا میڈیسن بتادیں۔ چہرے اور جسم کے لیے بھی دوا تجویز کردیں۔ آپ کی بہت نوازش ہوگی۔ جواب جلد دے دیں کیونکہ دو ماہ بعد میری شادی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ رنگت صاف ہوجائے اور جسم بھی بھر جائے۔

جواب: اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اگر ہم صحیح تشخیص کر کے صحیح قسم کا علاج کریں (ہومیوپیتھک) تو کوئی وجہ نہیں کہ مرض سے نجات نہ ملے۔ ہاں صحت کے اصولوں کی پابندی یقیناً صحت اور حصولِ صحت

کے لیے شرط ہے۔ متوازن غذا کا استعمال کریں۔ لال گوشت (بکرا، گائے) ٹماٹر، پالک، سلاد، کدو، چھولے، آم، چیری، فالسہ، آلو بخارا وغیرہ کا بھرپور استعمال کریں۔ صبح سویرے اٹھیں۔ نمازوں کی پابندی کریں۔ ممکن ہو تو صبح کی نماز کے بعد کسی باغ میں چہل قدمی کریں۔ پانی کا استعمال زیادہ سے زیادہ کریں کم از کم 12 گلاس روزانہ، نہار منہ بھی پانی پئیں۔ کھانے سے پہلے اور کھانے کے دو گھنٹے بعد پانی کا استعمال کریں۔ شربت اور کولڈ ڈرنکس بالکل استعمال نہ کریں ان سے بھی دانے نکلتے ہیں۔ البتہ ستو، لسّی اور تازہ پھلوں کے جوس مفید ہیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Ferrum met-30، Calc. sulph-30 کے 5-5 قطرے آدھے گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پئیں۔ جبکہ Alfalfa-Ø کے 11 قطرے ہر کھانے کے بعد آدھے کپ پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ دو ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

عید صحت کے ساتھ

ویسے تو روزے بھی کچھ لوگوں کے بیماریوں میں گزرتے ہیں غذائی بد اعتدالیوں کے باعث اور جب عید آتی ہے تو لوگوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے اور یہ ہر اس کھانے پینے کی چیز پر ٹوٹ پڑتے ہیں جو اُن کی دسترس میں ہوتی ہے۔ گو رمضان کا سارا مہینہ کھانے پینے میں گزارا ہوتا ہے۔ رمضان میں لوگوں کو عموماً دو فکروں میں دیکھا ہے۔ پہلی یہ کہ سحری کیا کریں گے اور افطار میں کیا ہوگا؟ دوسری عید کی تیاری کیسے کریں اور اس کے لیے کیا کیا کریں؟ باقی رمضان کے مہینے کا جو مقصد ہے صبر، برداشت اور نظم وضبط یہ افطار کرنے اور عید کا چاند دیکھنے تک ہی ہوتا ہے۔

عید کی ابتدا چاند رات سے ہو جاتی ہے۔ گرمی کی وجہ سے کولڈ ڈرنکس، قلفی، آئسکریم، فالودہ اور گولا گنڈا وغیرہ کا استعمال بڑھ جائے گا۔ عید کی صبح شیر خورمہ، کیک، مٹھائیاں، کچوریاں، کچری کا قیمہ، بوٹیاں، کباب بوٹی اور کلیجی وغیرہ کا استعمال ہوگا۔ ذرا غور کریں ان کھانے پینے کی چیزوں میں شوگر کتنی ہے؟ کولسٹرول کتنا ہے؟ ان کو کھانے کے بعد آپ کتنا ورزشی کام کر رہے ہیں؟ بیٹھ کر یا لیٹ کر ٹی وی کے آگے یا عزیز رشتے داروں کے ساتھ وقت گزارتے ہیں۔ (یہاں میرے نوجوان، بچے اور ساتھی برگر، پیزا، بریانی، فرائز وغیرہ ... بیان کردہ خرابیوں سے مبرا نہ سمجھیں کہ وہ ان چیزوں کا استعمال کرنے لگیں)

بلڈ پریشر، دل کے دورے، یورک ایسڈ کی زیادتی، شوگر کا بڑھنا، کولسٹرول کی زیادتی اس کی وجہ سے گردے کا فیل ہونا، گلے کی خرابی، بد ہضمی۔

(الٹی ودست)، ہماری اِن بداعتدالیوں کے باعث عید کے موقع پر بہت بڑھ جاتے ہیں۔ رمضان تو جیسے تیسے گزرا تھا عید کا دن ان بیماریوں کی وجہ سے ہسپتال میں گزرتا ہے۔

کولڈ ڈرنکس، تمام لال، پیلے، ہرے رنگ کے شربت جن کو ہم بے ضرر سمجھتے ہیں ہمارے جسم کے لیے زہر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دل کا دورہ، ہائی بلڈ پریشر، شوگر، وزن کی زیادتی وغیرہ ان کی وجہ سے بھی ہوتے ہیں۔ خود بھی اور مہمانوں کو بھی پانی، ستو، لسی، کیری، بیلگیری، فالسہ، اناناس وغیرہ، گھر کے بنے ہوئے شربت پئیں اور تواضع کریں۔

اس طرح عید کے دن اپنے آپ کو اور اپنے عزیز رشتے داروں کو صحت مند رکھیے۔ یاد رکھیے کہ صحت ہے تو سب کچھ ورنہ کچھ بھی نہیں۔ لہٰذا خوشی کے اس موقع پر دوسروں کی خوشیوں کو خراب کرنے کا باعث نہ بنیں۔ صبر و حوصلے سے کام لیتے ہوئے اعتدال میں رہیں۔ یہ ذہن میں رکھتے ہوئے کہ آنے والے دنوں میں بھی آپ ان چیزوں کو کھا اور پی سکتے ہیں۔ یہ صرف آج کے دن کے لیے نہیں۔